إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

الحمد للہ والمنۃ کہ کتاب لاجواب مقبول خاص و عام

جدید علم کلام

یعنی

سائنس اور اسلام

جسکو

حسب الارشاد حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرفعلی صاحب تھانوی مدظلہ

جناب مولانا سید محمد اسحٰق علی صاحب مدرس سابق مدرسہ جامع العلوم کانپور

نے علامہ حسین آفندی الجسر طرابلسی کی کتاب حمیدیہ

سے ترجمہ کرکے ضروری اور مفید حواشی کیساتھ مزین فرمایا تھا

باہتمام محمد شبیر علی مدیر رسالہ النور
تھانہ بھون ضلع مظفرنگر
[illegible]

besturdubooks.wordpress.com
besturdubooks.wordpress.com

فہرست مضامین سائنس اور اسلام

مضمون	صفحہ
التماس مترجم	۱
پہلا فرقہ اور اس کا شاہی خط پہچان کر اسکی سفارت کی تصدیق کرنا	۵
دوسرا فرقہ اور اس کا شاہی مہر کو پہچان کر تصدیق کرنا	۶
تیسرا فرقہ اور اسکا بادشاہ کی الفاظ پر [illegible] غور کر اور سلطانی زبان کو پہچان کر تصدیق کرنا	"
چوتھا فرقہ اور اسکا [illegible] طلب کرنا جو بادشاہ اور کسی کے پاس نہ تھے۔	"
پانچواں فرقہ اور اسکا گذشتہ سفیروں کے قول سے استدلال جو ایک سفیر کے آنے کی خبر اور اسکی علامتیں بتا گئے تھے	"
چھٹا فرقہ اور اسکا سفیر کے بعض ایسے کاموں کو جو رعایا کیلئے مفید اور نافع علم و حکمت [illegible] استدلال	۷
ساتواں فرقہ [illegible] انکار کرنے کے بعد بادشاہ کی [illegible] کے خلاف [illegible] تصدیق کرنا	"
آٹھواں فرقہ اور اسکا گذشتہ فرقوں کی اجماعی طور پر تصدیق [illegible]	۸
نواں فرقہ جسکو [illegible]	"
دسواں فرقہ جسکو اس شخص کی چال کا پیرایہ [illegible]	۹
یقین [illegible]	
[illegible]	۱۰
[illegible] شاہی انتظام کا سبق [illegible]	

مضمون	صفحہ
مثال مشروعیت جہاد	۱۱
ایک مو وجزیہ	"
سائنٹفک	"
مثال سابق کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے رسالت اور ان حالات پر منطبق کرنا جو آپ کو لوگوں کے ساتھ پیش آئے	۱۲
دعوی رسالت کے وقت آپکی حالت	"
لوگوں کا اپنی اپنی عقل اور طریق استدلال کے اعتبار سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں مختلف فرقوں پر منقسم ہو جانا	۱۳
فصحاء و بلغاء عرب کا قرآن کے معارضہ سے عاجز رہنا اور اسکی حقانیت تسلیم کر لینا	۱۴
ایک فرقہ کا قرآن کے غیبیات پر مشتمل ہونے اور مختلف آداب و اخلاق پر حاوی ہونے سے اسکی حقانیت پر استدلال	"
مضامین قرآن کی مختصر فہرست	۱۵
تیسرا فرقہ جس نے فصحاء و بلغاء اور منصف اشخاص کی شہادت کا اقتداء کرکے آپکی تصدیق کی اور نیز [illegible] باوجود کہ [illegible] قرآن کا [illegible]	۱۶
قرآن کی حقانیت پر سائنس کا استدلال	۱۷
چوتھا فرقہ جسنے معجزات طلب کیے اور [illegible] آپکی رسالت پر استدلال کیا	۱۸
شق القمر	۱۹
آپکی رسالت پر درخت کا شہادت دینا	"
سوسمار کا شہادت دینا	"
آپکی انگلیوں [illegible] پانی کا [illegible]	۲۰
پانچواں فرقہ جس نے سائنس کی [illegible] عقلی [illegible] دلائل سے استدلال کیا	۲۱

مضمون	صفحہ
کتب سابقہ کی وہ علامتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی بابت ظاہر ہوئیں	۳۰
اس زمانہ میں آپ کی شریعت اور انکے طرز انتظام کیا بتاتے ہے آپکے صدق پر ایک شہ اور نیا استدلال	۳۲
چھٹا فرقہ جو اخلاق اور آداب کا اعلیٰ [illegible]	۳۵
رسالت کی دو قسم کی دلیلیں ہوتی ہیں عقلی اور حسی	"
اس فرقہ کے استدلال کا اجمالی بیان	۳۶
شریعت کے عقائد حقہ پر مشتمل ہونے سے ان کا استدلال	۳۷
رسولوں کے بھیجنے میں کیا حکمت ہے	۳۸
رسولوں کی کیا شان ہوتی ہے	۳۹
شریعت کن اخلاق حسنہ کا حکم کرتی ہے اور کن اخلاق سیئہ سے منع کرتی ہے اور جنکی کیا آفتیں ہیں اور کونسے اعمال قبیح ہیں ان سب کا بیان	"
شریعت محمدیہ کی عبادات [illegible] اور انکی حکمتیں [illegible] کا اجمالی بیان	۴۴
نماز کے اوقات اذان اقامت میں کیا حکمتیں ہیں [illegible] اذان اقامت [illegible] الفاظ [illegible] اشارہ [illegible] سائنس [illegible] جواب دیتے ہیں	۴۵
نماز کے [illegible] رکعات [illegible] ہونیکی حکمت	۴۶
غسل وضو اور [illegible]	۴۷
شریعت [illegible] کا بیان	
[illegible]	۴۹

صفحہ	مضمون
۵۰	نماز میں کعبہ کیطرف منہ کرنیکی حکمت اور نیز اسکا بیان کہ اس منہ کرنے سے مقصود خدا ہی کی عبادت ہوتی ہے نہ کعبہ کی
//	نماز کے تکبیر سے شروع ہونے اور شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھانے کی حکمت
۵۱	سبحانک اللھم الخ اور اعوذ باللہ الخ کے شروع نماز میں پڑھنے کی حکمت
//	معوذ اور آیات سورہ فاتحہ کے اشارات کی تفصیل اور آمین کے معنی
۵۳	فاتحہ کے ساتھ ضم سورہ کی حکمت
//	رکوع و سجود اور جو کلمات اسوقت مشروع ہیں ان کی حکمت
۵۴	قعدہ اور اسکے متعلقات کی حکمت
//	تعداد رکعات اور نیز [illegible] پر مشتمل ہونیکی حکمت
۵۵	نماز پنجگانہ کو ان کے خاص خاص اوقات میں ادا کرنے کی حکمت
۵۶	وتر اور تراویح کی حکمت
۵۷	جماعت سے نماز پڑھنا اور جمعہ و عیدین اور حج وغیرہ جماعتوں میں مجتمع ہونیکی حکمت
۵۸	خطبہ کی حکمت
//	نماز کے فوائد اور جو لوگ اس سے غفلت کرتے ہیں اور اسکے فوائد سے محروم رہتے ہیں انکی تہدید اور انکے واسطے تباہی [illegible]
۶۰	زکوۃ کے فرض ہونیکی حکمت اور یہ کہ زکوۃ ادا نہ کرنے [illegible]
//	روزہ کے فرض ہونیکی حکمت اور اسکے فوائد [illegible] قوت دی ہے
۶۱	[illegible] نہ دینے والوں کی تہدید اور روزہ کے فوائد
۶۲	حج کے فرض ہونیکی حکمت اور اسکے فائدے
//	اسبات کا بیان کہ اعمال حج کے مقرر کرنے میں انسانی خیالات اور عادات کی جنکو وہ اپنے دنیاوی بادشاہوں کے ساتھ برتا کرتے ہیں بہت کچھ رعایت مدنظر رکھی گئی ہے اور احرام طواف سعی وغیرہ کی حکمتیں
۶۴	کعبہ کا نام بیت اللہ اور حجر اسود کا نام یمین اللہ رکھے جانیکی حکمت اور نیز ممنوعات احرام اور تقبیل حجر کی حکمت
۶۵	اعمال حج کے تعبدی ہونیکے معنی اور نیز یہ کہ عبودیت خدا ہی کیلئے ہے اور رسول اللہ صلعم کے اشرف اوصاف میں عبودیت شمار ہوتی ہے
۶۶	وادی منی میں اترنے اور ایام کو ایام عید کے [illegible] کی حکمت اور ذبح کا بیان کہ یہ سب کچھ بمنزلہ خداوندی ضیافت کے ہے
۶۷	مفسدوں کے حقوق کی حفاظت کیلئے جو قوانین شریعت میں ہیں انپر اس فرقہ کا مطلع ہو کر انکو اعلی درجہ کا پانا
۶۸	قوانین ازدواج اور ان کا نہایت پاکیزہ ہونا اور بہت سے نقصانات کے دفع کرنے کیلئے طلاق جائز ہونا وغیرہ
//	عورتوں کے پردہ میں رہنے کی حکمت اور یہ کہ پردہ انکے حق میں ظلم نہیں بلکہ بدمعاشوں سے انکی حفاظت کا ذریعہ ہے
۶۹	عورتوں کی بے پردگی اور انکے اجنبی مردوں سے میل جول کرنیکی خرابیاں
۷۰	قوانین معاملات بیع اجارہ وغیرہ کا شریعت محمدیہ میں نہایت عدل کے موافق ہونا جس سے تنازعات کا بہت کچھ انسداد ہو سکتا ہے
//	حدود و قصاص وغیرہ کی حکمت
//	حد سرقہ اور اسکی حکمت
۷۱	رجم محصن کی حکمت
//	جلد غیر محصن اور اسکے سو ہونیکی حکمت
//	حد شرب خمر اور اسکے اسی ہونیکی حکمت
//	حد قذف
۷۲	شریعت محمدیہ شرائع سابقہ کے احکام کی جامع ہے اور اسمیں انسان کی ہر حالت کے مناسب آپ نے قوانین مقرر کئے ہیں
//	انسان کی جملہ حالتوں کے موافق شریعت میں قواعد و آداب مقرر کئے گئے ہیں
//	شریعت کا سیاست مدن کے اصلی قواعد پر مشتمل ہونا اور نیز اسکی بحث کہ رسول اللہ صلعم کے احکام کا نفع [illegible] کی ذات اور آپکے کنبہ والوں ہی تک محدود نہیں [illegible]
//	اس فرقہ کیلئے جو اول حیثیت میں [illegible] کے لینے اور انکے مقرر کرو دینے کی حکمت ظاہر ہوئی اسکا بیان اور نیز یہ کہ آپنے اپنی ذات کے بعد کسی کو اپنا وارث نہیں بنایا اور کسی کیلئے خلافت کی وصیت کی بلکہ اسکو مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دیا
۷۳	رسول اللہ صلعم نے اپنا اور تمام مسلمانوں کی آل و عیال کے بارہ میں ہمیشہ مساوات مدنظر رکھی
//	تعدد ازدواج اور اسکے چار میں محصور ہونے اور رسول اللہ صلعم کے لئے چار سے زیادہ نکاح جائز ہونے کا راز اور ہر شخص کیلئے چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت کی حکمت
//	تمام امت کو چار سے زیادہ نکاح جائز نہیں
//	تعدد ازدواج کی حکمت
۷۴	چار شادیوں کی اجازت کی حکمت
//	بے انصافی نہ کر سکنے کی صورت میں تعدد شادی کی اجازت نہیں
//	[illegible] نہ بنانے کی حکمت
//	رسول اللہ صلعم کی ازواج سے آپ کی بعد نکاح حرام ہونا اور اسکی حکمت
۷۵	اس فرقہ نے تو اپنے بعد آنے والوں کیلئے استدلال کا بہت بڑا دروازہ کھول دیا

مضمون	صفحہ
خصوصاً جو زمانہ بعثت نبوی کے مدتوں کے بعد آئے ہیں ان کیلئے یہ بات مشکل اور بھی وسیع ہو گئی کیونکہ اتنی مدت کے گذرنے کے بعد بھی آپ کی شریعت کے احکام باقاعدہ رہے اور تحقیق نہیں ہوئی	
بعض لوگ جو شریعت کی حقیقت سے ناواقف ہیں انکا اس خیال کی غلطی کہ شریعت کے قوانین اس زمانہ کے موافق نہیں ہیں اور اصل یہ ہے کہ دوسری قوموں کے قواعد یا تو ناقص ہیں یا اسی شریعت سے ماخوذ ہیں اور کم سے کم اتنا تو ضرور ہے کہ کوئی مفید قاعدہ ایسا نہیں کہ وہ نہیں ہے اور شریعت اس سے خالی ہو	۷۸
بعض شخصوں کا قوانین حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے بہتر علماء شریعت کو اس امر کی مخالفت کرنا چاہیے۔	۷۹
جو مسلمان قواعد شریعت کی پابندی نہیں کرتا اس کی حالت سے شریعت پا اعتراض کرنا بڑی غلطی ہے۔	۔۔
فساق کی مثال	۸۰
ان لوگوں کے حالات جنکو لوگ علماء دین شمار کرتے ہیں اور ان کی حالت دیکھ کے شریعت پر اعتراض کرنا غلطی ہے اور علماء آخرت و علماء سوء میں فرق	۔۔
علماء سوء	۸۱
عالموں کی صورت بنا کر کھانے کمانے والوں کے فریب سے بچنا	۔۔
جاہل صوفیوں کی مذمت	۸۲
سچے صوفیوں کے حالات	۔۔
ساتویں فرقہ کا فرق سابق کی بالاتفاق رسول اللہ صلعم کی تصدیق کرنے سے آپ کے صدق پر استدلال	۸۳

مضمون	صفحہ
آٹھواں سائنٹفک اور مادہ کا قدیم جاننے والا دہریہ فرقہ زمانہ کی ضرورت کے موافق	۸۴
اس فرقہ سے طول طویل تفصیلی گفتگو کی گئی	
اس فرقہ کیلئے محمد صلعم کے حالات سے بحث کیا جانا باعث ہوا اور اس فرقہ نے بزعم خویش کے بعد تمام لوگوں نے رسول اللہ صلعم کے اتباع کرنے کا کیا ہی سبب قرار دیا	۸۵
اس فرقہ کا اس امر کو جاننا کہ ہم تمام چیزوں کے پہلے پورے واقف نہیں اپنے ہی کو سمجھنا اور اس بات کا قائل ہونا کہ اور حقائق ایسی موجود ہو سکتی ہیں جن کا پتہ ہمیں ابتک نہیں لگا ہے	۸۸
اس فرقہ کا ایک اس دعوے پر کہ ہم [illegible] کو نہیں مانتے اور حقائق کو دریافت کئے [illegible] اپنے قول پر یہ بکا اعتراف کرنا اور نیز یہ کہ اس عالم کے علاوہ کسی دوسرے عالم کو نہ ماننا محض تحکمی بات ہے	۸۹
اس فرقہ کا اندیشہ کہ شاید رسول اللہ صلعم کا دعوی سچا ہو اور پھر بھی انکو بچنے کی صورت کر کے اسکا قطعی فیصلہ کرنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی اچھی طرح جانچ کرنا ہی ٹھیک ہے۔	۹۰
شریعت محمدیہ کے مقامات پر انکا مطلع ہونا جنمیں سے بعض انہیں اپنے علوم کے خلاف معلوم ہوئے ہیں اور جنکی وجہ سے وہ چاہتے کہ شریعت کے حال سے بحث کرنا چھوڑ دیں لیکن انہیں بحث کرنے کے بارہ میں اپنا قطعی فیصلہ دیا گیا	۹۲
اس فرقہ کا مسائل شریعت کے ماننے کیلئے ایک شرط یعنی علم پر اعتماد کرنے کی شرط کا ہونا	۹۴
اس علم کا فلاسفہ قدیمہ کے مذہب کا انکار دریافت کرنا اور ان کا بیان کرنا	۔۔
مادہ۔ حرکت۔ ارتقاء۔ حیات۔ جبلت۔ انسان کے بارہ میں فلاسفہ جدیدہ کا خیال	۹۵

مضمون	صفحہ
مجموعی عالم کا مادہ کے حدوث کو ثابت کرنے کے لئے تمہید بیان کرنا	۹۷
ابطال مذہب فلاسفہ کی تمہید	۔۔
ابطال مذہب فلاسفہ کیلئے انکے مسلمات میں تطبیق انکو جواب کہ مادہ و مادہ کا قدیم ہونا	۹۸
حدوث مادہ کی اول دلیل منطقی حیثیت سے	۱۰۱
دوسری دلیل	۔۔
دلیل ثانی منطقی حیثیت میں	۱۰۲
دلیل اثبات ان کے مقدمات میں جو انکا ترجیح بلا مرجح کی توضیح	۱۰۳
اثبات آلہ	۱۰۴
بطلان دور	۔
دور صحت جائز ہے	۱۰۵
ابطال تسلسل	۔۔
کے مقدمات کا بیان	۔۔
برہان تطبیق سے تسلسل کا بطلان ثابت کرنا	۔۔
برہان سلمی سے بطلان تسلسل کا ثبوت	۱۰۶
خدا کا قدیم لذاتہ ہونا	۔۔
خدا کا مرید اور مختار ہونا	۱۰۷
خدا کیلئے کمال علم و قدرت ثابت کرنا	۔۔
ایک مثال کہ خدا کے علم و قدرت کو سمجھانا اور یہ ظاہر کرنا کہ حرکت اجزاء مادہ کو انواع بننے کا سبب قرار دینا غلطی ہے	۱۰۸
اہل سائنس کو یہ بتانا کہ وہ اپنے مسلم عقیدہ پر کہ بغیر مشاہدہ ہم کچھ نہیں مانتے مسلم نہیں رہے اور انکے جھوٹے عقلی شواہد پیش کرنا اور ثابت کرنا کہ وہ عقلی استدلالات کو بغیر مانے نہیں رہ سکتے	۱۰۹
خدا کے ثابت ہو جانے کے بعد تو شواہد عالم کی پیدائش کی گفتگو کرنی ہے وجود کی ضرورت نہیں	۔۔
ایک خیالی عالم کی مثال دیکر ثابت کرنا کہ [illegible]	۱۱۰
سائنس کا مذہب تحقیق عالم کے بارہ میں حقیقی تجربہ ہے	

مضمون	صفحہ
خدا کا علم ارادہ اور قدرت آپس میں ایک کن کن اشیاء کے ساتھ متعلق ہو سکتا ہے	۱۱۰
خدا کے ارادہ و قدرت کا تعلق واجب اور محال کے ساتھ نہیں ہو سکتا	۱۱۱
خدا ہر شے کو جانتا ہے خواہ وہ موجود ہو یا گذشتہ یا آئندہ	//
اثبات قضا و قدر اور اس کے حق کی توضیح	//
اشیاء اور اوہام کی پیشین گوئی کی حقیقت	۱۱۲
خدا زندہ ہے	//
خدا مادہ کے تمام خواص سے مبرا ہے	//
خدا مکان اور محل کا محتاج نہیں	۱۱۳
خدا کے عرض نہ ہونے پر دوسری دلیل	//
خدا وجود کا محتاج نہیں	//
صفات خداوندی اور صفات انواع مادہ میں محض اسمی مشارکت ہے	//
فلاسفہ جدید کے مقابل میں وحدانیت کی دلیل بیان کرنے کی حاجت نہیں۔	۱۱۴
مسلمانوں کے عقیدے بلا دلیل نہیں بلکہ یقینی دلیل پر مبنی ہیں اس لئے وحدانیت کی دلیل بھی ضرور ہے	//
وحدانیت کے منکر فرقوں کیلئے بھی دلیل وحدانیت کی ضرورت ہے۔	//
قرآن میں توحید کی عقلی برہانی اور اقناعی دونوں قسم کی دلیلیں موجود ہیں	//
وحدانیت کی عقلی دلیل	۱۱۵
دلیل تمانع کی ایسی تقریر جس سے اسکا قطعی دلیل ہونا ثابت ہوتا ہے	۱۱۶
خدا کیلئے سوائے صفات مذکورہ بالا کے دیگر صفات کمالیہ کے اثبات کی تمہید	۱۱۷
انسان کسی چیز کا خالق نہیں وہ کچھ نہیں پیدا کر سکتا	//
انسان جو کچھ تصرفات کرتا ہے وہ حقیقت	//

مضمون	صفحہ
میں مقرر کردہ قوانین قدرت کو مسلط کر دیتا ہے اور اس سے کام لیتا ہے خود مستقل طور پر کچھ نہیں کر سکتا	
کوئی شے اپنے مثل یا اپنے سے اکمل کو نہیں بنا سکتی اور اس بات کا ثبوت کہ خدا کی تمام صفات کامل ہیں	۱۱۸
خدا کا سمیع بصیر متکلم وغیرہ ہونا اور ان لفظوں کی تشریح اور خدا کے اور حوادث کے صفات کے مابین کیا فرق ہے	//
خدا کیلئے شریعت محمدیہ نے کچھ ایسے صفات بھی بتائے ہیں جن کا ثبوت یا عدم ثبوت محض عقل سے نہیں معلوم ہو سکتا	۱۱۹
صفات خداوندی [illegible] کا حکم	//
خدا کے اسماء توقیفی ہیں اور مسئلہ علم ذات	۱۲۰
شریعت محمدیہ نے خدا کی عظمت اور اسکے صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہونے پر عقلی قطعی اور اطمینان بخش دونوں قسم کی دلیلوں سے استدلال کرنے کا طریقہ بتلایا ہے۔	//
آثار خداوندی سے خداوندی صفات پر استدلال کرنے کیلئے مقدمہ بیان کیا جس میں بتایا ہے کہ مادہ کی عام اور خاص صفات کی نسبت مسلمان کا عقیدہ کیسا ہے اور اہل سائنس کے ساتھ کس میں موافق اور مخالف ہیں اور کیوں	//
جسم کی کشش عام اور کشش اتصال اور دافعہ پر ایک محققانہ بحث۔	۱۲۱
قوانین قدرت کا محض مادی اسباب [illegible] اور بیچ حقیقت [illegible] اللہ کے مسلمان [illegible]	۱۲۲
[illegible] کسی کو موثر حقیقی نہیں مانتے اور اسکا قائل [illegible]	۱۲۴

مضمون	صفحہ
خدا قوانین فطرت کے وضع کا محض فاعل اور اسکا برنا ثابت ہو چکا ہے خلاف فطرت اور خرق عادت کا وقوع بعض مواقع میں جائز نہیں ہوتا ہے جیسے کسی نبی کا معجزہ یا کسی ولی کی کرامت	۱۲۴
علم ہیئت کی دلچسپ بحث اور عالم [illegible] سے خدا کی عظمت و قدرت پر استدلال	//
علم کائنات جو ہیں یا ہوا وغیرہ کی دلچسپ بحث اور عالم کائنات جو ہے خدا کی عظمت و جبروت پر استدلال	۱۲۷
روشنی کی حقیقت وغیرہ اور اس کے خواص [illegible] اثبات [illegible] اہل سائنس [illegible] خدا کا [illegible]	۱۲۹
زمین کے جغرافیہ طبعی کی دلچسپ بحث	۱۳۱
سمندر کے عجائبات اور اس سے خدا کی عظمت و جبروت پر استدلال	//
پہاڑوں کا دلچسپ بیان اور قدرت خدا کا اظہار	//
سبزہ زاروں اور وادیوں کی کیفیت	۱۳۲
[illegible] کا بیان	//
ہوا اور غاروں کا بیان	//
زمینوں کا بیان جنہیں طرح طرح کی نباتات پیدا ہوتی ہیں	۱۳۳
سمندروں کا بیان اور خداوندی قدرت کا اظہار	//
مقناطیس کے خواص اور اہل سائنس نے جو اسکی وجہ بیان کی ہے اس پر چار نہایت کڑے اشکال وارد کرکے ان کا لاحل تسلیم کرنا اور آخر کار خدا کی عظمت اور قدرت پر نہایت واضح استدلال	۱۳۴

مضمون	صفحہ
علم نباتات کی کسیقدر تفصیلی اور نہایت دلچسپ بحث اور نباتی دنیا سے خدا کے صفات کاملہ پر نہایت واضح استدلال	۱۳۵
شکاری نبات کا ذکر	۱۳۶
ہوائی نبات کا ذکر	"
انسانی شکل رکھنے والی نبات	"
چڑیا کی صورت رکھنے والی نبات کا تعجب خیز بیان جسکا مصنف نے بچشم خود تماشا دیکھا	"
حساس اور متحرک نبات	۱۳۷
نباتی گھڑی یعنی ایک نبات کا ذکر جسکی پتیاں ہر منٹ میں ساٹھ حرکت کرتی ہیں	"
سورج مکھی کا عجیب و غریب پھول	۱۳۸
ان نباتات کا بیان جو بذریعہ خوردبین کے دریافت ہوئیں ۔	[illegible]
نباتی دنیا سے خدا کے صفات کاملہ پر استدلال	۱۴۰
روئی کا درخت	۱۴۱
دودھ کا درخت	"
بالائی کا درخت	"
علم نباتات کے جاننے والے خداوندی عظمت و قدرت پر استدلال کرنے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں	۱۴۲
علم حیوانات کا بیان اور حیوانی عجائب و غرائب سے خداوندی عظمت و قدرت پر استدلال	"
جو حیوانات خوردبین سے نظر آتے ہیں ان کا بیان	۱۴۳
جانوروں کی عمروں کے اختلاف اور توالد و تناسل کی تشریح	۱۴۴
چیتے کے منقش ہو جانیکی عجیب وجہ	۱۴۹
بسنیڈا جانور کا ذکر جو کاٹنے سے جدا بھی ہو جائے تو اُسکے ٹکڑے پورے جانور بن جاتے ہیں	۱۵۰

مضمون	صفحہ
ساری بحث گذشتہ کا خلاصہ یعنی خدا پر کوئی قانون حاکم نہیں وہ فاعل مختار ہے	۱۵۰
اناٹمی اور فزیالوجی یعنی علم تشریح اور علم افعال الاعضاء کے موافق حواس خمسہ کی تشریح آنکھ کی تشریح اور ہر خداوندی حکمت اور قدرت پر استدلال	"
نور اور آنکھ کے طبقات اور رطوبات وغیرہ کی تشریح اور روشنی کے خواص	۱۵۱
دیکھنے کی کیفیت کی تشریح	۱۵۳
دیکھنے میں غلطی ہونی کیونکر ممکن ہے	۱۵۴
روشنی کے خواص کے موافق ہمکو چیزیں الٹی نظر آنی چاہئیں	"
اشیاء کے سیدھی نظر آنیکی فرضی تشریح	۱۵۵
آنکھ اور دیکھنے کی کیفیت سے خدا پر استدلال	"
اور پھر دماغ کے ادراک کرنیکی حقیقت کے بیان کرنے سے اہل سائنس عاجز ہیں اور علاوہ اس کی اضطراری حرکت وغیرہ کا انتظام رویت کیلئے محض ناکافی ہونا	[illegible]
مژگان اور ابرو کے کیا فائدے ہیں	۱۵۷
تن قدرتیہ کے بننے کیلئے مادہ کی غیر ارادی حرکت وغیرہ کافی نہیں اور پھر قدرت خدا پر استدلال	۱۵۸
بینائی کے اجمالی طور پر منافع	"
محض خدا کے رویت پیدا کرنے سے نظر آتا ہے اور بصر کے متعلق تمام قوانین قدرت عادیہ شرائط ہیں کوئی قانون مؤثر بالذات نہیں اور اسکے ثبوت میں ایک امریکہ کے واقعہ کا ذکر	"
جسم حیوانی جن اعضاء پر مشتمل ہے اور جو ان کے افعال ہیں ان کا اجمالی بیان اور خدا کی حکمت کا اظہار	۱۵۹
علوم کائنات جاننے والے خدا کے وجود	۱۶۰

مضمون	صفحہ
پر اس کے ذی قدرت ذی حکمت ہونے پر اس طرح اور اوصاف پر استدلال کرنے کے زیادہ مستحق ہیں	
کالجوں میں جیسی کہ سائنس وعجیبات وغیرہ علوم کائنات پڑھائے جاتے ہیں تعلیم پانے والوں کے عقائد بجائے قوت ایمان کے فاسد کیوں ہوتے ہیں اور اسکی اصلاح کی کیا تدبیر ہے	۱۶۰
قانون قدرت کے معنی ایک مثال میں سمجھانا	۱۶۴
روح حیات عقل وغیرہ کے مباحث میں خالق کائنات کے وجود پر نہایت ہی قوی دلائل موجود ہیں اور انسانی عقل انکی حقیقت کے سمجھنے سے عاجز ہے اور اسکا راز	۱۶۵
اہل سائنس کو اس بات سے متنبہ کرنا کہ انکے عقائد کا نتیجہ نہایت ہی خطرناک ہے	"
اہل اسلام اور اہل سائنس کی حالت کو ایسے دو شخصوں کی مثال فرض کرکے دکھلانا جو ایک شہر میں داخل ہوئے اور ہر ایک نے جدا گانہ نتیجہ قائم کیا	۱۶۶
ذات خداوندی تمام عالم کو اس کا عدم محض سے پیدا کر دینا اور اس کی مخلوقات میں اس کا حکم جاری ہونا وغیرہ جو اوپر ثابت کئے گئے اہل سائنس کے اُنپر اعتراضات اور اُن کے معقول جوابات	۱۶۹
اہل سائنس کی کتب میں بکثرت ایسی اشیاء کے مذکور ہونے سے جن کی حقیقت نامعلوم ہے انکے ادراک حقیقت سے قاصر و عاجز ہونے پر استدلال	۱۷۰
اہل سائنس کا مادہ کی حقیقت کا نی	"

مضمون	صفحہ
معلوم ہو تو نکال سکنا اور نیز خواص جسم سے اور ترکیبی جو حقیقت ہو اس سے ناواقف ہونا	
حیات اور عقل کی حقیقت سمجھنے سے اہل سائنس کا عاجز رہنا۔	۱۶۱
دو شخص کے قوانین کے موافق کچھ اشیاء معکوس نظر آنی چاہئیں لیکن پھر بھی سیدھی دکھائی دیتی ہیں اور اسکی کوئی قطعی وجہ اہل سائنس نہیں بیان کر سکتے۔	〃
یہ کہنا غلط ہے کہ ایمان علم نہیں ہے کیونکہ ایمان تو اعلیٰ درجہ (یقین) کا نام ہے	۱۶۶
خدا کی عظمت کے مقابل اہل انسان کی ایسی ہی مثال ہے جیسے ہمارے مقابل وہ خوردبین سے پانی میں نظر آنیوالے کیڑوں کی۔	۱۶۷
اہل سائنس کی مثال معتزلہ کی سی ہے	۱۶۸
اسلامی عالم کا اہل سائنس کے مذہب پر سے چار مسئلوں کو ان پر گفتگو کرنے کیلئے انتخاب کرنا	۱۶۹
اہل سائنس کے مذہب پر گفتگو کرنے کیلئے دو مقدمے بیان کرنا	۱۸۰
پہلا مقدمہ اس امر کے بیان میں کہ اہل اسلام متواتر اور مشہور نصوص پر اعتقاد کے بارہ میں اعتماد کرتے ہیں اور نیز یہ کہ کس قسم کی نصوص پر بلا تاویل اعتقاد کرنا فرض ہے اور کس قسم میں دلیل عقلی کی موافقت کیلئے تاویل کرنا جائز ہے۔	۱۸۱
حتیٰ اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئۃ کی تاویل بوجہ اسکے کہ ظاہری معنی عقلی قطعی دلیل کے معارض ہیں	۱۸۲
دوسرا مقدمہ جس میں یہ بیان ہے کہ شرائع کا مقصود خلق کو خدا کی جانب رہنمائی کرنا ہے علوم طبیعیہ کا بیان کرنا ان کے مقاصد میں داخل نہیں ہاں صرف ایسے امور بیان کر دئے جاتے ہیں جن سے صانع عالم پر استدلال ہو سکتا ہے	۱۸۳
تحقیق عالم کے بارہ میں جو نصوص شرعیہ وارد ہیں انکا بیان اور نیز یہ کہ علماء نے ان کے کیا معانی بیان کئے ہیں اور کس قدر اعتقاد کافی ہے	۱۸۴
علوم طبیعیہ میں کائنات کے بننے کے بارہ میں جو کچھ کہا گیا ہے محض تخمینی ہے لہذا	۱۸۶
اہل اسلام جب تک قطعی دلیلیں اسپر قائم نہ ہو جائیں انہیں نہیں مان سکتے ہاں اگر قطعیت ثابت ہو جائے تو اسوقت بیشک اگر انکی نصوص سے مخالفت ہوگی تو تاویل کرکے تطبیق دیگے۔	۱۸۷
اہل سائنس اگر اسلامی دین کے معتقد ہو جائیں تو وہ عالم کے پیدا ہونیکی کیفیت اپنے خیال کے موافق اسلامی طرز پر بھی بیان کر سکتے ہیں اگرچہ وہ صرف بعض علماء ہی کے قول کے موافق ہو اور اتنا ہی انکی بریت کیلئے کافی ہو سکتا ہے	۱۸۹
ان نصوص کا بیان جن سے بظاہر یہ انسان کا بطریق خلق کے مستقل طور پر پیدا ہونا معلوم ہوتا ہے اور اہل اسلام کو ان نصوص کی تاویل کی ضرورت نہیں جب تک کہ طریق نشوء پر قطعی دلیل قائم نہ ہو	۱۹۱
اگر اہل سائنس اسلام قبول کرلیں اور انکے پاس طریق نشوء پر قطعی دلیل قائم ہو جائے تو نصوص مذکورہ کو طریق نشوء پر تطبیق کر سکتے ہیں اور اگر وہ اس مقام کے بارہ میں جہاں کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور جہاں کہ وہ مع اپنی زوجہ کے رہے علماء اسلام میں سے بعض کے قول پر اعتماد کریں جب بھی اسلامی دین سے خارج نہ ہوں گے۔	۱۹۳
ظنی دلیلوں کی وجہ سے نصوص شرعیہ میں تاویل جائز نہیں ورنہ دین بیکار ہو جائیگا	۱۹۵
جو دلائل اہل سائنس نے طریق نشوء پر قائم کئے ہیں وہ ظنی ہیں اور انکی مشہور دلیلوں کا بیان کرکے ان کی ضعف دکھائی	۱۹۶
ادنیٰ درجہ کی نوع کا اعلیٰ درجہ کی نوع کیجانب ترقی کرنا چار قدرتی قوانین کے موافق ہے اور ان کا بیان	۱۹۷
بعض حیوانات میں اعضاء کے بغیر کام پائے جانے سے طریق نشوء پر استدلال نہیں ہو سکتا	۱۹۸
علم جیالوجی سے بھی طریق نشوء پر استدلال نہیں ہو سکتا۔	۲۰۰
چاروں قوانین قدرت طریق خلق پر بھی منطبق ہو سکتے ہیں اور نیز باہم تنازع للبقا پیدا کئے جانے کی حکمت	۲۰۱
قانون تنازع للبقا پر ایک ضعیف شبہ اور اسپر مذہب نشوء کا مبنی نہیں ہو سکتا	۲۰۳
قانون انتخاب طبعی سے مذہب نشوء ولابد نتیجہ نہیں نکلتا	۲۰۴
انسان کا بندر سے ترقی کرکے بننا ایک بیہودہ خیال ہے اور اسکے خلاف ایک عقلی دلیل موجود ہے	۲۰۵
حیات اور عقل کے بارہ میں شریعت میں جو وارد ہوا ہے اسکا بیان اور اہل سائنس کے قول کے ساتھ اس میں تطبیق دینا	۲۰۶
عقل کی تقسیم غریزی اور عقل مکتسب	۲۰۸

مضمون	صفحہ
ان باقی شرعی مسائل کا بیان جیسے اہل سائنس انکار کرتے ہیں یعنی آسمان عرش کرسی لوح قلم وغیرہ حالانکہ عقل اور تحقیقات عقلی کے خلاف نہیں اور مسلمان انکو کیوں مانتے ہیں	۲۰۹
فرشتوں اور جنوں کا موجود ہونا اور انکا شکل بدل لینے پر قادر ہونا اور نظر آنا عقل کے خلاف نہیں اور جیسا تیں ہے انکے انکار پر بحث کرنا	۲۱۲
دوزخ کا موجود ہونا قیامت کا قائم ہونا جنت و دوزخ میں داخل ہونا وغیرہ عقل کے خلاف نہیں	۲۱۵
تمام عالم کے فنا ہو جانے کے متعلق ایک مضمون	۲۱۶
مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور اسکی نسبت مسلمان کیا اعتقاد کرتے ہیں اور ان اعتراضات کا جواب جو فلاسفر وارد کرتے ہیں	۲۱۹
انسان کے دو قسم کے اجزا ہوتے ہیں اجزاء اصلیہ و فضلیہ اور مرنے کے بعد زندہ ہونیکی اس بنا پر توجیہ	۲۲۰
امام رازی کا اس بات پر استدلال کہ انسان بدن کا نام نہیں بلکہ کچھ اور شئے ہے اور اسکا مستقر قلب ہے	۲۲۱
جس آیت میں اولاد آدم سے عہد لینے کا ذکر ہے اسکی تفسیر و توجیہ اور علم فزیالوجی وغیرہ کے مطابق اسکا ثبوت	۲۲۳
اہل سائنس کے علوم کے موافق بعث اور نشر کی تقریر اور علم فزیالوجی کی جہات سے اس کا قریب الفہم ثابت کرنا	۲۲۴
حکمی خیال مثلاً نفس کی کسی چیز سے جسکے متعلق ہوتی ہے وہ زندہ ہو جاتا ہے جیسے کہ مقناطیس جب فولاد سے متصل ہو جاتی تو اس میں بھی قوت کششی آجاتی ہے	//
خلاصہ اس تقریر کا جو انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارے میں مذکور ہوئی	۲۲۸
بعث و حشر وغیرہ کا اجمالی اعتقاد جو مقصد کو اصول سے ہو مسلمہ ہوتا چاہیئے کافی ہے اور تفصیل محض اس غرض سے بیجاتی ہے تاکہ لوگ ان امور کو محال نہ سمجھیں اور جو شبہات انہیں پیدا ہوتے تھے دفع ہو جائیں۔	۲۲۹
بعث و حشر کے واقع ہونے پر عقلی دلائل جو ہر ضعیف کیلئے اطمینان بخش ہیں	۲۳۰
قیامت کی اول دلیل	۲۳۱
" دوسری دلیل	//
حشر کی تیسری دلیل	//
" چوتھی دلیل	۲۳۲
" پانچویں دلیل	//
اس بات کا بیان کہ انکار بعث کے بارہ میں اہل سائنس کا خیال بنا تھا جسکے لئے کوئی دوسرا ثبوت نہیں	۲۳۳
آسمان سے پانی کا نازل ہونیکا مسئلہ اور قوانین عقلی پر اسکی تطبیق	۲۳۴
اہل سائنس کو چاہئے کہ جو شرعی امور انکو عقلی قواعد کے خلاف معلوم ہوں وہ علما واقف کار پر پیش کرکے انکی توجیہ دریافت کریں اور ناواقفوں سے بچتے رہیں	۲۳۵
اس بات کا بیان کہ جو بعض اشخاص کو یہ کہتے سنا ہو کہ امریکا کا وجود اسلامی دنیا کے موافق نہیں مانا جا سکتا کیونکہ اس سے زمین کی کرویت لازم آتی ہے اور اس بات کا بیان کہ زمین کی کرویت بلا مخالفت اسلامی دین کے مانی جا سکتی ہے۔	۲۳۶
اہل سائنس کو اسلامی دین کی حقانیت پر اطمینان ہو جانا اور انکا اسلام قبول کر لینا۔	۲۳۶
اس فرقہ کا ذکر جسکو باوجود دیکھ دلائل کیوجہ سے اسلام کی حقانیت کا یقین ہو گیا تھا مگر محض اپنی کسرشان سمجھکر اسلام کا اقرار کرنے سے عار آیا اور پھر تمام سابق الذکر فرقوں کے دلائل میں اس کا شبہے نکالنا اور ان فرقوں کا جواب دینا	۲۳۷
اس فرقہ پر جنے قرآن کے مقابلے سے عاجز آکر محمد صلعم کے رسول ہونیکی تصدیق کی تھی انکا شبہات وارد کرنا اور اس فرقہ کا جواب دینا۔	۲۳۸
ان کا اس فرقہ پر شبہ وارد کرنا جس نے قرآن کو صفات کاملہ پر مشتمل پاکر حضرت کے منجملہ اور باقاعدہ ہونیکی وجہ سے تصدیق کی تھی اور اس فرقہ کا جواب دینا اور حضرت کے امی ہونیکا ثبوت اور حضرت کو کسی دوسرے سے سیکھنے کی تہمت لگائی جاتی ہو اسکو دفع کرنا	۲۴۰
ان لوگوں کا اس فرقہ پر شبہات وارد کرنا جنہے سابق کے تینوں فرقوں کی حالت دیکھکر تصدیق کی تھی اور اس فرقہ کا انکو جواب دینا	۲۴۲
ان لوگوں کا اس فرقہ پر شبہات وارد کرنا جنہے معجزات اور خوارق عادات دیکھکر تصدیق کی تھی اور اس فرقہ کا جواب دینا اور آپکی نسبت ساحر ہونیکے احتمال کو رد کرنا	۲۴۳
ان لوگوں کا اس فرقہ کے پاس آکر شبہات وارد کرنا جنے انبیاء سابقین کی کتب سابقہ کی بتلائی ہوئی علامتوں کے آپ پر منطبق ہو جانے سے آپکی رسالت پر استدلال کیا اور اس فرقہ کا انکو جواب دینا	۲۴۴

مضمون	صفحہ
اُن لوگوں کا اس فرقہ کے بارہ میں کچھ شبہات وارد کرنا جنہوں نے سابقہ کتابوں کے مسئلہ پر منطبق ہو جانے سے استدلال کیا اور اس فرقہ کا انکو جواب دینا اور نیز اس امر کا بیان کہ جہاد کا حکم اپنے افراد کے علاوہ ایک خاص حکم بھی ہوتا ہے	۲۴۹
پھر ان لوگوں کا اہل سائنس اور مادہ کے قدیم ماننے والے فرقہ پر شبہات وارد کرنا جنہوں نے بڑی بحث و تحقیق کے بعد آپ کی تصدیق کی تھی اور پھر اس فرقہ کا اُن کو جواب دینا	۲۵۱
ایک عقلمند ناسمجھ فرقہ کا بیان جس نے دلائل کا کچھ خیال نہ کیا اور برابر تکذیب کرتا رہا اور اس فرقہ کا معذور نہ ہونا کیونکہ وہ شخص معذور نہیں سمجھا جائیگا جو شرعی احکام سمجھنے سے غفلت کرے	۲۵۳
اس بات پر خیال کرنے کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برابر نصیحت کرتے رہنا اور لڑنے کے واسطے قائم کیا گیا اور پھر لوگ ہدایت پر آ گئے مایوس ہو جانا اور کسی ایذا رسانی سے تنگ آنے کے بعد جہاد کا مشروع کیا جانا اور اسکا ثبوت کہ شریعت محمدیہ کا جہاد امر اتفاقی اور [illegible] نہیں جو شرائع سابقہ میں نہ تھیں۔	۲۵۴
خدا کی عادت ہے کہ گنہگاروں اور ظالموں کو سزا بھی دیتا ہے اور انکو دنیا اور آخرت میں مختلف سزائیں دیتا ہے تو پھر جہاد کے مشروع ہونے میں بھی کوئی مانع نہیں۔	۲۵۷
بعض کا گمان کہ اسلام تلوار سے قائم ہوا ہے اسکا رد اور اس بات کا ثبوت کہ جہاد سے پہلے ہی بکثرت لوگ مسلمان ہو چکے تھے	۲۵۹
بعض لوگوں کا غلامی کو بُرا سمجھنا اور اسکا رد کہ شریعت میں جس غلامی کی اجازت ہے وہ مستحسن ہے بلکہ کبھی غلام کے لئے نفع کا باعث ہوتی ہے اور غلام کے مولیٰ پر حقوق	۲۶۱
شریعت کی وصیتیں جو غلام کے ساتھ سلوک کرنے اور گناہوں میں مساوات کے بارہ میں کی گئی ہیں اور آزاد کرنے کی ترغیب اور آزادی کے وسائل جو شریعت نے مقرر کئے اور نیز غلام کا اپنے مولیٰ کے ساتھ نسبت کی طرح رشتہ قائم ہو جانا وغیرہ	۲۶۲
وہ ذرائع جو شریعت نے غلاموں کی آزادی کے لئے مشروع کئے ہیں	۲۶۳
غلاموں کو بدولت غلامی کے سیادت اس قدر نصیب ہوئی جو بغیر غلامی نہ مل سکتی تھی۔ اور اہل اسلام کے غلاموں کے ساتھ سلوک	۲۶۴
غلاموں کے ساتھ بعض لوگوں کی سنگدلی جو پیش آئی اسکی وجہ سے شریعت پر اعتراض اور اسکا جواب اور اس طریق کا نادر ہونا اور نیز یہ کہ غیر ممالک میں غلاموں پر زیادہ سختی کیجاتی ہے جن کا اسلامی ممالک میں نشان بھی نہیں	"
عہد عتیق و عہد جدید کی نصوص سے غلامی کا ثبوت	۲۶۹
شریعت کا اہل ذمہ کے ساتھ سلوک اور اُن رعایتوں کا بیان جو انکے ساتھ کیجاتی ہیں۔	۲۷۰
جو لوگ کسی مذہب پر ہوں اور فتنہ انگیز ہوں انکا حکم اور نیز منافقوں کا حکم اور انکی قسمیں اور علامات	۲۷۱
دین اسلام کے مکمل ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلعم کا دار البقاء کی جانب انتقال فرمانا اور اسکی حکمت	"
خاتمہ اس بات کے بیان میں کہ اسلام کا ماخذ قرآن و حدیث اور اجماع است اور اجتہاد ہے اور اجتہاد کی شرطیں۔	۲۷۲
دین اسلام کا فروع کے اعتبار سے مختلف مذاہب بننا اور سوائے چار مذہب کے اور مذاہب کا باقی نہ رہنا اور یہ کہ آج کل مسلمان ان چاروں مذہبوں کو حق پر سمجھتے ہیں۔	۲۷۶
علماء حنفیہ کا چوتھی صدی کے بعد باب اجتہاد کے مسدود ہونے کا قائل ہو جانا اور اس قول کی وجہ اور اس میں حکمت جو ملحوظ تھی	۲۷۸
علامہ ابن خلدون کے کلام کو چوتھی صدی کے بعد سے باب اجتہاد کے مسدود ہو جانے کی تائید میں نقل کرنا اور رسول اللہ صلعم کے قول سے قرون ثلثہ کی فضیلت کا ثبوت	۲۷۹
بعض نادانوں کا جو زمانہ کے حالات پر یہ کہنا کہ صرف قرآن کو لینا ہمارے لئے بہتر ہے اور احادیث کے ساتھ تمسک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور انکے اس شبہ کا رد	۲۸۳
اس امر پر تنبیہ کہ [illegible]	۲۸۷
ترجمہ خاتمہ کتاب مصنف علامہ	۲۹۰
خاتمہ از مترجم	"
تعدد ازدواج [illegible]	۲۹۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]	۲۹۹

التماسِ مترجم

besturdubooks.wordpress.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

آجکل کا زمانہ بھی عجیب زمانہ ہے کہ کوئی سی شے ایسی نہیں موجودہ زمانہ میں ترقی نہیں ہوئی جو باتیں متقدمین کے کبھی خواب وخیال میں بھی نہ گذری ہونگی وہ آجکل آنکھوں سے نظر آتی ہیں علم کائنات کی جو شاخ لیجئے اُسکی تحقیقات کا پایہ بہت ہی بلند نظر آئیگا صنعت میں وہ ایجادیں ہوئیں کہ جن سے عقل دنگ رہجاتی ہے صناعان چین کی صناعیاں جو کسی زمانہ میں ضرب المثل تھیں اب گرد نظر آتی ہیں علم افلاک کو دیکھئے تو بہت سے نئے سیاروں وستاروں کا ذخیرہ نظر سے گذریگا جو قدماء کے خزانہ میں موجود نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ ہر شے ترقی کا دم بھرتی ہے لیکن اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو جسقدر اور علوم وفنون میں ترقی ہوئی ہے اسی قدر اخلاقی و مذہبی پہلو انحطاط کی جانب گرتا چلا گیا ہے۔ سائنٹفک دنیا میں یورپ کے لوگ سب سے زیادہ مہذب مانے جاتے ہیں لیکن اخلاقی جرائم کا جس قدر یورپ کے لوگ حصہ لیتے ہیں شاید وحشی ممالک میں اسکی نظیر مشکل سے ملیگی جس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ یورپ کے بچوں کی تعداد کے پورا کرنے میں ایسے بہت سے بچے شامل ہوتے ہیں جنکے باپ کا پتہ نہیں اس کو بھی جانے دیجئے شراب کو لیجئے یہ ہے جسکو تمام اخلاقی برائیوں کی جڑ کہنا کچھ مبالغہ نہیں چنانچہ اسی واسطے اس کو ام الخبائث کا لقب دیا گیا ہے خلاصہ یہ کہ نئی تہذیب کا جسقدر زیادہ حصہ کسی ملک نے لیا ہے اُسی قدر اُسمیں اخلاقی برائیاں زیادہ شائع ہیں یہی حالت کیا اسلام اور کیا دیگر مذاہب جنھوں نے تہذیب اخلاق کا ذمہ لیا ہے سب پر قریب قریب صادق آتی ہے کوئی مذہب والا یہ نہیں کہ سکتا کہ ہمارے مذہب کی آب وتاب کا پایہ بلند ہے۔ بظاہر اگر آپ کوئی ایسا مذہب انتخاب کریں گے تو شاید عیسائیت کا نام لیں گے لیکن اگر آپ عیسائیوں کے خیالات ٹٹولیں گے تو انکو بہ تحقیق عہد جدید کے موافق عیسائی کہا جائے ایسے لوگوں کی بہت ہی کم تعداد ملیگی جدید سائنس کی بدولت بہت کچھ دہریت کا حصہ آپ اُن کے خیالات میں شامل پائیں گے سائنس کے مقابلہ میں موجودہ مذاہب میں سے بہ حیثیت تو ٹھیر ہی نہیں سکتے اور اگر کوئی مذہب ٹھیر سکتا ہو تو وہ یا تو اسلام ہوگا یا وہ مذہب جس میں اسی کے قریب قریب باتیں مانی جاتی ہیں بلکہ یہ کہنا بھی بیجا نہیں کہ دنیا بھر میں ایک بھی اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو سائنس کے ہم پہلو ہوکر چل سکتا ہے چنانچہ دہریت کا خراب اثر جسقدر دیگر مذاہب پر پڑا اُس قدر شاید اسلام پر نہیں پڑا اور جسقدر کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے اسکی وجہ یہ نہیں کہ اسلام میں محقق سائنٹفک اصول کے خلاف کوئی بات مانی جاتی ہے بلکہ اسکی صرف یہ وجہ ہوئی کہ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے علوم کائنات اور فلسفہ جدیدہ کو حاصل کیا انمیں اکثر ایسے اشخاص نکلے

جو اپنے مذہب سے بالکل ناواقف تھے یا وہ اس قدر واقفیت نہ رکھتے تھے جو اسلام اور سائنس کو پہلو بہ پہلو چلنے کے لئے کافی ہوتی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اکثر تعلیم یافتہ اشخاص اس بلا میں پھنسکر عجب مخمصہ میں گرفتار ہوگئے بعضوں نے تو یہ کہکر اپنا جی بہلا لیا کہ مذہب کو سائنس سے کوئی علاقہ نہیں اور بعضوں نے اپنے سچے مذہب کے مقابلہ میں سائنس کی اسقدر عزت زیادہ وقعت کی کہ انھوں نے اسلام کے وہ مسلم الثبوت مسائل جو بانی اسلام کے زمانہ سے لیکر آج تک اسلامی دنیا میں برابر مانے گئے تھے اور عقلاً ونقلاً مدلل ہوچکے اُن کا انکار کردیا اور اس کا باعث صرف یہ ہوا کہ جدید فلسفہ کی مزاولت کی وجہ سے اسلامی صحیح مسئلہ کو اسلامی لباس میں نہ پہچان سکے اور اسی بناء پر انہیں سائنٹفک اصول کے وہ خلاف معلوم ہوا اور نہ اگر کوئی جامع شخص وہ مسئلہ انکو سائنٹفک لباس پہنا کر دکھاتا تو بعید عقل اس پر ایمان لے آتے پس اسی وقت کے رفع کرنے کے لئے بہت سخت ضرورت تھی کہ کوئی ایسا شخص ہو جو ہمارے تعلیم یافتہ بھائیوں کو اسلامی مسائل سائنٹفک لباس میں دکھا سکے چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس کا غیب سے سامان کردیا اور مولانا حسین آفندی الجسر طرابلسی کو ایک ایسی عربی کتاب جس کا نام حمیدیہ ہے لکھنے کی توفیق دی جو فلسفۂ جدیدہ کے موافق بالکل سائنٹفک اصول پر تالیف کی گئی ہے اور جو جو شبہات ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ اشخاص کو اسلامی مسائل میں پیدا ہوتے تھے قریب قریب ان سب کا علوم جدیدہ کے موافق شافی جواب دیا ہے۔

وہ کتاب ہمارے بزرگ حضرت اقدس مقتدانا و مولانا جناب حاجی حافظ قاری شاہ مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ العالی کے ملاحظہ سے گذری چونکہ مولانا صاحب موصوف کو اپنے دینی بھائیوں کی اصلاح دل سے مدنظر تھی آپنے اس عاجز کو اس کے ترجمہ کرنے کا ارشاد کیا۔ یہ ہیچمدان اگرچہ اس قابل نہ تھا لیکن بمقتضائے "الامر فوق الادب" خدا پر بھروسہ کرکے اس پر آمادہ ہوگیا اور جناب موصوف ترجمہ کو من اولہ الی آخرہ بنظر تصحیح ملاحظہ فرماتے رہے اور جو مقام کتب سابقہ سے نقل بشارات کا اس کتاب میں تھا اس کو غایت اہتمام کے لئے مولوی رحم الٰہی صاحب کو بھی عاجز نے سنوا دیا اور ان کی اجازت سے ان کی کتاب براہین رحمیہ سے بعض حواشی مفیدہ بھی بڑھا دئے مولوی صاحب کو اس بحث خاص میں کامل دستگاہ حاصل ہے اور بشارات کتب سابقہ کے باب میں مولوی صاحب کی کتاب براہین رحمیہ بھی اپنی آپ نظیر ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ وہ ترجمہ اختتام کو پہنچ گیا ترجمہ کرنے کی جن صاحبوں نے کبھی دقت اٹھائی ہوگی وہ اندازہ کرسکیں گے کہ عاجز کو کس قدر کلفتیں برداشت کرنا پڑی ہونگی خصوصاً جبکہ اس کا بھی لحاظ کیا گیا ہو کہ عبارت حتی المقدور بامحاورہ رہے اور مصنف کا اصل مطلب بھی فوت نہ ہونے پائے عاجز نے اپنے مقدور بھر کوشش کرنے میں اگرچہ کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن بمقتضائے "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" غلطیوں کا واقع ہونا خصوصاً مجھ ایسے کم استعداد طالب علم سے کچھ مستبعد نہیں مگر تاہم ناظرین سے امید ہے کہ یہ سمجھکر کہ مسلمانوں میں سے ایک ادنیٰ درجہ کے طالب علم نے اپنے دینی بھائیوں کی خدمت کرنیکی کوشش کی ہے مسامحات سے قطع نظر کرکے اس ناچیز ترجمہ کو محبت کی نظر سے دیکھیں گے اور اصلی مقصود کا لحاظ رکھیں گے اور باوجود اس کے جو غلطی نظر آوے اس کی بابت کوئی نیک مشورہ دیں گے نہایت شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائیگا اور انشاء اللہ آئندہ اسکا لحاظ رکھا جائیگا

میں اہل اسلام سے عموماً اور تعلیم یافتہ پارٹی سے خصوصاً اس بات کا ملتجی ہوں کہ اصل کتاب کو یا کم سے کم اس کے ترجمہ کو من اولہ الی آخرہ ضرور ملاحظہ فرمائیں علاوہ تحقیقات مسائل اسلامیہ کے اسمیں بہتیری فلسفۂ جدیدہ کی دلچسپ بحثیں نظر سے گذرینگی جو فائدہ سے خالی نہیں۔ کاش اس کتاب کا ترجمہ کوئی بہی خواہ قوم انگریزی زبان میں کرتا تو زیادہ مفید ثابت ہوتا مجھ میں تو اس قدر قابلیت نہیں کہ میں اس کا ترجمہ ایسی انگریزی میں کرسکوں جو آپ لوگوں کے دیکھنے کے قابل ہو سکے ورنہ میں اردو کی طرح اس سے بھی ہرگز باز نہ رہتا لیکن امید ہے کہ ہمارے گریجویٹ بھائیوں میں سے کوئی صاحب اس بات پر کمر ہمت باندھینگے اور موجودہ اور آیندہ اسلامی نسلوں کو اس بلائے بے درمان سے بچائیں گے اور ہمدردی قوم کا عملی ثبوت دینگے۔ فقط والسّلام خیر ختام

سید اسحاق علی عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور

besturdubooks.wordpress.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

بعد حمد وصلوۃ کے واضح ہو کہ جامع علوم عقلی ونقلی حسین بن محمد الجسر طرابلسی مؤلف رسالہ حمیدیہ نے اپنے دیباچہ میں وجہ تالیف[ع] اور وجہ تسمیہ تحریر کی تھی لیکن چونکہ یہ دونوں امر چنداں مفید اور باعث دلچسپی نہ تھے اس لئے اسکو چھوڑ کر اصل مقصود سے ترجمہ کیا گیا ناظرین معاف فرماویں وہو ہذا۔

ایک شہر کے سارے لوگوں میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اسکی حالت یہ ہے کہ اپنی ابتدائے پیدائش سے تمام لوگوں میں سچائی اور امانت داری کے ساتھ معروف ومشہور ہے۔ نہ کبھی اس نے کوئی جعلسازی کی نہ کبھی ناحق حیلہ بازی اس سے دیکھی گئی اسی طرح لوگوں کو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ وہ ناخواندہ محض ہے کچھ لکھا پڑھا نہیں تو پھر بھلا دوسرے کے خط کی نقل کرتا تو در کنار اور نہ کبھی اس نے شاہی قوانین اور قاعدے ہی بنانے کی مشقت اٹھائی جنمیں عام رعایا کی مصلحتوں کی رعایت ہوتی ہے پس کھڑے ہو کر اس شخص نے بآواز بلند سارے لوگوں میں ایک آواز دی اور اسنے کہا کہ اے لوگو اس لوکہ میں تمہارے پاس تمہارے بادشاہ کی طرف سے سفیر بنکر آیا ہوں بادشاہ کا مجھے حکم ہے کہ اس کا پیغام تمہیں پہنچا دوں اور اس کے ان قوانین کی جنھیں اس نے تمہارے لئے حال ہی میں جاری کیا ہے بخوبی تشریح کر دوں۔ اس کا حکم ہے کہ تم لوگ ان قوانین کے مقتضی پر چلو اور ان کے مضمون کے موافق عملدرآمد کرو۔ اور یہ کوئی نئی بات تو ہے ہی نہیں اس نے تو زمانہ گذشتہ میں بھی میرے علاوہ تمہارے پاس متعدد سفیر بھیجے تھے اور انھوں نے اس زمانہ کے مناسب جو قوانین تھے تمہیں بادشاہ کی جانب سے پہنچائے بھی تھے لیکن اب بادشاہ حکم دیتا ہے کہ ان پرانے قوانین میں سے بہت سے منسوخ ہو گئے ہیں انھیں چھوڑ دو کیونکہ جو زمانہ ان کے مناسب تھا وہ گذر گیا اب تمہارے ذمہ یہ ضروری ہے کہ ان نئے قوانین کی پیروی کرو جو اس نے میری ساتھ کر دئے ہیں۔ اسیطرح اس کا یہ بھی حکم ہے کہ ان رسموں کو ترک کر دو جو تم نے اپنے آبا واجداد سے سیکھی ہیں یا اپنی خواہش سے اختراع کر لی ہیں کیونکہ اسنے ان کا کسی وقت میں حکم نہیں کیا اور سچ پوچھو تو وہ ہیں ہی بری رسمیں اور قبیح عادتیں جن سے عقل انکار اور طبیعت نفرت کرتی ہے اور انمیں تمہارا سراسر ضرر ہی ضرر ہے اور انہیں سے بہتیری رسمیں تو ایسی ہیں جن سے بادشاہ کی بیشمار نعمتوں کی ناشکری ہوتی ہے

[ع] وجہ تالیف کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی انگریز نے عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقائد میں تطبیق دینی چاہی تھی اور اسلامی مسائل کی تحقیق کا ارادہ کیا تھا لیکن چونکہ اس کی تحقیقات ناکافی تھی اور اسی وجہ سے اطمینان بخش بھی نہ ہو سکتی تھی اسلئے یہ رسالہ تالیف کیا گیا اور وجہ تسمیہ تو خود رسالہ حمیدیہ کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ سلطان معظم سلطان عبد الحمید خان لازالت ایام دولتہ ابا بزد سلطنۃ القاہرۃ کے اسم مبارک کی طرف منسوب ہے۔ مترجم

اور اس کی ضعیف رعیت پر ظلم ہیں بادشاہ کا حکم سمجھا میری تصدیق کرو اور میری راہ چلنا اپنے اوپر لازم کرو تاکہ تمہیں پتہ لگے کہ بادشاہ کس بات سے خوش ہوتا ہے اور کس سے ناراض ہوتا ہے۔ یہ سنکر سب لوگوں نے اُسے جواب دیا اور اُس سے کہنے لگے کہ اے مقام عظیم اور منصب عالی کے دعویدار۔ ذرا ٹھیر! تو نے تو اپنے اس دعوے سے ہمیں ایسی راہ چلنے کی تکلیف دی ہے جس پر چلنا ہمیں سخت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ہمارے نفوس اس سے نفرت کرتے ہیں ہمارے قلب منقبض ہوتے ہیں اور ہماری فکریں اس کے تحمل کے خیال سے مضطرب ہوئی جاتی ہیں۔ ہاں جب ہمارے نزدیک یہ بات تحقق ہو جائے کہ ہمارا بادشاہ جسکے ہم پر بکثرت احسانات ہیں اور جو ہماری جانوں کو اپنی بخشش سے قائم بنائے ہوئے ہے وہی اس کا حکم کرتا ہے اور اسی نے ہمارے لئے یہ ساری باتیں پسند کی ہیں تو اسوقت تو ہمارے اطاعت کرنے کے بیچ کوئی گنجائش نہ رہیگی اور تیری بات ماننا تیری سفارت کی تصدیق کرنا اور تیری پیروی کرنے پر متوجہ ہو جانا ہمیں ضروری ہو جائے گا۔ ایک تو اسوجہ سے کہ ہمارے بادشاہ کو ہم پر احکام نافذ کرنے کا استحقاق حاصل ہے اور اس کی ہم پر زبردست حکومت بھی ہے اور دوسرے اسوجہ سے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ ہمارے لئے ایسی ہی چیز پسند کرتا ہے جسمیں ہماری سراسر ظاہری و باطنی مصلحت ہی مصلحت ہو۔ لیکن یہ تو بتا کہ تیرے دعوے کے صحیح ہونے کا کوئی برہان کوئی دلیل بھی ہے؟ جو ہمیں تیرے سامنے پست ہو جانے اور تیری بات کے یقین کرنے پر مجبور کردے تو اُس شخص نے کہا کہ ہاں اے عقلمندو ہے اور بھلا عقلمند کو کیونکر یہ زیبا ہے کہ بلا کسی حق تک پہنچانے والی دلیل کے کسی کے دعوے کی تصدیق کر لے۔ دیکھو یہ بادشاہ کے خط کا۔ بادشاہ کی مہر کا۔ بادشاہ کی طرز تحریر کا ہے تم بھی پہچانتے ہو میرے پاس ایک فرمان ہے اُس میں وہ کہتا ہے کہ فلاں شخص یعنی میرے اس فرمان کا حامل فلاں فلاں صفات سے آراستہ ہے جو جانچ کرنے کے وقت اُسمیں ظاہر ہیں جو کچھ میری طرف سے تمہیں پہنچائے سب میں سچا ہے اور میں نے تمہارے پاس سے سفیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ میرے قوانین کی تمہارے لئے تشریح کردے جنھیں میں نے تمہارے نفع کیلئے مقرر کیا ہے پس اس کے حکموں کی تعمیل کرو اور اس کے منہیات سے بچتے رہو۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ اچھا تو پھر وہ فرمان جس کا تو دعوے کرتا ہے ہمارے روبرو پیش کر کہ ہم دیکھیں تاکہ تیرا جھوٹ سچ کھل جائے اور ہمارا شبہ مٹ جائے پس اُسی وقت اس نے وہ فرمان نکالا اور اس کے سامنے ڈالدیا اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ اُسمیں غور کرنے کے لئے جمع ہو گئے اور بڑے سمجھنے والوں نے اُسمیں غور کیا اسکو پڑھا اس کے معانی سمجھے تو بادشاہ کی طرف سے اس کے کہنے کے موافق لوگوں کے نام فرمان نکلا کہ یہ شخص میرے اس فرمان کا حامل فلاں فلاں علامات سے آراستہ جو اس میں ظاہر ہیں تمہارے پاس میرا سفیر بنکر آتا ہے اور جو چھوٹی بڑی بات میری طرف سے تمہیں پہنچائے سب میں سچا ہے اس کے حکموں کو مانو اور اس کی منہیات سے بچو اور جو قوانین میں نے تمہارے لئے جاری کئے گئے ہیں اُس سے سیکھو اسی طرح جس جس بات کا وہ دعوی کرتا تھا کہ بادشاہ نے فلاں فلاں کام میرے سپرد کئے ہیں اس میں اول سے آخر تک سب کے سب نکلے اور چونکہ وہ سب لوگ قوت ادراک اور طریق استدلال کی شناخت میں متفاوت تھے اس لئے کئی فرقوں میں منقسم ہو گئے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ سارا علم شخص واحد کے پاس نہیں مل سکتا البتہ پوری جماعت کے پاس مل سکتا ہے چنانچہ ان میں سے ایک فرقے کے لوگ شاہی خط کو بخوبی پہچانتے تھے اور اس میں دھوکا نہ کھا سکتے تھے اور اس کا بھی

انھیں یقین تھا کہ وہ شخص نقل نہیں کر سکتا پس جب انھوں نے یہ فرمان دیکھا تو کہنے لگے یہ تو ہمارے بادشاہ ہی کا خطاب ہے اسلئے ہو نہ ہو بلا شبہ یہ اسی کا بھیجا ہوا فرمان ہے و جبتے تو جو کچھ اس میں ہے پورے طور سے اس کا یقین کر لیا اور اس شخص کے دعوے میں اسکی تصدیق کر لی۔

اور ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ شاہی مہر پورے طور سے پہچانتے تھے اور یہ بھی انھیں خوب معلوم تھا کہ یہ شخص نقل نہیں کر سکتا پس جب انھوں نے اس فرمان کو دیکھا تو وہ بول اٹھے کہ بیشک یہ ہمارے بادشاہ ہی کی مہر ہے اسمیں کسی طرح کا جعل نہیں ہو سکتا پس ہم نے بھی اس شخص کی بلا چون و چرا تصدیق کر لی۔

اور انمیں سے ایک فرقہ کے لوگ بادشاہ کی انشا پردازی اس کے شاہی طرز تحریر اور سلطانی خطابات سے بخوبی واقف تھے جسکی بابت اور لوگ عاجز محض ہیں پس وہ لوگ کہنے لگے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس فرمان کا طرز تحریر ہمارے بادشاہ ہی کا طرز تحریر ہے اور ہمیں تو یہ معلوم ہے کہ یہ طرز اسی کے ساتھ خاص ہے اور یہ خطاب بھی اسی کا سا خطاب ہے جسکو ہم نے اپنی رعایا کی مخاطبات میں استعمال کرتے ہوئے بار بار دیکھا ہے اسی لئے ہم نے بھی اس شخص کی اس کے دعوے میں تصدیق کر لی۔

اور انمیں سے ایک فرقہ کے لوگ امور مذکورہ بالا میں سے تو کچھ بھی نہ جانتے تھے لیکن انھیں یہ معلوم تھا کہ ہمارے بادشاہ کے پاس قسم قسم کی نایاب چیزوں کے ذخیرے ہیں کہ انکے سوا بڑے بڑے مالداروں اور بادشاہوں کے پاس بھی نہیں مل سکتے تو وہ لوگ اس شخص سے کہنے لگے کہ ہمارے نزدیک تو تیرے سچے ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اس کے خزانۂ خاص کی فلاں فلاں نادر اشیا بادشاہ کے پاس سے لاکر حاضر کرے تو اس نے انھیں جواب دیا اگر میں انشاء اللہ یہ بھی کر دکھاؤنگا اور پھر تھوڑی مدت کے بعد جو کچھ انھوں نے مانگا تھا اس نے لاکر حاضر کر دیا اور لوگوں نے اُسے دیکھا اور پہچان لیا اور انھیں یہ بھی خوب معلوم تھا کہ بادشاہ کی اجازت اور ارادہ کے بغیر ان نادر اشیاء کا حاضر کر دینا بالکل ناممکن ہے کیونکہ وہ سب انتہا درجہ کی حفاظت کے ساتھ اسکے خزانوں میں محفوظ ہیں پس اسوقت اس فرقہ نے اس شخص کے دعوے کی کامل طور پر تصدیق کر لی۔

اور ان میں سے ایک فرقہ والے کہ ہمارے بادشاہ نے گزشتہ زمانہ میں کچھ سفیر بھیجے تھے اور اس زمانہ کے مناسب قوانین ان کے ساتھ کر دئے تھے جو اس زمانہ کی ضرورت کے لئے بالکل کافی تھے اور انھوں نے اپنے دعوے کے ثابت کرنے والے دلائل قائم کر کے یہ امر مدلل کر دیا تھا کہ انھیں بادشاہ ہی نے بھیجا ہے اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ بادشاہ اس بات کو ٹھان چکا ہے کہ ہمارے اس زمانہ کے بعد وہ ایک اور سفیر بھیجے گا اور ایسے قوانین اس کے ساتھ کر دے گا جو تمہارے حالات کی اصلاح کے پورے کفیل ہوں گے اور جس زمانہ میں اُسے بھیجے گا اس کے مناسب اور اس کی ضرورتوں کے کافی طور پر مؤید ہوں گے اور اس سفیر میں فلاں فلاں علامتیں موجود ہوں گی چنانچہ وہ ہمیں بہت سی علامتیں بتا بھی گئے تھے کہ جن سب کا اجتماع کسی طرح دو شخصوں میں بھی پایا جانا ممکن نہیں ہو سکتا ہیں اسوقت جو کچھ یہ شخص دیتا ہے اور جس کی نسبت اس کا دعوے ہے کہ ہمارے بادشاہ کے پاس سے لایا ہے اسمیں غور کرتے ہیں اگر یہ سفیر ان گزشتہ کے قول کے موافق نکلا اور اس شخص میں ان نشانیوں کی بتلائی ہوئی

علامتیں پائی گئیں تو ہم جان لیں گے کہ یہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور اگر معاملہ بالعکس ہوا تو بے تکلّف اس کے دعوے کو الٹ دیں گے پس یہ کہکر جب انھوں نے اُن قوانین میں تامل کیا جنکی نسبت اس کا دعوے تھا کہ بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہیں تو اُسے سفیران گزشتہ کی خبر کے سراسر موافق پایا اور جب اُن سفیروں کی بتلائی ہوئی علامتوں کی تفتیش کی تو بالکل بناوٹ کے بغیر کھلا آئین نظر آئیں پس جب اُنھوں نے ہر طرح سے اپنا اطمینان کرلیا تو اسوقت وہ بھی اُسکے دعوے کے مصدق بنگئے اور انھوں نے بھی کامل طور پر اُسکی پیروی اختیار کرلی۔

اور ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ کہنے لگے کہ احتیاط کی بات یہ ہے کہ اس شخص کے اوامر و نواہی میں ہم غور کریں اور ان قوانین کو سوچیں جنکے بادشاہ کے پاس سے ہونے کا یہ مدعی ہے اگر ایسی چیزوں کا حکم کرے جنکو ہم بادشاہ کی مرضی کے موافق سمجھتے ہیں اور ایسی ہی چیزوں سے منع کرے جنکو اُسکی مرضی کے خلاف جانتے ہیں اور اسکے لائے ہوئے قوانین کو بھی ہم اُنھیں قوانین کی طرح جنکو ہم شاہی قوانین سمجھتے ہیں اصلاح کا متکفل اور لوگوں سے مشقت کی خرابیوں کا دفع کرنے والا دیکھیں خصوصاً جبکہ ہم یہ بات دیکھ لیں کہ کسی ایسی شے کا حکم نہیں کرتا جس کا نفع اسی کی ذات کے ساتھ خاص ہو بلکہ اس کے مقاصد کا مآل کار تمام فرقوں کے نے عام طور پر نفع پہنچانا ہو تو ہم جان لیں گے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور اگر معاملہ بالعکس ہوا تو ہم سمجھیں گے کہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے پس جب یہ کہکر انھوں نے اس کے احکام میں نظر کی تو اُنھیں ان احکام کے بالکل موافق پایا جنھیں وہ اپنے بادشاہ کی مرضی کے موافق سمجھتے تھے۔ اور اسی طرح اس کے قوانین کو بھی ممالک کی اصلاح اور لوگوں کی کامیابی اور رفع فساد کا بار متکفل دیکھا اور اس کے تمام اوامر و نواہی میں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جس کا نفع اُسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوتا بلکہ اس کی ساری باتیں ایسی ہی دیکھنے میں آئیں کہ جن سے عام نفع حاصل ہو اور ضرر دفع ہو اور اس میں یہ تعلیم بھی تھی کہ وہ اپنے بادشاہ کے انعامات کا شکر ادا کیا کریں اور حقیقت میں اُس شکر کا نفع آخر کار انہیں کو ملنے والا ہے پس اسوقت تو ان لوگوں نے اس شخص کے صادق ہونے کا یقین کرلیا اور اسکے سامنے پورے طور سے فروتنی اختیار کرلی۔

اور انہیں سے ایک فرقہ کے لوگ کہنے لگے کہ یہ یقینی بات ہے کہ ہم لوگوں میں جن جن باتوں کا یہ دعوی کرتا ہے اور جو جو قوانین یہ شائع کر رہا ہے اور آیندہ شاہی رعایا کے لئے جو کچھ جاری کرنے کا یہ ارادہ کرتا ہے ہمارے بادشاہ کو ضرور اسکی خبر پہنچیگی اور یہ ناممکن ہے کہ اس بات کی اسے اطلاع نہ ہو کیونکہ یہ بات تو کیا عام اور کیا خاص سب میں شائع ہوچکی ہے اور ایسی بات تو دور دراز مقامات کے لوگوں سے بھی نہیں چھپ سکتی سو اگر اس کا دعوی سچ ہوگا تو بادشاہ اسکو اسکے کاموں پر بحال رکھیگا اور کسی ایسے کو نہ بھیجیگا جو اسکی غلط بیانی ظاہر کرکے اسکی تکذیب کرے اور اس کو مع اسکے ساتھیوں کے گرفتار کرے اور ان سب کو سخت سزا دے اور اگر یہ جھوٹا ہوگا اور بادشاہ پر اُسنے غلط لگایا، اُسکی عمر کا جال باندھا ہوگا اور اسکی رعیت کو اپنی خواہشوں کا محکوم بنا رکھا ہوگا تو اسمیں کچھ شک نہیں کہ بادشاہ خبر پاتے ہی بہت جلد کسی ایسے کو بھیجیگا جو اس کی تکذیب کرے اور اس کو مع اس کے ساتھیوں کے گرفتار کرے اور ان سب کو بڑی بڑی تنگ سزا دے اس لئے کہ ایسا جعل اور ایسی افترا پردازی بادشاہ

ف ــــ سا۔ اس فرقہ کا یہ دعوی ہے کہ جب بھی بادشاہ کیجانب سے اسکا خط کوئی لکھا، واقعی خود تصدیق کرتا ہے۔

ف چوتھا فرقہ اسکا جو لائے ہوئے قوانین کو تمام رعایا کے لئے اور نافع عام دیکھکر مستدل ہے۔

دانا اور عاقل بادشاہ کے نزدیک کوئی چھوٹی بات نہیں ہے بلکہ وہ بڑی ہی کھٹ بات ہے پھر ممکن نہیں کہ ایسی بات کو وہ معاف کرے یا تساہل و چشم پوشی سے کام لے پس یہ سوچکر یہ لوگ ایک کافی زمانہ تک توقف کئے رہے تاکہ بادشاہ کو اسکی خبر معلوم ہو جاوے اور اتنا زمانہ گذر گیا کہ کسی طرح اتنے زمانہ تک بادشاہ سے اس خبر کا مخفی رہنا عقل میں نہیں آسکتا اور باوجود اس کے بادشاہ کی جانب سے کوئی ندا آیا جو اس شخص کی تکذیب کرتا اور اس کو اس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیتا اور ان کو سزا دیتا اور لوگوں کو اس کے شائع کردہ قوانین پر عمل کرنے سے باز رکھتا بلکہ روز بروز اس کے ساتھی بڑھتے ہی گئے اور وقتاً فوقتاً اس کی حالت میں ترقی ہوتی رہی جب ان لوگوں کا سب طرح سے اطمینان ہو گیا تو انھوں نے بھی اس شخص کی تصدیق کر لی اور اس کے پورے پورے پیرو بن گئے۔

اور انہیں سے ایک فرقہ کی سمجھ میں یہ ساری دلیلیں تو آئی نہیں لیکن انھوں نے اس شخص کی اور اس کے ساتھیوں کی حالت میں غور کرنا شروع کیا اور ان دلیلوں کو سوچنے لگے جنکی وجہ سے یہ سارے فرقے اس شخص کی اطاعت پر کمربستہ ہو گئے تھے پس وہ کہنے لگے یہ سب لوگ تو بڑے دانشمند ہیں نہ معلوم انھوں نے محض اس شخص کی تصدیق کے پیچھے اپنی آبائی رسمیں اور قدیم شاہی قوانین کیوں چھوڑ دئے بیشک یہ بڑا مشکل امر ہے کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اگرچہ بادشاہ کے قانون کا چھوڑنا اس کی مرضی کے خلاف پڑا تو ان پر بڑی مصیبت نازل ہو جائیگی ہو نہ ہو یہی بات ہو کہ اس شخص کی راستی کی دلیلیں انھیں خاطر خواہ معلوم ہو گئی ہیں جنپر یہ بھروسا کر بیٹھے ہیں ورنہ انھیں کیا ہوا تھا جو اپنی عادتوں کو چھوڑتے اور ایسی جرأت کر کے ناحق خطرہ میں پڑتے اور ان کی عقلیں انھیں اسکی اجازت دیتیں پس بیشک اس شخص کی راستی پر ان سب کا اتفاق کر لینا اسکی سچائی کی کافی دلیل ہے اور یہ کہنا کہ ساری دلیلوں کا جمع ہو جانا اور ان سب کا اتفاق کر لینا اتفاقی بات ہے جو عقل میں کسی طرح نہیں آتا اسکا کوئی سمجھدار قائل نہیں ہو سکتا اس لئے ہمارے نزدیک تو اس شخص کی راست بازی پورے طور سے ثابت ہو گئی اور یہ اسکی تصدیق کر لی اور بلا تردد اسکی سفارت کا اقرار کر کے اس کے مطیع بنگئے۔

اور انہیں سے ایک فرقہ اپنے دنیاوی کاروبار میں پھنسا ہوا تھا اور لذتوں میں ایسا مستغرق تھا کہ انھیں اس کی خبر ہی نہ تھی کہ لوگوں کا کوئی بادشاہ بھی ہے اور اس کو پورا غلبہ حاصل ہے اور انصاف کو مدنظر رکھکر ان کے ساتھ جو معاملہ چاہے کر سکتا ہے اور چونکہ اس کے لوگ دل و جان سے مطیع ہوتے ہیں اس لئے اگر وہ چاہے تو بہت کچھ مال بھی جمع کر سکتا اور ان کی قوتوں کو یکجائی طور پر کام میں لا سکتا ہے پس اس وجہ سے اسکی کوئی برابری نہیں کر سکتا اور اپنی غفلت سے وہ یہی سمجھتے کہ لوگوں کے کاروبار یونہیں چل رہے ہیں اور سارے قانون اور قاعدے ان کے ہاتھوں میں ہیں کسی بادشاہ یا حاکم کا کوئی انتظام نہیں ہے بلکہ ان کا یہانتک گمان تھا کہ یہ سب معاملات بطور عادت کے زمانہ کی گردش کے موافق جاری ہیں گویا کہ ایک قدرتی قانون بنگیا ہے جس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا پس وہ اسی قابل تھے کہ انھیں شاہی سفیروں اور سلطانی قوانین و اختیارات کی اطلاع نہ ہو لیکن جب انھوں نے اس شخص کا علی الاعلان دعوے سنا اور لوگوں کو دیکھا کہ پہلے تو اسے جھٹلاتے تھے پھر گئے

گفتگو کر کے اس کے پیرو بن گئے تب تو یہ لوگ چونکے اور اُن کے کان کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اس بات کا تحقیق کرنا نہایت ضروری ہے اگر فی الواقع لوگوں کا کوئی بادشاہ ہوا جو اُنپر حاکم ہے اور اُسی نے اس شخص کو بھیجا ہے تاکہ ہم اس کا کہا مانیں اور پھر بھی ہم غفلت میں پڑے رہیں اور اسکی بات نہ سنیں تو بے شک ہمارا برا انجام ہو گا کیونکہ یہ شخص ضرور ہماری بے پروائی کی خبر پہنچائیگا اور پھر وہ بادشاہ ہماری ایک نہ سنے گا اور بڑی سخت سزا دیگا اس لئے ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہم اس کے دعوے اور ان لوگوں کی حالتوں میں غور کریں جو پہلے اسکے مخالف تھے اور پھر اسکے ساتھی بنگئے کیا عجب کہ ہمیں حقیقت حال کا پتہ چلجاوے پھر اگر وہ سچا ہو گا تو مان لینگے ورنہ ہم بھلا اسکی تکذیب کرینگے۔ یہ کہکر وہ سوچنے لگے اور بڑی غور و فکر کے بعد انھوں نے نتیجہ نکالا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ ہم بادشاہ کو نہیں جانتے اور نہ ہکو اسکے خطایا مہر یا اس کی طرز تحریر کی خبر ہے اور نہ اس کے قانون سے ہم آگاہ ہیں جن سے اس شخص کے قانون کا مقابلہ کریں اور نہ پہلے ہی پیغمبروں کی بتلائی ہوئی علامتیں ہی ہمیں معلوم ہیں تو کیا ہم اس سے بھی گئے گذرے کہ ان تمام لوگوں کی شہادت پر اعتبار کرلیں جنھوں نے کہ ان سب باتوں کی تحقیق کر کے اسکی پیروی اختیار کر لی ہے لہذا ہمارے لئے اس شخص کی راستی پر ان دانشمندوں کا اتفاق کر لینا اور علاوہ تمام دلیلوں کا تحقیق کر لینا اور اپنی آبائی رسموں کو چھوڑ بیٹھنا کافی دلیل ہے کیونکہ سب باتیں اتفاقی نہیں ہو سکتیں اور نہ یہ کا بلی یا اور کسی غرض سے ظہور میں آسکتی ہیں اور اچھا اگر ہم یہ سب دلیلیں اور اتنے لوگوں کی شہادت بھی جانے دیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کے لائے ہوئے شاہی تحفوں کا بھی جو بغیر اس کی اجازت کے نہیں مل سکتے تھے کچھ خیال نہ کریں کیونکہ یہ تو یقینی بات ہے کہ اس کے پاس تو ایسے تحفے نہیں پائے جا سکتے تھے بس کوئی ایسا ہی ذی اختیار ہو جو لوگوں کے جان و مال میں جیسے چاہے تصرف کر سکے اس کے پاس ہو سکتے ہیں پس اس شخص کے یہ تمام تحفے حاضر کر دینے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا شخص ضرور ہے جس میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں جس کا نام یہ "بادشاہ" بتلاتا ہے اور ہو نہو اسی نے اسکو یہ تحفے دیکر ہمارے پاس بھیجا ہے پس ان سب باتوں پر اعتماد کر کے ہم نے تو یقین کر لیا کہ لوگوں کا ضرور کوئی بادشاہ ہے جس نے اس شخص کو ہمارے پاس بھیجا ہے اور وہ بھی اس کے پورے پورے پیرو بن گئے۔

اب اور سنئے ان سب فرقوں میں چند متکبر اور اپنی آبائی رسموں پر جان دینے والے لوگ بھی تھے اور بعض اپنی قوم کے سردار تھے انھوں نے خیال کیا کہ اگر ہم نے اس شخص کے دعوے کو مان لیا تو اس سے دبکر رہنا پڑے گا اور یہ پھر حکومت کریگا یہ سوچکر جا بجا تکذیب ہی کرتے رہے اگرچہ ان کے دل اس کی تصدیق کے مضمون سے پُر تھے اور اُن کی خواہشوں نے اُن کی عقلوں سے بازی جیت لی اور ان کو شاہی انتظام آسان معلوم ہونے لگا اور کیوں نہ ایسے بہتیرے احمق ملیں گے جو تکبر یا تعصب کی وجہ یا غصہ اور غیرت کے مارے حق سے آنکھیں بند کر کے ناحق باتوں کی حمایت کرنے لگ جاتے ہیں پھر آخر کار انھیں پشیمان ہونا پڑتا ہے جس سے پھر کوئی نفع نہیں ہوتا غلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے عناد کے مارے ان دلیلوں کی طرح طرح کی تاویلیں شروع کیں کبھی کل درسا قطالاعتبار باتوں سے کامیابی حاصل کرنی چاہی کبھی دھوکے بازیوں سے کام نکالنا چاہا اور وہ ایسی ایسی

ظاہر باتوں سے انکار کرنے لگے ہیں کو ہر عامی آدمی بھی سمجھ سکتا ہے اسی کو دیکھئے کہ اگر تمام دلیلوں کی علیحدہ علیحدہ تاویل ان کی ناظرے مان بھی لیجاوے تو عقل سلیم اور آزاد طبیعت اسے کیوں ماننے لگی کہ ساری دلیلیں اتفاق سے جمع ہوگئیں اور یہ شخص تمام غلط دلیلوں کو کھینچ تان کر جامہ پہنا سکا اور تمام لوگوں کو دھوکا دیکر اپنی راستبازی اور حقانیت کا کیونکر یقین دلا سکا اور طرہ تو یہ ہے کہ بہتیری دلیلیں اُسکے اختیار سے باہر تھیں نہ اس نے انھیں قائم کیا نہ اُن کے جمع کرنے کی کوشش کی بلکہ لوگوں کو غور و فکر کرنے سے خود ہی معلوم ہوگئیں انھیں علامتوں کو دیکھئے جو پہلے سفیر بیان کر گئے تھے بھلا یہ ساری علامتیں وہ اپنے میں کیونکر پیدا کر لیتا اور پھر امتحان کرتے وقت سب کی سب ٹھیک اُتریں۔ خوبی تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ چند چیزیں جب مجتمع ہو جاتی ہیں تو ان کا کچھ اور ہی اثر ہو جاتا ہے اور علیحدہ علیحدہ یہ بات نہیں ہوتی اجتماعی قوت کی کچھ بات ہی اور ہے اور یہ قاعدہ تو محسوسات اور معقولات دونوں میں مسلم ہے کہ جماعت کثیر کی شہادت سے جو بات ہوتی ہے وہ ایک شخص سے نہیں اگر کسی دعوے پر بہت سی دلیلیں قائم ہو جائیں تو اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں رہتا اور ایک دو دلیلوں سے یہ بات پیدا نہیں ہوتی پس جب یہ ہم مان بھی لیں کہ شاید اس شخص نے شاہی خط کی نقل کر لی ہوگی تو عقل میں یہ سب باتیں کیسے آنے لگیں کہ سلطانی مہر کی نقل بھی اتار لانا اُسے آسان ہوگیا شاہی طرز تحریر بھی اُس نے سیکھ لیا اُس کے قوانین بھی شاہی قوانین کے موافق ہوگئے اور اُسے وہ تحفے بھی مل گئے جو بے سلطانی اجازت کے دستیاب نہیں ہو سکتے اور پہلے سفیروں کی بتلائی ہوئی علامتیں بھی اس میں سب آپ سے آپ جمع ہوگئیں اور اس کا حال گو زمانہ بھر میں شائع ہوگیا تھا لیکن تاہم بادشاہ کو اتنی کافی مدت گزرنے پر بھی نہ معلوم ہوا اور نہ بادشاہ نے اس کو سزا دینے اور اسکی تکذیب کرنے کیلئے کسی کو بھیجا اس سے حق تو یہ ہے کہ ان واہی تباہی تاویلوں کا وہی قائل ہوگا جو اپنی بڑائی مارنے پر تلا بیٹھا ہو اور ان سب باتوں کے اتفاقی طور پر جمع ہونے کا وہی اعتقاد کریگا جسے تعصب نے اندھا بنا دیا ہو ایسا آدمی گفتگو کے لائق نہیں اور نہ ایسے کو جواب دینا مناسب ہے۔

او ان لوگوں میں ایک ایسا بیٹھا گروہ بھی تھا جس نے اس شخص کے صدق و کذب کے بارہ میں اپنی عقل سے کام ہی نہیں لیا بڑی بات انھوں نے یہی کی کہ وہ اپنی آبائی رسموں پر اندھوں کی طرح جمے رہے اور یہی کہتے رہے کہ ہم تو ان رسموں کو چھوڑیں گے نہیں اور جب اُن سے کوئی کہتا تھا کہ اگر یہ آدمی اپنے دعوے میں سچا نکلا تو اُس کی نافرمانی کی وجہ سے بادشاہ کہیں تم سے انتقام نہ لے تو اس سے تو ڈرو تو انکا یہ جاہلانہ جواب ہوتا تھا کہ ابھی وہ تو سمجھوتا ہے ہم اس کی بات نہیں مانتے ایسا جواب دینا سراسر انکی بے عقلی اور نافہمی نہیں تھی تو اور کیا تھا اب یہ تو بتلاؤ کہ ایسے لوگوں سے انتقام لینے پر بھی کیا بادشاہ ظالم قرار دیا جاسکتا ہے؟ تم جو چاہو کہو ہم تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب بادشاہ انھیں سزا دینے لگے اور اس سے کوئی یہ کہے کہ یہ بیچارے تو اس سفیر کے زمانے میں معذور ہیں کیا کریں ان کو اس کی راستی کی کوئی دلیل ہی نہیں ملی تو وہ بے شک یہ جواب دے سکتا ہے کہ اگر یہ اپنی معاش کے بارہ میں بے شعور ہوتے اور اُسے نہ سمجھ سکتے تو البتہ میں انھیں معذور سمجھتا اور انکی خطا سے درگزر کرتا لیکن میں تو انھیں صاف دیکھتا ہوں کہ اپنے کاروبار میں نفع و نقصان کے سمجھنے میں بڑے ہوشیار اور دانشمند ہیں انھیں اپنی حاجتوں اور

ارادوں میں کامیاب ہونے کیلئے بڑی کافی عقل ہے پھر انھوں نے اپنی انھیں قوتوں کو جن سے اپنے معاملات میں کام لیتے ہیں
اُس شخص کے صدق اور کذب دریافت کرنے کے لئے کیوں نہیں استعمال کیا اور جیسے کہ وہ جھگڑے کے وقت اپنے معاملہ داروں کے
سامنے اپنے اعتراض ثابت کرنے کیلئے استدلال پیش کرتے تھے ویسے ہی ان قوتوں کو اس شخص کے بارہ میں برتا ہوتا ہے نزدیک
تو وہ اب معذور نہیں سمجھے جا سکتے بلکہ انھوں نے میرے سفیر کی بات سننے میں کاہلی کی اور یہی وجہ ہے اُن کی آنکھوں پر پردے پڑگئے
اور انھوں نے اس کی تکذیب کی لہٰذا بیشک وہ سزا کے مستحق ہیں اور انصاف کے موافق میں اُن سے ضرور انتقام لونگا پھر
اس سفیر کے لائے آدمی مطیع ہوگئے تب بھی وہ ہمیشہ اسی فکر میں لگا رہا اور سعی بلیغ کرتا رہا کہ کسی طرح ان فتنہ ی متکبر واہی تباہی
باتیں بکنے والے اور حیلہ باز منکر فرقوں کا بھی اطمینان کردیا جائے اور خیر خواہی کے مارے طرح طرح کی دلیلیں اُن کے سامنے
پیش کرتا رہا اُن کی بھلائی کی باتیں اُنھیں سمجھا کر متنبہ کرتا رہا اور وہ تھے کہ اُن کی ضد اور نفرت دن بدن بڑھتی گئی آخرکار
یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ سفیر ان کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا اور اس کو ان کے اصلاح پذیر ہونے سے مایوسی ہوگئی اور
یہ یقین ہوگیا کہ اب سمجھانے سے کام نہ چلے گا اور وہ لوگ اُسکی اور اُس کے ساتھیوں کی عداوت پر کمر باندھ چکے اور انکی
ایذا رسانی کے لئے موقع ومحل کے منتظر ہیں آخر ناچار اپنے بادشاہ کی اجازت سے وہ بھی لڑائی پر آمادہ ہوگیا اور اُسنے
بھی تلوار کھینچ لی کیونکہ ظاہر ہے کہ جب آدمی کو نصیحت کارگر نہیں ہوتی اور وہ باز نہیں آتا تو اس کے روکنے کیلئے مار پیٹ
سے کام لینا پڑتا ہے پس اُس شخص نے اپنے ساتھیوں سے مدد لیکر دشمنوں کا مقابلہ کیا اور آپس میں بڑی گرماگرمی سے
لڑائی ہونے لگی - پھر کچھ دنوں یونہی ہوتا رہا کہ کبھی میدان ان کے ہاتھ رہا اور کبھی اُنکے ہاتھ رہا جیسا کہ خدا کے یہاں کا قاعدہ ہے
آخر کو اُسی سفیر کی فتح ہوئی اور کیوں نہ ہو پرہیزگاروں کا انجام اچھا ہی ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ جب اُس نے سوائے قتل کے اُن کی
ایذا رسانی سد دفع کرنے کا کوئی چارہ نہ دیکھا تو اُس نے بعضوں کو قتل کیا کیونکہ عقل کا یہی فتویٰ ہے کہ مفسد اور موذی قتل کئے
جائیں تاکہ ملک اور لوگ ہلاکت سے نجات پائیں اسلئے کہ بیمار عضو کا کاٹ ڈالنا نہایت ضروری ہے اگر اُس سے آدمی کی جان
بچی ہو اور اُسنے بعضوں کو گرفتار کرکے غلام بنالیا کہ پھر سر نہ اٹھا سکیں اور بادشاہ سے بغاوت کرنے کی ایسی طرح سزا پائیں - اور
بعضوں کو مطیع بنالیا تاکہ اسی طرح اُسکی اور اسکے ساتھیوں کی ایذا رسانی سے باز رہیں اور اس خیال سے کہ کہیں اسکے ساتھی
دیکھا دیکھی گڑبڑ نہ مچائیں اور اُس کی شان وشوکت میں فرق نہ آنے پائے اُسنے کھلم کھلا تکذیب کرنے سے منع کردیا اور یہ حکم
دیدیا کہ وہ اپنی کمائی کا بہت تھوڑا حصہ دیتے رہیں تاکہ اُس سے کچھ مدد ملتی رہے اور ملک کے انتظام میں خلل نہ پڑنے پائے اور
بادشاہ کی روبکاری تک اُس نے ان کی یہی سزا مقرر کی اور بعض اُس ملک سے نکلکر قلعوں اور پہاڑوں میں جاکر پناہ گزیں ہوئے
وہاں سے اس امید پر کہ کہیں اب بھی اس کی تصدیق کرنے لگیں اور اس خیال سے کہ مبادا وہ موقع پاکر اسپر چڑھائی نہ کر بیٹھیں
دھمکاتا رہا اور ڈراتا رہا کہ سمجھ لو کہ اگر تم اب قلعہ بند ہونے کی وجہ سے مجھ سے محفوظ بھی رہے لیکن بادشاہ جب موجود ہوگا اور چڑھائی
کرے گا تو اُس سے ہرگز نہیں بچ سکتے وہ عدل اور حکمت کے موافق بغیر سزا دئے نہیں رہیگا اور انہیں سے بعض خوف یا لالچ

کے مارے محض اوپر کے دل سے تصدیق کرنے لگے اور جی میں اُسے جھوٹا سمجھتے تھے اس نے انہیں بھی اپنے ساتھیوں کے زمرہ میں داخل کرلیا اور وہی برتاؤ اُنکے ساتھ بھی برتا کیونکہ اُس کا تو یہ قول تھا کہ جو کوئی بظاہر اطاعت کرے بادشاہ کا حکم ہے کہ اُسے بھی اپنے ساتھیوں میں داخل کرلو اس لئے کہ تفتیش کرنے سے بہتیرے سچے لوگ بھی کھٹک جائیں گے اور دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ آپ اپنے ساتھیوں پر اطمینان نہیں اُنکی نسبت شک کیا کرتا ہے اور بادشاہ پر جب حال کھلے گا کہ یہ لوگ محض غرض یا خوف کی وجہ سے بظاہر مطیع بنے ہوئے تھے اور ان کا دلی ارادہ یہ تھا کہ موقع پاکر اس کو اور اس کے ساتھیوں کو خوب ایذا دیں تو وہ خود ان کو خوب سزا دے دیگا اور انکو ان کے بغض و عداوت کا مزہ اچھی طرح چکھا دیگا کیونکہ یہ لوگ اوروں سے عداوت میں بڑھے چڑھے ہوئے اور گھر کے بھیدی تھے اور ہر وقت اُن سے کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اور بعض لوگ گو دل میں جھوٹا سمجھتے تھے لیکن اس مال کی طمع سے جو وہ شخص ملک کی اصلاح کیلئے جمع کرتا تھا بظاہر اسکے مطیع بن گئے اور اس طرح انھیں اس کی جانچ کا موقع ملا اور جب اُس کے معاملات اور قوانین کو راستی پر مبنی پایا اور دیکھا کہ وہ بھلی باتیں بتلاتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے تو ان کے جی کو یہ سب باتیں لگ گئیں اور دل کھول کے ظاہر و باطن سے اُسکی تصدیق کرنے لگے اور اس طرح اس کے خیر خواہ اور مددگار بن گئے۔ پھر جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ طرفداری اور تعصب کی پابندیوں سے چھوٹی ہوئی اور آزاد عقل ایسے شخص کی سفارت میں ذرا بھی شک نہ کرے گی اور اس کے سفیر ہونے کا بلا تردد یقین کریگی کیونکہ دانا اور بیدار مغز کے نزدیک یہ سب باتیں اتفاقی طور پر جمع نہیں ہو سکتیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خبر ہمکو تواتر سے معلوم ہوئی تواتر تو ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنی سمجھ لیجئے یعنی آپ کی خبر اتنے زیادہ آدمیوں کے نقل کرنے سے ہم تک پہنچی کہ اُن سب کا جھوٹ پر متفق ہو جانا عقل میں نہیں آتا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ تشریف نہ لائے ہوں اور سب آدمی جھوٹے ہوں یہ ایسی ہی بات ہے کہ اگر کوئی لندن موجود نہ ہوتا تو اتنے بہت سے آدمی اس کے موجود ہونیکی خبر بالاتفاق نہ دیتے چلے آتے پس اسی طرح اُس کو بھی سمجھ لیجئے کہ آپ کے احوال کے بھی بیشمار لوگ ہر زمانہ میں یہ اُن سے اور وہ اُن سے حتیٰ کہ آخر میں ان لوگوں سے خبر دیتے چلے آئے جنھوں نے اپنی کھلی آنکھوں سے آپ کو دیکھا تھا اور آپ کے جملہ حالات کی اُن کو خبر تھی اور جو کچھ آپ کو مختلف زمانوں کے ساتھ اپنی زندگی بھر پیش آیا تھا اُس سے بھی وہ بخوبی واقف تھے۔ بہر حال ہمکو یقینی طور پر یہ خبر پہنچی کہ آپ ﷺ ان لوگوں میں چالیس برس کے ہو گئے تھے اور برابر راستبازی اور امانت داری کے ساتھ شہرۂ آفاق رہے یہانتک کہ امانت داری کی وجہ سے لوگ آپکو محمد امین کہا کرتے تھے اور اس مدت میں آپ کو کبھی کسی سے لکھنے پڑھنے کی نوبت نہیں آئی نہ کبھی لکھے پڑھے لوگوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا کہ آپ اُن سے کچھ پڑھ لیتے یا مختلف اقوام کے احوال دریافت کر لیتے یا گذشتہ امتوں کی شریعت پر مطلع ہوتے یا مختلف ملکوں کے قوانین سیکھتے باوجود ان سب باتوں کے آپ سارے عرب اور عجم کے لوگوں میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور حالت یہ تھی کہ نہ آپ کو کچھ ذاتی ثروت حاصل تھی اور نہ کچھ بہت لوگ آپ کے مددگار تھے اور نہ آپ کے خاندان کی سلطنت زائل ہو گئی تھی اور شاید لوگ شبہ کرتے کہ اسی حیلہ سے آپ کو اپنی آبائی سلطنت کا پھر اپنے قبضہ میں لانا مقصود ہے اس حالت

کھڑے ہو کر آپ نے یہ دعویٰ ظاہر کیا کہ سارے عالم کے معبود اللہ نے مجھے تمام لوگوں کے پاس بھیجا ہے کہ میں ان کو خدا کی ایسی شریعت سمجھا دوں جو دین اور دنیا دونوں کی بھلائی کی ذمہ دار ہے اور یہ شریعت وہ قانون ہے کہ اس زمانہ سے قیامت تک کیلئے بخوبی مناسب اور موزوں ہے اور سارے واقعات کے لئے کفایت کریگا اور پہلے رسولوں کی شریعت کے بہتیرے احکام کو منسوخ کریگا کیونکہ جس زمانہ کی مناسبت کا لحاظ کرکے وہ قواعد بنائے گئے تھے اب وہ زمانہ نہیں رہا اور ہمکو یہ بھی معلوم ہو کہ آپ بری رسموں اور عادتوں سے بھی منع فرماتے تھے جو لوگوں نے اپنے باپ دادا سے سیکھی تھیں یا شیطان نے انکی خوبی ان کے ذہن نشین کرادی تھی سب سے قبیح تر آپ نے یہ بات قرار دی تھی کہ بتوں کی پرستش کیجائے یا آگ اور پتھروں اور درختوں کو معبود بنایا جائے اور آپ کی تعلیم یہ تھی کہ خدا کو ایک سمجھو اس کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف مانو سارے عیوب و نقائص سے پاک اور مبرا جانو اور علاوہ بریں ان کو اپنے پیدا کرنیوالے کی نعمتوں کے شکر کا طریقہ بھی تعلیم فرمایا تھا گو حقیقت میں اس شکر کا نفع انھیں کو ملنے والا تھا انکے سوا اور بہت سی ایسی باتیں بتائی تھیں جنمیں سراسر اُن کا نفع اور نقصان سے بچاؤ تھا پس جب وہاں کے رہنے والے لوگوں نے آپ کا اتنا بڑا دعویٰ سنا تو آپ کی بات ماننے سے نفرت ظاہر کرنے لگے اور سب کے سب درپے عداوت ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے بھائی بندوں نے بھی آپ کا ساتھ نہ دیا اور سارے دوست دشمن نظر آنے لگے اور آپ کی تکذیب پر ہر شیخ و شاب نے زبان درازی کی اور آپ سے منازعت کیلئے آمادہ ہو گئے اور ہر ایک آپ سے طالب دلیل ہوا اور کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح آپ کو عاجز کردے اور آپ کا یہ حال تھا کہ ان کے لئے دلیل پر دلیل بیان کرتے تھے اور ہر سوال کا معقول جواب دیتے تھے اور ہر طرح سے ان کو اطمینان دلانے کیلئے سعی بلیغ فرماتے تھے اور آپنے اپنے دعوے کے اثبات میں سب سے بڑی نہایت مستند اور قابل اعتماد جو دلیل پیش کی وہ عربی کلام کا مجموعہ تھا جس کو آپ قرآن شریف کے مبارک لقب سے یاد فرماتے تھے اُس کی نسبت آپ کا یہ دعوے تھا کہ یہ کلام خدا نے مجھے بطور سند کے دیکر بھیجا ہے اور اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ تمام لوگوں کی جانب بھیجے گئے ہیں اور سچے رسول ہیں اور جن باتوں کی آپ خبر دیں وہ سب سچی ہیں اور قرآن میں اُن قوانین کا بیان ہے جو خدا نے اپنے بندوں کیلئے مقرر کئے ہیں قرآن شریف کے چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے کو جسے آپ سورت کہتے تھے مقابلہ کیلئے پیش کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کلام کی حقانیت اور منجانب اللہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ تم لوگ اگرچہ عربی زبان کے بڑے ماہر اور فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار ہو لیکن کوئی ایسا کلام ہرگز نہیں لا سکتے جو قرآن شریف کی چھوٹی سی چھوٹی سورت کے ساتھ بھی فصاحت و بلاغت میں ٹکر کھا سکے چنانچہ ایسا ہی ہوا گو عربی زبان کے ایسے کاملین موجود تھے کہ فصاحت و بلاغت جنکے قبضۂ اقتدار میں تھی اور وہ اس کے ملک کہلانے کے مستحق تھے بلکہ انمیں ایسے لوگ بھی تھے جن کو اس فن میں منتہا کمال حاصل تھی اور تمام لوگ انکے مقابلہ سے عاجز تھے اور انسانی قوت کیلئے اُس سے بڑھکر کوئی مرتبہ حاصل کرنا ممکن نہ تھا تاہم کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ قرآن کی بہت چھوٹی سورت کی مثل بھی بنا لیتے پھر اس حیص بیص کے بعد تمام لوگ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہونے لگے اور آپ کے مطیع ہو کر انھوں نے آپ کا دین اختیار کرنا شروع کیا اور گروہ کے

گروہ آپ کے پیرو بنکر آپ کو خدا کا رسول ماننے لگے۔ ہاں وہی لوگ اس سے محروم رہے جنھیں خدا نے نہ چاہا۔ بیں قوموں کا
معاملہ آپ کے ساتھ پڑا۔ چونکہ ہم کو اُن کے حالات کی جہاں تک کہ اخبار صحیحہ سے معلوم ہو سکا یا عقل نے تجویز کیا تفصیل بیان مقصود
تھی اس لئے ہم نے آپ کے ساتھ اُن لوگوں کے معاملات غور کئے تو وہ لوگ اپنی عقلوں کی بلند پروازی اور کم فہمی کا اعتبار
اور استعدادوں کے اختلاف سے مختلف فرقے نظر آئے۔ اُنہیں سے بعض عربی فصاحت و بلاغت میں طاق نکلے جس کا اُس زمانہ
میں ملک عرب میں بہت کچھ رواج تھا اور جنکو وہ اپنے علوم میں سب سے زیادہ شریف سمجھتے تھے اور جنکو انھوں نے اپنا مایۂ ناز بنا
رکھا تھا اور وہ لوگ فصاحت و بلاغت کے تمام اسلوبوں سے بخوبی واقف تھے اور اس کے اسرار کو خوب جانتے تھے یہاں تک کہ
اُن سارے مرتبوں پر پورے طور سے حاوی تھے جسقدر کہ انسانی طاقت میں آسکتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ اُنکے بڑے زور و شور
کے خطبے اور قصیدے بھی ہوتے تھے بہر حال یہ سب کچھ تھا لیکن اُسوقت اُن کو کچھ بھی نہ بن پڑا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے قرآن شریف کی چھوٹی سے چھوٹی سورت پیش کرکے اُن کے عجز کا بڑے خدومد سے دعوے کیا اور عام طور سے خصوصاً
اُن کے جلسوں میں اس کی تشہیر شروع کی کہ تم سب ملکر چاہے جتنی ہی کوشش کیوں نہ کرو لیکن اس کلام کی مثل لانے سے ہمیشہ
عاجز اور قاصر رہوگے اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی بُری رسموں کی قباحت دکھا دکھا کر انھیں بیوقوف بنایا
اُن کے باطل خداؤں کی خوب ہجو کی ان کی پرستش میں طرح طرح کے نقص ثابت کئے اور ہر طرح سے انھیں غیرت دلائی
کہ کسی طرح قرآن کے مثل بنانے کی سعی کریں لیکن ہونا کیا تھا آخر کو قرآن میں غور کرنے کیلئے جھک پڑے اور زباندانی کے اصول
کے موافق اس کی خوب جانچ پڑتال کی اور اسے خوب الٹ پھیر کے دیکھا اور بڑی غور و فکر سے پرکھا یہاں تک کہ اُسکے امتحان میں
کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے پایا۔ بالآخر انھوں نے یہ رائے قائم کی کہ قرآن شریف فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے
ایسے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا ہے کہ وہاں تک انسانی قوت کی کسی طرح رسائی نہیں اور جس کسی نے اپنی بڑائی کے زعم میں کچھ
کہا بھی تو وہ قرآن کے سامنے بالکل پھیکا کلام ثابت ہوا اور خود انھیں لوگوں نے اسکی ہزلیات سے زیادہ قدر نہیں کی
کیونکہ ظاہر ہے کہ کوئی چیز فی نفسہ کیسی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو لیکن جب اُس کا کسی ایسی چیز سے مقابلہ کیا جائے گا جو اس سے بدرجہا بڑھی
چڑھی ہو اور شرف و فضل میں اُس کا پایہ بلند ہو تو خواہ مخواہ وہ نظروں سے گر جائے گی اور عقل اُسے دنی اور خسیس سمجھنے لگے گی
پس یہ معاملہ قرآن شریف کے سامنے اُن کے زیادہ سے زیادہ فصیح و بلیغ کلام کا ہوا اور اچھی طرح سے ثابت ہو گیا کہ وہ فصاحت
و بلاغت میں فرد ہے اور سارے کلام اُسکے مقابل میں گرد نظر آتے ہیں اور اسکی چھوٹی سی سورت کی مثل بھی لوگ نہیں بنا سکتے
اور اُن لوگوں کو اقرار کرنا پڑا کہ ہم کیا بلکہ سارے آدمی بھی ایسا کلام ہرگز نہیں بنا سکتے اور یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ قرآن
خدا کے پاس سے آیا ہے پھر ان سب نے محمد علیہ الصلوۃ والسلام کے رسول ہونے کی تصدیق کی اور آپ کا حکم ماننے کے گردن
جھکادی۔ اور ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو بات کو خوب پرکھتا تھا اور کلام کے بُرے اور بھلے مضمون کی اُسے خوب شناخت
تھی اور اُس کے عیب اور عمدہ اسلوبوں سے خوب واقف تھا پس جب اُن لوگوں نے قرآن میں انصاف کی نظر سے تامل کیا

کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ اس میں اعلیٰ درجہ کی خصوصیتیں موجود ہیں جو عقل کے نزدیک کسی کلام میں ہرگز نہیں پائی جاسکتیں گو اس کا بنانے والا نہایت کامل اور بڑا تاریخ داں اور تمام علوم و فنون کا پورا ماہر اور حکیم اور سیاسیات پر پورے طور سے حاوی ہی کیوں نہ ہو اور اس نے اس بات کا اہتمام بھی کیا ہو کہ اس کے مضامین میں کہیں مخالفت اور مناقضت نہ ہونے پائے اور عرب کے سارے اسلوب سے اس کا طرز نرالا اور انوکھا ہو ہاں البتہ جب اس کا قائل خدا کو مانا جاوے جو ان سب باتوں کو جس کلام میں چاہے جمع کرنے پر بخوبی قادر ہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے اور ان کے اس خیال کی یہ وجہ ہوئی کہ انھوں نے دیکھا کہ قرآن آیندہ کے واقعات کی من وعن خبر دیتا ہے جیسا کہ اس میں یہ خبر دی گئی کہ کسی نہ کسی دن محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی مکہ میں باامن و امان جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ پہلے لوگوں کے حالات اور متقدمین کے واقعات اس طرح بیان کرتا ہے گویا کوئی اس موقع پر موجود تھا اور آنکھوں دیکھی باتیں سنا رہا ہے اور وہ لوگوں کے دل کی بات صاف صاف بتا دیتا ہے جیسا کہ ان واقعات سے ظاہر ہے جو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھیوں اور آپ کے دشمنوں کو پیش آئے چنانچہ ان کا حال حدیث و تفسیر کی کتابوں میں مشرح طور پر موجود ہے) اور وہ ایسے بیشمار مضامین پر مشتمل ہے کہ اس کی نسبت یہ کہنا بھی بجا نہیں کہ اس نے متقدمین اور متاخرین کے علوم میں سے کسی کو نہیں چھوڑا کہیں نہ کہیں یا تو صراحتاً اس کا ذکر آ گیا یا کسی عجیب و غریب اسلوب سے جو بالکل بے لوث ہو اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے اسکے مضامین کی بہت مختصر فہرست سے آپ کو کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائیگا۔ دیکھئے اس میں گذشتہ اور آیندہ لوگوں کی خبریں ہیں طرح طرح کے احکام ہیں نصیحتیں ہیں لوگوں کے سمجھانے کیلئے مثلیں بیان کی گئی ہیں اخلاق اور آداب کا ذکر کیا گیا ہے نیک کاموں کی ترغیب دلائی گئی ہے بُری باتوں سے خوف دلایا ہے نیکوں کی تعریف کی ہے نافرمانوں کی مذمت بیان کی ہے بُری خصلتوں اور کمینگی سے بچایا گیا ہے انتظام ملکی کی تدبیر سکھائی ہے دوستوں کی رعایت کرنے اور دشمنوں کو دفع کرنے اور ان سے گفتگو کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور سرکشوں کی سرکوبی کی ہدایت کی ہے خدا کا وجود اس کی وحدانیت اور حشر و نشر کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور سارے شکوک و شبہات کا معقول جواب دیا ہے اور جنت اور اسکے ساکنین کا حال کہہ سنایا ہے جہنم اور اُس کی ہولوں سے مطلع کر دیا ہے اُس میں عالم سماوات اور اس کے سوا جو کچھ عالم علوی میں آثار قدرت اور عجائبات مثل ستاروں۔ بارش۔ بادل۔ رعد اور برق وغیرہ کے پائے جاتے ہیں اس کا تذکرہ ہے اسی طرح زمین اور عالم سفلی کی چیزیں خواہ وہ میدان۔ پہاڑ۔ دریا۔ چشموں اور نہروں کے قبیل سے ہوں یا نباتات۔ حیوانات۔ پھل پھول۔ درخت۔ چرند پرند۔ تاریکی اور روشنی میں ان کا شمار ہو اس میں مذکور ہیں خلاصہ یہ کہ اس میں سبھی کچھ ہے اور پھر اس کا طرز بیان ایسا انوکھا ہے کہ کوئی شبہ کر ہی نہیں سکتا کہ کسی دوسرے کی پیروی کی گئی ہے کیونکہ نہ اس میں عربی قصیدوں کا خاکہ اتارنے کی کوشش کی ہے نہ ان کے مسجع خطبوں کا طرز اختیار کیا ہے اور اُس پر بھی عقلوں کے نزدیک پسندیدہ۔ دلکش۔ شیریں اور پیارا کلام ہے اور کانوں کو تو اسکے ساتھ کچھ ایسی الفت معلوم ہوتی ہے کہ جوں جوں سنئے تذکرہ کا مزہ آتا ہے اور اسے کوئی کیوں نہ پڑھے لیکن اس کی قدر و قیمت میں کیا مجال کہ ذرا فرق

آجاوے اور ہاں اگر خدا بھیجے تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب باتیں اتفاق سے جمع ہوگئی ہوں گی کیونکہ صحیح اور آزاد عقل میں ان سب باتوں کا اتفاقیہ جمع ہو جانا ہرگز نہیں آتا پس جب اُن لوگوں نے قرآن کے یہ اوصاف دیکھے تو بول اٹھے کہ سارے آدمی مل کیوں نہ جائیں لیکن ایسا کلام بنانا اُن کی قوت سے باہر ہے اور یہ بات تو عادۃً محال ہے کہ ایسا کلام کوئی بڑا بھاری عالم نہایت ماہر فلسفی بڑا تاریخ داں اور امور مملکت میں اعلیٰ درجہ کا مدبر بھی بنا سکے اور جب یہ ٹھہری تو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے بے پڑھے لکھے شخص کا اسے لے آنا اس بات کی کھلی کھلی دلیل ہے کہ خدا نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ کلام آپ کا معجزہ قرار دیا ہے پس ہم نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور آپ جو کچھ فرمائیں بجا اور درست ہے اس طرح یہ لوگ بھی آپکے مطیع بنگئے۔ اور انہیں سے ایک فرقہ کا یہ حال تھا کہ نہ وہ فصاحت و بلاغت سے واقف تھا اور نہ اُس میں اتنی قوت تھی کہ قرآن شریف کے مضمون میں غور و فکر کرکے سمجھتا کہ اتنی صفات آدمی کے کئے نہیں جمع ہو سکتیں اس لئے یہ خدا کے پاس سے آیا ہے لیکن اُن لوگوں نے یہ سارا قصہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ محمد علیہ السلام نے اپنے رسول ہونے کا دعوے کیا اور قرآن شریف کو خدا کے پاس سے بتلایا اور اُسکی چھوٹی سے چھوٹی سورت پیش کرکے کھلا خزانہ یہ ظاہر کردیا کہ اسکی مثل کوئی نہیں لا سکتا اور عام لوگوں میں اہل فصاحت و بلاغت کو ایسے کلام کے مثل لانے سے عاجز اور ناکام ثابت کر کے اُن کے بر سر بازار لتے لئے اور بعضوں نے دیکھا کہ گو فصاحت و بلاغت میں اُن کا نمبر بہت بڑھا ہوا تھا لیکن اُس کے مقابلہ سے انھوں نے منصفانہ اپنے عجز کا اقرار کرلیا اور اپنے آبائی مذہب اور قدیم رسموں کو چھوڑ بیٹھے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی پیروی کے پیچھے ایسی راہ اختیار کی کہ اگر انھیں آپ کی رسالت کا یقین کامل نہ ہوتا تو انھیں یہ طریق نہایت ہی دشوار گذار نظر آتا اور نیز انھوں نے بعضوں کو دیکھا جنھیں کھوٹے کھرے کی اچھی پرکھ تھی اور کلام کی عمدہ صفات کو خوب پہچانتے تھے کہ انھوں نے اس بات کی کافی شہادت دی کہ اگر یہ قرآن خدا کے پاس سے نہ ہوتا تو اتنی کامل اور عمدہ صفات پر اسکا حاوی ہونا ناممکن تھا اور اس بنا پر انھوں نے محمد صلعم کی تصدیق کی اور اپنا طریق چھوڑ کر آپکے پیرو ہوگئے اور بعضوں کی یہ حالت دیکھی کہ گو وہ فصحاء و بلغاء کے نزدیک فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مسلم الثبوت تھے لیکن قرآن کے سامنے اُنکی ہمت پست ہوگئی اور اُس کے مقابلہ سے انھیں جان چراتے ہی بن پڑا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسکی چھوٹی سے چھوٹی سورت پیش کرکے اُنکا عجز ثابت کرتے تھے اور کیا جلسہ خاص کیا مجمع عام دونوں میں پکار پکار کر غیرت دلاتے رہے کہ کسی طرح ایسا کلام لے آؤ اُنسے یہ تو ہو نہ سکا ضد کے مارے اپنے پر آخر مجبور ہوگئے اور یہ گوارا کرلیا کہ اُنکی خونریزی کیجائے اُنکا مال لوٹ لیا جائے اُن کے بال بچے قید کر لئے جائیں اُن کے گھر بار اُجاڑے جائیں اور اپنا وطن چھوڑ کر مارے مارے پھریں بھلا سمجھو تو سہی کہ اگر اُن کی وسعت میں یہ ہوتا کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بھی بنا سکتے تو بنا نہ لاتے اور اس سے کیوں باز رہتے اور بیٹھے بٹھائے اپنے کو مصیبت میں پھنساتے یہ تو بڑی آسان بات تھی کہ قرآن کی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی برابر کوئی فصیح و بلیغ کلام بنا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہدیتے کہ لیجئے صاحب ہم نے آپ کے قرآن کا مقابلہ کرلیا اور آپ کی دلیل باطل کردی بہت

کہا کرتے تھے کہ قرآن کا ایسا کلام تم نہیں لا سکتے دیکھو کیسے بناوئے اور یہ بات کھل گئی کہ قرآن کی طرح آدمی بھی بنا سکتا ہے
اور حق تو یہ ہے کہ اُن سے بڑی نہ سکا کیونکہ اگر سکا ایسا تو کیا اُسکے قریب قریب بھی اگر کوئی کلام کبھی نے بھیجتے تو بھلا یہ بات
ممکن تھی کہ اتنے طرفداروں کے ہونے پر بھی ہم تک خبر نہ پہنچتی لوگ ضرور نقل کرتے جس طرح اور سب باتیں نقل کی ہیں مثلاً
انھوں نے آپ کی ہجو کی آپ پر تہام باندھا آپ کے ساتھ مناسبت اور درشتی سے پیش آئے آپ کے تبع شاعروں اور
خطیبوں سے مقابلہ کیا۔ وہ کیا کریں اس بات میں مجبور تھے ورنہ اتنی بڑی مصیبت میں کیوں گرفتار ہوتے اور اپنے کو
خطرۂ عظیم میں ڈالتے کچھ ناسمجھ تو تھے ہی نہیں عقلمند تھے پھر بھلا اُن کی عقلیں ایسے آسان راستہ کو چھوڑ کر نہایت مشکل اور
خطرناک راہ کو اختیار کرنیکی کیوں اجازت دیتیں۔ علاوہ بریں دنیا میں کون عاقل ایسا کرے گا کہ بلا کسی ضرورت شدیدہ کے
جس سے کہ اس کا بس چل ہی نہ سکے اور خواہ مخواہ مصیبت اٹھانا ہی پڑے اپنی جان و مال اور بال بچوں کو ہلاکت میں ڈالیگا
اور اپنے گھر بار کی خرابی اور ننگ دشمن کو پسند کریگا ہاں جب اور کچھ بن ہی نہ پڑے تو بیشک ایسا ہی کرے گا بقول شخصے سے

وقت ضرورت چو نماند گریز | دست بگیرد سر شمشیر تیز

پس یہاں بھی اگر وہ مجبور نہ تھے تو آپ کو آفت میں ڈالنے پر کیوں آمادہ ہو گئے بس یہی ہے کہ انھوں نے اپنے کو قرآن
کے مقابلہ کرنے سے عاجز پایا اور انکی ہٹ دھرمی نے جس سے وہ بدبخت ہو رہے تھے اس بات کی انکو اجازت نہ دی کہ
اپنے عجز کا اقرار کرلیتے۔

پس جب ان لوگوں نے ان تینوں فرقوں کے حالات میں غور کیا تو خوب سوچ سمجھکر یہ کہنے لگے کہ ایک فرقہ جو بڑا فصیح و بلیغ تھا
جس کی نسبت بے پروائی اور کاہلی کا گمان بھی نہیں ہو سکتا قرآن کے مقابلہ سے آخر اپنے عجز کا اقرار کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی تصدیق کر ہی چکا اور دوسرے فرقہ نے بھی جو مضمون شناسی میں دستگاہ کامل رکھتا تھا اس بات کو مان لیا کہ قرآن میں ایسی
صفات کمالیہ موجود ہیں جو سوائے خدا کے اور کسی کے جمع کئے نہیں جمع ہو سکتیں اور یہ کہکر سوائے اطاعت کرنے کے کوئی چارہ
نہ دیکھا اب رہا تیسرا فرقہ جسکی فصاحت و بلاغت میں تو کچھ بھی کلام نہ تھا اس نے اپنے کو عاجز پاکر قرآن کے معارضہ سے تو کنارہ
کشی کی اور تعصب نے اقرار عجز کی اجازت نہ دی آخر کو مجبور ہو کر اپنے کو مصیبت میں ڈالا گوارا کیا پس یہ کہنے لگے ہو نہ ہو محمد
صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سچے رسول ہیں اور ان تینوں فرقوں کا تصدیق کر لینا ہمارے لئے کافی دلیل ہے۔ اب میں کچھ کہتا ہوں
اسے بھی سن لیجئے اہل عرب کے قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہونے سے جاننا چاہئے جس طرح استدلال کسی کتاب میں بیان کیا
ہے اسی طرز پر اس فرقہ نے بھی اپنا مطلب حاصل کیا چونکہ انکا کلام جی کو لگتا ہوا ہے اور اس سے سارے شبہ دفع ہو جاتے
ہیں تو اس موقع پر اُس کا ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانہ میں بھیجا جبکہ
عرب کی شاعری اور خطیبہ گوئی نہایت عروج پر تھی اُنکے لغت کو بہت کچھ دستگاہ حاصل ہو چکا تھا سارے ساز و سامان تیّ
درست تھے پس آپ نے تشریف لاکر انکے ادنیٰ اور اعلیٰ کو خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی تصدیق کی طرف متوجہ کیا اور دلیلیں قائم

کرکے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور سارے شبہے دفع کر دئے اور اُن کے لئے نادانی کے عذر کرنے کا کوئی موقع نہ چھوڑا۔ اب اُنکا اعراض کرنا
محض ہوا و ہوس یا ناحق طرفداری کی وجہ سے رہ گیا اور پھر آپس میں لڑائی ٹھن گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنکے
عالم اور فاضل اور بکنے والوں کو قتل کیا اور آپ اُن سے رات دن یہی کہا کرتے تھے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو تم اس قرآن کی سی
ایک سورت یا چند آیتوں ہی کی مثل کیوں نہیں لاتے اور آپ جب کبھی اس طرح انھیں عاجز کرتے تھے تو کوئی دلیل تو اُن سے
بیان نہیں کیجاتی تھی یہ حیلہ کیا کرتے تھے کہ صاحب آپ کو تو اگلوں کے حالات معلوم ہیں اور ہم جانتے نہیں پھر اگر آپ نے
ایسا کلام بنا لیا اور ہم نہ بنا سکے تو کمال کیا ہوا تو آپ نے فرمایا اچھا اپنے ہی سے کچھ بنا کر لے آؤ اسپر بھی کسی نے جیسے اور وہ کیا کسی
شاعر نے ہمت باندھی اگر کوئی ہمت کرتا تو کچھ تو وہ لکھ کر دیتا اور پھر اس کی طرفداری کرنے والے بہتیرے کھڑے ہو جاتے اور
ضرور شور مچ جاتا کہ فلانے نے قرآن کا مقابلہ کر لیا اور ویسا کلام بنگیا پس منصف نے ان سب باتوں سے قوم عرب کا عجز سمجھ لیا
اور یہی اُنکے عاجز ہونیکی دلیل ٹھہرائی کیونکہ جب ان میں سے بہتیرے آپ کے ساتھیوں کی ہجو کرتے تھے مسلمان شاعروں اور
خطیبوں سے مقابلہ کرتے تھے اور انھیں ذرا بھی دقت نہیں معلوم ہوتی تھی تو پھر یہ کیا مشکل امر تھا کہ قرآن کے مقابلہ میں کچھ
لکھ لاتے ایک چھوٹی سی سورت یا چند آیتیں تو قصہ پاک ہوتا تھا لاتے ہی یہ تو آپ کا دعویٰ باطل ہوتا تھا اور سارا بنا بنایا
کھیل بگڑ جاتا۔ آپ کی جمعیت منتشر کرنے کیلئے اس سے سریع الاثر تو کوئی نسخہ ہی نہ تھا اسکی کیا ضرورت تھی کہ اپنی جان و مال
کو صرف ہلاکت میں ڈالیں اور گھر بار چھوڑ کر مارے مارے پھریں قریش تو قریش وہ تو بڑے فصیح و بلیغ تھے اُن سے چھوٹے
چھوٹے قبیلوں پر بھی یہ امر دشوار نہ تھا اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو یہ کونسی بڑی بات تھی آخر بڑے عجیب و غریب قصیدے
نہایت طویل عریض خطبے خلاصہ یہ کہ اُن کا ہر طرح کا نظم و نثر کلام مشہور ہی تھا پھر یہ کب ہو سکتا ہے کہ ایسی ظاہر بات کسی کی
سمجھ میں بھی نہ آئی اور قرآن کے مقابلہ سے اُن کا عجز بیان کرکے طعن و طعن کرنے پر بھی انھیں غیرت نہ معلوم ہوتی اور وہ چپ
چاپ بیٹھے سنا کرتے اور پھر ان کا حال یہ کہ اپنی آن بان میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور دنیا بھر سے زیادہ فخر کرتے تھے خصوصاً کلام
کی فصاحت و بلاغت پر تو اُن کو ناز تھا اور بجا تھا پس جس طرح کہ یہ بات محال ہے کہ تیئیس برس تک انھیں ایسے ظاہر
اور جلیل النفعت امر کی خبر نہ ہوئی اور غفلت میں پڑے رہے اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ جان بوجھ کر اس سے پہلو تہی کرتے اور
قرآن کے مثل بنانے پر قادر ہونیکی صورت میں بھی کچھ نہ بنا لاتے حالانکہ اس سے کہیں زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت
میں کوشش کیا کرتے تھے اور انہیں میں سے ایک اور گروہ تھا جس میں اکثر ایسے ہی لوگ تھے جو نہ فصاحت و بلاغت میں بصیرت
رکھتے تھے اور نہ قرآن کے عمدہ صفات کو سمجھ سکتے تھے کہ یہ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں پیش کر سکتا اور نہ انھوں نے اسکا
خیال کیا تھا کہ یہ دونوں فرقے قرآن کے مقابلہ سے اپنے عجز کا اقرار کر چکے ہیں اور بعضے جو کچھ جرأت دلائی کرنے پر آمادہ
ہو گئے ہیں اُن کی بڑی توجہ عالم طبیعیات اور قوانین قدرت کیجانب معروف تھی جن کے موافق عالم کا کارخانہ چل رہا ہے
اور وہ جانتے تھے کہ اُن قوانین کے خلاف عمل درآمد کرنے پر کوئی آدمی قادر نہیں ہے پس وہ کہنے لگے کہ آدم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ف [illegible]

سے ہم ایسی باتیں طلب کریں جن سے قوانین قدرت ٹوٹ جائیں یعنی اس عالم میں جو خدا کی عام طور پر عادت جاری ہو اُسکے خلاف لازم آئے پس اگر ایسا کریں گے تو بیشک سچے ہوں گے کیونکہ جب ہماری طلب کے موافق کوئی امر خارق عادت اُن سے ظاہر ہوگا تو ہم سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دعوے رسالت کی تصدیق کیلئے عادت کے خلاف کردیا اور یہ امر خدا کے اس قول کے قائم مقام ہو جائیگا کہ جو بات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں اُسے تم سچا سمجھو آپ اسے اسطرح سمجھئے گا اگر کوئی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوکر حاضرین سے یہ کہنے لگے کہ یہ بادشاہ تمہیں میری اطاعت کا حکم دیتا ہے اور لوگ کہیں کہ ہم تو جب جانیں کہ بادشاہ اپنی جگہ سے اٹھکر فلاں جگہ جا بیٹھے اور فرض کیجئے کہ بادشاہ یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے اٹھکر اس جگہ جا بیٹھے پھر اسی طرح انھوں نے کسی دوسری بات کی اس شخص کی تصدیق کیلئے درخواست کی مثلاً وہ یہ کہ بادشاہ اپنے سر کا تاج اتار کر اس شخص کو پہنا دے یا چھ سات قدم چلکر پھر اپنی جگہ بیٹھ جائے اور بادشاہ نے یہ بھی کردیا اب اس صورت میں کچھ شک نہیں رہ سکتا کہ ان لوگوں کے کلام کو سنتے ہی بادشاہ کا ایسے افعال کر دکھانا ہرگز اتفاقی نہیں ہو بلکہ اس کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ میں تم سب کو اس شخص کی اطاعت کا حکم کرتا ہوں اور جو کوئی اس بات کے اتفاقی ہونے کا قائل ہوگا تو لوگ ضرور اسے احمق خیال کرینگے پس وہ لوگ یہ منصوبہ باندھ کر کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طلب کے موافق خلاف عادت باتیں ظاہر نہ کریں گے تو یہ انکے کذب کی دلیل ہوگی اور ہم سمجھیں گے کہ خدا نے انھیں جھوٹا کردیا پس وہ ایسی باتیں آپ سے طلب کرنے لگے جو اس عالم میں عادت مستمرہ کے خلاف تھیں پس بعضوں نے چاہا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں چنانچہ آپ نے اُن کے کہنے کے موافق اُسے بھی کر دکھایا اور فقط حاضرین ہی نے نہیں بلکہ اُن سب لوگوں نے بھی جو کہیں دور سے آرہے تھے اور اتفاق وہاں کے لوگوں کے موافق تھا اپنی کھلی آنکھوں سے اُسے دیکھ لیا اور آکر اس بات کی خبر دی کہ تم لوگوں کی طرح ہم نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ایسا ہی سمجھئے جس طرح زلزلہ کے وقت اکثر بڑے بڑے پہاڑ پھٹ جاتے ہیں اور وہ خطہ کا خطہ تہ و بالا ہو جاتا ہے یا جس طرح بعض حال کے سائنس جاننے والوں کا خیال ہے کہ زمین اور اسی طرح اور ستارے آفتاب سے جدا ہوئے ہیں اور پھر ایک نہ ایک دن آفتاب سے جا ملیں گے اور یہ سب کچھ عقل کے نزدیک خواہ اُسکے کوئی ظاہری سبب ٹھہرائے یا نہ ٹھہرائے ممکن اور خدا کی قدرت میں داخل ہے اگرچہ ہوتا نہیں ہو اور عادت کے خلاف اور طرح طرح کے کام کرنے کیلئے جو طول زمانہ کو زیادتی قوت کے عوض بننے کیلئے لازم قرار دیا ہے وہ صرف قوت ناقصہ یعنی مخلوقات کی قوت کیلئے شرط ہے خدا کی کامل قوت کیواسطے شرط نہیں اور خدا نے اپنے عجیب و غریب کاموں میں یہ زمانہ اور اسباب جو اسلئے مقرر کئے ہیں کہ وہ عقلمندوں کی آزمائش کرے اور بیوقوف بہک جائیں اور دوسروں کی امر واقعی تک رسائی ہو جاوے اور بعضوں نے یہ طلب کیا کہ آپکی طرف درخت دوڑنے لگے آپ سے باتیں کرے اور آپکی رسالت کی شہادت دے تو آپ نے اُسے بھی کر دیا اور بعضوں نے سوسمار کے بولنے کی درخواست کی اور کہا کہ یہ بھی آپکی رسالت کی شہادت دے تو ہم جانیں آپ نے انکی یہ درخواست بھی پوری کردی ان چیزوں کا بول اٹھنا محال نہ سمجھئے کیونکہ اگرچہ حیات، ادراک اور آلات نطق وغیرہ کو بولنے کیلئے شرط

عادتیں سے شمار کیا جائے یعنی پتھر اُنکے بھی عــه بولنا ممکن ہے تب تو ظاہر ہے کہ خدا نے کلام پیدا کر دیا ہو اور اُن سے صادر ہو گیا ہو اور اگر ان چیزوں کو بالفرض لازمی شرط بھی قرار دیا جائے جیسا کہ بعض کا گمان ہے تب بھی کچھ مشکل نہیں اس لئے کہ خدا اُن شرطوں کو بھی پیدا کر سکتا ہے اور اسکی قدرت سے باہر نہیں ہیں اور بعضوں نے یہ دیکھا کہ جب آپکے ساتھیوں کے پاس پانی ختم ہو گیا اور اُنھوں نے آپسے پانی کی درخواست کی تو آپنے تھوڑے سے پانی میں اپنا ہاتھ ڈالدیا اور آپ کی انگلیوں کی درمیانی یعنی گھائیوں سے کثیر پانی جوش مار کر نکلنا شروع ہوا یہانتک کہ جماعت کثیر اس سے سیراب ہو گئی اور اُن سبکے لئے پانی کافی ہو گیا۔ اور یہ بات بھی کچھ ممتنع نہیں اسطرح ہو سکتی ہے کہ خدا نے پانی کی ایک مقدار پیدا کر دی ہو جو اُس تھوڑے سے پانی سے مل گئی ہو اور لوگوں کو نظر آتا ہو کہ انگلیوں کے بیچ سے پانی نکل رہا ہے اس لئے کہ خدا نے وہیں اتنا پانی پیدا کر دیا ہو اور پیدا کرنیوالا تو خدا ہے وہی سب کچھ پیدا کرتا ہے اسمیں تعجب کی کونسی بات ہے اور علاوہ اسکے جب ہوا کو پانی سے منقلب کر دینا علم کیمیا (یعنی کیمسٹری) جاننے والوں کے اختیار میں ہے تو پھر خدا کا کیا پوچھنا ہے وہ تو کیا عناصر اور کیا علم کیمیا اور کیمیا داں سبھی کا پیدا کرنیوالا ہے۔ اور اسی طرح بہت سی خارق عادت باتیں لوگوں کے درخواست کرنے پر آپسے صادر ہوئیں جنکی ہمکو معتبر ذریعے سے خبر پہنچی ہے اگرچہ انمیں ایسی خبریں بھی ہیں کہ تنہا حد تواتر کو نہیں پہنچیں لیکن اسمیں تو ذرا بھی شک نہیں بلکہ یہ سب مل ملا کر تواتر کے مرتبے سے کسی طرح کم نہیں ہیں بلکہ ہم بلا تردد کہہ سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کرنے پر خوارق عادات کا صادر ہونا اجمالاً متواتر ہی ہے اور ایسے تواتر کو تواتر معنوی کہتے ہیں جس کے معتبر ہونے پر محققین عقلاء کا اتفاق ہے اور اس کا انکار وہی کر سکتا جسکو بدیہی باتوں کے انکار سے بھی شرم نہ معلوم ہوتی ہو اور لوگوں میں اپنی قوت ثابت کرنیکی غرض سے بیدھڑک بدیہیات کا انکار کر بیٹھتا ہو پس اس گروہ نے جب یہ دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارق عادات اور ان قوانین کے خلاف کر دکھایا جنکے خلاف کرنے پر سوائے خدا کے کوئی قادر نہیں ہے تو انھیں یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو درخواست کرنے پر خدا ہی نے آپ کی تصدیق کیلئے ایسی باتیں آپکے ہاتھ کرا دی ہیں اور پھر آپ کی تصدیق کر لی اور آپکی رسالت کے معتقد ہو گئے یہ آپکو خوب سمجھ لیجئے کہ ایسے معجزات صرف انھیں لوگوں کی عقلوں کے سمجھانے کیلئے ہیں جنکے افہام معجزات ادبیہ کے سمجھنے سے قاصر ہیں اور اسکی قابلیت نہیں رکھتے ورنہ سمجھداروں کیلئے تو معجزات ادبیہ ہی موزوں ہیں جیسا کہ قرآن کے احوال میں اُنکا کچھ تو ذکر ہو بھی چکا ہے اور آئندہ بھی اُنکا بیان آئیگا جہاں کہ شریعت محمدیہ کے حسن انتظام کی شان دکھائی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ خدا کے پاس سے ہونے کی اسمیں فلاں فلاں دلیلیں موجود ہیں اور جہاں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر متقدمین کی کتابوں میں جو علامتیں مذکور ہیں منطبق کر دکھائی ہیں اور ہمیں ان لوگوں سے جو اپنے ادراک کو معجزات ادبیہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں یہ امید ہے اس خیال سے کہ یہ ان کے اُن علوم کے مخالف ہیں جنکو اُنھوں نے اپنے اسکولوں میں حاصل کیا ہے اور ان کی عقلیں اُنھیں قبول نہیں کرتیں دھوکے میں نہ پڑیں گے اور معجزات ادبیہ کو اپنے ایمان کے طریق میں سند اور دلیل بنائیں

ف: انگلیوں کی گھائیوں سے پانی کا جوش مارنا

عــه چنانچہ اکثر فونوگراف میں سے بعینہ انسان کی آواز نکلتی ہو حالانکہ اُسکے منہ زبان وغیرہ اسمیں نہیں ہیں ۱۲ مترجم

بلکہ اُن کی شان کے لحاظ سے حق اور اُنکی عزم و احتیاط کے مناسب تو یہ امر ہے کہ ان خوارق کو انھیں لوگوں کے سمجھانے کیلئے خیال کریں جنھیں معجزات دینیہ کے ادراک کا سلیقہ نہیں اور خود ایسی اشیاء اختیار کریں جنھیں ان کی عقلیں قبول کرتی ہوں اور پھر اگر کوئی ایسی چیز پیش آئے جو اُن کی عقلوں میں نہیں آتی اور یقینی دلیل عقلی کے خلاف ہو تو ایسا طرز اختیار کریں جو نقل و عقل کا جامع ہو اور تاویل کرکے دونوں کو موافق بنالیں جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا کہ شریعت محمدیہ کا یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر کوئی چیز اُنکے یہاں منقول ہو اور بظاہر یقینی دلیل کے خلاف ہو تو ہمیں تاویل کر دیتے ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو اُنکی حالت اُس شخص کی مثل ہو جائیگی جو دن دوپہر آفتاب کو دیکھ رہا ہے اور گمان کرے کہ اسوقت رات موجود ہے اس لئے کہ اسکو یہ خیال بندھ گیا ہے کہ کسی نکلے ہوئے ستارہ کو وہ دیکھ رہا ہے پس وہ دن کے موجود ہونے کی واضح دلیل کو یعنی آفتاب جو صاف نظر آرہا ہے چھوڑ دے اور اس خیالی ستارہ کو جس کا کہیں پتہ بھی نہیں ہے سمجھے ایسا آدمی غلطی کے اسباب میں سے کسی نہ کسی سبب سے ستارہ کے دیکھنے اور اس کو موجود سمجھنے میں بسا اوقات غلطی کر سکتا ہو ایسی حالت میں چاہئے یہ تھا کہ اگر ستارہ کے ہونے کا اسکو یقین بھی ہوتا ہم اپنے دیکھنے کی کوئی تاویل ضرور کرے اور اس آفتاب درخشاں کو جو دن کے وجود کی کھلی دلیل ہے مہمل نہ جانے دے اصل یہ ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے اُسی کو راہ راست دکھاتا ہے۔ اور آگے ہم ایک فرقہ کے بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ زمانہ میں بھی رسولوں کو بھیجا تھا اور اُن کی شریعت ان کے زمانہ کے مناسب اور ساری اصلاح کی پوری پوری ذمہ دار تھی وہ خود بھی کہتے تھے اور اُنکی باتوں سے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ خداوند تعالیٰ کچھ زمانہ کے بعد تمام لوگوں کی طرف ایک رسول بھیجے گا اسکی شریعت بھی اُس کے زمانہ کے مناسب اور تمام اصلاح پر کافی طور سے حاوی ہوگی اور اس رسول میں فلاں فلاں علامتیں موجود ہوں گی جنمیں سے بہت سی علامتیں ابتک بھی اُن کتابوں میں پائی جاتی ہیں جو اُن رسولوں کی جانب منسوب ہیں پس آؤ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں غور کریں اگر اُن کی شریعت اُن رسولوں کے کہنے کے موافق ہوئی اور انمیں کی بتلائی ہوئی علامتیں بھی موجود ہوں گی تو ہم یقیناً سمجھ لینگے کہ یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں اور اگر یہ بات نہ نکلی تو اُن کے دعوے کو غلط کہینگے اور اُن کی بات بھی نہ سنیں گے اس کے بعد جب اُن لوگوں نے آپ کے سارے احوال میں غور کیا تو اُنھیں معلوم ہوا کہ آپ کی شریعت جیسا کہ چاہئے اُسی طرح لوگوں کی اصلاح کی کفیل ہے (جیسا کہ آپ کو اس کے بعد والے فرقہ کے بیان میں معلوم ہوگا) اور اُن لوگوں نے آپ میں ان رسولوں کی بتائی ہوئی علامتیں بالکل صاف طور پر دیکھیں جو کہ پائے جاتے ہیں اس شخص کو تو ذرا بھی [illegible] نہیں رہ سکتا جو اپنے تعصب کو چھوڑ دے اور دائمی تباہی اور بربادیوں کے درپے نہو اور وہ چاہتا ہو کہ حق بات واضح ہو جائے اور اُسے ہمیشہ کے آئے نجات ملے اور اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور اس مقصد میں اپنی قوم کی ملامت اور طعن و تشنیع کی ذرا بھی پروا نہ کرے اور یہ علامتیں اُن کتابوں میں آجتک برابر چلی آئی ہیں اب لیجئے اُن کی تفصیل سنئے اول تو یہ کہ شعیا علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کنایہ کیا تھا آپ پر منطبق ہو گیا اشعیا کا قول یہ ہے "بیشک رب فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہوا اور ہزاروں پاک لوگ اُس کے ہمراہ ہیں اور اُسکی آنکھوں میں آتشی طرز ہے" اور یہ کنایہ ایسا ہی ہے جس طرح اشعیا کے کلام میں سیناء طور سینین سے رب کی آمد موسیٰ علیہ السلام سے کنایہ ہے اور رب کا ساعیر میں روشن ہونا عیسے علیہ السلام سے کنایہ ہے

اب آپ کے اوپر شعیا کے قول کا انطباق دیکھئے کیسا صاف ہے کیونکہ فاران کے پہاڑ سے مراد مکہ ہے جیسا کہ سفر تکوین میں حالات اسمٰعیل علیہ السلام میں منقول ہے کہ وہ فاران میں رہتے تھے (۲) اور انکا (اشعیا کا) یہ قول کہ ہزاروں پاک لوگ اُنکے ساتھ ہیں "آپکے ساتھ والوں کا کنایہ ہے جو تمام عیبوں سے پاک تھے جیسا کہ لوگوں نے انہیں مشاہدہ کیا ہے (۳) اور انکا یہ قول کہ اُسکے ہاتھ میں آتشی شریعت ہے "آپ کی شریعت میں جہاد کے مشروع ہونے سے کنایہ ہے اور آپ پر جو کچھ تثنیہ میں ہے وہ بھی صادق آتا ہے یعنی (۴) رب اُنکو اُنکے (یعنی بنی اسرائیل) بھائیوں میں سے نبی بنا کر اُٹھا کھڑا کریگا" اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہی ہیں (۵) اور یہ کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہیں یعنی شریعت اور مشروعیت احکام اور جہاد کے اعتبار سے اُنکی طرح ہیں (۶) اور یہ کہ خدا کا کلام اُن کے منہ میں رکھا گیا اور وہ یہی الکمال قرآن ہے جسکو آپ دئے ہیں اسکے سوا جو یوحنا میں ہے وہ بھی آپ پر صادق آتا ہے یعنی (۷) آپ فارقلیط اور معزی ہوں گے جو تمام چیزوں کو سکھلائینگے مطلب یہ ہے کہ تمام حقائق اور معارف کو سکھلائیں گے جیسا کہ آپ کے متبعین کے حالات

حاشیہ یہاں یہ شبہ کرنا چاہئے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل کے مثل بنی عیص بھی ہیں کیونکہ عیص بھی ابراہیم کی اولاد تھے پس اس نبی کی تعیین بنی اسمٰعیل ہی میں ہونی کیا دلیل ہے کیونکہ تجھیں دوسری آیات سے معلوم ہو گیا ہے کہ بنو عیص اس عموم سے بوجہ منسوخیت اور شقاق بغض و حسد کے خارج ہوئے اور سند منسوخیت کے بولس کا قول ہے رومیوں کا نواں خط (۹) ۱۳ جیسا لکھا ہے کہ میں نے یعقوب سے محبت رکھی اور عیص سے عداوت اور نیز اس وجہ سے کہ عیص نے اپنے حق نبوت کو جو بوجہ بڑائی کے اُنکو حاصل تھا یعقوب کے ہاتھ بیچ ڈالا سند اسکی کتاب پیدائش باب ۲۵ درس ۳۱ تب یعقوب نے کہا آج ہی اپنے پہلوٹے ہونیکا حق میرے ہاتھ بیچ درس ۳۲ عیسو (عیص) نے کہا دیکھ میں تو مرنے جاتا ہوں پہلوٹا ہونا میرے کس کام آئیگا۔ درس ۳۳ تب یعقوب نے کہا کہ آج ہی مجھ پاس قسم کھا اُسنے اُس پاس قسم کھائی اور اُس نے اپنے پہلوٹے ہونیکا حق یعقوب کے ہاتھ بیچا اور نیز اس لئے کہ یعقوب علیہ السلام نے عیص علیہ السلام کا باقی حق بھی اسحٰق علیہ السلام سے لیا اور سند اسکی وہ قصہ ہے جو کتاب پیدائش باب ۲۷ میں پہلے درس سے ۴۰ درس تک مذکور ہے خلاصہ اسکا یہ ہے کہ اسحاق علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے عیص علیہ السلام کو کہا کہ تو شکار کر کے مجھے لذیذ کھانا کھلا تاکہ میں تجھے برکت بخشوں یعقوب کی ماں ربقہ نے یہ خبر پاکر اپنے بیٹے یعقوب کے ہاتھ اُن کو عیص کا بھیس بدلوا کر اسحاق علیہ السلام کے پاس کھانا بھیجا چونکہ نابینا تھے پہچان نہ سکے اور عیص سمجھکر یعقوب علیہ السلام کو ساری برکت بخشی جب عیص علیہ السلام آئے اور انھوں نے بھی برکت مانگی تو بجائے برکت دینے کے انہیں یعقوب کی اطاعت کا حکم دیا اور برکت چھین لینے کی وجہ سے وہ یعقوب کے دشمن ہو گئے اور آمادۂ قتل ہوئے ربقہ نے یہ بات معلوم کرکے یعقوب کو اپنے بھائی لابن کے پاس حاران جانیکا حکم کیا پس حضرت عیص تو اپنے حق کو یعقوب کے ہاتھ بیچنے اور نیز یعقوب کے اسحٰق علیہ السلام سے حق چھین لینے کے باعث اس عموم سے خارج ہوئے رہی ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیٹوں کی اولاد وہ ابراہیم علیہ السلام کے خارج کر دینے کی وجہ سے پہلی ہی سے خارج ہے سند اسکی کتاب پیدائش باب ۲۵ درس ۵ اور ابراہام نے اپنا سب کچھ اضحاق کو دیا (۶) لیکن حرموں کے بیٹوں کو جو ابراہام سے ہوئے ابراہام نے کچھ انعام دیکر اپنے جیتے جی ان کو اپنے بیٹے اضحاق کے پاس سے پورب کی طرف پورب کی سرزمین میں بھیجدیا (۷) اور ابراہام کی زندگی کے برسوں کے دن جن میں وہ جیتا رہا ایک سو پچھتر برس تھے تب ابراہام جان بحق ہوا اور اچھی بڑھاپے میں بوڑھا اور سیر ہوکر مرا اور اپنے لوگوں میں جا ملا اور اُسکے بیٹے اضحاق و اسمٰعیل نے مکفیلہ کے غار میں [illegible]

سے ظاہر ہے (۷) اور یہ کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کی کہی ہوئی باتیں یاد دلائینگے اور وہ باتیں توحید اور ایمان اور دیانت جو دین کی تعلیم و آخرت کی ترغیب دینا ہیں (۹) اور یہ کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کیلئے بشارت دینگے یعنی اُن کی نبوت و رسالت اور لوگوں کے افتراءات سے اُن کی براءت ظاہر کرینگے (۱۰) اور یہ کہ آپ جب تک کہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف نہ لیجائیں گے تشریف فرما نہ ہونگے چنانچہ ایسا ہی ہوا (۱۱) اور یہ کہ گناہ پر لوگوں کو سرزنش کرینگے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ہر خطاکار اور گناہگار دنیا کو سرزنش کرتے ہیں اور جو کچھ مزامیر میں ہے وہ بھی آپ پر منطبق ہے (۱۲) اور یہ کہ آپ نور ہونگے چنانچہ آپ علی وجہ الکمال حسن رکھتے تھے (۱۳) اور یہ کہ حکمت آپ کے لبوں سے نکلتی ہوگی اور یہ بات آپکے قرآن سے جسکی آپ تلاوت فرماتے تھے اور آپ کے معارف و حِکم کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے (۱۴) اور یہ کہ آپ تلوار لٹکائے ہونگے چنانچہ آپ اعداء دین کے ساتھ لڑائی میں برابر لگے رہے (۱۵) اور یہ کہ آپ قوی ہونگے پس ظاہر ہے کہ آپ قوت دلیل و استحکام کی اور قوت جسمانی ہر اعتبار سے قوی تھے یہانتک کہ آپ نے اپنی جسمی قوت سے بڑے بڑے پہلوانان عرب کو گرا دیا اور یہ کہ آپ (۱۶) حق کے ہمراہ (۱۷) طبیعت کو قابو میں رکھنے والے (۱۸) اور راستباز ہونگے چنانچہ یہ تینوں باتیں آپ میں واضح طور پر موجود تھیں (۱۹) اور یہ کہ تیراندازی آپ کا طریق ہوگا چنانچہ دشمنوں کے تو آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا سامان تیراندازی سے تیار رہنا مشہور بات ہے اور آپکی شریعت میں لوگوں کو حکم ہے کہ تیراندازی سیکھیں اور اگر کوئی سیکھ کر بھول جائے تو وہ گنہگار سمجھا جائیگا اور یہ کہ (۲۰) زمین کا بہت بڑا حصہ آپکے تحت تصرف میں ہوگا چنانچہ آپ قریب قریب تمام ملک عرب پر قابض تھے (۲۱) اور یہ کہ آپ خیر دوست (۲۲) اور گناہ سے بیزار ہونگے چنانچہ یہ دونوں باتیں بھی آپ میں ایسے کھلے طور پر ثابت ہیں جن کا آپ کے دشمن بھی اقرار کرتے ہیں (۲۳) اور یہ کہ شہزادیاں آپکی خدمت کرینگی پس یہ بھی ہوا کیونکہ سرداران عرب کی لڑکیاں جو آپ کے پاس مقید کرکے لائی جاتی تھیں شہزادیوں کے حکم میں تھیں علاوہ بریں صفیہ بنت اخطب جو ایک یہودی بادشاہ کی صاحبزادی تھیں آپ کی زوجہ ہی تھیں (۲۴) اور یہ کہ بادشاہ ہر کہیں سے آپکے پاس ہدیے بھیجینگے چنانچہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور مقوقس شاہ مصر وغیرہ نے آپ کے پاس ہدیے بھیجے (۲۵) اور یہ کہ امراء بھی آپکی اطاعت کرینگے اور اس کے مصداق امت کے وہ امراء ہیں جو آپ کے ارشاد کے موافق اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں اور علاوہ بریں (۲۶) اشعیاہ میں یہ موجود ہے کہ آپ کی نماز ایک نئی طرز کی عبادت ہوگی شریعت محمدیہ کی نماز پر پورے طور سے صادق ہے کیونکہ اس نماز کے مشابہ شرائع سابقہ میں کوئی عبادت نہ تھی اور یہ کہ (۲۷) آپ اس نماز کو علی العموم بڑی بڑی دور کے رہنے والوں پر عائد کرینگے حتیٰ کہ بر و بحر اور بیابانوں میں بسنے والے بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہونگے پس ظاہر ہے کہ بعد ایمان کے سب سے اول درجہ نماز ہی کا ہے کہ جس سے کوئی عاقل بالغ مستثنیٰ نہیں (۲۸) اور یہ کہ بیابان یعنی وہ مقامات جنمیں قیدار سکونت پذیر تھے آپ کے ذکر سے گونج اٹھیگا (۲۹) اور قیدار اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور آپ کے یعنی محمد صلعم کے اجداد کا انھیں کے ذریعہ سے سلسلہ نسب اسمٰعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے اور وہ مقامات یہی عرب کے شہر ہیں جنکو ہر پہر کو جسمیں جہاں دیکھو آپ ہی کا ذکر ہے (۲۹) اور یہ کہ سلع[عہ] کے بسنے والے آپ کا گیت

عہ سلع مدینہ میں ایک پہاڑ ہے اور اُسی پہاڑی کی جانب غزوہ خندق میں جس کا ذکر بشارات جبیل سے بیان غزوات میں انشاءاللہ تعالیٰ آئیگا
خندق کھودی گئی تھی اور یہ پہاڑ مدینہ میں مشہور ہے چنانچہ کتاب معجم کے مصنف بھی ذکر کرتے ہیں اور قاموس کے باب النون فصل السین میں ہے وسلع جبل فی المدینۃ

گائیں گے پس یہ لوگ آپ کے تابع ہیں جو پہاڑوں کی چوٹیوں اور بلند مقامات میں ہر وقت باواز بلند نماز یا اذان میں آپ کا ذکر کیا کرتے ہیں (۱۹) اور یہ کہ ادھر ادھر کے بسنے والے آپ کی ثنا خوانی کریں گے اور یہ رات و دن میں پانچ وقت کی اذان ہے جس میں آپ کا نام جہار یعنی بلند آواز سے لیا جاتا اور آپ کی رسالت کی شہادت دی جاتی ہے۔ (۲۱) اور یہ کہ رب بہادر کی طرح نکلے گا اور یہ جہاد سے کنایہ ہے جو آپ کی شریعت میں مشروع ہے اور چونکہ جہاد میں نیت کے خالص کرنے کی بڑی سخت تاکید ہے یہاں تک کہ جہاد کی تعریف میں بھی اس کا اعتبار کیا گیا ہے چنانچہ کتاب کنز میں جہاد بمعنی اعزاز دین کے لیے دشمن سے لڑنے کا نام ہے تو اب اگر آپ کا بہادر کی طرح نکلنے سے جہاد سے کنایہ کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے (۲۸) اور یہ کہ اندھوں کو آپ ایسی راہ میں چلائیں گے جس سے وہ محض ناواقف ہوں گے اور یہ دین کے بارے میں زیادہ جاہل جو جاہلی قوم تھی جس کو آپ دین کی ایسی راہ پر چلاتے ہیں جس کی اسے خبر بھی نہ تھی (۳۳) اور یہ کہ آپ بتوں اور تراشی ہوئی مورتوں کے پوجنے والوں کی بے عزتی کریں گے چنانچہ ظاہر ہے کہ ایسوں پر آپ خدا کی ساری مخلوق سے زیادہ سخت ہیں اور آپ کا سارا قرآن ان کی عقلوں کی سفاہت کے اظہار اور ان کے بتوں کی طعن و تشنیع سے بھرا ہوا ہے اور اس قسم کے بیشمار مضامین اس میں موجود ہیں (۴۴) اور یہ کہ آپ بڑے لڑنے والے ہوں گے جو مشرکوں کے ہلاک کرنے کے لئے پیدا کئے گئے اور آپ پر وہ مضمون بھی صادق آتا ہے جو متی میں ہے (۴۵) اور یہ کہ آپ کی مثال اس پتھر کی سی ہے جسے معماروں نے رد کیا اور وہ کونے کا سرا ہو گیا یعنی آپ بلحاظ نبوت ہوئے اگرچہ آپ کو پہلی امتوں میں بنی اسرائیل حقیر سمجھتے تھے اس لئے کہ آپ ہاجرہ کی نسل سے ہیں اور ان کی اولاد بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ کنیزک زادے ہیں۔ اور خدا نے

ایک پہاڑ ہے مدینہ منورہ میں اور بخاری شریف کے باب الاستسقاء میں یہ حدیث منقول ہے عن انس بن مالک ان رجلا دخل المسجد یوم الجمعۃ من باب کان وجاہ القضاء ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم یخطب فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائما ثم قال یا رسول اللہ ہلکت الاموال وانقطعت السبل فادع اللہ یغیثنا فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ ثم قال اللہم اغثنا اللہم اغثنا اللہم اغثنا قال انس ولا واللہ ما نری فی السماء من سحاب ولا قزعۃ وما بیننا وبین سلع من بیت ولا دار الخ اور مجمع البحار میں اس جملہ ما بیننا وبین سلع پر لکھا ہے بفتح السین وسکون اللام جبل بالمدینۃ ۱۲ براہین رحیمیہ

عہ جناب مولوی رحم الٰہی صاحب شاگرد جناب مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم نے اپنی کتاب براہین رحیمیہ میں لکھا ہے کہ گیت سے مراد کلام الٰہی ہے اور یہ زبان کا محاورہ ہے کہ کلام الٰہی کو گیت کہتے ہیں چنانچہ اب بھی زبور کے ترجمہ کو ذیل میں گیت لکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی کلام الٰہی آپ پر نازل ہوگا اور وہاں آپ ہجرت کر کے جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کا تفصیلی بیان براہین رحیمیہ میں دیکھئے ۱۲ مترجم

عہ براہین رحیمیہ میں یہ بشارت اس طرح ہے کہ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے اور بحری ملکوں میں اس کی ثنا خوانی کریں گے ۱۲ مترجم

عہ اس کے تفصیلی بیان کا اگر شوق ہو تو براہین رحیمیہ کو دیکھئے وہ بشارات کتب سابقہ کے باب میں نہایت عمدہ اور کافی کتاب ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ شاید ایسی کتاب اس بحث خاص میں اس سے پیشتر اردو میں نہیں لکھی گئی ہو گی مولوی صاحب موصوف نے خوب حق ادا کیا اور بحث ختم کر دی ۱۲ مترجم

سلہ جناب مولوی رحم الٰہی صاحب ساکن قصبہ منگلور ضلع سہارنپور (یو پی بھارت)

انھیں میں سے آپ کو نبی بنا دیا اور جو کچھ بشارات انجیل میں ہے وہ بھی پوری طرح آپ پر بخوبی صادق آتا ہے (۳۶) اور یہ کہ آپ کی حکومت بڑے بڑے فرقوں پر ہوگی اور آپ لوہے کی چھڑی سے انکی نگہبانی کرینگے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ آپ کی ایسی حکومت ہو چکی ہے بڑی سے بڑی متکبر قومیں آپ کے سامنے گردن جھکاتی تھیں اور لوہے کی چھڑی یہی آپ کی تلوار ہے جس سے آپ کجی کرنے والوں کو ڈانٹتے ڈپٹتے تھے (۳۷) اور جب ہم آپ کے لائے ہوئے قرآن میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھلائی کی راہیں بتلاتا ہے اسلئے اسکو وہی صبح کا ستارہ سمجھنا چاہیئے جو آپ کو ملنے والا تھا (۳۸) اور مزامیر میں یہ جو ہے کہ حبشی آپ کے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑینگے وہ بھی آپ پر صادق ہے کیونکہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی آپ پر ایمان لے آیا تھا (۳۹) اور سلاطین یمن آپ کی خدمت میں قربانیاں لیکر حاضر ہوتے تھے (۴۰) اور تمام قومیں آپ کی اطاعت اختیار کرتی تھیں (۴۱) اور یہ کہ آپ مظلوم بیچاروں کو قوی لوگوں کے ظلم سے چھڑانے والے ہوں گے کیونکہ آپکے نزدیک زبردستوں کا کمزوروں پر ظلم کرنا گناہ ہے اور آپ اس سے بہت سختی سے منع فرماتے تھے اور ظالم کو ظلم کرنے سے ہر طرح سے باز رکھتے تھے (۴۲) اور یہ کہ آپ ایسے کمزوروں کو جن کا کوئی یار و یاور نہ ہو ظلم وغیرہ سے چھڑائیں گے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ آپ ایسے ہی تھے (۴۳) اور یہ کہ آپ ضعیفوں اور مسکینوں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے ہوں گے جیسا کہ آپ کے حالات سے ظاہر ہے اور آپ کو ان سے نہایت محبت تھی یہاں تک کہ اپنے آپ کو مسکینوں ہی میں شمار کرتے تھے اور اپنے رب سے یہ دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ مجھے زندگی میں بھی مسکین ہی بنائے رکھ اور مرتے دم بھی مجھے مسکین ہی رکھیو اور قیامت میں بھی مجھے مسکینوں ہی کے زمرہ میں اٹھائیو (۴۴) اور یہ کہ آپ لوگوں سے سود لینا چھڑا دینگے چنانچہ آپ سود سے نہایت سختی کے ساتھ ممانعت فرماتے تھے اور اس کا باعث حاجتمندوں کے حال پر شفقت فرمانا تھا جنکو قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور دولتمندوں کو اس بات پر برانگیختہ کرنا مقصود تھا کہ اہل حاجت کو قرض دے دیا کر اُن کے ساتھ سلوک کیا کریں اور آپ نے اپنے بعض جلسوں میں یہاں تک فرمایا کہ تمام سود میرے قدموں کے تلے پامال ہیں (۴۵) اور یہ کہ آپ شہر سبا کا سونا جو یمن کے اطراف میں کسی طرف واقع ہے لوگوں کو دینگے اور یہ اس طرح صادق ہوا کہ آپ کے پاس اس کا خراج آیا کرتا تھا (۴۶) اور یہ کہ آپ کیلئے روزمرہ برکت کی دعا کیجایا کریگی جیسا کہ یہ آپ کے متبعین کی عبادت میں داخل ہے چنانچہ وہ روزانہ اپنی نمازیں بیس مرتبہ سے بھی کچھ زیادہ یہ پڑھا کرتے ہیں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یعنی اے نبی آپ کو ہمارا سلام پہنچے اور آپ پر خدا کی نوازش اور برکتیں نازل ہوں اور ہر روز دس بار سے بھی زیادہ خدا سے یہ دعا کرتے ہیں کہ بارک علی محمد وعلی آل محمد یعنی اے خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے ماننے والوں پر برکت نازل کر (۴۷) اور یہ بات ہم صاف طور پر مشاہدہ کر رہے ہیں کہ جس دن سے آپ نے نبوت کا دعوے کیا ہے اُس دن سے لیکر آج تک برابر آپ کے متبعین سبزہ کی طرح روئے زمین پر بڑھتے چلے جاتے ہیں جو مضمون اشعیا میں آپ کی نسبت واقع ہے وہ بھی بخوبی آپ پر صادق آتا ہے (۴۸) کہ آپ مؤید اور پسندیدہ ہوں گے اور اس کا پتہ اس طرح لگتا ہے کہ دن بدن آپ کا عروج ہوتا چلا جاتا ہے (۴۹) اور یہ کہ جس دین کو آپ خدا کا دین کہیں گے اس کے اظہار میں نہ گھبرائیں گے نہ اکتائیں گے اور اشعیا میں جو آپ کی نسبت جسمانی علامتیں مذکور تھیں وہ بھی آپ میں بخوبی ظاہر تھیں (۵۰) یعنی گیہوں رنگ

بیضہ کے برابر کچھ شانہ پر شاہی مہر ہوگی اور آپ اسکو مہر نبوت تعبیر فرماتے تھے (۵۱) اور یہ کہ آپ نئے نام سے پکارے جائیں گے چنانچہ آپ کا اسم مبارک محمد تھا کہ یہ نام آپ کے اجداد میں کسی کا بھی نہ ہوا تھا اس کے علاوہ آپ کا نام احمد بھی تھا اس کے ساتھ بھی آپ سے پہلے کوئی موسوم نہیں ہوا تھا (۵۲) اور یہ کہ خدمت مشورہ کرینگے اسلئے کہ آپ دعوے کرتے تھے کہ میں کوئی بات اپنی خواہش نفسانی کے موافق نہیں کہہ دیا کرتا ہوں جو کچھ میں تم لوگوں کو تعلیم کرتا ہوں وہ خدا کے پاس سے وحی ہی آیا کرتی ہے (۵۳) اور یہ کہ تمام عالم کے آپ باپ ہوں گے اور یہ بات بھی کچھ جھوٹ نہیں کیونکہ آپکے متبعین آپ کی اطاعت کے اعتبار سے بیٹوں ہی کی طرح ہیں اور آپ بھی شفقت و تربیت کے لحاظ سے گویا بالکل باپ ہی ہیں (۵۴) اور یہ کہ آپ امن قائم کرنے والے سردار ہوں گے چنانچہ آپ نے جاہلیت کی لڑائیوں کو جو عرب میں ہوا کرتی تھیں اور جن کا نتیجہ سوائے لوگوں کے ہلاک کرنے کے اور کچھ بھی نہ تھا بالکل مسدود کر دیا۔ رہا آپ کا دشمنوں سے لڑنا وہ محض اس غرض سے تھا کہ وہ دین جسکی نسبت آپ دعوے کرتے تھے کہ یہ خدا کا دین ہے محکم ہو جاوے اور عالم میں امن قائم ہو پس یہ تو اسی عربی مثل کے موافق ہو گیا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قتل کرنا ہی قتل کرنے کو خوب روکتا ہے یعنی فسادیوں کو قتل کر دینے سے اور لوگ محفوظ رہتے ہیں (۵۵) اور یہ کہ آپ کی حکومت کو دن بدن عروج ہوتا رہیگا چنانچہ یہ کھلی آنکھوں نظر آتا ہے (۵۶) اور یہ کہ آپ کی وجہ سے بہت کچھ امن قائم ہو جائیگا چنانچہ جیوں جیوں آپ کے متبعین بڑھتے گئے لوگوں کی حالتیں درست ہوتی گئیں اور جاہلیت کے فتنے مٹتے گئے (۵۷) اور یہ کہ آپ شتر سوار ہوں گے اسلئے کہ آپ اہل عرب سے ہیں جو لوگ بڑے شتر سوار مشہور ہیں جس طرح کہ عیسیٰ علیہ السلام دراز گوش پر سوار ہوتے ہوئے لکھے ہیں (۵۸) اور یہ کہ آپکے تسلط کے بعد بت ٹوٹ جائیں گے اور زمین پر پھینک دیئے جائیں گے جیسا کہ آپ نے اسوقت کیا جبکہ مکہ فتح ہوا اور آپ کعبہ میں داخل ہوئے پس آپ بتوں کو کعبہ سے گراتے جاتے تھے اور بت شکست ہو رہے تھے اور جو کچھ یوحنا کے خواب کے بیان میں ہے وہ بھی آپ پر صادق آتا ہے (۵۹) کہ آپ امین کے لقب سے مشہور ہوں گے چنانچہ آپ اس نام سے دعوے رسالت کے قبل ہی مشہور ہو چکے تھے اور آپ کو لوگ محمد امین کہا کرتے تھے (۶۰) اور یہ کہ آپکا حکم کرنا اور جنگ کرنا عدل پر مبنی ہوگا چنانچہ آپ کو ہم نے ایسا ہی پایا حتی کہ آپ نے اپنی امت پر یہ بات فرض کر دی کہ اپنے پرایا اپنی اولاد ہی پر کیوں نہ حکم کرتا ہو لیکن کسی طرح اُسکے ہاتھ سے عدل نہ جانے پاوے علیٰ ہذا القیاس آپ کا جنگ کرنا بھی محض عدل کے موافق تھا کیونکہ عہد کرنے کے بعد بدعہدی جانتے ہی نہ تھے اور نہ جہاد میں کسی عورت اور لڑکے کو قتل کرتے تھے اور نہ کسی ایسے کو مارتے تھے جو لڑائی کرنے اور تدبیر جاننے سے عاجز ہو اور نہ اُس شخص کو مارتے تھے جو اپنے زعم کے موافق گوشہ عبادت میں بیٹھا ہو (۶۱) اور یہ کہ آپ کے لشکر کا لباس سفید اور پاکیزہ ہوگا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کو سفید لباس اور سب لباسوں سے زیادہ پسند تھا اور آپ کی امت نے بھی اُسے اختیار کیا ہے اور جمعہ کے روز جو گویا مسلمانوں کی ہفتہ وار عید ہے آپ کی شریعت میں سفید لباس پہننا بہت مناسب خیال کیا گیا ہے (۶۲) اور یہ کہ آپ کے مُنہ سے ایک تیغ رواں نکلے گی تاکہ آپ لوگوں کو اس سے ماریں یہ آپکے لئے نعمتے قرآن پر پورے طور سے منطبق ہے کیونکہ آپ نے عرب کے لوگوں کو اُسکے مقابلہ کرنے سے عاجز کیا بلکہ سچی سچی اُنکی انجیل بھی ماری دیا (۶۳) اور یہ کہ پرندے اُن بادشاہوں کا گوشت کھائیں گے جو آپ سے لڑکر مقتول ہوں گے یہ بات بھی سب

جانتے ہیں کہ آپ نے کتنے ہی میدانوں کو بادشاہوں کی لاشوں سے بھر دیا اور انھیں پرندوں کی خوراک بنا دیا (۶۴) اور یہ کہ شاہانِ روئے زمین سب آپ کے خدم و حشم کے اتفاق کر کے آپ سے جنگ کرینگے پس شاہانِ خیبر اور عرب کی دیگر قوموں کا متفق ہو کر آپ سے مقابلہ کرنا اس کی کافی شہادت ہے اور آپ کے متبعین پر وہ مضمون بھی جو مزامیر میں ہے صادق آتا ہے (۶۵) کہ ان کے ہاتھ میں دو دھاری تلوار ہوگی اور بڑے بڑے جابروں سے انتقام لیں گے (۶۶) اور یہ کہ بادشاہوں کو طوق اور زنجیروں میں کھینچیں گے پس بلا شک یہ دونوں باتیں بھی وہ لوگ کر چکے ہیں (۶۷) اور یہ کہ وہ لوگ اپنی خوابگاہوں میں خوش خوش آرام کریں گے چنانچہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ سوتے وقت وہ یادِ خدا سے اپنا جی خوش کیا کرتے ہیں یہانتک کہ سو جاتے ہیں (۶۸) اور یہ کہ ہر وقت خدا کی عظمت بیان کرینگے پس اسکی مصداق ان کی نماز ہے کہ اس سے پہلے بھی اذان میں تکبیر کہتے ہیں اور بغیر تکبیر کے تو ان کی نماز شروع ہی نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت بھی وہ تکبیر کہتے ہیں اور عید الضحیٰ کی تکبیرات تو مشہور ہی ہیں بہرحال ان کی نماز کے ہر ہر فعل سے خدا کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور ان پر وہ مضمون بھی صادق آتا ہے جو یسعیاہ میں ہے (۶۹) کہ خدا بنی اسرائیل کو ان سے غیرت دلائیگا اور ایک جاہل فرقہ سے انکو غیرت دلا کر غضبناک کریگا اسلئے کہ قوم عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی سے پہلے نہایت ہی جاہل تھی سوائے بت پرستی کے اسے کسی دین کی خبر ہی نہ تھی اور اسوقت کے یہود کا حسد مسلمانوں کے ساتھ مشہور ہے (۷۰) اور یہ کہ وہی لوگ ایسے ہوں گے جنھیں بے مانگے مراد ملے گی اس لئے کہ انھوں نے کسی شریعت کی درخواست نہیں کی تھی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مکہ پر وہ مضمون جو اشعیا میں ہے صادق آتا ہے (۷۱) کہ وہ بانجھ ہوگا کیونکہ بعد اسمٰعیل علیہ السلام کے اس میں کوئی نبی نہیں ظاہر ہوا تھا (۷۲) اور وہ وحشی (یعنی خانماں برباد) عورت کے بیٹے ہی ہر جگہ لوگ ہیں کیونکہ یہ ہاجرہ علیہا السلام کی اولاد میں ہیں جو بمنزلہ مطلقہ کے ہو رہی تھیں اور دوسرا قرینہ اس کا یہ ہے کہ اسمٰعیل ہی کے حق میں یہ واقع ہوا ہے کہ وہ وحشی آدمی ہونگے جیسا کہ سفر تکوین میں مذکور ہے اور شوہر والی عورت کے بیٹوں سے سارا علیہا السلام کی اولاد مراد ہے پس مکہ کو جو بانجھ عورت کے لقب سے پکارا گیا ہے اس خطاب کرنیکا راز ظاہر ہو گیا کہ تو خدا کی

ف۔ علیہ السلام ہونا چاہئے کلام انجیل جو اس موقع پر انجیل میں لفظ وحشی پایا جاتا ہے وہ تحریف ہی بجائے اس کے شاید کوئی اور لفظ ہوگا چنانچہ مولوی رحمت اللہ صاحب نے ایک دوسری بشارت ذیل میں بیان میں اس کی تصریح کر دی ہے ہم انکی عبارت نقل کرتے ہیں اس سے ایک اور بشارت بھی معلوم ہو جائیگی صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۲۸ درس ۱۱ ہاں وہ وحشی لب سے ہونٹوں اور اجنبی زبان سے اس گروہ کے ساتھ باتیں کریگا اور بیدا تکوین کے سولہویں باب کے درس ۱۲ میں نسبت اسمٰعیل علیہ السلام کی مذکور ہے وہ وحشی آدمی ہوگا اس کا ہاتھ سب کے اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہونگے اور وحشی نعوذ باللہ من التحریف یعنی اسمٰعیل علیہ السلام عربی اللسان تھے اور کلام اللہ اور کلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہے نہ انجیل مسیح اور نہ زبان مسیح علیہ السلام اجنبی۔ مولوی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ درس ۱۱ میں وحشی تحریف ہے لیکن خیر ہمارا اصل مطلب اب بھی ثابت ہو جائیگا کیونکہ جب وحشی اسمٰعیل علیہ السلام کا وصف ٹھہرا تو درس ۱۱ میں وحشی لب سے ہونٹوں اور اجنبی زبان والے سے مراد اسمٰعیل کی زبان ہوگی اور انکی زبان عربی تھی۔ پس انکی اولاد سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اور اس زبان میں جو کتاب ان پر نازل ہوئی وہ قرآن شریف ہے نہ کہ انجیل کیونکہ وہ عبرانی میں تھی

پاکی اور وحدانیت بیان کرے گا اور شکر کا اظہار کرے گا کیونکہ خاندان برباد ہاجرہ کی اولاد سے جو بمنزلہ مطلقہ کے ہو رہی تھیں تیری
سارہ کی اولاد سے افضل نکلے جو شوہر دار کے مبارک لقب سے یاد کیجاتی تھیں (۲۰) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے مکہ کو جو وسعت
حاصل ہوئی ہے وہ عبادت گاہوں میں سے کسی کو بھی حاصل نہوئی ہوگی (۲۱) اور ہر سال قربانیاں کیجانیکی وجہ سے جو مکہ کی توقیر ہوئی
ہے وہ شاید ہی کسی عبادت گاہ کو نصیب ہوئی ہو۔

پس یہ فرقہ رسل ماضیہ کی بتلائی ہوئی علامتوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے متبعین کے حالات سے مقابلہ کر چکا اور بلا استثناء تمام
علامتیں آپ کے حالات پر منطبق آئیں اور علامتیں بھی ایک دو نہیں ستر سے بھی کچھ زیادہ اور پھر ستر کا عدد بھی کثرت کے اظہار میں
بہت کچھ بڑھا ہوا ہے یہانتک کہ مبالغہ کے موقع میں زبان زد ہے تب تو ان میں سے ایک دوسرے سے یوں کہنے لگا کہ جب کہ یہ
علامتیں کتب سابقہ میں بیان کی گئی ہیں اس زمانے سے آج تک کوئی ایسا رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نہیں گذرا کہ جس میں
آپ کی طرح ساری علامتیں موجود ہوتیں اگرچہ بعض رسولوں میں کچھ کچھ علامتیں پائی بھی گئیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہوا
کہ بعض علامتیں باقی بھی رہ گئی ہیں اور یہ نوبت نہیں آنے پائی کہ ساری علامتوں کے جامع ہونیکا اطلاق ان پر ہو سکے کیونکہ انکے
حالات اور علامات میں کچھ نہ کچھ مخالفت اور منافات ہمیشہ پائی گئی مثلاً یہ بات پائی گئی کہ نیکی کو پسند اور گناہ کو ناپسند کرتے تھے لیکن
سلاطین ان کے مطیع نہیں ہوئے اور نہ انھوں نے لوہے کی چھڑی سے لوگوں کو راہ راست پر چلایا اور نہ وہ دشمنوں سے بزور لڑنے
والے نکلے اسی طرح اور علامتوں کا حال سمجھئے اور پھر ان سب علامتوں کا باوجود اپنی کثرت اور گوناگوں ہونے کے محمد صلی اللہ علیہ
وسلم میں محض اتفاقی طور پر جمع ہو جانا کسی طرح عقل میں نہیں آتا اور کوئی منصف ان سب کے اتفاقی طور پر مجتمع ہونے کا ہرگز قائل
نہیں ہو سکتا ہاں کوئی اپنی وقعت ثابت کرنے کیلئے یا عداوت کی راہ سے کہدے تو بات ہی دوسری ہے۔ پھر بعد اس کے
کہ اتنی زیادہ علامتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہو جائیں اور اس بات کا کوئی عقلی یا عرفی مانع بھی نہ پایا جاوے اور نہ عقل
یا شرع کی مخالفت لازم آئے کہ جنکی نسبت یہ علامتیں بتلائی گئی تھیں وہ آپ ہی ہیں تو اب بھی اگر کوئی یہ کہے کہ شاید وہ کوئی
دوسرے شخص ہوں گے جو ابھی آئے نہیں آئندہ آئیں گے تو یہ بات نا عاقبت اندیشی اور عداوت پر مبنی نہیں تو اور کیا ہے
اور ایسا کہنا محض لغو اور سراسر بے سود ہے اور یہ کہ ایسے شخص کی اطاعت سے جس میں کہ ساری علامتیں متحقق ہو چکیں روگردانی
کرنا اور کسی دوسرے کا انتظار کرنا جسکی آمد مشکوک اور محض ایک گمان ہی گمان ہو نہایت بے عقلی کی بات ہے۔ بھلا غور تو کیجئے
کہ اگر کوئی شخص اپنے نوکر کو ایک خط دیکر اس سے یہ کہدے کہ اس شخص کو دیدینا جو تھوڑے عرصہ میں تیرے پاس آئیگا اور کہیگا
کہ میں وہی شخص ہوں جسے کہ تیرے مالکنے خط دیا ہے اور اس کو اس شخص کی چند علامتیں بھی بتلا دے جن کا دو آدمیوں میں
بھی مجتمع ہو جانا عقل کے نزدیک مستبعد خیال کیا جاتا ہو اور پھر وہ شخص نوکر کے پاس آکر اسکے مالک کے بتلانیکے موافق وہ خط
طلب کرے اور نوکر اس میں اپنے مالک کی بتلائی ہوئی علامتیں دیکھنے پر بھی اسے خط نہ دے اور اس نہ دینے کی وجہ یوں بیان کرے کہ
شاید میرے مالک کا بتلایا ہوا شخص تو نہیں ہے کوئی اور ہو گا۔ اب بتلائے کہ کونسا ایسا عاقل ہو گا جسے اس بات میں

ذرا بھی شبہ ہو کہ اس نوکر نے اپنے مالک کے کہنے پر عمل نہیں کیا اور سزا کا مستحق ٹھیرا اور محقق بات کو چھوڑ کر ایک امر موہوم کا منتظر
ہو بیٹھا جسکی وجہ سوائے اسکے وسوسہ یا ایسی ہی کوئی دوسری شے کے اور کیا ہو سکتی ہے پس ہم لوگ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ساری
علامتیں منطبق ہونیکے بعد بھی اگر آپ کا اتباع نہ کریں اور کسی دوسرے کا انتظار کرنے لگیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب سیکڑوں
برس کا زمانہ گذر بھی گیا ہو اور کوئی دوسرا نہ آیا ہو، تو بیشک عقل سلیم ہمکو بھی اسی نوکر کی طرح راہ راست سے منحرف ہونے والا
ٹھیرانے میں تامل نہ کریگی پس اگر بعد اس بات کے بھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق ٹھیر چکے اور ان میں ساری علامتیں بھی ہم لوگوں
نے دیکھ لیں ہم آپ کی تصدیق نہ کریں اور کسی دوسرے کے انتظار میں رہیں تو بتلائیے کہ اپنے رب کو ہم کیا جواب دے سکتے ہیں۔ کیا
اللہ سبحانہ کے سامنے جس سے ایک ذرہ بھی مخفی نہیں یہ کہہ سکینگے کہ آپ کی بتلائی ہوئی علامتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق نہیں ہوئیں
اور اس طرح جھوٹ بولکر نجات پا جائیں گے؟ یا ہم یہ کہہ سکینگے؟ کہ ہم نے تو اُن کی تصدیق اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ ہمیں انتظار
تھا کہ اُن کے بعد کوئی دوسرا شخص آئیگا اور پھر اگر خدا ہم سے پوچھنے لگے کہ ایسا تم نے کیوں کیا اور کس دلیل سے تم اُنکی تصدیق
چھوڑ کر کسی دوسرے کے منتظر بن بیٹھے تو بھلا سوائے اسکے ہم کیا جواب دے سکتے ہیں کہ صاحب اب تو ہم نے ایسا ہی کیا محقق امر
کو چھوڑ دیا اور امر موہوم کا انتظار کرنے لگے اور کیا ایسا جواب دینا ہمیں نجات دہ ہونیکے کافی ٹھیر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں پس
ہمارے حق میں ٹھیک بات یہی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کریں اور آپکے دعوے کو سچ جانیں اور اگر اس طرح
جیسے کہ حق پر استدلال کرنے کیلئے کبھی محال بھی فرض کر لیا جاتا ہے ہم یہ بھی فرض کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص نہیں ہیں جنکی
خدا اور اس کے رسولوں نے علامتیں بتلائی تھیں اور آپ میں علامتیں جمع ہونے پر ہم چوک بھی جائیں تو بیشک ہمکو عذر کرنے کا
موقع مل سکتا ہے اور ہم اسوقت اپنے رب سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اے ہمارے رب تجھے تو سب کچھ معلوم ہے تو سچے اور جھوٹے رسولوں سے
بھی خوب واقف تھا اور سارے آئندہ واقعات کی بھی تجھے پوری پوری خبر تھی پس جب تو یہ جانتا تھا کہ اس سچے رسول کے
پہلے جسکی علامتوں سے تو نے ہمیں اپنے رسولوں کے ذریعہ سے مطلع کیا تھا کوئی جھوٹا مدعی نبوت بھی ہوگا کہ جسمیں ساری بتلائی
ہوئی علامتیں پائی جائینگی تو کیا تیری حکمت کاملہ اور مہربانی اور رحمت کا یہ مقتضیٰ نہ تھا کہ انھیں رسولوں کے ذریعہ سے اس جھوٹے
شخص سے بھی آگاہ کر دیتا اور زیادہ نہ سہی ایک ہی آدھ کوئی ایسی علامت بتلا دیتا جس سے ہم سمجھ لیتے کہ یہ شخص سچا رسول نہیں
ہے اور ہمیں سچے اور جھوٹے کا پتہ لگ جاتا اچھا اب بھی جانے دیجئے وہ رسول جہاں انھوں نے اور ساری علامتیں بتلائی تھیں اتنا
اور کہدیتے کہ ایک جھوٹا مدعی نبوت بھی ہوگا جسمیں یہ سب علامتیں موجود ہونگی اُس سے ذرا ہوشیار رہنا پس اے ہمارے رب
جبکہ ان باتوں سے ہمکو کچھ بھی نہیں بتلایا گیا تو تیری حکمت کا تو صاف یہی مقتضیٰ ہے کہ تو مواخذہ کرنے سے ہمکو معاف رکھیگا اور بخشدیگا

ع مترجم کتاب کہ علاوہ علامات مذکورہ کے کتب سابقہ ذیل سے بعثت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا پتہ بھی لگتا ہے چنانچہ جناب
مولوی رحمت اللہ صاحب نے اپنی کتاب ازالۃ الشکوک کے باب اول فصل سوم میں صفحہ سے لیکر تک اس بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور متعدد
بشارات سے زمانہ بعثت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخوبی ثابت کر دکھایا ہے بخوف طوالت ہم اسکو یہاں نقل نہیں کر سکتے شائقین اسکو وہیں دیکھیں۔ مترجم

مقصود کے خلاف اس دستہ رسول کی اطاعت کرنے سے ہم کو عذاب دیگا کیونکہ ہمارا تو کھلا ہوا عذر ہے لیکن یہ بات تو ہو ہی نہیں سکتی خدا لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے سے پاک اور مبرا ہے اس لئے کہ دھوکے میں ڈالنا اس کی حکمت کے نقصان کا باعث ہوا اور اس کی حکمت میں سارے نقصانات محال ہیں پس نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کا بندوں کو دھوکے میں ڈالنا بھی محال ہے اور کسی طرح نہیں ہو سکتا پس اگر ان علامات سے سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کا بتلانا مقصود ہوتا تو ہم ایسی حالت میں ضرور دھوکے میں پڑتے اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ خدا کا بندوں کو دھوکے میں ڈالنا ممکن ہی نہیں پس یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی اور مراد نہیں ہو سکتا آپ ہی مراد ہیں جس میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں پس ہم نے ان دلیلوں پر نہایت اطمینان سے اعتماد کرکے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی اور آپ کے مطیع بن گئے کیونکہ ان دلیلوں کو دیکھ کر ہماری صریح عقلوں نے صاف یہی حکم دیا کہ آپ کسی طرح جھوٹے نہیں ہو سکتے۔

ف میں کہتا ہوں کہ اگر اس فرقہ کو اس کے سوا اور علامتیں بھی جو انہیں کتب سابقہ میں موجود ہیں دیکھنے کا موقع ملتا جو آپ کے زمانہ کے بعد آج تک ظہور پذیر ہوتی رہیں تو ان کو ان سب علامتوں کے پورے ہونے سے بڑی خوشی حاصل ہوتی اور مخالفین کے مقابلہ میں ان کی دلیل اور بھی قوی ہو جاتی۔

یہاں اس کا بیان ہے کہ آپ پر وہ مضمون بھی صادق آتا ہے جو مزامیر زبور میں ہے (۵) کہ بہت سی قومیں آپکے تحت تصرف میں ہو جائیں گی چنانچہ فارس، روم، بربر، اور اکراد کے علاوہ اور لوگ بھی آپ کی امت کے مطیع بن گئے اور ان کے ممالک پر ان کا تسلط ہو گیا اور اس حق پر یہ نہ کہے گا کہ یہ تو آپ کی اطاعت نہ ہوئی بلکہ آپ کی امت کی اطاعت ہوئی اس لئے کہ یہ مجازاً تعبیر کیا گیا ہے ایسی تعبیرات رسولوں کی کتابوں میں بہت ملیں گی اسی کو نہ دیکھئے کہ خدا نے بنی اسرائیل سے جبکہ انہیں مصر سے نکالا ہے یہ وعدہ کیا تھا کہ انہیں بیت المقدس کا مالک بنا دیگا اور پھر صرف ان کی اولاد کو مالک بنایا گیا کیونکہ خود وہ لوگ جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلے تھے وادی تیہ میں ہی ہلاک ہو چکے تھے جیسا کہ ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے علاوہ اس کے اس مجاز کی اور بہت سی نظیریں ملیں گی۔

(۶) اور یہ کہ آپ کے بیٹے اپنے آباء کے عوض میں زمین میں سردار بنیں گے چنانچہ آپ کی اولاد میں سے بہتیرے یمن حجاز او عرب وغیرہ میں سردار گذرے ہیں اور ان کے بیٹے ان کے قائم مقام بنے ہیں (۷) اور یہ کہ آپ کا نام ہر دور میں برابر لیا جاویگا چنانچہ باوجود اتنا زمانہ منقضی ہونے کے آپ کی امت کے درمیان اذان میں نمازوں میں ہر خطبہ کے افتتاح میں ہر دعا کے خاتمے میں آپ کا برابر نام لیا جاتا ہے (۸) اور یہ کہ مختلف فرقے آپ کی ثنا کریں گے چنانچہ آپ کی امت سے عرب، ترک، فارس، ہند، داغستان، افغان، قزاق اور بربر سوڈان وغیرہ کے فرقے اپنی اپنی زبانوں میں آپ کی توصیف وثنا کرتے ہی ہیں (۹) اور یہ کہ آپ ہمیشہ بابرکت رہیں گے اور آپ اس زمانہ تک بابرکت کے متعدد معانی میں سے جس لحاظ سے ہم دیکھیں برابر بابرکت ہی رہے ہیں اور جو کچھ بخت نصر کی خواب کی تعبیر دانیال نے بتلائی ہے وہ بھی آپ پر صادق ہے (۱۰) کہ آپ کو اور آپ کے متبعین کو حکومت ملیگی چنانچہ مسلمانوں کا

مشرق سے لیکر مغرب تک خصوصاً بلاد فارس پر جنکے بارہ میں یہ خواب تھا تھوڑے ہی زمانہ میں تسلط ہو گیا (۲۱) اور یہ کہ آپ کی مثال اُس پتھر کی سی ہے کہ جو کسی پہاڑ سے جدا ہو گیا ہو اور پھر اُس نے ٹھیکری، لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کو پیس ڈالا ہو ان سے مراد فارس کی سلطنتیں ہیں جن کا تاریخ سے پتہ چلتا ہے کیونکہ وہ آپ کی اُمت کے زمانہ میں بالکل پس گئیں اور نیست و نابود ہو گئیں کسی کا نشان بھی باقی نہیں رہا (۲۲) اور یہ کہ آپ کی مثال اس پتھر کی سی ہے جو پہاڑ بن گیا ہو اور اس نے بہت کچھ زمین گھیر لی ہو چنانچہ آپ کی امت کا تسلط عظیم اسی قبیل سے ہے اور آپ کی شریعت پر وہ مضمون صادق آتا ہے جو متی میں ہے (۲۳) اور یہ کہ اللہ کا ملکوتی حکم اُس رائی کے دانہ کے مشابہ ہو گا کہ جسے کسی آدمی نے لیکر کھیت میں بویا ہو اور پھر وہ بڑھکر بڑا سا درخت بن گیا ہو پس اسی طرح آپ کی شریعت کا حال ہوا کہ پہلے نہایت ضعف کی حالت میں تھی اسلئے کہ آپ مختلف فرقوں بادشاہوں کے خلاف تن تنہا کھڑے ہو گئے تھے اور اُس کے رفیع الشان بنانے میں آپ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ یہ نوبت پہنچی کہ آپ کے دین کی مدد ہوئی آپ کی شریعت کو شیوع نصیب ہوا اور وہ بہت کچھ بڑھ گئی اور اس کے عروج کا پایہ نہایت بلند نظر آنے لگا خصوصاً اس حالت کے بعد تو کچھ پوچھنا ہی نہیں جبکہ آپ کی امت کے علماء نے اسکی تشریح کی، اس سے احکام مستنبط کئے اور اس کے حلال و حرام کو واضح کر دیا (۲۴) اور یہ کہ شریعت غیر قوموں سے چھین کر آپ کی امت کو دیدی جائیگی جو اُس کے ثمرات کے موافق عمل درآمد کرے گی پس ظاہر ہے کہ آپ کی شریعت ایسی ہے کہ بلحاظ عدل، درآمد اور اقتصاد کوئی شریعت اُسکی ہم پلہ نہیں اور آپکے متبعین اعتقاد اور عمل دونوں کے لحاظ سے اس کا اہتمام کرتے ہیں اور جو مضمون مزامیر میں ہے وہ آپ پر صادق آتا ہے (۲۵) یہ کہ آپ ایک بحر سے لیکر دوسرے بحر تک مالک ہو جائینگے چنانچہ آپ کی امت بحر ہند سے لیکر بحر طنجہ کے اُس سرے تک مالک ہو چکی (۲۶) اور یہ کہ آپ نہر سے لیکر زمین تک (یعنی خشکی) کے سرے تک مالک بن جائیں گے پس آپ کی امت نہر اردن سے لیکر جو داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے نزدیک بڑی ہی مشہور نہر تھی بلاد عرب کی انتہا تک مالک رہ چکے اور یہی زمین کا سرا ہے کیونکہ خشکی یہیں ختم ہوتی ہے اس کے بعد بحر اوقیانوس جنوبی شروع ہوتا ہے اور جو مضمون اشعیاء میں ہے وہ بھی آپ کی امت پر صادق آتا ہے (۲۷) کہ حق لوگوں کی (یعنی مسلمانوں کی) تلوار، تیر، کمان اور سخت لڑائی کے سامنے دشمن

ف: جناب مولوی رحمت اللہ صاحب کی تحقیق کے موافق چونکہ مصنف حمیدیہ سے اس مقام پر بشارت ۔۔۔۔ پر تسامح واقع ہوا ہے اسلئے ہم انہیں کی کتاب براہین رحمیہ سے نقل کرتے ہیں (ضمیمہ براہین ۱۵) ترجمہ بائبل ہندی مطبوعہ مرزاپور ۱۸۷۰ء صحیفہ یسعیاہ (اشعیا) باب ۲۱ درس ۱۳ البشارة فی العرب (وحی قیدار) پہلے باب کی دوسری فصل میں اُن درسوں کا ہی بیان ہو چکا ہے اور خلاصہ اس کا یہ ہو کہ جن کا ذکر کیا اس بشارت کے پہلے درسوں میں ہے اُن شتر سوار کے وطن کا بیان اُن درسوں میں ہے یعنی عرب میں پیدا ہونگے اور نبوت بھی آپکی عرب ہی میں ہوگی اور آپ قیداری ہوں گے یعنی سیدنا ذبیح اللہ اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی اولاد میں آپ پیدا ہوں گے یہ تیرھویں درس کا بیان ہوا ترجمہ بائبل ہندی مطبوعہ مرزاپور ۱۸۷۰ء درس (۱۴) پانی لیکے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ اے تیما کی سرزمین کے باشندو روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو درس (۱۵) کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں اور درس ۱۶

بقیہ بر صفحہ ۳۲

بھاگ کر نبرد ہوں گے (۸۹) اور یہ کہ قیدار کی حشمت جو عرب کے مورث اعلیٰ ہیں نیست و نابود ہو جائیگی اور ان کمانوں کی تعداد گھٹ جائیگی اور یہ بات آپ کی امت کے غالب ہونے سے صادق ہوئی جنکی باہم امانت کرنیکی بنا محض اتحاد دین ہے نہ علاقہ قومیت اور آپکی یہ بھی صادق ہے کہ (۹۰) آپ کی وجہ سے اندھی آنکھیں اور بہرے کان کھل جائیں گے اور اس سے آپکی شریعت کی بدولت ان جاہل قوموں ہدایت پانا مراد ہے (۹۰) اور یہ کہ خشک صحراؤں میں چشمے پھوٹ نکلیں گے اور میدانوں میں نہریں جاری ہو جائینگی اور ریگستانوں کے باغ بھلائے ہونگے اور جن میدانوں میں لوگ پیاسوں مرا کرتے تھے وہاں پانی کے چشمے بہیں گے اور یہ اسطرح صادق ہو کہ خلفاء نے راہ حجاز میں تالاب تعمیر کرائے اور نہریں جاری کیں (۹۱) اور یہ کہ وہاں ایک کوچہ یا راہ ہوگی جو مقدسہ کہلائیگی یا اسطرح کہ اُنکے مذہب کے موحد و مشرک مقدس اور پاک ہیں اُنمیں گذرتے ہیں (۹۲) اور یہ کہ اُسمیں کوئی ناپاک نہ چلے گا چنانچہ مشرکین کو اسکی اجازت نہیں ہے (۹۳) اور اسمیں چلنے والا سو جبرے کبھی بہتر نہ ہوے گا کہ اسمیں بہت سے نشانات ہوں گے اور حاجیوں کے آثار پائے جائیں گے جو ہزاروں کے ہزاروں ہی ہر سال بغرض حج اُسمیں چلیں گے (۹۴) اور یہ کہ اُس میں اللہ کے مہمان چلیں گے اور یہ لوگ کعبہ کا حج کرنیوالے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنیوالے ہیں جن کا ہر سال مجمع ہوتا ہے (۹۵) اور یہ کہ لوگ وہاں سے لوٹتے ہوئے صیہون کو آئیں گے اور وہ بلاد مقدسہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے جو داؤد علیہ السلام کی بادشاہت میں داخل تھا اور اس سے مراد وہ حاجی مراد ہیں جو حجاز کے شہروں سے لوٹ کر اپنے شہروں میں آتے تھے اور انھیں میں سے صیہون بھی ہے اور اسطرح کی واپسی اُسوقت نہایت ہی ظاہر ہو جاتی ہے جب اُن حاجیوں کو دیکھا جائے جو بلاد مقدسہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱

خداوند نے مجھے یوں فرمایا ہنوز ایک برس ہاں مزدور کی سی ٹھیک ایک برس میں قیدار کی حشمت جاتی رہیگی (۱۴) اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا ہے انتہی چودھویں درس میں ذکر ہجرت صلی اللہ علیہ وسلم علیہ یعنی مدینہ منورہ کیطرف ہے اور آپ کو اس سفر میں شدت تشنگی پیش آئی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بکری کا دودھ چرواہے سے لیکر لسی بناکر جانعالم کیجانب نفس و جان کو پلائی ہے اور موافق ارشاد اسی درس کے اے تیما کی سرزمین کے باشندو روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو اور پیاسے کا استقبال کرنے آؤ یعنی ان دنوں میں کہ آپ کی مدینہ منورہ میں آمد آمد کی خبر گرم تھی تیما یعنی طیبہ والے ہر روز آپکے استقبال کے واسطے آتے اور مکہ معظمہ کے راستہ پر منتظر طلوع روشنی جمال محمدی کے پہر دن چڑھے تک بیٹھے رہتے اور درس (۱۵) کیونکہ کھنچی تلواروں کے سامنے سے الخ میں بیان سبب ہجرت کا ہے اور وہ یہی تھا جو بیان فرمایا اسلئے کہ تمام قبیلے عرب کے آپکی عداوت میں جو محال ہے شریک ہوگئے تھے اور وہ ہزاروں تلواریں گویا کہ ایک تلوار بن گئی تھیں اسی سبب جمع کو صیغہ واحد کے ساتھ تعبیر کیا اور نیز تلواروں سے بھاگے ہیں" میں مشرعیت صدیق رضی اللہ عنہ اور ہادی کا بھی پتہ ہے درس (۱۶) خدا نے الخ میں سزا اور وعدہ بدر کی سزا کا بیان ہے یعنی ہجرت کے برس روز کے بعد قریش (جو قیدار کی اولاد میں ہیں) اس ارادہ بد کی سزا پائیں گے اور ہلاک ہوں گے اور مارے جائیں گے چنانچہ ایک برس روز کے بعد ہجرت سے اذن قتال ہوا اور اُنیسویں مہینے ہجرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ بدر ہوا اور اس میں مکہ والے قریشی مارے گئے اور ہلاک ہوئے اور قید ہوئے اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا - و من اصدق من اللہ قیلا ۔

کی جانب واپس ہوتے وقت مزید تیک ہو کر آتے تھے جیسا کہ تاریخ سے پتہ لگتا ہے اور اس کے آثار میں سے بڑی بڑی حوضیں جو قدس اور جبرون کے قریب دیکھنے میں آتی ہیں ہمیشہ پائی گئی ہیں - (۹۶) اور وہ لوگ گاتے ہوں گے" اور ان کا گاڑی اپنے مولا کی اس بات پر یاد کرتا ہے کہ اُس نے اُنکو حج کا فرض ادا کرنے اور اپنے نبی کی قبر کی زیارت کرنے کی توفیق دی ہے (۹۶) اور یہ کہ وہ لوگ ابدی خوشی میں ہونگے اور اس بات سے ہر وہ شخص بخوبی واقف ہے جسے اسلامی فرقے سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا ہو کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ حاجیوں کو انتہا درجہ کی مسرت ہوتی ہے جس کا مقابلہ کوئی خوشی نہیں کر سکتی یہاں تک کہ بہتیروں کے نزدیک تو اس کے مقابلہ میں شادی کی خوشی بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور لوٹتے وقت حاجیوں کے دل اور اُنکے ساتھ ہی اُنکے عزیز اقارب اور دوست و احباب کے دل بھی سرور سے معمور نظر آتے ہیں وہ ہدیئے تقسیم کرتے ہیں دعوتیں کھلاتے ہیں خلاصہ یہ کہ ہر شخص اپنی حسب حیثیت دل کھول کر خیرات اور صدقات کرتا ہے اور حاجیوں کے دل سے تو یہ خوشی مرتے دم تک نہیں جاتی اسی وجہ سے اس کا نام ابدی خوشی رکھا گیا اور جتنی مشقتیں سفر حج میں اٹھائی ہوتی ہیں اتنا ہی اس مبارک سفر کو یاد کر کر حاجی لذت حاصل کیا کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ دوبارہ بھی اس نعمت عظمیٰ سے بہرہ یاب ہوں اور اگر دوبارہ بھی وہ کامیاب ہو گئے تو تیسری بار بھی انہیں یہی تمنا ہوتی ہے بہرحال انکا جی کبھی نہیں بھرتا -

اگر کوئی کسی حاجی سے جب وہ دوبارہ حج کرنے کا ارادہ کر رہا ہو یہ کہے کہ صاحب آپ تو ایک مرتبہ حج کر چکے بس کافی ہے آپ کا فرض تو ادا ہو چکا تو وہ اس بات کو نہایت تعجب کی نگاہ سے دیکھے گا اور بے ساختہ کہہ اٹھے گا کہ واہ جناب کیا یہ بھی چیز ہے جس سے آدمی کا جی بھر جائے اور کیا یہ ایسا چشمہ ہے جس سے تشنہ کو سیرابی حاصل ہو جائے اور پھر بھی تقاضا نہ کرے -

اب آپ سُن لیکر اپنے نبی کی قبر اور کعبہ کی زیارت کی خوشی میں اسلامی فرقہ کا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ انہیں کس قدر تنگ ہونا پڑتا ہے اور قرنطینہ کی مصیبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں اور ان کے مصارف بڑھ جاتے ہیں - بکثرت آدمی تلف ہو جاتے ہیں یا ڈاکو بگھاڑیوں سے نکلکر مار ڈالتے ہیں پھر بھی تمام اطراف عالم سے دیکھیے کہ کاشغر - بخارا - خوارزم - افغانستان ہندوستان ہند جاوی - داغستان - کرج - قوقاز - فارس - روملی - انطبول - بلاد روس - عراق - مغرب - یمن - سوڈان - اندرونی افریقہ - مصر اور شام وغیرہ کے گروہ کے گروہ چلے آتے ہیں -

دن کو گرمی کی شدت سہتے ہیں راتوں کو سونا حرام کرتے ہیں میدانوں میں چلنا گوارا کرتے ہیں بحری سفر کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں اپنے اہل و عیال سے جدائی اختیار کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ حج کے پیچھے اپنے کو بڑے بڑے خطرات میں ڈالنا بھی اُن کو بہت ہی آسان معلوم ہوتا ہے اور بعض بعض پر یہاں تک نوبت گذر جاتی ہے کہ دو دو سال کے بعد اپنے گھر واپس ہونا نصیب ہوتا ہے اور اتنی مدت کے بعد دوستوں کی صورت نظر آتی ہے اور بہیترے پیادہ پا بادیہ پیمائی اور دشت نوردی کر کرکے حج کو جاتے ہیں اور یہ ساری مصیبتیں خدا کی رضا اور مغفرت کی طلب میں جھیلنا گوارا کرتے ہیں اور ان کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ وہ پکے دیندار ہیں (۹۶) اور انھیں مصیبتوں کی جانب لوٹنے والوں کی نسبت اُن کا یہ قول ہے کہ اُنکے سروں کے اوپر بہجت دائمی ہو

پایا جائیگا جو حاجیوں کی اس مسرت پر بخوبی صادق آتا ہے جو اُن کو اپنے نبی علیہ السلام کی قبر اور کعبہ مکرمہ کی زیارت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگ خدا کی اس عطا سے نہایت ہی ہشاش بشاش نظر آتے ہیں اور اُن کا یہ قول بھی کہ (۹۹) اُن کا غم دور ہو جائیگا ظاہر ہے یعنی اس مبارک زیارت کے حاصل ہونے سے پہلے جو ان کے دل میں غم والم ہوگا دور ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور اُن کا یہ قول بھی صادق آتا ہے (۱۰۰) کہ اُن کی بے سروسامانی جاتی رہیگی یعنی وہ بے سروسامانی جو ناداری یا دیگر موانع کیوجہ سے قبل حج انھیں لاحق ہو رہی تھی پس یہ پوری سو علامتیں ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی امت کے احوال پر منطبق ہو گئیں اور اہل نظر کیلئے ان کا انطباق سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر و باہر ہو گیا۔ جسمیں تردد کی ذرا بھی گنجائش باقی نہیں رہی۔

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اس زمانہ تک بھی باقی رہتے تو اُنھیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر اُنھیں کتب سابقہ سے نہایت ہی واضح طور پر استدلال کرنے کا موقع ملجاتا۔ بیان اس کا یہ ہے کہ اُنھیں کتابوں میں یہ مضمون بھی واقع ہوا ہے جیسا کہ زبور میں موجود ہے کہ منافقوں کی راہ ماری جائے گی اور سارے جھوٹ بولنے والے ہلاک ہو جائینگے اور رب کا اسی جانب رخ ہوگا کہ برے عمل کرنیوالوں کا ذکر زمین سے بالکل مٹا دیگا اور خطا کرنیوالوں کی کلائیاں ٹوٹ جائیں گی وہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور رب کے دشمن جب بڑے اور بزرگ ہونے لگیں گے نابود ہو جائیں گے اور دھوئیں کی طرح فنا ہو کر رہ جائیں گے" اب دیکھئے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ تیرہ صدیاں گذر چکی ہیں لیکن کس دن آپ کا ذکر مٹ گیا۔ آپکی امت میں سے آپ کے نام لینے والے تو ہزاروں بلکہ لاکھوں ہی موجود ہیں جو اطراف عالم میں شرق سے لیکر غرب تک کیا خشکی اور کیا تری قریب قریب ہر قریہ اور ہر شہر میں نماز اور اس کے علاوہ بہتیری عبادتوں میں رات و دن برابر آپ کا ذکر کیا کرتے ہیں اور کوئی منبر یا اذان گاہ ایسی نہ ملیگی جسپر آپ کا نام نہ پکارا جاتا ہو بلکہ ایسا اتفاق بہت ہی کم ہوتا ہے کہ خدا کے نام کے ساتھ آپ کا نام نہ لیا جاتا ہو اور پھر وہ بھی یونہیں نہیں اُس کے ساتھ ہی آپ کے اسم مبارک کی بڑی تعظیم و تکریم کیجاتی ہے۔ آپ کیلئے بھلائی کی دعا مانگی جاتی ہے آپ کی تعریف زبان پر اور محبت دل میں جاگزین ہوتی ہے لوگ اپنی جانیں آپ کے اسم شریف پر فدا کرنا اپنا فخر سمجھتے ہیں بہر حال آپ کے منصب و مقام کی نگہداشت میں بڑی حفاظت اور رعایت سے کام لیا جاتا ہے اور پھر ہر سال حضرت کی قبر شریف پر سلاطین امراء ذی عزت دولتمند اور فقراء خلاصہ یہ کہ ہر درجہ کے لوگ ہزاروں ہی حاضر ہوتے ہیں۔ آپ پر سلام بھیجتے ہیں آپ کی شفاعت کے طالب ہوتے ہیں آستانۂ عالی کو بوسہ دینا اپنے لئے برکت کا باعث خیال کرتے ہیں اور وہاں کی خاک پاک کو اپنے درد کی دوا سمجھتے ہیں شاعروں کے مدحیہ قصیدے اور فصحا کی تعریفیں آپ کے اوصاف حمیدہ اور حسن خوبی کے ذکر سے مزین کیجاتی ہیں اور آپ کے حضور میں اُن کی نذریں گذرانی جاتی ہیں۔ آپ کی شریعت کو دیکھئے کہ ہمیشہ ذی عزت اور بلند مرتبہ ہی تبعین اس کے مدد کرنیوالے بکثرت پائے گئے ہیں تمام فرقے اُسی کے خوشہ چیں رہے ہیں اُسی کے چمکتے ہوئے آفتابوں کی روشنی کے طفیل عرب و عجم کو آراستہ سمجھا ہے۔ آپ کے متبعین کیطرف نظر اٹھایئے تو خدا کے فضل سے ساری زمین اُن سے معمور دکھلائی دیتی ہے جو کچھ آپ نے سنت و فرض اُن کیلئے مقرر کر دیا ہے سب اُس کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں اگرچہ کہیں کہیں باہم کسیقدر اختلاف کی جھلک بھی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ بات مقصود کی توضیح کرتے وقت اس طرح پیدا ہو گئی کہ آپ کی شریعت کے بعض احکام کو لوگ مختلف طرح

ف۔ نبی کی حالت اور امت کی حالت سے حسن انتظام کے ساتھ پیشین گوئیوں کا محقق ہونا اور ان کا استدلال ۱۲

سے بچے ورنہ خدانخواستہ اصول میں تو کچھ اختلاف نہیں سب متفق ہیں خدا کی توحید کے قائل ہیں قرآن کی تصدیق کرتے ہیں حشر نشر کو مانتے ہیں جنت و دوزخ کو تسلیم کرتے ہیں۔ باوجودیکہ اتنا زمانہ گذر گیا لیکن ان کے دل آپ کی محبت اور تعظیم سے مملو پائے جاتے ہیں پس جب یہ حال ہے تو فرمائیے کہ مسلمان کب برے ہلاک ہوئے کیونکر ان کی کلائیاں ٹوٹیں اور وہ دھوئیں کی طرح کس طرح فنا ہوئے غایت ما فی الباب یہ ہو کہ کبھی ان کو اس عالم میں کچھ آزار و تکلیف اور مصیبت سامنا کرنا پڑا ہو جو خدا کی عادت کے اعتبار سے اس عالم کا خاصہ ہے اور خدا کی عادت تو بدل ہی نہیں سکتی جو یہ اس سے مستثنیٰ ہو جاتے۔

اب رہا یہ بات کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر اس فرقہ کا کیونکر استدلال ہو سکتا ہے اس کی تقریر یوں سمجھئے کہ اگر وہ لوگ اس زمانہ تک بچتے تو اس طرح کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین اگر ان خطا کار جھوٹوں اور سچے دشمنوں کے مصداق ہوتے جن کا مزامیر کے کلام میں ذکر ہے تو ضرور یہ ساری مصیبتیں ان کو پیش آتیں خدا ان کے ذکر کو نیست و نابود اور ان کو ہلاک کر دیتا اور دھوئیں کی طرح فنا ہو جاتے اور ان کی کلائیاں ٹوٹ جاتیں ورنہ لازم آتا کہ داؤد علیہ السلام کی زبانی رب نے جو خبر دی تھی اس کے خلاف واقع ہو لیکن ظاہر ہے کہ خدا نے ان باتوں میں سے ان کے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا پس اب بیشک یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ لوگ یعنی مسلمان ان خطا کاروں وغیرہ کے ہرگز مصداق نہیں ہو سکتے اور جب یہ لوگ اس کے مصداق نہ ہوئے تو ضرور سچے اور خدا کے دوست ہوں گے اب اس وقت اگر ہم ان کی تکذیب کریں گے اور جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس کو توڑیں گے تو بلاشک خدا سے لڑائی کرنے والے ٹھہریں گے جس طرح کہ یہود کے معلم گملائیل نے حواریین کے حق میں کہا ہے جیسا کہ اعمال رسل میں مذکور ہے کہ اگر وہ یعنی حواریین کی رائے اور ان کا عمل خدا کی جانب سے ہو گا تو اس کے توڑنے پر ہرگز قادر نہ ہو گے تاکہ تم خدا سے لڑائی کرنے والے نہ ٹھہرو۔

اور جب اس فرقہ کا استدلال اس طرح مرتب ہو گیا تو تم ان کو ضرور خیال کرو گے کہ وہ بڑے کامل ایمان والے ہیں جنہوں نے مذہب کے عجیب خزانے اور یہ کہنے لگے کہ خدائے تعالیٰ شیطان اور خواہش نفسانی کا برا کرے ہم تعصب کیسے پھوٹ گئے ورنہ ہم اپنے بیجا تقلید کی پابندی کے پیچھے لکیر کے فقیر ہی بنے رہتے۔ بھلا عاقل بھی کوئی شرمائی چیز ہے عقل ایسی چیز کو کیونکر اختیار کر سکتی تھی جو اگرچہ سردست ہی بھلی جانے لیکن بالکل بے قدر اور فانی ہو اور ایسی چیز کا ترک کر دینا کیسے مستحسن سمجھ سکتی ہو جو چاہے کچھ دنوں بعد ہی ملے لیکن نہایت ہی نفیس اور باقی رہنے والی شے ہو یہ کس طرح زیبا تھا کہ ہم انجام کو نہ دیکھتے اور ناحق طرفداری کے پیچھے غفلت میں پڑے رہنا گوارا کرتے؟ یہ بات ایسی ہے کہ جسے ذرا بھی عقل ہو گی اسے کبھی پسند نہ کرے گا اور ہمارا تو علم و ہادی خدا ہی کے پاس ہے پھر ہم کیونکر اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور یہ بھی ایک کہنے کی بات ہے ورنہ اصل تو یہی ہے کہ خدا ہی راہ راست دکھلاتا ہے کسی بشر کی کیا مجال ہے جو کچھ دعوے کر سکے۔

اور ان میں سے ایک گروہ کے لوگ اخلاق و آداب کے فلاسفر تھے شرائع سابقہ سے بخوبی واقف تھے ان کے اسرار و فوائد کی شناخت میں ان کی نظر نہایت ہی دقیق تھی جیسے باریک بین تھے ان کو فطرت سلیمہ کا بھی بہت کچھ حصہ ملا تھا جس کی بدولت برے بھلے کاموں میں اچھی طرح تمیز کر سکتے تھے انتظام ملکی اور دیگر مختلف اوصاف و امور کے حسن و قبح کو خوب پہچانتے تھے وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ نظام

بات ہے کہ خدا کے ہر رسول کے صدق ثابت کرنے کیلئے دو قسم کی دلیلیں ہوتی ہیں ایک تو وہ دلائل ہیں کہ جن کے سمجھنے میں بہت کچھ عقل درکار ہوتی ہے اسی وجہ سے اگر ان کو عقلی کہا جائے تو نہایت ہی سزاوار ہے کیونکہ ان کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو نہایت دانشمند اور فہیم ہوتے ہیں اور یہ باتیں نہایت ہی پاکیزہ اصول پسندیدہ طریقے محمودہ حالات فتح پانے علوم اور مضبوط دلیلیں ہیں جو رسولوں کیلئے ثابت ہوا کرتی ہیں دوسری قسم معجزہ یا خارق عادت امور ہیں جن کا حواس سے ادراک ہوتا ہے اس کے طلبگار دو ہی قسم کے لوگ ہوا کرتے ہیں یا تو وہ جو پاکیزہ و عقلی اصول وغیرہ کے سمجھنے کا سلیقہ نہیں رکھتے اور اس سے قاصر ہوتے ہیں اس وجہ سے ایسی چیز کے طالب ہوتے ہیں جسکو وہ اپنے حواس سے دریافت کریں یا وہ لوگ ہوتے ہیں جو باوجود اس نقص کے عناد پر بھی کمر باندھے ہیں اور ان کا مقصود محض یہ ہوتا ہے کہ ناحق جھگڑا کریں پس وہ اس رسول سے لایعنی باتوں کی فرمائش کیا کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم آپ پر یوں تو ایمان نہیں لانے کے ہاں یا تو آپ زمین سے پانی کا چشمہ جاری کر دیجئے یا آپ ایک باغ کے مالک بن جائیں جس میں کھجوروں اور انگور کے درخت لگے ہوں جا بجا نہریں بہ رہی ہوں ورنہ آپ ہمارے اوپر آسمان ہی گرا دیجئے یا خدا اور فرشتوں کو بلا لائیے یا تو ہم دیکھیں کہ آپ کا مکان سونے کا بن جائے یا اور کچھ نہیں تو آسمان ہی پر چڑھ جائیے اور آپکا چڑھنا بھی ہم جب مانیں گے کہ آپ وہاں سے کوئی کتاب لیتے آئیے تاکہ ہم اسے پڑھ بھی لیں اور ان معاندوں کا جواب رسول کے پاس یہ ہوتا ہے کہ سبحان اللہ میں تو ایک آدمی ہوں خدا نے مجھے رسول بنا دیا ہے مجھ سے یہ فضول سوال کیسے؟ مطلب یہ ہے کہ آدمی ہونے کی حیثیت سے میں عاجز ہوں یہ سب باتیں خدا کے اختیار میں ہیں خدا ہی جب چاہتا ہے اس قبیل کی چیزوں کو ایجاد کر کے میری تائید کر دیتا ہے اور جب اسے منظور نہیں ہوتا تو کچھ بھی نہیں کرتا یہ ضرور ہے کہ اس نے مجھے منصب رسالت عطا کیا ہے میرا کام اتنا ہو کہ جو کچھ اس نے مجھے حکم دیا ہے تمہیں پہنچا دوں سو وہ میں کر چکا اب تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

پھر وہ کہنے لگے کہ ہم لوگ تو خدا کے فضل و کرم سے رسولوں کی ان علامات کے سمجھنے سے کسی طرح قاصر نہیں ہیں جو عقلی دلائل کے قبیل سے شمار کی جاتی ہیں بلکہ ہم تو دانشمندوں اور سمجھداروں کے زمرہ میں داخل ہیں پھر تو عمدہ اوصاف جو ان رسولوں میں ہوا کرتے ہیں جنہیں خدا خلق کی ہدایت کیلئے بھیجتا ہے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھ بھی چکے ہیں مثلاً آپ کا شریف النسب ہونا خوبصورت اور خوش اخلاق ہونا نہایت تیز اور زود فہم ہونا آپ کی دلیل کا قوی ہونا آپ کے طریق کا مستقیم ہونا اب ہمیں مناسب ہے کہ آپ کے دعوے کو سوچیں اور آپ کی شریعت میں غور کریں پس اگر آپ کی شریعت میں یہ سب باتیں پائی جائیں گی کہ وہ ہم کو ایسے صحیح عقیدوں کے یقین کرنیکا حکم دیتی ہو گی جو صحیح دلیل عقلی کے موافق ہوں اور ان سے جتنی باتوں کے خلاف زمانہ پر حکم اور اس کی تعلیم ہوگی کہ ہم اخلاق حسنہ اور آداب مرضیہ کے ساتھ اپنے کو مزین کریں عمدہ صفات اپنے میں پیدا کریں ایسے عمدہ عمل اور تدبیریں اختیار کریں جن سے ہمارے باہم معاشرت کرنے کے انتظام میں خلل نہ آنے پائے اور ہماری عبادتیں ایسی ہوں جن سے خالق اکبر کی نعمتوں کا شکر نہایت خوبی سے ادا ہوتا ہو اور باعث یہ کہ ان سب باتوں کے واجب کرنے میں مختلف حکمتیں ملحوظ ہوتی ہیں جن کا نفع آخرکار ہمیں لوگوں کو ملتا ہے جیسا کہ رسولوں کی سکھلائی ہوئی عبادتوں میں اس راز کی ضرور رعایت کی گئی

ہے کیونکہ خود خدا کو ان کی کیا حاجت ہے وہ تو ان سب چیزوں سے بالکل بے پرواہ ہے) اور آپ کی شریعت محض خرافات اور غلط عقیدوں سے روکتی بھی ہوگی جس سے آدمی کو خواہ مخواہ ایسی باتیں ماننی پڑتی ہیں جو مشاہدہ اور یقینی دلائل کے بالکل خلاف ہیں اور بُری عادتوں سے منع کرتی ہوگی اور اس بات کو جائز نہ رکھتی ہوگی کہ آدمی بجائے اولیٰ کے ساتھ موصوف ہونے کے ایسے رذیل اوصاف میں آلودہ ہو جائے جو نہایت معیوب اور مذموم خیال کیے جاتے ہیں اور ایسی بات اختیار کرے جس سے ہماری باہم معاشرت میں رخنہ پڑے اور انتظام درہم وبرہم ہو جائے اور ہمکو ایسی عبادتوں کی تکلیف دیتی ہوگی جس سے ہم اپنے رب کی ناشکری کریں اور بے ادب ٹھہریں اگر یہ سب کچھ ہوگا تو بیشک آپ یقینی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں کیونکہ رسولوں کی یہی شان ہوتی ہے اور اُن کی شریعتوں کا یہی حال ہوتا ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ آپ کی شریعت میں کوئی ایسی بات بھی نہ ہو جس میں آپ کا کوئی ذاتی نفع ہو اور عام مصلحت کے خلاف ہو پس اس وقت ہم آپ پر ایمان لے آئینگے اور آپ کی تصدیق کریں گے اور اگر کہیں اس کے خلاف ثابت ہوا تو آپ کے دعوے کو الگ کریں گے اور پھر نہایت سختی سے مقابلہ پر آمادہ ہو جائیں گے یہ کہکر وہ آپ کی شریعت کی باتوں میں غور کرنے لگے اور انتہا درجہ کی تفتیش اور آزمائش کے بعد اُنھوں نے دیکھا کہ آپ کی شریعت واقعی انھیں اعتقادات کو بتلاتی ہے جو خرافات اور بے اصل باتوں سے بالکل الگ ہیں اور ان کے ماننے سے کسی یقینی بات کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی اور اسکا یہ بھی حکم ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنے میں پسندیدہ اخلاق پیدا کرے آداب اور صفات حسنہ کے ساتھ موصوف ہو اعلیٰ درجہ کی تدبیروں کو اختیار کرے جس سے انتظام عالم میں خلل نہ پڑنے پائے اور وہ رخنہ اندازی سے محفوظ رہے اہل عالم کو فائدہ پہنچے اور اُس کے نقصانات سے اُن کی حفاظت ہو جن عبادتوں کا اُس نے حکم کیا ہے وہ بھی ایسی ہیں جنسے خدا کی نعمتوں کا نہایت خوبی سے شکر ادا ہوتا ہے اسمیں اور بھی بہت سی حکمتیں نظر آئیں جن سے لوگوں کو قرار واقعی نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ بے اصل اور غلط عقیدوں سے جو یقینی امور کے خلاف ہیں منع کرتی ہے۔ آداب سے بے بہرہ ہو کر بُرے اوصاف اور معیوب خصلتوں کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور نہ ایسے بے تدبیری کے کاموں کو جائز رکھتی ہے جن سے عالم کا انتظام مختل ہو اور ایسی باطل عبادتوں سے روکتی ہے جنسے خدا کے ساتھ بے ادبی لازم آئے اور ناشکری ان کا ثمرہ ٹھیرے اسکی تفصیل یہ ہے کہ شریعت محمدیہ کا یہ حکم ہے کہ خدا کو ذات و صفات اور افعال کے اعتبار سے منفرد اور یکتا سمجھو اور اس بات کا یقین اور اعتقاد کرو کہ وہ تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے اور سارے نقائص سے پاک ہے چنانچہ ہر عاقل بالغ کے ذمہ یہ یقین کرنا ضروری بتلاتی ہے کہ خدا موجود ہے۔ زندہ ہے اُس کا علم نہایت ہی کامل ہے۔ اُس کا ارادہ نہایت ہی تام ہے۔ اُس کی قدرت نہایت ہی عظیم ہے اُس کے سوا تمام چیزیں اُسی کی محتاج ہیں اُس کو ان ساری چیزوں میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں۔ نہ وہ کسی مخلوق کے مشابہ ہے اور نہ کوئی اس کے مشابہ ہو سکتا ہے وہ ازلی اور ہمیشہ سے ہے ابدی اور ہمیشہ رہیگا۔ نہ اُسکی ازلیت کی کوئی ابتدا ہے اور نہ اُسکی ابدیت کی کوئی انتہا ہو سکتی ہے۔ وہ حکیم ہے سارے کام محض اپنے قصد و اختیار سے حکمت کے موافق کرتا ہے اگرچہ اس کی پابندی اُس کے ذمہ ضروری نہیں۔ بندوں کو کسی ایسی چیز کی تکلیف نہیں دیتا جو اُن کی وسعت سے باہر ہو۔ اُس کے سوا نہ کوئی پیدا کرنیوالا ہے اور نہ تدبیر کرنے والا اُسنے خلق کو عدم سے پیدا کر دیا اور پہلے ہی سے اُن کے

سارے حالات کو تجویز کر دیا ظلم سے بالکل پاک ہو اور نہ اُس کی نسبت ظلم کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ ظلم صرف دوسرے کی ملک میں بغیر اس کی مرضی کے بیجا تصرف کرنیکا نام ہے اور اللہ سبحانہ تمام کائنات کا علی الاطلاق حقیقی مالک ہے اس دنیا کے علاوہ اُسنے دو اور ایسے مقام پیدا کیے ہیں جن میں سے ایک میں تو مطیعین کو آرام و آسائش میں رکھیگا اور دوسرے میں نافرمانوں کو سزا دیگا پس اُس نے جس طرح کہ تمام خلق کو عدم سے پیدا کیا ہے اسی طرح بعد فنا ہو جانے کے اُن سب کو پھر زندہ کریگا تاکہ مطیع کو جزا دے اور نافرمان کو سزا دے ورنہ لازم آئیگا کہ مرنے کے بعد وہ شخص جو دولتمند خوش حال - دوسروں پر ظلم و جبر کرنیوالا خدا کے ساتھ کفر کرنیوالا ہو اُس شخص کے برابر ہو جائے جو محتاج ضعیف بیچارہ مظلوم ایماندار ہو اور اُن دونوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے حالانکہ یہ خداوندی حکمت کے خلاف ہے خدا کو اختیار ہے کہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرے لیکن خدا اس سے پاک ہے کہ اُس کے کام حکمت کے خلاف واقع ہوں بلکہ اس کا جو فعل ہوگا عین حکمت ہی ہوگا اور جو کچھ اس سے صادر ہوگا اس اعتبار سے کہ خدا سے صادر ہوا ہے ضرور مستحسن ہوگا اُس نے لوگوں کے پاس رسولوں کو بھیجا ہے تاکہ وہ خدا کی نسبت صحیح اور واقعی عقیدوں کی تعلیم کریں کیونکہ ان کی عقلیں اگرچہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا موجود ہے اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہے جیسا کہ اُسکی اُلوہیت کا مقتضا ہے لیکن خدا کی بہت سی ایسی عظیم صفتیں ہیں کہ جب تک وہ رسولوں کے ذریعہ سے اُسکی اطلاع نہ دے محض انسانی عقل اُس کو سمجھ نہیں سکتی اسی طرح رسولوں کے بھیجنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ لوگوں کو اُنکی مصلحت کی باتیں سکھائیں اور اُنکے تمام حالات کی تکمیل کریں کیونکہ بمقتضائے حکمت خداوند تعالیٰ نے آدمیوں کے دو قسم کے اخلاق (یعنی قوتیں یا خواہشیں) پیدا کیے ہیں ایک تو اخلاق حسنہ جن سے اُن کے حالات درست ہوتے ہیں اور دوسرے اخلاق اُن کے خلاف ہیں جو محض اس غرض سے پیدا کیے گئے ہیں کہ لوگ اُنکے ذریعہ سے اس عالم کے آباد کرنے میں ترقی کریں[عہ] جہاں کہ اُنھیں ایک خاص زمانہ تک رہنا ہے لیکن اگر ہر خواہش کو ترقی اور زیادتی کے لحاظ سے کسی حد کے ساتھ محدود کر دیا جاتا تو ہر خواہش کرنیوالے کو اُسی حد تک پہنچکر رک جانا پڑتا اور آگے قدم بڑھانے سے مایوسی ہو جاتی جس سے ترقی کی رفتار میں فرق آتا اسی لحاظ سے اخلاق (یعنی قوتوں یا خواہشوں) کی اصل فطرت میں الحد نہیں رکھا گیا بلکہ ان کو اس قابل بنایا کہ اپنے قصد و اختیار کے موافق ان قوتوں سے اعتدال کے ساتھ کام لیا جا سکے اس لئے ان اخلاق سیئہ کی نسبت یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ اعتدال سے بڑھکر بجائے نفع کے نقصان کا باعث نہو جائیں اور زیادہ ضرر رساں نہ ثابت ہوں پس یہ مصلحت اسی کی مقتضی ہوئی کہ ان قوتوں کی جولانی کی ایک حد مقرر کر دیجائے اور ان سے باقاعدہ کام لیا جائے تاکہ ضرر کا اندیشہ جاتا رہے اور نفع حاصل کرنا آسان ہو جائے اسی وجہ سے خدا نے رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ اُن سے باقاعدہ کام لینا اور اُن کے بیموقع جوش و جولانی کو روکنا سکھائیں یہانتک کہ وہ ایسی حد پر آلگیں جن سے اُن کا ضرر دفع ہو جائے اور نفع ہی حاصل ہوتا رہے اور اس طرح سے اخلاق سیئہ بھی اخلاق حسنہ بنجائیں اس کام کیلئے رسول دو موثر ذریعوں سے کام لیتے ہیں لوگوں کو رغبت دلانا اور اُنکو ڈرانا اور اُس کے ساتھ ہی وہ عمدہ چیزوں کی خوبی اور قبیح اشیاء کی برائی ثابت کرنے کیلئے دلائل بھی قائم کرتے ہیں جس سے ان دونوں طریقوں کی اور بھی تقویت ہو جاتی ہے - اس کو ایک مثال میں آپ اسطرح سمجھئے کہ لالچ ایک بُرا وصف ہے لیکن اگر یہ نہوتا تو

رسولوں کو بھیجنے میں کیا حکمت ہے ۱۲

عہ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا جاتا ہے -

لوگ کسب معاش کرنے باغ لگانے اور مکانات وغیرہ بنانیکی تکلیف ہرگز نہ اُٹھاتے اور اسکے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جب لالچ بے اعتدالی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے تو طرح طرح کے جھگڑے اور بُرائیاں پیدا ہو جاتی ہیں پس رسول کی شریعت کا کام یہ ہے کہ اس قوت سے باقاعدہ کام لینا لوگوں کو تعلیم کرے اور یہ سکھائے کہ بجائے زیادہ مال جمع کرنے اور دوسرے کے نقصان پر اپنے نفع کو مقدم رکھنے کے اس قوت کو زندگی کی ضروریات کے حاصل کرنے اور مناسب امور کی کوشش میں استعمال کریں اسطرح سے اس کی ترقی کی رفتار میں فرق بھی نہ آنے پائے گا اور بلا کسی ضرر کے دنیا کی آبادی کا باعث ہوگی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے کہ "میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں" اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر خدا نے رسولوں کی فطرت میں یہ بات رکھدی ہے کہ وہ نہایت کامل صفات کے ساتھ موصوف ہوں۔ سچائی امانت داری اُن کا شعار ہو ہر حال میں حق کے حامی لوگوں کے خیر خواہ اور اُنکے ساتھ نیکی اور سلوک سے پیش آنیوالے ہوں اور جو امور منصب رسالت کے خلاف ہوں اُس سے مبرا اور پاک ہیں اسی بنا پر واہی تباہی باتیں اُنمیں نہیں پائی جاتیں گناہ نہیں کرتے اور نہ اُن میں کوئی ایسا امر ہوتا ہے جس سے لوگوں کو اُن سے نفرت ہو اور اُن کی طرف توجہ نہ کریں اور جہاں کہیں اُن سے کوئی بات معصیت کے مشابہ سرزد ہو گئی ہے اور خدا نے اُس پر معصیت کا اطلاق کیا ہے وہ حقیقت میں معمولی امور ہیں جن سے نہ اُن کا مرتبہ ہی گھٹتا ہے اور نہ اُن کی شان میں کچھ کمی آتی ہے اور خدا کا ایسے امور پر معصیت کا اطلاق کرنا اور اُسکے جانب اُن سے بازپرس ہونا محض اُن کے منصب عالی اور مقام رفیع کے لحاظ سے ہے رہی یہ بات کہ اُن سے ایسے امور صادر ہونے میں حکمت کیا ہے وہ یہ ہے تاکہ لوگ اس بات سے متنبہ ہو جائیں کہ خدا یکتا ہے اور وہی اکیلا علی الاطلاق کمالات کے ساتھ موصوف ہو سکتا ہے کوئی مخلوق کیسی ہی عالی کیوں نہ ہو لیکن خدا کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی خلاصہ یہ کہ وہ سارے معاصی سے مبرا ہیں کیونکہ گناہ سے تو ادنیٰ ادنیٰ متقی پرہیز کیا کرتے ہیں رسولوں کا تو مرتبہ ہی بہت بڑا ہے وہ تمام لوگوں میں کامل اور برگزیدہ ہوا کرتے ہیں پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ معاصی سے محفوظ نہ ہیں پس بدکاری کرنا اپنے لوگوں کی آبروریزی کرنا بیجا عورتوں سے اختلاط کرنا جھوٹ بولنا۔ دغابازی کرنا۔ کفر کرنا بت پرستی کرنا یا اور ایسے ہی گناہ ان سب سے رسول بالکل پاک صاف ہیں۔ شریعت محمدیہ اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم تمام رسولوں کی تعریف کریں انکے نام تعظیم و تکریم سے لیں ان کے ساتھ توقیر سے پیش آئیں اُنکا ادب کریں اور جو کچھ وہ لائے ہیں اُسپر عمل کریں ہاں وہ احکام اس سے مستثنیٰ ہیں جو اُنھیں رسل سالقہ کے زمانہ کے مناسب تھے اور اس شریعت میں زمانہ کی مناسبت کے لحاظ سے خدائے خبیر و حکیم کے حکم سے بدل دئے گئے ہیں جس نے پہلے ہی ہر زمانہ کے مناسب احکام تجویز کر دئے تھے۔

اور شریعت محمدیہ ہر شخص کو کم سے کم قدر ضروری علم سیکھنے کا بھی حکم کرتی ہے جو عقیدوں کی تصحیح عبادات۔ اخلاق اور آداب میں نافع ہو اُس کا سب سے پہلا اور نہایت ہی مہتم بالشان حکم ایمان و اسلام قبول کرنا ہے یعنی جتنی چیزوں کی نسبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لانا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے اُن کی تصدیق جازم کرنا اور جو کچھ احکام آپ لائے ہیں اُنکی بجاآوری بلا چون و چرا کرنا۔ اسی طرح اُسکا حکم ہے کہ اخلاق و عادات حسنہ کو اختیار کرنا چاہئے چنانچہ وہ حکم دیتی ہے کہ آدمی تقویٰ کرے یعنی تمام اُن چیزوں سے احتراز کرے جو اس کے دین میں مضر ثابت ہوں اور خدا کے واسطے خالص نیت سے عمل کرے۔ نیکی کرے عمل میں احسان کی رعایت کرے اور احسان یہ ہے

کہ آدمی اس طرح اپنے رب کی عبادت کرے گویا کہ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ خلق اللہ کے ساتھ خیر خواہی سے پیش آئے
صبر کیا کرے یعنی وحشت اور الم کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے جو چیز خدا کی پسندیدہ ہو اس پر راضی رہے۔ حیا کیا کرے۔
اور حیا ارتکاب افعال قبیحہ کے خوف سے جی رک جانے کا نام ہے۔ حلم سے پیش آئے یعنی جوش غضب میں نرمی سے کام لے۔ عفو کیا
کرے اور عفو کے معنی خطا کار سے باوجود قدرت کے بدلہ نہ لینا ہے مگر حدود بوجہ مقرر عام ہونے کے اس سے مستثنیٰ ہیں اچھے کاموں میں
لوگوں کی حرص کرے۔ سخاوت و کرم میں کوتاہی نہ کرے۔ شجاعت کرنے میں پیشقدمی کے ساتھ موصوف ہو۔ غیرت کیا کرے یعنی دین
و آبرو کو تہمت سے محفوظ رکھے۔ ثابت قدم رہے یعنی خوف کے وقت نہ گھبرائے۔ دوسروں کو اپنے فائدے پر ترجیح دے۔ مروت سے
پیش آئے اور وہ بقدر امکان لوگوں کو نفع پہنچانے کی رغبت کا نام ہے۔ ضبط نفس کو ہاتھ سے نہ جانے دے یعنی خواہش نفسانی
کے ہیجان کے وقت اپنا جی قابو میں رکھے۔ قناعت کرے۔ صاحب وقار بنے یعنی مطالب کی طرف متوجہ ہونے کے وقت سنجیدگی
سکون سے پیش آئے یعنی لڑائی جھگڑوں میں جلد بازی سے کام نہ لے۔ رفق کا برتاؤ کرے اور وہ اس عمل تک پہنچانے والی چیز کی عمدہ
طور سے پیروی کرنے کا نام ہے۔ حسن سیرت کو اختیار کرے یعنی جو چیز نفس کے کمال کا باعث ہو اس سے محبت کرے۔ شکر کے ساتھ
موصوف ہو شکر کرتا رہے۔ خدا سے ڈرتا رہے اس کی ذات سے امید رکھے اپنے سارے کام خدا کے سپرد اور اسکے حوالہ کرے
الفت کا برتاؤ رکھے اور وہ اصلاح میں تدبیر معاش میں متفق الرائے ہو کر سعی کرنے کا نام ہے۔ وفادار بنے۔ صلہ رحم یعنی اپنے
اہل قرابت سے سلوک کرتا رہے۔ خلق اللہ پر شفقت کیا کرے اس کے بندوں کی اصلاح میں معروف رہے۔ امانت دار بنے
وعدہ اور عہد کو پورا کرتا رہے دوستی اور دشمنی جو کچھ کرے خدا کے واسطے کرے لوگوں کے ساتھ نیک گمان رکھے۔ سلامت روی
اختیار کرے کوشش پر آمادہ رہے بھاری بھر کم بنا رہے۔ نیک کاموں میں جلد باز ہو۔ دین کے معاملہ میں مضبوط ہو خدا کے ساتھ
انس حاصل کرے۔ دل میں اس کی محبت اور شوق پیدا کرے۔ پارسائی اپنا شعار رکھے۔ ورع کو ضروری سمجھے یعنی اعمال جمیلہ کو اپنے
ذمہ لازم کرے۔ استقامت اور راستی اختیار کرے۔ عالی حوصلہ رہے یعنی ایسی چیزیں اختیار کرے جس سے نیک نام ہو دل کا
نرم ہے یعنی دوسرے کی تکلیف پر علی العموم رقت طاری رکھے۔ پاک کمائی حاصل کرے یعنی بغیر کسی قسم کی ذلت اٹھائے اور بدون
کسی گناہ کا ارتکاب کئے روزی کے مال حاصل کرے۔ مال اپنے موقعوں پر خرچ کیا کرے۔ غصہ کو ضبط کرے۔ خدا کے ساتھ پستی اور بندگی سے
پیش آئے آزادی اختیار کرے اور وہ شہوتوں اور خواہشوں کی پابندیوں سے اپنے نفس کو آزاد رکھنے کا نام ہے اپنے نفس کا محاسبہ
لیتا ہے اور اس کی جانچ کیا کرے اور نا زیبا امور پر ملامت کرتا رہے۔ خلاصہ یہ کہ جتنے خصائل حمیدہ ہیں شریعت نے سبھی کا حکم
دیا ہے ایک آدمی کو چاہیے کہ ان عمدہ خصائل کو اختیار کرے اپنے نفس کا ہمیشہ علاج کرتا رہے اور یہاں تک کوشش کرے کہ
کمال کی حد تک پہونچ جائے) اسی طرح شریعت برائیوں سے بھی روکتی ہے چنانچہ وہ کفر کی اجازت نہیں دیتی۔ عبادت میں
کسی کو خدا کا شریک ٹھیرانا ناجائز قرار دیتی ہے بدکاری سے منع کرتی ہے اسکا حکم ہے کہ خدا کے اوامر و نواہی کی مخالفت
نہ کیجائے۔ خواہش نفسانی کی پیروی سے آدمی باز رہے۔ ریا کو چھوڑ دے یعنی لوگوں کے دکھلانے کی غرض سے عمل نہ کرے

بلکہ محض خدا کیلئے اپنے کو چھپانا ہے۔ کینہ نہ رکھے خود بینی سے کنارہ کش رہے اور خود بینی یہ ہے کہ آدمی عمل کرکے اپنے کو کچھ سمجھنے لگے علاج
چاہیے تو یہ کہ اُسکی نظر خدا کے فضل پر ہو جسنے اُسے عمل کرنے کی توفیق عنایت کی۔ حسد نہ کرے اور وہ دوسرے سے نعمت زائل ہوجانے کی
آرزو کا نام ہے لوگوں کی مصیبتوں پر خوش نہ ہو اور کسی کی عداوت پر اقدام نہ کرے ہاں جو محض خدا کیلئے ہو اسکا مضائقہ نہیں۔
غرور سے باز رہے اور وہ ایسی شے پر جو اُس کے قابو کی نہو بیجا دلیری کر بیٹھنے کا نام ہے خدا کے ساتھ بدگمانی نہ کرے بدشگونی اور بدفالی جس
کی شریعت میں کوئی سند نہیں نہ لیا کرے بخل کو چھوڑ دے نہ اولاد کے مارے خرچ میں انتہا درجہ کی تنگی کرے اور نہ فضول خرچی اور روپیہ
اڑانے پر آمادہ ہو جائے۔ دنیاوی امور کیلئے مال سے محبت نہ کرے۔ کاہلی اور بیکار پڑے رہنے سے احتراز کرے جلد بازی سے بچے سنگدلی
اور درشتی اختیار نہ کرے بے شرمی اور بیحیائی کے پاس نہ پھٹکے بد استقلالی نہ کرے کسی کی نعمتوں کی ساتھ انکار اور ناشکری کو پیش
نہ آنے دے خفت عقل کی عادت نہ ڈالے علماء سے عداوت نہ رکھے خدا کے مقابلہ میں دلیری نہ کرے اس کے غضب اور عذاب کا خوف نہو۔
امور دنیا میں سے اگر کوئی چیز فوت ہو جائے تو اس پر افسوس نہ کرے۔ دین کے معاملوں میں تو حیلہ جوئی اور اوچھے پن سے اپنے آپ
کو بچاتا رہے ناحق کسی کی الزام دہی کے درپے نہو۔ حق بات سے جان بوجھکر انکار نہ کرے اور نہ اپنی بڑائی کے زعم میں اسکے مقابلہ
پر آمادہ ہو۔ سرکشی اور انکار کرنے سے باز رہے لہو لعب اور دھوم دھام نہ کرے پژمردہ دلی سے علیحدہ رہے گناہوں پر اصرار نہ کرے بیموقع غصہ
نہ کرے خدا کے دین کی حمایت کے سوا جوش میں نہ آجائے خدا کی رحمت سے ناامید نہو ظالموں اور مجرموں سے محبت نہ رکھے نیکوں سے
عداوت نہ کرے ایسا دل سخت نہ کرے کہ کسی مضطر کی مدد نہ کرسکے۔ زبان کی بہتیری آفتیں ہیں ان سے آدمی کو چاہیے کہ ہمیشہ بچتا رہے
چغلخوری نہ کرے یعنی کسی کی ایسی بات ظاہر نہ کردے جس کا ظاہر ہونا اسے ناگوار ہو کسی کا راز فاش نہ کرے مسخرہ پن اور دل لگی
بازی نہ کرے لوگوں کی ہنسی اور تمسخر کے درپے نہو طعن و تشنیع اور گالی گلوچ کرنے سے اپنے آپکو محفوظ رکھے بیہودہ چیزوں کو کھلے کھلے
الفاظ میں ذکر نہ کیا کرے۔ لوگوں کے حسب و نسب میں عیب نہ نکالا کرے۔ ناحق نہ جھگڑے یعنی دوسرے کی بات میں بلا اس قصد کے
حق ظاہر ہو جائے خواہ مخواہ اعتراض نہ کرے محض دوسرے کے تنگ کرنے کیلئے گفتگو نہ کرے بیجا باتوں میں دخل نہ دیا کرے۔ نہ بیہودہ
پن کرے ہاں جو ہجو کوں مرنے لگے وہ معذور ہے۔ مسخرگی کی باتیں نہ کرے لوگوں سے وہ فضول باتیں نہ کرے۔ بیموقع سفارش نہ کرے
نیکی سے منع اور برائی کا حکم نہ کرے۔ سخت کلامی اور درشتی سے باز رہے۔ مانگنے سے بچے۔ لوگوں کے عیبوں کی تفتیش نہ کرے ظالم کی
زندگی کی دعا نہ مانگے مسجدوں میں دنیاوی باتیں نہ کرے لوگوں کے نام بگاڑ بگاڑ کے نہ لیا کرے۔ خدا کے سوا کسی کی قسم نہ کھائے
زیادہ قسم کھانے سے اگرچہ سچی بات پر کیوں نہو خدا کے نام کی عظمت قائم رکھنے کیلئے احتراز کرے۔ اپنے بھائی کی معذرت قبول کرے
رد نہ کرے۔ قرآن شریف کی من گھڑت تفسیر نہ کرے بغیر کسی مصلحت شرعی کے دوسرے کی بات نہ کاٹے ہر شخص جسکے ماتحت ہو اُسکے
کلام کے قبول کرنے سے جب تک کہ شرع کے خلاف نہو انکار نہ کرے اور اُسکی مخالفت سے بچے کسی تیسرے کے سامنے دو شخص
سرگوشی نہ کریں جس سے اُسے رنج ہو۔ پرائی جوان عورت سے باتیں نہ کرے جو گناہ کرنے کا ارادہ کرتا ہو اُسکو گناہ کا راستہ نہ بتلائے
ایسی خوشامد نہ کرے جسکی شرع نے اجازت نہ دی ہو یا جس سے شر اُٹھ کھڑا ہو لایعنی باتوں کے کہنے سے علیحدہ رہے تمام گواہی کے

مالک ہے اور عورت کو اُس کے شوہر سے بہکا کر برگشتہ خاطر نہ کرے۔ جھوٹی شہادت نہ دے سچی گواہی دینے سے جان نہ چرائے بھولی پارسا عورتوں کو تہمت نہ لگائے۔ مردوں کو گالیاں نہ دے بادشاہوں کو دشنام سے یاد نہ کرے انکی صلاحیت کی دعا سے باز نہ رہے۔ علم نہ چھپائے۔ جان بوجھکر خدا اور رسول پر جھوٹ نہ باندھے مفسدہ پردازی کی باتوں سے اجتناب کرے تاکہ لوگ شر سے محفوظ رہیں بے حیائی کی باتوں میں بہت نہ رہا کرے جس سے کہ لوگ اندیشناک ہو جائیں۔ مانگنے میں ایسا بھی الحاح نہ کرے جس سے دینے والے کو ایذا پہنچے۔ خیرات کر کے احسان نہ جتائے مخلوق کے احسان کی ناشکری نہ کرے جس سے کہ خدا کی نعمتوں کا ناشکر ٹھیرے مرنے پر جو کچھ قرض ہو اُسے نہ چھپائے بلکہ صاف اقرار کر دے۔ کسی کے نسب کا نہ جھوٹا اقرار کرے اور نہ اُس سے انکار کرے لوگوں کی آبرو ریزی میں زبان درازی نہ کرے اپنا باپ چھوڑ کر دوسرے کو باپ نہ بنائے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ترک نہ کرے غیبت سے بچے اور وہ کسی کی نسبت اُسکی غیبوبت میں ایسی بات کہنا ہے جو اُسے بری معلوم ہو اور یہ زبان کی ایسی آفت ہے کہ لوگ اسمیں اکثر مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس سے فتنہ بھی نہایت ہی عظیم ہوتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے قبیح اعمال و افعال سے بھی شریعت منع کرتی ہے۔ مثلاً وہ عہد کو توڑنے اور وعدہ خلافی کرنے سے ممانعت کرتی ہے۔ دغا بازی اور مکاری اور دھوکے بازی کی اجازت نہیں دیتی فتنہ پردازی کی سخت مخالف ہے اور وہ لوگوں میں گڑبڑ مچا دینے کا نام ہے۔ غلہ اندازی اور بغیر کسی دینی مصلحت کے اختلاف کرنے کو جائز نہیں کہتی خونریزی خودکشی حرام کاری اور لواطت کو اگرچہ اپنی ہی عورت کے ساتھ کیوں نہ ہو ناجائز بتلاتی ہے۔ کیونکہ ان امور میں خداوندی حکمت کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اور انسانی نسل گھٹتی ہے خصوصاً زنا سے تو لوگوں کے نسب محفوظ نہیں رہتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باہم ہمدردی نہیں رہتی انکے بارے میں لوگ دھوکا کھاتے ہیں مال و متاع کے ایسے لوگ مالک بنجاتے ہیں جنکا ذرا بھی استحقاق نہیں بچہ اس وجہ سے کہ اس کا باپ نہ ہونے سے کوئی پرورش کرنیوالا نہیں ہوتا جلد ضائع ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسمیں طرح طرح کی قباحتیں پائی جاتی ہیں۔ کہاں تک کوئی بیان کرے شریعت میں اسکی اجازت نہیں ہے کہ پرائی عورت کو کوئی چھوئے یا تنہائی میں اُس کے پاس ٹھیرے کیونکہ اس سے ناجائز تعلق کا اندیشہ ہے علی ہذا القیاس بے ریش لڑکے کے بارہ میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے اسی طرح اُسکا حکم یہ بھی ہے کہ عورتوں کے معمولی ایام میں اُن سے مقاربت نہ کیجائے اس لئے کہ اسمیں سراسر گندگی ہے اور نہ کسی عورت کو ایسی جگہ سفر کرنیکی اجازت ہے جہاں کہ اپنی آبرو کے جانے کا اندیشہ ہو۔ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی وضع اختیار کرنے سے روکتی ہے اور اس بات کا امر کرتی ہے کہ صحبت کے وقت ذرا بھی بے پردگی نہ ہونے پائے اور اُسکے حکم کے موافق جو نکاح پر قدرت رکھتا ہو اور اس کو کوئی وجہ عذر کی نہ ہو تو وہ بے نکاح نہیں رہ سکتا کیونکہ اس میں نسل کی افزائش کے اعتبار سے خداوندی حکمت کی مخالفت لازم آتی ہے اگر کسی کے اختیار میں کوئی عورت ہو یعنی وہ اس کا ولی ہو تو نکاح کر دیجئے اُسے ہرگز نہ روکے مرد اپنی عورت کا اور عورت اپنے مرد کا راز فاش نہ کرے۔ بن سنور کر کوئی عورت نہ نکلے کوئی مرد اپنی عورت کے معاملہ میں بے غیرتی نہ اختیار کرے۔ اسی طرح کوئی پرائے مرد اور عورتوں میں متوسط نہ بنے کوئی نشہ نہ پئے کیونکہ اسمیں عقل ایسی افضل نعمت جو خدا نے انسان کو عنایت کی ہے

جاتی رہتی ہے اور نشہ باز جو کچھ نہ کر گذرے تھوڑا ہے کسی گناہ یا فعل شنیع سے بند نہیں پھر اسکے نقصانات کے مقابل میں جو کچھ اس سے نفع خیال کیا گیا ہے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ کوئی قمار بازی نہ کرے۔ کیونکہ اس سے مال ناحق خطرہ میں پڑ جاتا ہے اپنے اسباب کی نکاسی کیلئے کوئی جھوٹی قسمیں کھایا کرے۔ ناپ تول میں کمی نہ کرے صاحب وسعت باوجود مطالبہ کے کسی کا حق نہ ٹالے بیجا موقعوں پر مال نہ اڑائے اپنے پڑوسی کو اگرچہ غیر مذہب والا کیوں نہ ہو کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ چوری ڈاکہ زنی نہ کرے سود نہ لے کیونکہ سود لینے سے وہ جو قرض دیکر لوگوں کے ساتھ احسان کرتا تھا اور حاجتمند کا اس طرح پر آسانی سے کام نکل جاتا تھا اسکا دروازہ بالکل بند ہو جاتا ہے۔ تجارتی مال لانیوالوں سے بالا بالا ملکر دام نہ توڑ لیا کرے اگر کوئی کچھ سودا بکا رہا ہو تو اس پر بھاؤ نہ کرنے لگ جایا کرے۔ آپس میں شرکاء ایک دوسرے سے خیانت نہ کریں مالک کی بلا اجازت عاریت میں کوئی بیجا تصرف نہ کرے۔ مزدور سے کام کراکر اسکی مزدوری نہ مارے بلکہ اسکے ادا کرنے میں دیر بھی نہ لگائے جن چیزوں کی عام طور پر یا کسی خصوصیت کی ساتھ اجازت ہو اس سے لوگوں کو نہ روکے کسی خاص راستہ میں مالک کی بلا اجازت کوئی تصرف نہ کرے اسی طرح عام راستوں میں کوئی ایسا امر نہ کرے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ امانت میں خیانت نہ کرے جاندار وہمی نہ تصویر کھینچے اور نہ ایسی تصویروں کو اپنے مکان میں رکھے تاکہ حیوانات اور ان کی تصویر کی پرستش کرنیوالوں کی مشابہت سے بچا رہے کھانا اتنا زیادہ بھی نہ کھائے کہ جس سے صحت میں فرق آجائے اور ضرر پہونچے ظلم اور تعدی کی راہ سے اپنی کئی عورتوں میں سے بعض کو بعض پر ترجیح نہ دے ناراض ہو کر کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ بول چال نہ چھوڑے۔ آپس میں بگاڑ کرنے اور عداوت کرنے سے باز رہے۔ اپنے بال بچوں کو ضائع نہ ہونے دے بلا اجازت شرعی نہ کسی کو مارے اور نہ کسی کو ہتیار سے دھمکائے جادو کے سیکھنے سکھانے اور اسکے عمل پر کچھ لینے سے باز رہے۔ فال گوئی اور نجوم سے پرہیز کرے اور اس کے جاننے والوں کی طرف رجوع نہ ہو اپنے حاکم سے بغاوت نہ کرے۔ اور نہ کسی دنیاوی غرض کے فوت ہونیکی وجہ سے اُس سے عہد شکنی کرے ایسی حالت میں ہرگز حکومت نہ قبول کرے جب یہ جانتا ہو کہ مجھسے ضرور خیانت ہوگی۔ اسی طرح کوئی انتظام کسی نالائق کے ہرگز سپرد نہ کرے کسی لائق شخص کو معزول کر کے اس سے کم درجہ والے کو مقرر نہ کرے۔ ذی اختیار لوگ ظلم نہ کریں کوئی ظلم ایسے موقع پر اجلاس نہ کرے جہاں مستغیثوں کو رسائی مشکل ہو نہ اپنے مذہب والے پر اور نہ کسی غیر مذہب والے پر ظلم کریں مثلاً حرب وشتم سے نہ جھڑکیں کوئی حاکم ہونے پر کسی ایسے کا نذرانہ قبول نہ کرے جس سے اس قسم کے پہلے سے مراسم نہ ہوں اسی طرح اُس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں اس کی خصوصیت مدنظر رکھی گئی ہو کسی سے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر رشوت نہ لے ایسے ہی وہ شخص جو دغابازی کے درپے ہو رشوت نہ دے ہاں جو شخص حق پر ہو اور وہ اپنی پریشانی دفع کرنے کیلئے مجبوراً کچھ دے دلا کر کام نکال لے تو کچھ گناہ نہیں۔ رشوت کے لینے دینے میں دلالی نہ کرے اگر مظلوم کی مدد کرنے کی قوت ہو تو اس سے علیحدگی نہ اختیار کرے نصیحت کرنیکے لئے کسی کے عیوب کی جستجو اور پردہ دری کے درپے نہ ہو۔ بغیر اذن کے کسی کے گھر کی دیکھ بھال نہ کرے یہاں تک کہ دروازے بھی نہ جھانکے ایسے لوگوں کی باتیں نہ سنے جو اسکو سنانا پسند نہیں کرتے جب دشمن اگر سر پر آپڑے تو اس وقت کم ہمتی

ترک کرے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہ چھوڑے - جو لوگ عہد و پیمان کر کے مسلمانوں کی امان میں آ گئے ہوں عہد شکنی کر کے نہ انہیں قتل کرے اور نہ کسی قسم کا اُن پر ظلم روا رکھے فنون حرب سیکھ کر نہ بھلا دے ایسے شخص کو اختیارات نہ سپرد کرے جسے جانتا ہو کہ اپنی جہالت یا ظلم کی وجہ سے کار منصبی کے ادا کرنے میں قاصر رہیگا - ناحق نہ جھگڑے اپنے مقابل پر قابو حاصل کرنے یا ستانے کیلئے جھوٹ نہ بولے براہ عناد اپنے مقابل کو ہرا دینے کی غرض سے جھگڑا نہ کرے بانٹنے میں تقسیم کرنے والا بے انصافی نہ کرے اسیطرح اشیاء مشترک کی قسمت کرنے میں بے انصافی سے بچے - بدوضع اور آوارہ لوگوں کے پاس نہ بیٹھے کسی باردار درخت کے نیچے یا دریا یا نہر کے کنارہ رفع حاجت نہ کرے گناہوں سے توبہ کرتا رہے توبہ سے باز نہ رہے خلاصہ یہ کہ جتنی چیزیں نظام عالم جان و مال عقل یا آبرو کو ضرر پہنچانیوالی ہیں سب کی سب ممنوع ہیں کہاں تک کوئی بیان کرے کیونکہ اگر اُن سب کو مع اُن دلائل کے جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوتے ہیں بیان کیا جائے تو کتنی ہی ضخیم جلدیں بھر جائیں اور پھر بھی ختم نہوں -

اس کے بعد اُن لوگوں نے اُن عبادتوں میں غور کرنا شروع کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین پر واجب کی ہیں - پس انھوں نے دیکھا کہ اُس میں ایسے اعمال پائے جاتے ہیں جن سے خالق کی سراسر عظمت ظاہر ہوتی ہے اُس کی بیشمار نعمتوں کا تھوڑا بہت شکر ادا ہوتا ہے علاوہ بریں اُنمیں اسرار حکمتیں اور طرح طرح کے فائدے بھی موجود ہیں جنکی بدولت عبادت کرنیوالے کو کامیابی اور سعادت کے بڑے سے بڑے مرتبے تک رسائی نصیب ہوتی ہے اُس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو مہذب بناتا ہے اخلاق ذمیمہ کو ترک کر کے عمدہ خصلتیں اختیار کرتا ہے جو اس کی زینت کا باعث ہوتی ہیں - اپنے خالق کی یاد میں لگا رہتا ہے تاکہ شہوات دنیوی جو اُس کے دل کو گھیرے رہتے ہیں کہیں اس کو غضب میں نہ ڈالدیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ سے بچتا ہے اور شیطانی امیدوں کو الگ کرتا ہے وہ اس بات کا دھیان کیا کرتا ہے کہ اُس کا کوئی نہایت ہی شفیق نگہبان ہے جو گویا ہر وقت اُس کے قریب ہی رہتا ہے - انعبادتوں میں یہ فائدہ بھی مد نظر رکھا گیا ہے کہ اوقات عبادات میں تمام لوگ یکجا جمع ہو جایا کریں جس سے آپس میں محبت بڑھے ایسے لوگوں کے حالات معلوم ہوں جنکو مدد کی ضرورت ہے حاجتمندوں کی مدد کرنے میں سہولت ہو انکے دردناک حالات معلوم ہو سکیں تاکہ ازراہ شفقت و احسان اُنکے کام نکال دئے جایا کریں سلف سابقہ اور اُن کے [illegible] یاد آیا کریں جنھوں نے کہ اپنے رب کی عبادت کی ہے اور اُس کے حکموں کو مانا ہے اُنکے نسیان سے احتراز کیا ہے تاکہ اسی طرح سے لوگوں کو اُنکی اقتدا کرنیکی رغبت پیدا ہو اور یہ بھی انھیں کی سی روش اختیار کریں پھر اُن کی اور اُن کے متبعین کی تعریف کرتے ہیں اسلام کی جماعت بڑھانے میں کوشش کر سکیں مخالفین کو راہ راست دکھائیں - خداوندی دین کی اشاعت کریں - اسیطرح پر اُن عبادات میں جا بجا طرح طرح کے ثمرات مفیدہ اور تدابیر نافعہ موجود ہیں جنھیں ہر شخص نہیں سمجھ سکتا اُنکا سمجھنا کچھ اہل علم ہی کا حصہ ہے جو شخص ان عبادتوں پر ظاہری نظر ڈالے اور ان کے حکم - اسرار اور فوائد سے غافل ہے تو اسکی ایسی ہی مثال ہے جس طرح کہ کوئی نفیس موتیوں سے بھری ہوئی سیپ کو پتھر کا ٹکڑا خیال کر کے بے توجہی سے پھینک دے اور اسکی کچھ قدر نہ کرے اُس کی نظروں کو اُس کے ساتھ کچھ بھی دلچسپی ہو - اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسا نادان بڑی قیمتی شے کو جس کے حاصل کرنے میں سیکڑوں روپے

ف: شریعت محمدی کی عبادتوں کی [illegible] بیان

صرف ہوتے ہیں بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے ہاتھ سے ضائع کرتا ہے بہتیرے نادان ایسے بھی ہیں کہ جنھیں تمیز تو خاک نہیں لیکن ان عبادتوں میں نقص نکالنے کیلئے آمادہ ہیں اُنھیں خوبیاں بھی عیب نظر آتی ہیں ایسے لوگوں کی ٹھیک مثال اس مریض کی سی ہے جسکو پانی بھی بدمزہ معلوم ہوتا ہو اور شیرینی کو تلخ بتلاتا ہو کاش یہ لوگ بھی جب انھیں عبادتوں کی خوبیاں نظر نہ آئیں تو اسی مریض کی طرح کریں جو کڑوی دوا کو مفید سمجھکر زبردستی گلے سے اتار ہی جاتا ہے اگرچہ اس میں کچھ کلفت ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے خدا اس جہالت کا بُرا کرے سارے گل اسی کے کھلائے ہوئے ہیں ان لوگوں کو تو اس نے اپنا کھلونا بنا رکھا ہے اسی کی وجہ سے اُن کو طرح طرح کے نقصانات اٹھانا پڑتے ہیں۔

اب آئے آپ کو اس فرقہ کے لوگوں کو جو شریعت محمدیہ کی عبادتوں کے اسرار نظر آئے ہیں اُسکی تھوڑی سی تفصیل کر سنائیں پہلے تو انھوں نے دیکھا کہ یہ ہر عاقل بالغ کو منجملہ اور عبادات کے ایک عبادت ادا کرنے کا جسے نماز کہتے ہیں حکم دیتی ہے نماز چند مخصوص اقوال و افعال کے مجموعہ کا نام ہے جو خدا کی عظمت کے اظہار یعنی تکبیر سے شروع ہوکر سلام پر ختم ہو جاتی ہے نماز پڑھنے والا اُس کو اس طرح پر ادا کرتا ہے گویا کہ وہ خدا کے سامنے حاضر ہے اُس نے مقرر کیا ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو ایک منادی یعنی موذن سارے نمازیوں کو نہایت فصیح الفاظ میں بلایا کرے چنانچہ اس کے حکم کے موافق وہ چار مرتبہ خدا کی عظمت کا اعلان کرتا ہے گویا وہ کہتا ہے کہ اے لوگو تم جو دنیوی اور اُخروی مرغوبات میں پھنسے ہوئے ہو یہ بھی خبر ہے کہ خدا نہایت ہی بڑا اور اسبات کا زیادہ مستحق ہے کہ سارے مرغوبات کو چھوڑ کر اُس کی جناب کی طرف راغب ہو جاؤ پھر دو مرتبہ گواہی دیتا ہے کہ خداوند تعالےٰ معبود یکتا ہے اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں گویا وہ یہ بتلاتا ہے کہ تمھاری دنیوی اور اُخروی حاجتوں کو وہی پورا کر سکتا ہے کہ جو معبود حقیقی ہو اور اپنے ماسوا سے بے نیاز ہونے میں یکتائی اُسکے اخص اوصاف میں شمار ہو اور ساری خلق اُسی کی محتاج ہو اور ایسا معبود "اللہ" ہی ہے جسکی ذات واقعی معبودیت کے شایاں اور اس امر میں یکتائی کے ساتھ موصوف ہے پس تمھیں چاہئے کہ اپنی ساری حاجتیں خواہ دنیوی ہوں یا اُخروی سب اسی کی جناب میں لیجاؤ اور اُسی کی درگاہ کی طرف رجوع کرو پھر دوبار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ یہی رسول تمھارے اور تمھارے ذی عظمت معبود کے درمیان میں واسطہ ہیں انھیں کے ذریعہ سے تمھیں اپنی دنیوی اور اُخروی مصلحتوں کی اطلاع ہوئی ہے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو ورنہ کم سے کم دلیل سے تو ضرور تمھیں اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ یہ تمھارے بڑے ہی خواہ اور تمھیں بھلائی کے طریق سکھانیوالے ہیں پس اب تمھیں چاہئے کہ تم اُس عبادت کے ادا کرنے میں بدل و جان کوشش کرو جو انھوں نے تمھارے لئے مقرر کی ہے اور جس میں تمھارا سراسر نفع متصور ہے اس کے بعد وہ دو دفعہ نماز کی طرف متوجہ کرتا ہے اُسکو اس مضمون کی تفریع سمجھنا چاہئے جسکی طرف وہ تکبیر و تشہد میں اس سے پہلے اشارہ کر چکا ہے کہ اس ذی عظمت خدا کی درگاہ میں تمھیں ضرور التجا کرنا چاہئے۔ یا یوں سمجھئے کہ پہلے کلام کا یہ نتیجہ ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ جب یہ خدا سارے بڑوں سے بڑا اور وجود اور تمام خلق کی حاجت برآری کے اعتبار سے یکتا ٹھیرا اور اس خیر خواہ رسول نے تمھیں اُسکی عبادت کی تعلیم کی اور یہ وعدہ

ف۔ [illegible]

کیاکہ تم اس کی بدولت اپنی امیدیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگے تو تم کو چاہئے کہ نماز کی طرف ضرور متوجہ ہو جاؤ خدائے جلیل کی درگاہ میں حاضر ہو اور نماز ادا کرکے اس کے وسیلہ سے خدا کی درگاہ میں اپنی چھوٹی بڑی حاجتوں کی درخواست پیش کرو پھر وہ نماز کے فوائد و ثمرات کی طرف اجمالی طور پر "حی علی الفلاح" یعنی کامیابی اور رستگاری کی طرف دوڑو کہکر اشارہ کرتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے "آدمی کیلئے فلاح ساری مرغوبات سے بڑھکر ہے اور فلاح خواہ دنیوی ہو یا اُخروی اسی عبادت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس سے اخلاق درست ہوتے ہیں خلاق کی عظمت کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے قیامت میں اس کی جزا کے ملنے کی امید ہو جاتی ہے پس اس فلاح و کامیابی کو غنیمت سمجھو اور اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اس کے بعد وہ مرغوبات میں سے جو نہایت ہی کامل شے ہے اس کی طرف نمازیوں کے خیالات کو متوجہ کرتا ہے اور اس بات پر اُن کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ جب اس عبادت کی طرف متوجہ ہوں تو کہیں خدا کے سوا کوئی دوسری چیز کو مقصود اصلی نہ ٹھیرالیں بلکہ اُن کی مشتاق نظریں اُسی کی جناب کی طرف رہیں اُسی کا تقرب مد نظر ہو اور ان کا مقصد اصلی اور مدعائے دلی کیا دنیا اور کیا آخرت دونوں میں خدا ہی خدا ہو اسی وجہ سے وہ اس موقع پر دو مرتبہ تکبیر کہتا ہے اور خدا کی معبودیت کے لحاظ سے یکتائی ظاہر کرتا ہے یہ تو مؤذن کی کیفیت تھی اب سنیے سننے والے کیا کرتے ہیں وہ لوگ بھی موذن کے اقوال کو دُہراتے جاتے ہیں گویا کہ وہ اس کی ہر بات میں تصدیق کرتے ہیں اور اسبات کی تصریح کرتے ہیں کہ وہ بھی اسکے ساتھ متفق ہیں لیکن جب وہ ان کو نماز اور فلاح کی طرف بلاتا ہے تو اُسکے الفاظ کو نہیں دُہراتے کیونکہ بلانیوالے کے الفاظ جواب میں بھی کہنا تو مسخرہ پن کی بات ہے اس لئے وہ "لاحول و لا قوۃ الا باللہ" پڑھا کرتے ہیں گویا وہ کہتے ہیں کہ نماز میں داخل ہو کر اس خیر عظیم کا حاصل کرنا اور فلاح کا پالینا سوائے خداوندی مدد اور قوت کے کسی اور طور پر ممکن نہیں ہم تو اُسی کی مدد کے طلبگار ہیں اور اُن کا یہ قول بطور استکراہ و تنفر کے نہیں ہوا کرتا جیسا کہ بعض ناواقف یہ سمجھکر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ پھر جب اُس موقع پر جو کہ اسی عبادت کے ادا کرنے کیلئے مخصوص ہوتا ہے لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو ندا کرنیوالا مزید تاکید کیلئے اُنھیں الفاظ کا اعادہ کرتا ہے تاکہ یہ سب باتیں لوگوں کے خوب ذہن نشین ہو جائیں اور وہ شخص بھی سُن لے جسنے اذان نہیں سنی تھی اور بلا اذان سنے ہی آگیا تھا یا سلئے کہ اس بارگاہ عالی کی حضوری کے وقت یہ سارے مضامین پورے طور سے پیش نظر ہوں اسی واسطے وہ اب کے مرتبہ الفاظ سابقہ ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ "قد قامت الصلوۃ" اور بڑھا دیتا ہے یعنی اب نماز قائم ہو گئی

نماز کیلئے طہارت کے شرط ہونیکی حکمت ۱۲

شریعت نے اس عبادت کے ادا کرنے کیلئے جو شرطیں لگائی ہیں اور جو آداب مقرر کئے ہیں وہ بھی سُن لیجئے چنانچہ اُس نے یہ مقرر کیا ہے کہ نماز پڑھنے والے کا بدن پاک ہو اس کا لباس طاہر ہو اس مکان میں جہاں وہ نماز ادا کرے گا کسی قسم کی نجاست نہ پڑی ہو اس کا بدن حکمی ناپاکی سے بھی پاک ہو اور اس سے ایسے حالات مراد ہیں جو حدث کے نام سے موسوم ہوتے ہیں اور اُنکا اسوقت اعتبار کیا جاتا ہے جب بدن سے کسی قسم کی نجاست نکلے اور اس طہارت سے نمازی کو اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہوتی ہے کہ اس کا نماز میں داخل ہونا گویا اپنے مولے کے سامنے اور اُسکی بارگاہ عالی میں اُس کے احسان کا امیدوار بنکر شکر کیلئے حاضر ہوتا ہے پس جسطرح کہ شاہان دنیا میں سے کسی کے دربار میں جب جانا مقصود ہوتا ہے تو اسبات کا بڑا اہتمام کیا کرتے ہیں کہ کہیں بادشاہ

کی نظر کسی چیز پر نہ جا پڑے جو اُسے ناگوار خاطر ہو اسی طرح یہاں بھی یہ نہایت ضروری امر ہے کہ خداوندی دربار میں حاضری کے وقت سارے اعضا تمام ایسے ناپسندیدہ اعمال سے بالکل پاک صاف ہوں جن کا منشا خواہ اُسکی خواہش نفسانی اور میلان طبع ہو۔ یا دوسروں کی ذمہ سرا اندازی سے اُن کا مرتکب ہوا ہو اور جملہ اخلاق ذمیمہ سے اس کا دل بھی پاک ہو یہاں تک کہ سارے میل کچیل کو توبہ اور پشیمانی کے پانی سے دھو دہلا کر صاف و ستھرا بنگیا ہو علاوہ بریں بدن کو پانی سے دھونیکی وجہ سے جس خوشی کا اثر روح تک پہنچتا ہے وہ بھی مخفی نہیں کیونکہ روح اور بدن میں جو علاقہ پایا جاتا ہے اُسکا کوئی انکار نہیں کرسکتا اسی لئے جب ان دونوں میں سے ایک میں بھی کوئی چیز اثر کرتی ہے تو دوسرے میں اس کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے چنانچہ روح بدن دہونے کے وقت کیسی شاداں و فرحاں نظر آتی ہے اور اس کی ساری کسلمندی دور ہو جاتی ہے گویا کسی نے اُسکے سارے بندھن کھولدیئے جسمیں وہ جکڑی ہوئی تھی خصوصًا اُس حالت میں جبکہ عورتوں سے صحبت کرنے کے بعد غسل کیا جائے اور طبی فوائد اسکے علاوہ ہیں جو کسی پر چنداں مخفی نہیں۔

شریعت نے اُن اعتباری حالات سے طہارت حاصل کرنے کو جو حدث کے نام سے موسوم ہیں دو قسموں پر منقسم کیا ہے ایک کا نام طہارت کبرٰی ہے جس سے سارے بدن کا دھونا یعنی غسل مراد ہے دوسرے کو طہارت صغرٰی یا وضو کہتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ بعض اعضا کو دھویا جائے اور بعض کا مسح کیا جائے۔

اب اُس نے سارے بدن کا دھونا اسوقت واجب کیا ہے جب منی نکلے چاہے حکمًا ہی کیوں نہ ہو (اور حکمًا منی نکلنے کی یہ صورت ہے کہ جماع کرنے سے منی نکلنے کا پتہ نہ لگے) یا جب عورت کے رحم سے حیض یا نفاس کا خون جاری ہو۔ چونکہ ان نجاستوں کا کچھ نہ کچھ حصہ سارے بدن سے آتا ہے اس لئے شریعت نے بھی اُس اعتباری حالت یا نجاست کے ساتھ جو اُن کے نکلنے سے پیدا ہوتی ہے سارے بدن کو ملوث قرار دیا اور اسیوجہ سے اُن کا نام حدث اکبر رکھا گیا پس گویا سارے بدن کے دھونے اور پاک کرنیسے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُن سارے گناہوں سے توبہ کر کے پاک ہونا چاہئے جنکو تمام بدن سے علاقہ ہے نہ کسی خاص عضو سے خصوصًا اخلاق سیئہ سے پاک ہونا تو اور بھی ضروری ہے۔ دوسری حکمت اسمیں یہ بھی ہے کہ یہی چیزیں ہیں جن سے بچہ بنتا ہے چنانچہ منی حمل ٹھیرنے اور بچہ کی صورت بننے کا مادہ ہے اور خون رحم سے بچہ کو غذا پہنچتی ہے اور اُسکو نمو حاصل ہوتا ہے اور ظاہر ہے جو بچہ اس سے پیدا ہوا کرتا ہے وہ کبھی نیک بخت ہوتا ہے اور کبھی بدبخت۔ بچہ کے نیک بخت ہونے کے لحاظ سے بچہ کا پیدا ہونا شرعًا قابل تعریف اعمال میں سے شمار کیا جاسکتا ہے اور یہ امید ہوسکتی ہے کہ ان دونوں میاں بی بی کو جنکی مباشرت سے نیک بچہ ہوا ہے بہت عمدہ جزا ملے خصوصًا اُسوقت جبکہ اُن دونو کی نیت بھی نیک ہو اور یہ مقصود ہو کہ اس طرح نسل میں خدا کے مطیع موحدوں کی ترقی ہو اور بچہ کے نیک بخت ہونیکے لحاظ سے ان چیزوں کے خارج ہونے کے وقت مکلف کیلئے گویا یہ اشارہ نکلتا ہے کہ یہ شے جو تیرے بدن سے خارج ہوئی ہے اور جسمیں تیرا سارا بدن شریک ہے بچہ کے پیدا ہونیکا مادہ ہے اور ممکن ہو کہ اس سے ایسا بچہ پیدا ہو جو خدا کی نافرمانی اور اس کے ساتھ کفر کرے پس سارے بدن کے دھونے سے اسبات پر آگاہی حاصل کرنا چاہئے کہ ایسے امر سے بھی توبہ کرنا مناسب ہے جسمیں گناہ کی سببیت کا احتمال بھی ہو اور گویا وہ زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کے خارج

ہونے سے جنمیں میرا سارا بدن شریک ہے مجھے اس بات کی تشخیص ہو گئی کہ اگر ایسا بچہ پیدا ہوا جو تیری نافرمانی کرے تو میں ضرور اسکا سبب ٹھیروں گا اس لئے میں اپنا سارا بدن دھوئے ڈالتا ہوں اور میں اسکو اپنی اس توبہ کا عنوان قرار دیتا ہوں جو مجھے اس سببیت سے تیرے سامنے کرنا چاہئے اور یہ بات گناہ سے انتہا درجہ کی علحدگی اور توبہ میں نہایت ہی مبالغہ اور اہتمام کرنے پر مبنی ہے اگرچہ حقیقۃً یہ کوئی گناہ نہیں ہے محض گناہ کا امکان اور اندیشہ ہے اب رہیں ایسی نجاستیں جو تمام بدن سے نہیں آتیں خواہ وہ حقیقۃً خارج ہوں جیسے کہ بدن سے خون بہے یا قضائے حاجت کے دونوں مقاموں میں سے کسی سے سوائے منی، خون حیض یا نفاس کے کوئی اور شے خارج ہو اور خواہ حکماً ان کا اخراج پایا جائے جیسے کہ اس طرح سونے کے وقت جب اعضاء ڈھیلے ہو جائیں اعتبار کیا جاتا ہے پس ان کے پائے جانے کے وقت شریعت نے اُسی اعتباری نجاست سے جو حدث اصغر کے نام سے موسوم ہیں خاص خاص اعضاء کو ملوث قرار دیا ہے گویا اس طہارت صغریٰ کے حکم سے جسے وضو کہتے ہیں (اور وہ بعض اعضاء کے دہونے اور بعض کے مسح کرنے کا نام ہے) اُس کا یہ اشارہ ہے کہ انہیں خاص خاص اعضاء کے گناہوں سے توبہ کرنا چاہئے اور اُن اعضاء کی تخصیص اور انکی ترتیب میں جو اُن کی طہارت میں اعتبار کیگئی ہے عجیب نکتہ کی رعایت مدنظر ہے بیان اس کا یہ ہے کہ سارے بدن میں یہی ایسے اعضاء ہیں جو مخالفت کرنیکے لئے نہایت سرعت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اس لئے اُنکے دھونے سے اُنکی طہارت باطنی کے اہتمام پر تنبیہ ہو جائیگی اور مقصد اس سے یہ ہے کہ اُنکے کثیر الوقوع گناہوں سے توبہ کیجائے۔ اعضاء کے دہونے میں جو ترتیب اختیار کی گئی ہے اسمیں یہ لحاظ ہے کہ جو عضو مخالفت میں نہایت سرعت سے حرکت کرتا ہو اُسی کو سب سے مقدم کیا جائے پھر اُس کے بعد اُس سے کم اسیطرح آخر تک سمجھنا چاہئے پس سب سے پہلے چہرہ کے دہونیکا حکم ہے جسمیں منہ ناک اور آنکھیں پائی جاتی ہیں اور چہرہ میں سے پہلے منہ سے دہونا شروع [ہ] کیا جاتا ہے اس لئے کہ تمام اعضاء میں سے زبان مخالفت کرنے میں زیادہ چلتی ہے کیونکہ اسی سے کلمہ کفر کا کہا جاتا ہے اُسی سے غیبت چغلخوری کیجاتی ہے فحش بکا جاتا ہے اسکے علاوہ بھی زبان کی بہت سی آفتیں ہیں جنمیں سے کچھ پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں پس منہ کے دہونے سے جب یاد آجاتا ہے کہ طہارت ظاہری سے باطن کی تطہیر کی طرف اشارہ ہے تو خدا کی طرف وہ توبہ کرنے لگ جاتا ہے اور زبان سے جو کچھ اُس نے بیجا کہا تھا اُس سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے اسیطرح ناک میں پانی ڈالنے کے وقت یاد کرکے اُن چیزوں سے جنکو اُس نے بلا اجازت شرعی سونگھا ہے توبہ کرتا ہے اسی طرح اُن چیزوں سے بھی توبہ کرتا ہے جن کا دیکھنا حرام تھا اور اُس نے اُنھیں دیکھا ہے۔ چہرہ کے بعد کہنی تک دونوں ہاتھوں کے دہونے کا حکم ہے اس لئے کہ جہاں زبان سے کوئی بات نکلی اور کسی پر نظریں پڑیں تو فوراً دست درازی کرنے کیلئے ہاتھ بڑھتا ہے اور کسی نہ کسی موقع پر جا ہی لگتا ہے پس جب اُن دونوں کی نوبت آئیگی تو خواہ مخواہ ان کی طہارت باطنی کا بھی خیال پیدا ہوگا اور اپنی دست درازیوں سے توبہ کرے گا اسکے بعد سر کے مسح کرنے کا حکم ہے اور غسل کا حکم نہیں دیا گیا اور محض مسح ہی گویا اسلئے کافی سمجھا گیا کہ نفس سر سے تو کوئی مخالفت سرزد نہیں ہوئی تھی اگر ہوئی تھی تو زبان اور آنکھ سے ہوئی تھی جو سر سے ملی ہوئی ہیں اسی وجہ سے سر کیلئے متوسط درجہ کا حکم یعنی مسح تجویز

[ہ] یعنی کلی کیجاتی ہے اور کلی سے پہلے جو ہاتھ گٹوں تک دہوئے جاتے ہیں وہ اصل میں کلی ہی کرنے کیلئے صاف کرنے جاتے ہیں ۱۲ مترجم

کی گئی اور غسل کا حکم نہیں دیا۔ اسیطرح چونکہ کان میں بسا اوقات بلا قصد کوئی بات آپڑتی ہے اُس کیلئے بھی مسح ہی پر اکتفا ہوا اور غسل کی طرح اب مسح کرتے وقت بھی توبہ کی یاد آجائیگی کانوں سے جو کچھ برا سنا ہوگا اور بے باعث مجاورت ان اعضا کے جو کچھ سرزد ہوا ہوگا اُس سے بھی اپنے کو پاک کرے گا۔ گردن کے مسح کی نسبت بھی اسی طرح کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد پیروں کے دھونے کا حکم ہے اس لئے کہ جب آنکھیں دیکھ چکتی ہیں زبان سے کچھ باتیں ہو جاتی ہیں ہاتھ بڑھ چکتے ہیں کانوں میں آوازیں آلیتی ہیں اُسوقت پیروں کی باری آتی ہے اور آدمی اُن سے چلتا ہے پس مخالفت میں سب سے پیچھے پیر ہی ہیں اس لئے سب سے پیچھے اُنکے دھونے کا حکم ہوا اور ان کے دھونے سے بھی پیروں کے لحاظ سے باطنی طہارت کی فکر ہوتی ہے اور جہاں کہیں اُس سے بیجا قدم اٹھا ہوتا ہے اُس سے توبہ کرتا ہے۔ پھر اعضا کے تین تین مرتبہ دھونے میں ایک عجیب دقیق نکتہ پایا جاتا ہے گویا کہ توبہ کے تینوں ارکان کا پورا پورا مقابلہ ہے اور توبہ کے تینوں رکن یہ ہیں (۱) جو گناہ ہو چکا ہو اسپر نادم ہو (۲) اُس گناہ سے باز آئے اور (۳) اس بات کا پختہ قصد کرے کہ آیندہ اس کا مرتکب نہوگا پس ہر مرتبہ دھونے سے توبہ کے ایک ایک رکن پر تنبیہ ہوتی ہے وضو کرنے والا جب وضو سے فارغ ہو چکتا ہے اور توبہ کر کے طہارت باطنی حاصل کر لیتا ہے تو اسے مناسب ہے کہ یہ دعا پڑھے۔
اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ یعنی اے خدا مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک صاف بننے والوں کے زمرے میں کر دے اسمیں اس لئے گویا یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ خدا سے وہ یہ استدعا کرے کہ اُس نے جیسا توبہ اور تطہیر باطن کی توفیق دیکر اسپر احسان کیا ہے اُسے قبول بھی کرے۔ اور جب نمازی کو پانی کا میسر آنا مشکل ہو یا بوجہ مرض کے اُس کے استعمال پر قدرت نہو تو اُسوقت شریعت نے بجائے غسل یا وضو کے تیمم مقرر کیا ہے اور وہ کسی پاک چیز سے جو کہ مٹی کے قبیل سے ہو نیت تطہیر کے ساتھ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے کہنیوں تک مسح کرنیکا نام ہے اور یہی ایسے اعضا ہیں کہ انسان کو جن کے پاک کرنیکی اور اعضا سے زیادہ حاجت ہوتی ہے اور اسمیں گویا بندہ کیلئے یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب اُسپر توبہ کے سارے ارکان ادا کرنا دشوار ہوں اور ان کے حاصل کرنیکی اُسے توفیق نہو تو اس سے تو گیا گذرا نہو کہ اپنے گناہ دیکھکر عجز اور انکسار کرنے لگے کیا عجب کہ اسی بہانہ خدا اسکے گناہ بخشدے چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ جو گناہ عجز و انکسار پیدا کرے وہ ایسی اطاعت سے تو اچھا ہی ہے کہ جس سے آدمی عجب و تکبر کرنے لگے علاوہ بریں جب اس مسح کے اس اشارہ کی طرف دھیان کیا جاتا ہے تو یہ بھی کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا کہ اس پر اب توبہ کے تمام ارکان کا حاصل کرنا بھی آسان ہو جائے اور وہ حقیقۃً توبہ ہی کرے پھر چونکہ اعضائے وضو میں پیر دھونے میں زیادہ پانی صرف ہوتا تھا اور کچھ مشقت کا بھی اندیشہ تھا سو جب اگر چرمی موزے پہن لئے جائیں تو بغرض آسانی بعض شروط کے ساتھ انپر پانی سے مسح کرنا بھی جائز رکھا گیا اور اسطرح پر اُن کے گناہوں سے توبہ کرنے کی طرف اشارہ بھی فوت نہیں ہوا پایا شریعت نے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ ننگے ہو کر نہ پڑھی جائے بلکہ نمازی بدن ڈھانک لیا کرے اور اس سے جو کچھ ادب کی رعایت پائی جاتی ہے وہ تو ظاہر ہی ہے علاوہ اس کے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بندہ کو گناہوں اور اخلاق ذمیمہ سے اگر پورے طور پر توبہ کر کے پاک و صاف بننا نصیب نہو تو جب نماز پڑھنے لگے یا یوں کہے کہ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے لگے تو کم سے کم باتقاضائے

اور اتنا تو ضرور ہے کہ ان ساری مخالفتوں کو دبائے رکھے تاکہ اُن کا زور شور گھٹتا رہے اور ان کی یہ حالت ہو جائے کہ گویا انہیں پردہ میں چھپا دیا ہے اگرچہ خدا سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔

بدن چھپانے میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ جب اس کی نظر اعضا پر نہ پڑے گی تو ادھر ادھر کی نہ بھٹکے گا اور چونکہ عورتوں کے سارے بدن میں یہ قباحت پائی جاتی تھی کہ اس پر نظر پڑنے سے طبیعت بگڑتی تھی اس لئے اسے حکم ہے کہ سارا بدن چھپائے ہاں آزاد عورت کیلئے اتنے بدن کے کھولنے کی اجازت ہے جسکے کھولنے کی اکثر احتیاج پڑتی ہے جیسے چہرہ۔ کلائی تک دونوں ہاتھ اور قدم ان کا چھپانا ضروری نہیں اور وہ عورت لونڈی ہے تو چونکہ کام کاج کرنے میں ان اعضا کے علاوہ دوسرے اعضا بھی اکثر کھل جاتے ہیں اور ان کو چھپانا واجب کرنے میں حرج متصور تھا اس لئے اس کو ان کے علاوہ بھی کسی قدر اور بدن کھلا رکھنے کی اجازت دیگئی۔

شریعت نے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ نمازی کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے اس لئے کہ انسان کیلئے کئی جہت پائی جاتی ہیں جن کا کہ وہ اپنے کاروبار میں عادی ہے اور اُن جہتوں کے نام یہ ہیں۔ آگے پیچھے دہنے بائیں۔ اوپر نیچے پس اگر اُسے اختیار دیدیا جاتا کہ جدھر چاہے منہ کرکے نماز پڑھ لے حالانکہ نماز میں مقصود یہ ہے کہ خدا کی طرف یکسو ہو جائے اور اپنے خیالات کو مجتمع کرکے خدا ہی کے کام میں لگا دے تو اس کا جی پریشان ہو جاتا اور کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑتا اور اسی حیرت میں رہ جاتا کہ کدھر منہ کروں کدھر نہ کروں معلوم نہیں کہ خدا کی طرف متوجہ ہونے کے لائق کونسی جہت ہے کہ جس سے میری دعا مقبول ہو جائے پس خدا نے بمقتضائے لطف انسانی عقل و فطرت کا لحاظ کرکے کعبہ مکرمہ کو مقرر کر دیا کہ اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی جائے کیونکہ خدا نے اس قطعہ زمین کو مشرف و مکرم بنا دیا ہے اور خدا کو اختیار ہے کہ اپنے ملک میں سے جس شے کو چاہے فضیلت دیکر معظم و مکرم بنا دے اس لئے کہ وہ فاعل مختار اور تمام چیزوں کا علی الاطلاق مالک ہے خدا نے کعبہ کا بیت اللہ یعنی خدا کا گھر نام رکھا اگرچہ خدا کو مکان کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ وہ اس سے بالکل پاک و منزہ ہے لیکن اس تعیین سے مقصود یہ ہے کہ نمازی کا دل خدا سے عرض معروض کرتے وقت یکجا رہے اور اس کے جی کو اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ خدا کی طرف متوجہ ہونے کے اعتبار سے اس نے تمام جہتوں میں سب سے افضل و نہایت ہی مناسب جہت اختیار کی ہے جس سے امید ہے کہ اس کی دعا ضرور مقبول ہو جائیگی پس یہاں سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی کہ نماز اور جو کچھ کہ نماز میں مثل رکوع و سجدہ وغیرہ کے پایا جاتا ہے اگرچہ اسوقت منہ کعبہ کی طرف رہتا ہے لیکن اس سے مقصود ذات باری تعالیٰ ہی ہے کعبہ ہرگز مقصود نہیں اس لئے کہ جو شخص خدا پناہ میں رکھے اپنے سجدہ سے غیر خدا کو قصد کرے اسکی نسبت شریعت کفر کا حکم دیتی ہے پس اس عبارت سے کعبہ کی مقصودیت کا گمان کرنا انتہا درجہ کی نا واقفی پر مبنی ہے۔

پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ نماز خدا کی تعظیم و تکبیر سے شروع ہوتی ہے اور اُس سے مقصود بندہ کا اللہ اکبر کہنا ہے اور اسوقت نمازی اگر مرد ہے تب تو اپنے کانوں تک ہاتھ اٹھاتا ہے اور عورت اپنے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھاتی ہے اللہ اکبر کہنے میں اول تو تعظیم پائی جاتی ہے دوسرے اسطرح بارگاہ شاہی میں گویا تحیت و سلام عرض کیا جاتا ہے اور حاضری کی اجازت مانگی جاتی ہے اور باوجود ان باتوں کے اسمیں یہ بھی اشارہ ہے کہ بندہ کو یہ مضمون پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اُس کا مولیٰ جسکے سامنے وہ حاضر ہونے کو ہے تمام

چیزوں سے بڑا ہے کوئی شے اُس کی کبریائی وعظمت کو نہیں پہنچ سکتی پس مناسب ہے کہ اپنے مولیٰ کے سوا خواہ دنیوی تعلقات ہوں یا اُخروی مرغوبات سب سے اپنے دل کو پاک کر کے اُس کے حضور میں حاضر ہو اور دونوں ہاتھوں کے اٹھانے سے بھی اسی بات کی تاکید ہوتی ہے جیسے کہ کوئی شخص اعراض کرکے اس چیز سے جو اس کے سامنے ہو ہاتھ کھینچتا ہے گویا کہ نمازی نے یہ فرض کیا ہو کہ خدا کے سوا تمام اشیا اسکی آنکھوں کے روبرو حاضر ہیں اور یہ کہ کہ خدا جملہ اشیاء سے بڑا ہے وہ اُن سب سے ہاتھ اٹھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں خدا کے سوا کسی چیز کو نہیں لیتا اسی کو اختیار کرتا ہوں اور میں اپنی ساری مرغوبات کو چھوڑے دیتا ہوں میں تو اُسی کی بارگاہ عالی میں حاضر ہونے کا پختہ قصد کر چکا - مرد کے خلاف بجائے کانوں تک کے عورتوں کے شانوں ہی تک ہاتھ اٹھانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے جی کو قابو میں رکھنے پر قادر ہونے کے لحاظ سے مردوں سے عورتوں کا مرتبہ ذرا گھٹا ہوا ہے گویا کہ مرد و عورت دونوں اپنے اپنے مرتبہ کو زبان حال سے بیان کرتے ہیں علاوہ بریں عورتوں کیلئے محض شانوں ہی تک ہاتھ اٹھانا کافی سمجھے جانے میں ان کے پردہ کی بھی رعایت ہو جاتی ہے پھر بعد تکبیر کہکر غلاموں کی طرح اپنے مالک کے سامنے نہایت ادب سے ہاتھ باندھ کھڑا ہو جاتا ہے اس کی نظر بھی زمین کی طرف لگی ہوئی ہے دونوں قدم برابر رکھے ہیں نہ کوئی عضو ہلتا ہے عہ نہ ادھر ادھر جھکتا ہے اس کے بعد وہ نماز شروع کرنے کی دعا پڑھتا ہے جس میں پہلے تو اپنے رب کی پاکی اور تمام عیوب سے براءت بیان کرتا ہے۔ پھر اُس کی تعریف کرتا اس کا نام نہایت تعظیم و تکریم سے لیکر اُسکی سلطانی عظمت و جبروت کو ظاہر کرتا ہے اُسکی وحدانیت کا مقر ہوتا ہے اسکو یوں سمجھیے کہ بادشاہوں سے کچھ عرض کرنے کے پہلے چند القاب ذکر کیا کرتے ہیں جن سے اُنکی عظمت ظاہر ہو اسیطرح خدا سے بھی عرض کرنے کے وقت اس کی رعایت کی گئی پس تکبیر گویا درگاہ خداوندی میں حاضر ہونے کے وقت آداب بجالانا ہے اور یہ دعا گزارش کرنے سے پہلے بمنزلہ القاب ذکر کرنے کے ہے پھر چونکہ انسان پر شیطان مسلط کیا گیا ہے اور اُسے یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح اسکے دل میں وسوسہ ڈالکر خدا سے عرض معروض کرنے میں ہی نہ لگنے دے اور اسے پریشان کر دے اس لئے شیطان کی عداوت سے بچنے کیلئے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتا ہے یعنی میں اس مردود شیطان کے شر سے بچنے کیلئے خدا کی پناہ میں آیا جاتا ہوں اس طرح اپنے دشمن شیطان سے بچنے کیلئے خدا کی پناہ مانگ کر ذرا اسکے دل کو سہارا ہو جاتا ہے اب خدا سے عرض و معروض کرنے کا وقت آپہنچتا ہے چنانچہ وہ بسم اللہ عہ پڑھکر سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے اس کے پڑھنے سے جن امور کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اُسکا بیان یہ ہے کہ پہلے تو وہ خدا سے توسل حاصل کرنیکے لئے نہایت ہی شریف وسیلہ کو ذکر کرکے برکت حاصل کرتا ہے اور وہ وسیلہ اس کا نہایت ہی باعظمت اسم مبارک ہے کہ اسکے سوا کوئی اُسکے ساتھ موسوم نہیں اور چونکہ وہ اپنے کو ایسے مقام میں پاتا ہے کہ جسکے اعتبار سے اسکو اس بات کی نہایت احتیاج ہوتی ہے کہ خدا اپنی رحمت اور احسان کے صدقہ میں اُسکو طرح طرح کی نعمتیں عنایت کرے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں کہ خدا کی بخششوں کی امید کیجاتی ہے اسلئے وہ اپنے رب کی تعریف میں یہ ذکر کرتا ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم یعنی بے نہایت و بے پایاں رحمت والا ہے گویا کہ یہ اشارہ ہے کہ اسکی دعا مقبول ہونے کے لئے سوائے خدا کی کامل اور عام رحمت کے کوئی ذریعہ نہیں۔

ف [illegible]

ف [illegible]

عہ اور وہ دعا یہ ہے سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک ۔ مترجم عہ یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم کہنے کی حکمت ہے ۔ مترجم

پھر حق[1] سبحانہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی نعمتوں کی وسعت خصوصاً اس کے پرورش کرنیکے احسان کو کہ جو ابتدائے پیدائش سے برابر اُسپر ہوتا رہا خیال کرکے اُسکی ذات عالی کی جو کہ تمام اعلیٰ سے اعلیٰ محامد کی شایاں ہے تعریف کرتا ہے اور اس کے کامل احسانات کی توصیف میں مشغول ہوتا ہو جنمیں سے سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ خدا اس کو فنا ہونیسے بچاتا ہو اور ظاہری و باطنی رزق برابر جاری رکھکر اسکی پرورش کرتا ہے پھر یہ[2] دیکھ کر کہ بہتیرے لوگ اُسکی اُس نعمت کی بیقدری کرتے ہیں اور اُس کا کما حقہ شکر ادا نہیں کرتے اور اس خوف سے کہ کہیں اسکا بھی نہیں ایسے لوگوں میں شمار نہ ہونے لگے خداوندی رحمت کی طرف متوجہ ہوکر التجا کرنے لگتا ہے اور اپنے رب کو رحمت کے ساتھ موصوف کرکے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تیری وسیع رحمت کے سوا اُن لوگوں کا کوئی کارساز نہیں ہو سکتا. اور یہ[3] خیال کرکے کہ بعض لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں کہ جب اُن پر احسان ہوتا ہے تو اور زیادہ اترانے لگتے ہیں اور جب تک کہ اُن کے ساتھ عدل نہ برتا جائے اور اُن کی تادیب نہ کیجائے اُن کی اصلاح نہیں ہوسکتی اس لئے اس کی صفت جلال کو یوں ظاہر کرتا ہے کہ وہ انصاف و جزا کے دن کا بادشاہ اور مالک ہے پس جسطرح کہ بندہ کو خدا سے انتہائی درجہ کی امید کرنا چاہئے اسیطرح یہ بھی ضرور ہے کہ اس سے ڈرتا بھی زیادہ رہے اب وہ[4] اپنے رب کے حضور میں اپنی عبادت کو جو کہ اس کی نعمتوں کا تھوڑا بہت شکر ہوا کرتا ہے پیش کرتے وقت وہ ضروری امر نکا لحاظ کرتا ہے اول تو یہ کہ وہ اپنے کو حق عبادت ادا کرنے میں قاصر خیال کرتا ہے اس لئے اپنے اُن موحد بھائیوں کی عبادت کے ساتھ ملاکر اپنی عبادت کو پیش کرتا ہے جنمیں سے اکثروں نے نہایت خلوص کے ساتھ اپنی پوری انسانی طاقت صرف کرکے عبادت میں کوشش کی ہے تاکہ اُنھیں کے طفیل سے کیا عجب کہ اس کی عبادت بھی خدا کی درگاہ میں مقبول ہو جائے۔

دوسرے وہ یہ دیکھتا ہے کہ مشرکوں نے اس خدا کی عبادت میں جس کے سوا کوئی عبادت کے شایاں نہیں بہتیرے شریک بھی ٹھیرا لئے ہیں اس لئے وہ اپنی عبادت پیش کرتے وقت اس طور پر بیان کرتا ہے کہ جس سے محض خدا ہی کیلئے عبادت کا انحصار معلوم ہو پھر جب اس موقع پر اس کی نظر اپنے حال کیطرف جاتی ہے تو اپنے کو عبادت اور اس شکر کے ادا کرنے سے نہایت ہی عاجز پاتا ہے ہاں اُسوقت وہ کچھ کر سکتا ہے جبکہ خدا اسکی مدد کرے اور اس کے کاموں کو درست کردے اسکے دل میں اس کی رغبت پیدا کردے اور سارے موانع دور کردے اور چونکہ یہ بات خدا ہی کی قدرت میں ہے اس لئے وہ اُس سے اسطور پر مدد کا طلبگار ہوتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ خدا کے سوا کسی اور کی اعانت اُسے مطلوب نہیں۔

پھر[5] اُس بات کا خیال کرکے کہ خدا کو وہی کام پسند آتے ہیں جو کہ راستی کے ساتھ کئے جائیں اور اُنمیں کجروی کو دخل نہ دیا جائے وہ خدا سے راہ راست کی رہنمائی کی درخواست کرتا ہے تاکہ اس ذریعہ سے اُسکی عبادت کو مقبولیت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے اور وہ کامیاب ہو اب چونکہ لوگ تین قسم کے پائے جاتے ہیں بعض[6] تو وہ جنہوں نے اعتقاد اور عمل دونوں کی حیثیت سے راہ راست کو پالیا اور اسطرح سے وہ فائز المرام ہوگئے اور بعض[7] عمل میں کجروی کو دخل دیکر خدا کے مورد غضب بن گئے اور بعض[8] نے اپنے عقیدہ درست نہ رکھے اور اسطرح سے

[1] یہ الحمد للہ رب العالمین کہنے کی حکمت ہے ۱۲ مترجم [2] یہ الرحمن الرحیم کی حکمت ہو ۱۲ مترجم [3] یہ مالک یوم الدین کی حکمت ہے ۱۲ مترجم [4] یہ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۱۲ مترجم
[5] یہ اہدنا الصراط المستقیم کہنے کی حکمت ہے ۱۲ مترجم [6] یہ صراط الذین انعمت علیہم سے مراد ہیں ۱۲ مترجم [7] یہ غیر المغضوب علیہم سے مراد ہیں ۱۲ مترجم [8] یہ ولا الضالین سے مراد ہیں ۱۲ مترجم

حق سے بھٹک گئے پس نمازی کو راہ راست کی درخواست کے بعد یہ رغبت بھی پیدا ہوئی کہ یہ بھی اُنھیں لوگوں میں سے ہو جائے جو اپنے عقیدے اور عمل درست کرکے خداوندی نعمتوں سے مالا مال ہوگئے تاکہ اس ذریعے سے یہ بھی انکے انوار و ثمرات سے خوشہ چینی کرکے بہرہ یاب ہو۔ اس میں یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ آدمی کیلئے کوئی نہ کوئی ضرور رہنما ہونا چاہئے کہ جو اس کو راہ راست سے آگاہ کرے اور نافرمانوں اور گمراہوں سے علیحدگی اختیار کرنیکی ترغیب دے پس گویا نمازی یوں کہتا ہے کہ اے رب میں اپنے موحد بھائیوں سمیت تجھ سے اُسی فرقہ کی راہ کا طالب ہوں جس پہ تونے عقیدے اور عمل دونوں کے درست ہونیکی وجہ سے اپنی نعمتیں نازل کیں تاکہ ہم لوگ بھی اُنھیں کے زمرہ میں داخل ہو کر اُن کی نیک صحبت کی برکت سے کامیاب ہو جائیں اور اُن لوگوں کے طریقے سے بچے رہیں جن پر اسوجہ سے کہ انھوں نے بُرے عمل کئے تو غضبناک ہوا یا جو غلط عقیدوں کیوجہ سے راہ راست سے بھٹک گئے اے ہمارے رب ان لوگوں سے ہمیں بچائے ہی رکھنا کہیں ہم بھی اسی آفت میں نہ مبتلا ہو جائیں اور پھر اُنھیں کی طرح ہمکو بھی نقصان اُٹھانا پڑے اب وہ مقبولیت کی درخواست پر اپنی اس دعا کو ختم کرتا ہے چنانچہ اسی لئے وہ اس موقع پر لفظ آمین کہتا ہے یعنی اے رب اب ہماری دعا کو قبول کرلے کیونکہ تونے تو اپنے رسول کی زبانی ہم سے وعدہ کرکے ہمیں امیدوار بنا رکھا ہے اور تیری تو عادت ہی ہے کہ دعا کرنیوالے کی بہت جلد سن لیا کرتا ہے پھر چونکہ قاعدہ ہے کہ جب طبیب سے کوئی شخص علاج کراتا ہے تو اسکے لئے وہ جو دوا تجویز کر دیتا ہے اُسکو استعمال کرتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل اپنے ذمہ ضروری سمجھا کرتا ہے اسیطرح پر یہاں بھی سمجھئے کہ بندہ کا خدا سے راہ راست کی رہنمائی کا طالب ہونا گویا کہ اپنے بیجا اعمال اور بُرے عقیدوں کے امراض کیلئے دوائے شافی مانگنا ہے پس گویا خدا کی جانب سے اُسکے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ تمھارا علاج یہی ہے کہ تم میرے کلام کی تلاوت کرو اور اسمیں سے جو کچھ پڑھ سکو پڑھو اس سے تمکو شفا حاصل ہوگی کیونکہ یہی کلام ایسی شافی دوا ہے کہ جس سے فسق۔ شرک۔ ریا۔ تکبر۔ حسد۔ کینہ وغیرہ سارے مرضوں کو صحت حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ اُس میں کافی طور پر دلائل بیان ہوئے ہیں پوری پوری نصیحتیں کی گئی ہیں پس اگر تم اسے پڑھو گے تو تمھیں تمھاری بیماری سے شفا حاصل ہو جائیگی اور تمھارا مرض زائل ہو جائیگا۔ اسوجہ سے نمازی بعد سورہ فاتحہ کے کہ جو بمنزلہ مرض بیان کرنے کے تھی اپنے طبیب کی بتلائی ہوئی دوا کے طور پر قرآن میں سے تھوڑا بہت اس کے سوا کچھ اور بھی پڑھ لیا کرتا ہے۔ اب اس دوا کو استعمال کرکے یعنی کلام اللہ سے کچھ پڑھکر وہ اپنی کمزوری اور عاجزی پر نظر ڈالتا ہے اور اس دوا کی واقفیت و شفا حاصل کرنیکے لئے اپنے آپکو اپنے مولیٰ کا محتاج پاتا ہے اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ یہ بات سوائے خدا کے اور کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں پس اس وقت اپنی ہیئت سے بھی اپنا عجز ظاہر کرنے کیلئے اپنے مولیٰ کی بڑائی بیان کرتا ہوا اسکے سامنے جھک جاتا ہے اور اسی کو رکوع کہتے ہیں۔ پھر وہ اسی حالت میں اپنے باعظمت مولیٰ کی کہ جو سب سے بے نیاز ہے اور جس کے کہ سب محتاج ہیں پاکی بیان کرتا ہے اور بعد اسکے کہ اس نے اپنی ہیئت سے بھی اپنی عاجزی ظاہر کر دی اس کی طرف اپنے محتاج ہونے کا اقرار بھی کر لیا۔ اسکی عظمت و جلال کی تعظیم بھی کر چکا وہ اپنے اس مالک کا شکر ادا کرنیکے لئے سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے جس نے کہ دوا شافی عنایت کرکے اس پر بڑا احسان کیا ہے اور اپنے جی کو اسطرح سمجھاتا ہے کہ اگرچہ وہ نہایت ہی کمزور اور بڑا ہی ذلیل ہے اور اُس کا مالک بہت ہی بڑی عظمت و جلال والا

ف: فاتحہ کی بات تمام سورہ کی حکمت

ف: رکوع و سجدہ اور حرکات و سکنات کی حکمت

لیکن اسکے ساتھ ہی وہ لوگوں کی سنتا بھی ہے اور اُن کی دعائیں قبول کرتا ہے اور جو اس کی تعریف کرتا ہے وہ اُسکی بھی سن لیتا ہے پس یہ سوچ کے
اپنے جی کو اطمینان دلانے کیلئے "وہ سمع اللہ لمن حمدہ" کہا کرتا ہے یعنی جو خدا کی تعریف کرتا ہے خدا اُس کی سن لیتا ہے اور پھر وہ اپنی تعریف
"ربنا لک الحمد" کہکر پیش کر دیتا ہے اس کے بعد جب یہ خیال کرتا ہے کہ خدا کی نعمتیں تو بے پایاں اور غیر محصور ہیں اور وہ اگر ابد تک
بھی اطاعت اور عاجزی کرتا رہے جب بھی سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی شکر کا ادا نہیں ہو سکتا پس اس موقع پر گویا زبان حال سے وہ
یہ کہنے لگتا ہے کہ اے میرے رب میں تو تیری نعمتوں کے شکر ادا کرنے سے بہت ہی قاصر ہوں اور تو تمام چیزوں سے بے نیاز ہے
پھر میں کونسا کام کروں کہ تیرے بڑے بڑے احسانوں کا بدلہ ہو سکے تیری شان جو نہایت ہی عالی ہے میں ہزار کوشش کروں
لیکن بھلا مجھ بیچارے سے کیا ہو سکتا ہے سب سے بڑھکر تیرے مقابلہ میں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ یہی ہے کہ میں اپنے اعضاء میں سے جو نہایت
ہی شریف اور باعزت ہے اور وہ میرا چہرہ ہے تیری عظمت و جلال کی تعظیم کرنیکے لئے زمین پر تیرے سامنے رکھدوں اگرچہ میں جانتا ہوں
کہ تیری کبریائی و عظمت میں اس سے کچھ زیادتی نہو جائیگی کیونکہ تو سب بڑوں سے بڑا ہے پس وہ اپنے مولیٰ کی تعظیم کرنیکے لئے "اللہ اکبر"
کہتا ہوا سجدہ میں گر پڑتا ہے اور اپنی پیشانی اُسکے سامنے زمین پر رکھدیتا ہے اور سجدہ میں اپنے کو نہایت ہی پستی کی حالت میں پاتا ہے
اور چونکہ اُس نے یہ حالت اپنے ایسے مولیٰ کی تعظیم کی غرض سے اختیار کی ہے جو سب بڑوں سے بڑا ہے اس لئے وہ "سُبحانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ"
کہنے لگتا ہے یعنی میرا رب جو جملہ چیزوں سے عالی ہے تمام عیبوں سے پاک ہے اور پھر یہ خیال کرکے کہ اگر وہ تمام عمر بھی خدا کے سامنے
عاجزی کرتا رہے جب بھی اس کی تعظیم کا پورا پورا حق ادا کرکے سبکدوش نہیں ہو سکتا "اللہ اکبر" کہتا ہوا اپنا سر سجدہ سے اُٹھا
لیتا ہے گویا وہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اُسکی عظمت و کبریائی کے سامنے تمام لوگوں کی تعظیم و تکریم ہیچ ہے اسکا کما حقہ
کوئی حق ادا ہی نہیں کر سکتا پھر سجدہ سے سر اُٹھانے کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ سجدہ کی حالت تو میری نہایت ہی شرف و بزرگی کی
حالت تھی اور ابھی تو اس مقصد عالی سے میرا مدعا حاصل ہی نہیں ہوا ہے اور یہ بھی یاد کرتا ہے کہ شیطان نے تو اپنی بدبختی کی وجہ سے
ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا خدا کا شکر ہے کہ مجھے سجدہ کرنا تو نصیب ہوا یہ سمجھکر شیطان کے خلاف پھر اس بارگاہ عالی میں اپنے مولیٰ
کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے سر کو سجدہ میں رکھدیتا ہے اب بعد اس کے سجدہ سے سر اُٹھاکر نماز کے بقیہ اعمال و افعال کے پورا کرنے میں
مصروف ہو جاتا ہے اور اسی طرز سابق سے جسمیں کہ طرح طرح کی حکمتیں اور راز پائے جاتے ہیں اپنی نماز کی تکمیل کے درپے ہوتا ہے
اگر اُن سب کا بیان کیا جائے تو کلام نہایت ہی طویل ہو جائے پھر وہ اپنے ضروری کاروبار کے انتظام اور دوسری عبادتوں کی
بجاآوری کیلئے اس بارگاہ عالی سے باہر آنے پر آمادہ ہوکر غلاموں کی طرح باادب دوزانو بیٹھ جاتا ہے اور اپنے مولیٰ کے حضور میں جو کہ
زمین و آسمان کا مالک ہے "التحیات للہ والصلوات والطیبات" کہکر تحیت و سلام عرض کرنے لگتا ہے ٹھیک اسیطرح سے جیسے کہ شاہی
دربار سے باہر آتے وقت آداب بجالایا کرتے ہیں اب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو یاد کرتا ہے جن کے ذریعہ سے اس کو اس
بارگاہ عالی میں باریاب ہونا نصیب ہوا ہے پس وہ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور آپ کیلئے برکت و رحمت کی دعا کرتا ہے اسی لئے اس موقع
پر "السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہتا ہے پھر اُسے یہ رغبت پیدا ہوتی ہے کہ جہاں خدا نے اُسے اس عبادت کے فوائد سے بہرہ یاب

یہ بھی سن لیتا ہے پس

سجدہ اور اس کی حکمت

کیا ہے وہ اُنکو اور اس کے موحد بھائیوں کو امن و امان میں بھی رکھے پس وہ السلام علینا کہکر اس عقیدت کو خدا کے حضور میں ظاہر کرتا ہے
پھر اُسے اپنے اُن بھائیوں کی یاد آتی ہے جنکی عبادت کے ساتھ ملا کر اپنی عبادت خدا کی درگاہ میں بامید قبول پیش کی تھی اور
سوجہ اس اتفاق اُس کے اوپر کسی قدر خصوصیت کے ساتھ ثابت ہو گیا تھا چنانچہ خدا نے جو کچھ نعمتیں انہیں دی تھیں اُن سکے لئے بھی
حفاظت کی دعا کرتا ہے اور وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ کو اور بڑھا دیتا ہے پھر گویا کہ یہ بات اسکے پیش نظر ہو جاتی ہے کہ منعم حقیقی
خداوند تعالیٰ ہو اور اس بھلائی تک جسکے ذریعہ سے رسائی ہوئی ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے پس صدق
دل سے اللہ تعالیٰ کی معبودیت کے اعتبار سے یکتا ہونے کی شہادت دیتا ہے اور اپنی کلمہ کی انگلی اٹھا کر اسی یکتائی کی طرف
اشارہ کرتا ہے جسکا اعتقاد، قول اور فعل جملہ اعتبارات سے موحد بنجائے۔ اور اسمیں یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ عبودیت کے لحاظ کو
وہی یکتا خیال کیا جا سکتا ہے جو احسان و انعام کرنے کے اعتبار سے بھی فرد ہو اسکے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خدا
کی عبودیت کی جو کہ نہایت ہی کامل مرتبہ ہے اور رسالت کی جو بہت ہی شریف منصب ہے شہادت ادا کرتا ہے اور "اشھد ان لا الہ
الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ" کہتا ہے اب اس کا اجابت کی دعا کی جانب میلان ہو جاتا ہے کہ خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپ کے کنبہ والوں پر خلق کی رہنمائی کے بدلے میں رحمت و برکت نازل فرمائے جس طرح کہ خدا نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے
گھر والوں پر پہلے لوگوں کی رہنمائی کے عوض میں رحمت و برکت نازل کی تھی اور یہ خیال کر کے کہ اُسکو خواہ دنیوی خواہ اُخروی ساری
ضرورتوں میں خدا ہی کی طرف احتیاج ہے اس نے اپنی حاجتوں کیلئے بھی درخواست کرتا ہے اب چونکہ اس بات کا وقت پہنچتا ہے کہ اُس
بارگاہ عالی سے باہر آ کر دوسری عبادتوں کے ادا کرنے میں مشغول ہو اور اپنی معاش وغیرہ کی تحصیل کی فکر کرے جیسا کہ خدا نے اُس کے
ذمہ ضروری کر دیا ہے کیونکہ اس نے اس عالم کا یہی قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ تمام چیزوں کے کچھ نہ کچھ سبب ہوا کرتے ہیں اور وہ اشیاء
بذریعہ اپنے سبب ہی کے حاصل ہوا کرتی ہیں اسلئے اس درگاہ سے وہ اس طرح علیحدہ ہوتا ہے کہ اپنے دل کو اسی طرف کھنچے دیتا ہو اور
فقط چہرہ ادھر ادھر پھیر لیتا ہو گویا کہ اپنی زبان حال سے اس مضمون کو ادا کرتا ہے کہ اگر مجھکو ضرورت خود پیش ہوتی تو اس بارگاہ عالی کو
کبھی جدا نہ ہوتا اور اسکی جدائی کا صدمہ نہ اٹھاتا جہاں کہ طرح طرح کی عبادتوں سے بہرہ یاب ہوا ہوں اور وہ عبادتیں خدا کی یاد کرنا،
اُس سے دعا مانگنا، اُسکی تعظیم کرنا، اُسکے سامنے رکوع و سجدہ کرنا، عاجزی اور فروتنی سے پیش آنا ہیں۔ اب وہ اپنے مسلمان بھائیوں اور فرشتوں
کی طرف جنکی جانب اتنی دیر تک متوجہ نہ رہا تھا السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہکر متوجہ ہو جاتا ہے اور اپنے کاروبار میں مصروف ہوتا ہے۔
پھر چونکہ انسان جب سو کر جاگتا ہے تو گویا وہ مر کر زندہ ہوتا ہے کیونکہ سونا بھی اس اعتبار سے کہ آدمی کے حواس احساس کرنے سے معطل ہو جاتے
ہیں مرنے ہی کی مثل ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ خدا نے اُسکو اُس حالت سے جو موت کے مشابہ ہے اٹھا کھڑا کیا اور اپنے کاروبار میں ہاتھ
پیر ہلانے اور دماغی قوت سے کام لینے کی وجہ سے جو کچھ اسکی قوتوں میں ضعف ہو چلا تھا اس نیند سے اس کی تلافی کر دی کہاں تو وہ
بالکل تھکا ماندہ سویا تھا اور اٹھنے کے وقت اس کا سارا کسل دور ہو گیا طبیعت خوش اور بشاش ہو گئی علاوہ اس کے خدا نے
اسکو سونے کی حالت میں تمام موذی چیزوں سے بھی محفوظ رکھا اور اسکا کھانا بخوبی ہضم کر کے اُسکو ایسی عجیب غریب صورت

جسکے سمجھنے میں عقل چکرا جاتی ہے جزو بدن بنا دیا اور اسکا پتہ بھی نہ لگا کہ فضول سے ہضم نے کیونکر انجام پایا اور اس سے اسکو کیا کیا فائدے پہونچے اور کون کون سی مضر چیزیں دفع ہوئیں اسکی غایت درجے کی کوشش یہ تھی کہ اس نے کھانا کھالیا معدہ میں چلا گیا تھا اور اسطرح سے اس نے کھانے کی لذت حاصل کر لی تھی اس کے بعد ہضم وغیرہ کا خیال بھی اس کے دل میں نہ گذرا تھا صرف اس فائدہ پر کیا موقوف ہو نیند سے اور بھی بہتیرے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور خدا کی کتنی ہی بیشمار نعمتیں پائی جاتی ہیں کہ جو سب تحریر و تقریر میں آ ہی نہیں سکتیں اس لئے اس کے ذمہ یہ بات ضروری ہو گئی کہ بیدار ہونے کے ساتھ ہی خدا کا شکر ادا کرنے کی غرض سے نماز پڑھے چنانچہ وہ اسی وجہ سے صبح کی نماز ادا کرتا ہے پھر جب آدھا دن گذر جاتا ہے اور خدا کے اس پر بڑے بڑے احسانات ہو لیتے ہیں مثلاً یہ کہ خدا زمین کو نکالتا ہے اپنی معاش کی راہیں صاف نظر آنے لگیں روشن کر دیتا ہے اس کے حواس کو تقویت پہنچا دیتا ہے جنکے ذریعے سے وہ نافع اور مضر چیزوں میں تمیز کر لیتا ہے اس پر کسب معاش کے ذریعے آسان ہو جاتے ہیں اس کو غذا مل چکتی ہے کوئی کہاں تک بیان کرے انکے علاوہ بھی بے انتہا احسانات خدا کی جانب سے اسپر ہو لیتے ہیں اسوقت بھی اس کے ذمہ خدا کا شکر کرنا لازمی امر ہو جاتا ہے پس وہ ظہر کی نماز ادا کرتا ہے پھر جب دیکھتا ہے کہ دن چلنے لگا اور ختم ہونے کے قریب آگیا اور اس عرصہ میں خدا کے بڑے بڑے احسانات اسپر ہو چکے اور لوگ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے مکان کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو اسوقت بھی اسپر اس خدمت کی بجا آوری واجب ہو جاتی ہے اور پھر وہ عصر کی نماز ادا کرتا ہے اسکے بعد جب دیکھتا ہے کہ دن ختم ہو گیا اور رات آپہنچی جس میں کہ اسے راحت نصیب ہوگی اور یہ بات نہ ہوئی کہ ہمیشہ دن ہی رہتا جس میں اسے راحت و آرام کرنے کا موقع ہی نہ ملتا بلکہ وہ بخیر و خوبی ختم ہو گیا تو اس پر اسوقت بھی یہ امر ضروری ہو جاتا ہے کہ خدا کی عبادت کی طرف پھر متوجہ ہو جائے جو کہ اس کیلئے عین سعادت کا باعث ہے پس وہ نماز مغرب ادا کرتا ہے پھر جب چاروں طرف تاریکی چھا جاتی ہے اور سونیکا وقت آپہنچتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ جو نعمتیں صبح سے لیکر اب تک اسپر ہوئی ہیں انکا شکر ادا نہ کر سکا اور جو کچھ عبادت اس نے کی بھی اس سے سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی شکر کا ادا نہیں ہوا اور دیکھتا ہے کہ خدا کا اسوقت کو پیدا کرنا بھی کہ جسمیں بہت اچھی طرح سے آرام کیا جا سکتا ہے اسکی بیشمار نعمتوں سے ایک بہت ہی بڑی نعمت ہے اور پھر وہ بھی اس حالت میں جبکہ اسے کسی کا خوف نہ ہو اور اپنے مکان میں نہایت ہی نرم بچھونے پر اسے آرام کرنا نصیب ہو پس وہ عشاء کی نماز ادا کرنے لگتا ہے تاکہ خدا کا جو کچھ شکر ادا ہو سکے اتنا ہی ادا کر دے پورے طور سے شکر ادا کرکے سبکدوش ہو جانا تو ساری عمر صرف کرنے پر بھی ممکن نہیں ہے چاہے وہ ہزار عبادت کرے رات و دن بلکہ ہر لحظہ عبادت ہی میں مصروف رہے لیکن اس کی عظمت و بیشمار نعمتوں کے مقابلہ میں ہمیشہ عاجز اور قاصر ہی سمجھا جائیگا۔

قصر نماز در سفر کی حکمت

پھر دیکھئے کہ خدا نے ادائے شکر کیلئے جو نمازیں ضروری ٹھیرائی ہیں تو اس شخص کیلئے جو مسافر نہ ہو بیس رکعتیں ہیں دس دن کو اور دس رات کو اور مسافر کیلئے تخفیف کر کے چودہ رکعتیں کر دی گئی ہیں چھ دن کو کیونکہ یہی سفر میں زیادہ چلنے کا وقت ہے اور آٹھ رات کو کیونکہ یہ ایسا وقت ہے جسمیں مسافر ٹھیرا کرتا ہے ان پنجوقتی نمازوں کے ساتھ کچھ اور نمازیں بھی مقرر کی ہیں

کہ وہ واجب تو نہیں ہیں لیکن شارع علیہ السلام نے اُن کے ادا کرنے کا اس غرض سے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کہیں فرض نمازوں کے ادا کرنے میں کچھ نقصان رہ گیا ہو تو اُن کے ذریعہ سے وہ پورا کر دیا جائے اور ایسی نمازوں کو سنت کہتے ہیں اور ماہ رمضان کی طرف خاص توجہ رکھنے کے لیے اس میں بیس رکعتیں سنت علاوہ وتر کے اور مقرر کی ہیں تاکہ اُس کی نمازوں کی اور زیادہ تکمیل کر دی جائے۔ یہ تو ہو چکا اگر ابھی ان نمازوں میں اور غور کیا جائے تو بے انتہا فائدے اور حکمتیں نظر آئیں گی مثلاً انسانوں کے نفوس مہذب ہوتے ہیں خصوصاً جابروں اور متکبروں کے نفوس جو کہ زمین سے اپنے دامنوں کے چھو جانے سے بھی ناک چڑھاتے تھے اور اس سے بھی انہیں عار آتا تھا چہ جائیکہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھیں۔ خدا کے سامنے عاجزی کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ غافلوں اور ان لوگوں کو جو کہ دنیاوی تفکرات میں اپنے کو کھپائے ڈالتے ہیں اسی بہانے اپنے پیدا کرنے والے اور اپنے نگہبان کی یاد آجاتی ہے کیونکہ اگر وہ اس خدمت گزاری کیلئے اپنے پروردگار کے سامنے نہ کھڑے ہوتے اور اس امر کی اطاعت انکے ذمہ ضروری نہ کر دی جاتی تو دن تو دن سالہا سال تک بھی بھولے سے ان کے خیال میں یہ بات نہ گزرتی کہ ان کا کوئی خدا بھی ہے جسے انہیں حساب دینا ہوگا اور وہ ان کی حرکات و سکنات سے بخوبی واقف ہے اور اس امر کی شہادت کیلئے یہی کیا کم ہے کہ یہ لوگ اب بھی اس غفلت میں پڑ کر طرح طرح کی مخالفت کا سبب بنجاتے ہیں اور تمام فسادوں کا باعث ہوتے ہیں علاوہ ازیں نماز کے وقت از سرِ نو طہارت بھی نصیب ہوتی ہے اسی طرح سے اس نماز کا یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ نماز بندہ کو اس کے پروردگار سے ملانے کا کیونکر ذریعہ ہے اور بے شرمی کی باتوں سے کیسے باز رکھتی ہے جیسا کہ قرآن شریف[ع] میں نماز کی نسبت واقع ہوا ہے۔

ایسے ہی جماعت سے نماز پڑھنے اور تمام افعال نماز میں مقتدیوں کی اپنے امام کی اطاعت کرنے کا نکتہ یہ ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے سردار کی تابعداری اور پیروی کے عادی ہو جائیں جیسا کہ ہم سردارانِ لشکر کو دیکھتے ہیں کہ وہ فوجی لوگوں سے ایسے کاموں کی خوب مشق کرایا کرتے ہیں جنکی نسبت اُن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں وہ ان کی بخوبی رعایت نہ کر سکیں گے اور اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ فوجی سپاہی اپنے سپہ سالار لشکر کے حکموں کی تعمیل کرنے کے عادی بنے رہیں اور اس نکتہ کو فارسیوں کے سپہ سالار رستم نے خوب ہی سمجھا تھا جبکہ اس نے صحابہ کو دیکھا کہ اپنے پیشوا کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں اور ساری حرکات و سکنات میں اُسی کی پیروی کرتے ہیں چنانچہ اس موقعہ پر عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت جو کچھ اس نے کہا تھا وہ تاریخ میں بخوبی مذکور ہے۔

جماعت سے نماز پڑھنے میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اوقات نماز میں مسلمانوں میں باہم ملاقات ہو جاتی ہے اور اسطرح کہ آپس میں محبت و ہمدردی کے سلسلہ کو نہایت استحکام ہوتا ہے اسی لئے اس امر کی اور عبادتوں میں بھی رعایت مدنظر رکھی گئی ہے اور یہ کام اس طور پر انجام پاتا ہے کہ ہر محلہ کے لوگوں کے لئے یہ امر مناسب قرار دیا گیا ہے کہ اپنے محلہ کی مسجد میں پانچوں وقت نماز پڑھنے جایا کریں اسی طرح اہل شہر کو بھی چاہئے کہ ہفتہ میں ایک دن جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے جامع مسجد میں جمع ہو جایا کریں۔ پھر عید الفطر و عید الضحےٰ کی نماز کے لئے شہر تو شہر اس کے قرب و جوار تک کے لوگ بھی سال میں دو بار جمع ہوا کرتے ہیں علاوہ بریں سارے عالم کے مسلمانوں پر یہ بات لازم کر دی گئی ہے کہ انہیں سے جن جن کو خدا مقدرت دے وہ تمام عمر میں کم سے کم ایک مرتبہ تو ضرور ہی حج کیلئے جمع ہو جایا کریں چنانچہ حج کے بیان میں اس کا ذکر آتا ہے۔

ع ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر

خطبہ کی علت

اس شریعت محمدیہ نے اپنے پیروی کرنے والوں کیلئے ان دینی مجمعوں سے بعض بعض میں یہ بھی مقرر کیا ہے کہ ان کا پیشوا لوگوں کی طرف خطاب کر کے خطبہ پڑھے یعنی اُن کے سامنے کچھ تقریر بیان کرے جسمیں انکو نصیحت کے مضامین سنائے تازیانہ صورت سے زجر و توبیخ کرے اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے اُن کیلئے لائے ہیں اُسکی انھیں یاد دلائے اور ان لوگوں پر یہ ضروری ہو کہ خاموش ہو کر گوش دل اُس کو سنتے رہیں چنانچہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ وہ لوگ اسوقت کیسے چپ چاپ گھٹنوں کے بل سر جھکائے بیٹھے سنا کرتے ہیں نہ کسی کو حرکت ہوتی ہے اور نہ انمیں سے کسی بات کی تحسین کیلئے کوئی تالیاں بجاتا ہے اور نہ کسی امر کے قبح ثابت کرنے کیلئے شور کرتا ہے وجہ یہ ہے کہ انھیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ خطیب شریعت کے خلاف کچھ نہیں بیان کرتا جو کچھ کہتا ہے وہ اُسکی شریعت کے موافق کہتا ہے ہاں بالفرض اگر وہ شرعی حدود سے قدم باہر نکالنے لگے (اگرچہ ایسا کبھی واقع ہوا نہیں کرتا) تو سب کو چاہئے کہ اُسکی بات تسلیم نہ کریں اور ہر عالم واقف کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ اس کے قول کی تردید کردے۔

[illegible]

چونکہ نماز میں کثرت سے فائدے پائے جاتے ہیں اسی لئے نماز کا ترک کرنا شریعت میں بہت بڑا گناہ شمار کیا گیا ہے اس کے ترک کرنے والے کی بہت سختی سے مخالفت کیگئی ہے اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں نہایت سخت سزا کا مستحق ٹھیرایا گیا ہے یہانتک کہ نماز کا ترک کرنا بھی کفر کی علامتوں میں سے شمار کیا گیا ہے جیسے کہ برابر نماز پڑھنا ایمان کی علامت قرار دی گئی ہے اس موقع سے اُن لوگوں کی نادانی بخوبی واضح ہو جاتی ہے جو نماز کے بارے میں بے پروائی کرتے ہیں چونکہ کاہلی نے انھیں گھیر رکھا ہے یا شیطان کا اُن کے دلوں پر پورا تسلط ہو گیا ہے جسکی وجہ سے انھیں نماز کی واقعی خوبی نظر نہیں آتی اصل مغز کو چھوڑ کر پوست کو لے بیٹھتے ہیں اور اپنی نادانی کی وجہ سے اُس کے ترک کرنیکی واہی تباہی وجہیں نکالا کرتے ہیں اور نامعقول عذر کیا کرتے ہیں چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ صاحب ہمارا رب ہماری کاہلی کی کیا پروا کرتا ہے اُسے ہماری نماز کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے۔ ان کم فہموں سے کوئی یہ تو کہے کہ ہاں بیشک تمھارا رب تمام چیزوں سے بے نیاز ہے تو کیا اے نادانو تم بھی تمام چیزوں سے بے نیاز ہو گئے یا تمھیں اُن فائدوں کی جو نماز سے حاصل ہوتے ہیں کیا ذرا بھی حاجت باقی نہیں رہی تمھیں خبر بھی ہے کہ خدا نے اپنے فائدے کیلئے نماز ہرگز مقرر نہیں کی اُس کا تو مقصود یہ ہے کہ تم نماز کے بیشمار فائدوں سے بہرہ یاب ہو اچھا ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا تمھیں تہذیب حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی یا اپنے رب کی یاد سے بالکل مستغنی ہو گئے یا یہ وجہ ہو کہ تم کو اس کے سامنے از سر نو تو بہ کرنے اور اس کی اطاعت کی عادت ڈالنے کی حاجت باقی نہ رہی ہو اچھا اور کچھ نہ سہی تو کیا تمھیں اُن فوائد کی بھی پروا نہیں ہے جو بعید نماز باہم اپنے بھائیوں سے ملاقات کرنے کی وجہ سے تمھیں حاصل ہوتے ہیں باہم محبت بڑھتی ہے آپس میں ہمدردی قائم ہوتی ہے اسکے علاوہ بھی بہتیرے فائدے حاصل ہوتے ہیں میں تو کسیطرح خیال نہیں کر سکتا کہ تم ان سب باتوں سے بے نیاز ہونے کے قائل ہو جاؤ گے ہاں اگر تم ہٹ دھرمی ہی پر کمر باندھ لو یا اپنی نادانی سے اس کے بھی قائل ہو جاؤ تو بات ہی دوسری ہے اُسوقت میں تمکو اس قابل ہرگز نہیں سمجھ سکتا کہ تمھاری کسی بات کا جواب دیا جائے یا تمھارا انسانیت کے زمرہ میں شمار ہو سکے۔ ایسے وقت تو تمھاری حالت بالکل اُن بیماروں کی سی ہے جنکو کہ خیر خواہ طبیب کوئی نافع دوا بتاکر اُس کے استعمال کا حکم کرتا ہو

اور وہ طبیب یہ کہکر اُسکے استعمال سے پرہیز کرتے ہوں کہ صاحب ہمارے دوا کے استعمال کرنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا آپ کو تو اس کی کچھ بھی حاجت نہیں ہے گو یہ بات سچ ہے کہ طبیب کو اُسکی کوئی حاجت نہیں لیکن کیا کوئی عاقل تجویز کرسکتا ہے کہ ان بیمارونکو بھی ضرورت نہیں ہے وہ بھی اس سے بے نیاز ہوگئے ہیں ہرگز نہیں بس صاف یہی سمجھا جائیگا کہ بیماری کیوجہ سے ان کی عقل جاتی رہی ہے اور ہذیان بک رہے ہیں۔ نماز ترک کرکے اُسکے فائدوں سے محروم رہنے والوں سے یہ پوچھنا چاہیے کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اگر اسوجہ سے نماز نہیں پڑھتے ہو کہ تمھارے نزدیک وہ انکار کے قابل ہے اور تمھاری فاسد عقلوں میں وہ قبیح معلوم ہوتی ہے تو سمجھ رکھو کہ ایسے شخص کی نسبت شریعت محمدیہ کا یہ حکم ہے کہ وہ کافر ہوکر دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے تب تو نماز کے بارے میں تم سے گفتگو ہی مناسب نہیں کیونکہ کفر سے بڑھکر اور کونسا گناہ ہوگا بلکہ اسوقت تو تمھارے ساتھ یہی خیرخواہی ہے کہ تمھیں از سر نو مسلمان بنایا جائے اور تم سے اس کفر سے توبہ کرائی جائے اور اگر کاہلی کی وجہ سے تم نے نماز کو چھوڑ رکھا ہے تو بڑی ہی شرم کی بات ہے ایسی بھی کاہلی کس کام کی اگر تمھیں عقل کا کچھ بھی حصہ ملا ہو تو بھلا سوچو تو سہی کہ دن رات میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں جنمیں اپنی ساری خواہشیں پوری کرتے ہو طرح طرح کی لذتیں حاصل کیا کرتے ہو تمام دنیاوی کاروبار میں لگے رہتے ہو تو کیا صرف نماز ہی ایسی مشکل ہے کہ وہ تم سے ادا نہیں کیجاتی حالانکہ اسمیں کچھ بہت زمانہ بھی نہیں لگتا ساری نمازوں کے ادا کرنے میں ایک گھنٹہ نہیں تو دو گھنٹہ صرف ہوجائیں گے اور بس تو کیا یہی عقلمندی اور یہی انصاف کی بات ہے کہ بائیس گھنٹے تک دنیاوی مقاصد اور لذتوں کے حاصل کرلینے پر بھی صرف ایک یا دو گھنٹہ صرف کرکے دائمی فوائد کے حاصل کرنے سے محروم رہو اور اپنی کاہلی کے مارے اتنی دیر بھی عبادت نکرسکو جو دن رات کے دسویں حصہ سے بھی کچھ کم ہے۔

بھلا بتلاؤ تو تم اپنے ساتھ یہی خیرخواہی کرتے ہو؟ یہی تمھاری اُن عقلوں کا نتیجہ ہے جنکی نسبت تم دعوے کیا کرتے ہو کہ وہ بالکل ٹھیک سمجھتے ہیں اور انھیں کی مدد سے راہ راست کے دریافت کرلینے کا تمھیں بڑا زعم ہے جبکہ تم اپنے ہی ساتھ خیانت اور دشمنی کرنے میں بند نہیں ہو تو تم سے بھلائی کی کون امید کرسکتا ہے اور اگر کہیں تم حاکم بنجاؤ تو تمھارے انصاف کی کسکو توقع ہوسکتی ہے اور اگر تم ہمارے درمیان تاجرانہ کاروبار کرو تو تمھاری امانتداری کا اس حماقت پر کسے اطمینان ہوسکتا ہے اور جبوقت کہ تمنے اسلامی دین کے رکن عظیم رکن کو گرادیا تو مسلمان اپنے بھائیوں میں تمھارا کیونکر شمار کرسکتے ہیں نماز کے ترک کرنیکا خدا کے سامنے تم کیا عذر کرسکتے ہو حالانکہ خدا نے اسکی بڑی تاکید کی ہے اور قرآن میں بار بار اس کے ادا کرنیکا حکم دیا ہے تمھیں اپنے پیغمبر سے بھی شرم نہیں آتی جن کا کہ یہ قول تھا کہ نماز میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوا کرتی ہے۔ خدا کی قسم ان لوگوں سے بڑا ہی تعجب معلوم ہوتا ہے جو اسلام کا تو بڑے زور و شور سے دعویٰ کرتے ہیں اور نماز پڑھنے میں انکی جان نکلتی ہے اور طرہ یہ کہ کچھ ایسے نا سمجھ بھی نہیں دنیاوی کاروبار میں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے برابر کوئی عقلمند ہی نہیں بڑے صاحب رائے نظر آتے ہیں لیکن جہاں نماز کا ذکر آیا اور بچوں کی سی باتیں کرنے لگے اُسوقت انکی ساری عقلمندی جاتی رہتی ہے نماز کے فائدے انکو نظر ہی نہیں آتے آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں میری سمجھ میں تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں آتی کہ انکو خاص کر نمازہی کے بارے میں خاص قسم کا

جنون ہو گیا ہے اور اس میں تعجب ہی کیا ہے جنون کی بہتیری قسمیں ہیں ایک قسم یہ بھی ہی۔

اُن لوگوں کی حالت سے مجھے نہایت ہی شرم آتی ہے جو کہنے کو بڑے عقیل و فہیم سمجھے جاتے ہیں اور جب انکو ساتھ کے بیٹھنے والے نماز پڑھنے کو کہتے ہوتے ہیں تو وہ لوگ نماز سے ایسے گھبراتے ہیں جیسے لاحول سے شیطان بھاگتا ہو اس عقلمندی پر ایسی فرومائگی کی باتیں۔ شرم شرم لیے نادان کی سمجھ میں کیا اتنا بھی نہیں آتا کہ اگر کوئی مسلمان اسکو اسحالت میں دیکھے گا تو کیا کہے گا اگر اس نے کافر نہ سمجھا تو فاسق تو ضرور ہی خیال کرے گا اُس کی نظروں میں اسکی کیا وقعت رہیگی یہی خیال کریگا کہ یہ شخص بڑا ضعیف الاعتقاد ہے اسکا دین نہایت ہی کمزور ہے ہرگز اس قابل نہیں کہ اسکی شہادت قبول کیجائے یا اس کو عادل سمجھا جائے بالکل ادنیٰ درجہ کا مسلمان ہے۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اپنی اس قابل شرم حالت کی اُسے اطلاع نہیں اُسے سب کچھ معلوم ہے بات یہ ہے کہ کمبختی نے گھیر رکھا ہے شیطان نے اپنا کھلونا بنالیا ہے جیسی چاہتا ہے ویسی پٹی پڑھاتا ہے اس بے نمازی شخص کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسکے مسلمان بھائی اگر کسی وجہ سے اس کی اس ناشائستہ حالت کا زبان سے اظہار نہیں کرتے تو کیا ہوا دل میں اسکو وہ نہایت ہی بُرا خیال کرتے ہیں اگر انکو موقع ملے تو نہایت ہی بُرے الفاظ سے اُس کا ذکر کریں اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور کہیں کہ بے نماز کمزور دین والا ہے نہایت ہی افسوس کی بات ہے ایسے شخص کی حالت پر تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا چاہیے۔ پھر اس فرقے نے یہ بھی دیکھا کہ اس شریعت نے اسلام کی پیروی کرنے والوں میں سے اُس شخص پر جو مالدار ہو زکوٰۃ دینا فرض قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سال بھر میں ایکبار اپنے مال کا تھوڑا سا حصہ محتاجوں کو دیا کریں تاکہ انسانی خصوصیتیں ہاتھ سے نہ جانے پائیں لوگوں کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کرنیکا حق ادا ہوتا رہے بخل کے عیب سے لوگوں کے نفوس پاکیزہ رہیں پھر خوبی یہ کہ شریعت نے اتنے قلیل مال کے دینے پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ کرکے امیدوار بھی بنا دیا ہے اور زکوٰۃ کی جو مقدار مقرر کی ہے اسمیں یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے کہ کسی پر اس کا ادا کرنا شاق نہ ہو اور اس سے مال میں کچھ ایسی کمی بھی نہ آنے پائے اور اگر اتنی ہی مقدار کے ادا کرنے کی پوری پوری پابندی کیجائے تو لوگوں کی حاجت برآری بخوبی ہو جایا کرے اور حاجتمند بھوکے نہ رہیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے میں جہاں یہ دو فائدے پائے جاتے ہیں کہ حاجتمند کی کاربرآری ہوتی ہے اور دولتمند کا نفس پاک ہوتا ہے اور اُسے دردمندوں کے ساتھ جس کا اعلیٰ درجہ کے اخلاق میں شمار ہوتا ہے الفت پیدا ہوتی ہے وہاں اس بات کا بھی امتحان ہو جاتا ہے کہ دیکھیں زکوٰۃ دینے والے کو خدا کی کہانتک محبت ہے کہ محض اسکی خوشنودی حاصل کرنیکی غرض سے مال ایسی محبوب شے کو وہ اپنے پاس سے جدا کئے دیتا ہے۔ اب اس موقع سے ایماندار کو ضرور پتہ لگ گیا ہوگا کہ زکوٰۃ ساقط کرنیکے لئے حیلہ بازی کرنا خدا کے نزدیک کبھی مقبول نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں زکوٰۃ دینے سے جو دو فائدے مقصود تھے وہ فوت ہوئے جاتے ہیں بھلا بتلائیے کہ جب حاجتمند کے ہاتھ سے کچھ لگے ہی گا نہیں تو کیونکر کسی بیچارے کی کاربرآری ہو سکتی ہے یا خود وہ دولتمند مرض بخل سے کیونکر پاک ہو سکتا ہے حالانکہ اپنی محبوب چیز کو خدا کی راہ میں اس نے اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیا۔

اس فرقے نے یہ بھی دیکھا کہ اس شریعت نے مسلمانوں پر سال بھر میں ایک ماہ کے روزے بھی فرض کئے ہیں اور روزہ کے معنی یہ

ہیں کہ دن بھر کھانے پینے اور عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے بالکل احتراز کیا جائے اور اسمیں بیشمار فائدے پائے جاتے ہیں پہلی
بات یہ ہے کہ روزہ دار کا نفس اپنے خالق کی اطاعت میں نفسانی خواہشوں سے رکے جائیگی وجہ سے نہایت ہی مہذب ہوجائیگا
اور اُس پر عقل کو پورا تسلط ہوجائیگا اگرچہ پہلے عقل کو نفس کی اطاعت کرنا پڑتی تھی اور جب اُسے معلوم ہوجائیگا کہ عقل کے
سامنے میری کچھ نہ چلے گی اور اب مجھے اُسی کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا تو اُسے اُن چیزوں کے ارتکاب کی نہیں جو نقصان رساں
ہونگی وجہ سے شریعت میں حرام کردی گئی ہیں عقل کی اطاعت کرنے میں مایوسی ہوجائیگی اور گویا کہ نفس یہ کہنے لگے گا کہ جب
روزے کی حالت میں اشیاء خوردونوش کے کھانے و پینے کے بارے میں جو کہ روزہ داری کی ملک تھیں اور اپنی عورت سے صحبت کرنے
کے معاملہ میں جس سے کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ بھی نہ تھا عقل پر میرا کچھ زور نہ چل سکا تو اُسوقت میرا قابو کیونکر چلے گا کہ جب میں بلا
اُس کی مرضی کے کسی دوسرے کی چیز کے خوردونوش کرنے کا ارادہ کروں حالانکہ یہ نہایت ہی قبیح امر ہے اسی طرح مجھے نشہ کے استعمال
کرانے پر کیونکر قدرت حاصل ہوسکتی ہے جس سے کہ عقل جاتی رہتی ہے اور آدمی کی شرافت میں خلل پڑتا ہے یا دوسرے کی عورت
کے ساتھ صحبت کرانے کیلئے مجھے بھلا کیونکر ممکن ہوگا جبکہ اُس میں طرح طرح کے ضرر پائے جاتے ہیں مثلاً باہم عداوت کی بنیاد قائم
ہوتی ہے۔ لوگوں کے نسب بے پتہ ہو جاتے ہیں۔ بچہ جدا ضائع ہوتا ہے اور جنکو کسی قسم کا استحقاق نہیں وہ حق لیے جاتے ہیں۔
پھر اگر ہم مسلمانوں کی اسوقت کی حالت کو غور کریں جبکہ ماہ رمضان میں وہ آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے اُجلی کرتے ہیں اور
انکے سامنے خوردونوش کی چیزیں چنی ہوتی ہیں اُن کا دل اُن کی طرف کھچا جاتا ہے اُن کی مشتاق نظریں اُن نفیس چیزوں پر پڑتی
ہیں اور پھر اُنمیں سے کسی کا مزا بھی چکھا جائے کہ کھانے کا ایک دانہ کھالے یا پانی کا ایک قطرہ پی لے لیکن آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے
کسی کی خصوصاً پرہیزگاروں کی ہرگز جرأت نہ ہوگی اور غروب آفتاب کا سب کے سب انتظار کرتے رہیں گے تو اسوقت ہمکو
ضرور اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ مسلمانوں کو اپنے مولا کی اطاعت میں اپنے نفس کے روکنے پر پورا قابو حاصل ہے۔
اس تحقیق سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ جو شخص اپنی بدبختی یا خواہش نفسانی کے پھندے میں پھنس کر روزہ نہیں رکھتا وہ
ہرگز اس قابل نہیں کہ اپنے کو صاحب ہمت یا عقلمند کہہ سکے بلکہ اُسے اپنا نام کم ہمت شکم پرور کم فہم اور اپنی خواہش نفسانی
کا بندہ رکھنا چاہئے اُس سے تو روزہ دار عورت کی عقل بہت کہیں بڑھ چڑھ کر معلوم ہوتی ہے کیونکہ جس قدر قدرت اِس
عورت کو حاصل ہے ایسے آدمی کے پاس اُس کا کہیں پتہ بھی نہیں لگتا روزہ کے فوائد میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ روزہ دار
کو جب بھوک کی تکلیف اٹھانا پڑے گی اُسوقت بیچارے محتاج کی دردناک حالت کو خوب سمجھ سکیگا اور اسکا دل اُسپر ترس کھائیگا
اور خیرات کرنے پر مائل ہوجائیگا کیونکہ دولتمند خوشحال شخص کو اگر روزہ کی تکلیف نہ برداشت کرنی پڑتی تو ساری عمر
گزرنے پر بھی اُسے بھوک کی تکلیف کا حال نہ معلوم ہوتا پھر جب کوئی بھوکا فقیر اُسکے سامنے ہاتھ پھیلاتا اور گرسنگی کی تکلیف
کی شکایت کرکے کچھ طلب کرتا تو چونکہ اُسے گرسنگی کی قدر معلوم ہی نہیں ہے بھلا پھر اُسے کیا رحم آتا اب روزہ رکھنے کی وجہ سے
گرسنہ رہنے کی قدر و کیفیت اُسے معلوم ہوجائیگی تو یتیموں اور محتاجوں کی دل کھول کر مدد کریگا۔

اِس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ شریعت محمدیہ نے اپنے پیروی کرنے والوں میں سے جنہیں مقدرت تھی اُن پر عبادت حج کو بھی فرض کیا ہے اور وہ کعبہ شریف اور اُن مقامات کی جو اُس کے قرب و جوار میں واقع ہیں خاص اقوال و افعال کی رعایت کے ساتھ زیارت کرنیکا نام ہے اور اسمیں جو جو راز اور حکمتیں پائی جاتی ہیں عرب و عجم کے سارے عقلا بھی اسپر حادی ہونے سے بالکل عاجز ہیں مثلاً یہی دیکھئے کہ ہر سال اُن مقامات میں ہزاروں ہی مسلمانوں کا حج کے حیلے سے مجمع ہوتا ہے جسکی وجہ سے اُنہیں باہم تعارف ہو جاتا ہے۔ اُلفت بڑھتی ہے۔ تبادلۂ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ پھر ایک دو ملک کے لوگ نہیں بلکہ عرب۔ ترکستان فارس۔ ہند۔ داغستان۔ افغانستان۔ ملک مغرب۔ بربر۔ سوڈان۔ جاوہ وغیرہ تمام ممالک کے باشندے نظر آتے ہیں اور ان سب کا ایک دین اور ایک ہی مقصد یعنی اپنے رب رحیم و کریم مولی سے مغفرت طلب کرنا ہوتا ہے۔

جو افعال انکو وہاں کرنا پڑتے ہیں اُنکی بہتیری حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان متبرک مقاموں میں جو کچھ کہ اللہ کے نیک بندوں اور باعظمت رسولوں پر زمانۂ سابق میں گذرا ہے ان افعال کیوجہ سے یاد آجائے جیسے کہ ابوالبشر آدم اور اُنکی زوجہ حوا علیہما السلام کا واقعہ کہ جنت سے انکو زمین پر اُتار دیئے کے بعد اُن کے دل میں خدا نے یہ بات ڈالدی کہ اس سے التجا کریں یہانتک کہ خدا نے اُن کی توبہ قبول کرلی اسی طرح ابراہیم خلیل اللہ اور اُن کے بیٹے اسماعیل علیہما السلام کا قصہ یا سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ان سبکے یاد آنیسے اس بات کا دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ کچھ ٹھکانا ہے وہ لوگ خدا کی اطاعت میں کیسے سرگرم تھے اور جب اُن کی آزمائش کی گئی تو کیسے ثابت قدم نکلے خدا کی خوشنودی سے سرمو تجاوز نہیں ہونے پایا اور سب کو جانے دیجئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی کے ماجرے کو خیال کیجئے کیسی جانچ کا وقت تھا جبکہ خدا نے انکو لخت جگر اور پیارے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنیکا حکم دیا اور اس شفیق باپ نے خدا کی اطاعت کے سامنے کچھ پروا کی اور اسپر آمادہ ہوگیا اور اسیطرح اُس ہونہار لڑکے نے بھی خداوندی حکم کی تعمیل سے ذرا عذر نہ کیا اور اپنی جان دینے اور قبر میں سو رہنے کیلئے مستعد ہوگیا اور جب شیطان نے وادی منیٰ میں وسوسہ ڈالنا چاہا تو کسے دفع کردیا اور اپنا سا منہ لیکر نا کام رہگیا۔ پھر خدا نے فدیہ بھیجکر باپ بیٹے دونوں پر احسان کیا اور ان کے غم کو دور کرکے انکو خوشخبری سنادی اسیطرح ان کاملین کے اور بہتیرے پسندیدہ افعال اور خدا کے احسانات جو اُنپر ہوئے ہیں یاد آتے ہیں اور جب ان مقامات میں ان نیک بندوں کے کام یاد کرکے اُنکی پیروی کیجاتی ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ دیکھیں ان کے بقیہ افعال۔ عبادتیں۔ عمدہ خصلتیں کیسی تھیں اور وہ اپنے مولی کی کیونکر اطاعت کرتے تھے اس سے اُن کی اقتدا کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اُن کے پسندیدہ خصائل اختیار کرنے کی طرف دل مائل ہوجاتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ ان کی ابیات پر تعریف کیجائے اُن کیلئے دعا مانگی جائے کہ وہ کیسے کیسے عمدہ افعال جاری کرگئے ہیں کیسی کیسی نیک باتیں سکھاگئے ہیں مثلاً یہ کہ خدا کے سامنے توبہ کرنا چاہئے اُس کی طرف رجوع ہونا چاہئے انسان کو مناسب ہے کہ اخلاق حمیدہ کے ساتھ موصوف ہو۔ جبر اختیار کرے تسلیم و رضا سے کام لے خدا کے سامنے ادب کی رعایت رکھے وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ ان فوائد مذکورہ کے اعمال حج کے مقرر کرنے میں جو ترتیب اختیار کی گئی ہے وہ بھی نہایت ہی عجیب و غریب ہے کہیں خدا وند

غلطت تقدس سے تنزل کرکے انسانی معقول خیالات کا لحاظ کیا گیا ہے اور ان امور کی رعایت کی گئی ہے جن کے ساتھ لوگ مانوس پائے جاتے ہیں اور جنکو کہ اسوقت برتا کرتے ہیں جبکہ وہ اپنے حاکموں یا بادشاہوں کے حضور میں کسی ظالم یا ایذا پہنچانیوالے کے فریادی بنکر حاضر ہوتے ہیں یا جب ان کی درگاہ میں ان کے احسان واکرام حاصل کرنیکی غرض سے درخواست کیا کرتے ہیں چونکہ اعمال حج جنپر کہ خدا نے مغفرت کا وعدہ کیا ہے انسانی خیالات و عادات کے موافق ہیں اسلئے حاجیوں کے جی کو ان کے ادا کرنے کے وقت اسبات کا پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ نافرمانیوں اور گناہوں کے ظالم لشکر کے مقابلہ میں خدا ان کی ضرور مدد کریگا ان کی فریاد سنی جائیگی اور وہ ان کی مراد پوری کرکے ان سے احسان کے ساتھ پیش آئے گا اس کا بیان یہ ہے کہ لوگ اس بات کے عادی ہو رہے ہیں کہ جب کبھی کوئی دشمن ان پر چڑھ آتا ہے اور وہ اس کے مقابلہ سے اپنے آپ کو عاجز پاتے ہیں یا گردش زمانہ کے پیچ میں آکر قحط یا خشک سالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جسکی وجہ سے انھیں طلب حاجات کی فکر میں قطار ہونا پڑتا ہے تو اسوقت بادشاہ کے حضور میں ان کے محل پر حاضر ہونے کا قصد کرتے ہیں اور اپنی اپنی مصیبت کے موافق سب کے سب پراگندہ بال اپنے خاک آلود چہرے لئے ہوئے ننگے بدن برہنہ پا استغاثہ کی غرض سے فریاد کرتے ہوئے اسکے سامنے جا کر کھڑے ہوتے ہیں اور راستہ میں جو جو چیزیں مل جاتی ہیں کہ جنکے ساتھ بادشاہوں کو کچھ بھی علاقہ ہو خدم وحشم کے علاوہ جمادات یا نباتات تک کی بھی تعظیم وتکریم کرتے جاتے ہیں اور قصور شاہی کے قریب پہنچکر ان کے گرد چکر لگایا کرتے ہیں اور ان کے دروازوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں یہانتک کہ ان کو اسبات کی اجازت مل جاتی ہے کہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوں اور اسکے سامنے مؤدب کھڑے ہوکر استغاثہ وداد کریں اسکی تعریف کریں اپنی حاجت روائی کیلئے قوی سے قوی ذریعہ اختیار کریں اور ان کے اور انکے بزرگوں کے اعلی وادنی پر جو جو بادشاہ کے احسانات، رعایتیں اور مہربانیاں سابق زمانہ میں ہوتی رہی ہیں ان کی یاد دلائیں اسکے بعد جب بادشاہ انھیں اپنے ہاتھ پر بوسہ دینے کی اجازت دیدیتا ہے تو اپنی عین کامیابی وسعادت تصور کرکے نہایت رغبت ظاہر کرتے ہیں اور اسکے ہاتھ پر نہایت ادب وتعظیم سے بوسہ دیتے ہیں پھر بادشاہ ان کی درخواست قبول کرنے اور انکی مصیبت دور کرنیکا انسے وعدہ کرتا ہے اور اس غرض سے کہ وہ خیرخواہ سلطنت کے بنے رہیں اور انکو اجابت کا یقین ہو جائے کہ وہ اسکے ہمیشہ نمک خوار ہیں اور اس بات کا کہ اپنی رعایا کے ساتھ احسان کرکے رو کرنا بادشاہ کی عادت میں داخل ہے انکے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے پھر بھی ان قدیمی احسانات ورعایتوں کو انھیں یاد دلا دیا جاتا ہے جو کہ ان کے آباؤ اجداد پر وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں جب کبھی کہ وہ اسکی جناب میں بغرض استغاثہ حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنی خدمات پیش کیں تو برابر ان کو نعمتوں سے مالامال کردیا گیا۔

چنانچہ اسوقت ان لوگوں کو بھی انھیں خدمتوں کے بجالانے کا وہ حکم کرتا ہے جنکی بجاآوری انکے آباؤ اجداد کرتے رہے تھے تاکہ سلطنت کیلئے انکی خیرخواہی اور بڑھ جائے اور یہ پورے پورے مطیع بنے رہیں کیونکہ لوگوں میں اپنے بزرگوں کے اخلاق حاصل کرنے اور انھیں کے طریقہ کے اختیار کرنے کا فطری میلان پایا جاتا ہے پھر جب وہ تمام خدمات کی بجاآوری سے فارغ ہوتے ہیں تو وہ مزید عنایت کرکے انھیں اپنا مہمان بناتا ہے بہت کچھ انعام دیتا ہے انکی پراگندگی دور کردیتا ہے انکو خلعت

اور وہ اُس کے باب عالی پر اس امید سے ایستادہ ہوتے ہیں کہ اس نے اُنکی فریادرسی کرنیکا جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا کرے چنانچہ پھر شاہی حکم صادر ہونے لگتے ہیں دشمنوں کے مقابلہ میں بادشاہ اُن کو مدد دیتا ہے ان کی تکلیف دفع کرتا ہے جب اُن کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور وہ کامیاب ہو چکتے ہیں تو انھیں اُن کے وطن واپس جانیکی اجازت مل جاتی ہے تاکہ وہ اپنے دوست و احباب سے جا ملیں اب رخصت ہونیکا وقت آپہنچتا ہے اور وہ قصر شاہی پر حاضر ہو کر اپنے منصب کے موافق اسکی ثنا و توصیف میں مصروف ہوتے ہیں نہایت ہی تعظیم و تکریم سے پیش آتے ہیں اُسکے مکرم ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں غم فراق کی وجہ سے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں آخر کار با دل درد ناک مفارقت اختیار کرتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے بھی انسانی عقلوں کی رعایت کر کے ایک قطعۂ زمین کو خاص کر دیا اور حرام کے کہ وہ دنیاوی بادشاہوں سے فریاد کرنیکے وقت عادی ہو رہے تھے اُس کا لحاظ کر کے اُسی قطعہ کو فضیلت عنایت کر دی اور اس کا نام بیت اللہ یعنی اپنا گھر رکھدیا جو کہ کعبہ شریف کے لقب سے مشہور ہے اگرچہ خدا مکان سے بالکل پاک ہے اُسے گھر وغیرہ کی مطلق حاجت نہیں۔ اسی طرح حجر اسود کا جو کعبہ کی دیوار میں لگا ہوا ہے اپنا دست راست نام رکھدیا اگرچہ اُسکے دونوں ہاتھ ہمارے ایسے ہاتھوں کی طرح نہیں ہو سکتے خدا ہی جانے وہ کیسے ہونگے اور نہ اُن میں راست و چپ کا امتیاز قائم کیا جا سکتا ہے بلکہ اگر اُنکی نسبت دست کا اطلاق کیا جائے تو تعظیماً دست راست ہی کا ہونا چاہیے پھر چونکہ پیروان اسلام کی نسبت بھی یہ بات ضرور ہوا کرتی ہے کہ گناہوں کا لشکر اُنپر چڑھائی کرتا ہے خطا اور نافرمانیوں کے حملہ آوروں کا اُنھیں مقابلہ کرنا ہوتا ہے انھیں خدا کے احسانات کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے جو لوگ اُن میں سے صاحب مقدرت ہیں اُنپر یہ امر ضروری کر دیا گیا ہے کہ اُسی مکان پر فریادیوں کی سی صورت بنائے ہوئے حاضر ہوں اُنکے بال پراگندہ نظر آتے ہوں سر کھلا ہو جسم خاک آلود ہو۔ نہ بدن پر کوئی سلا ہوا کپڑا ہو نہ خوشبو ملی ہو سارے عیش و آرام کے سامان برطرف کر دئے ہوں اور اپنی نافرمانیوں اور خطاؤں کے فریادی بنے ہوئے اپنی مرادوں کے برآنے کی امید میں اپنے رب کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے جا کھڑے ہوں اس خانۂ خدا کی سرحد میں پہنچکر کسی چیز کی بیحرمتی نکریں تمام اشیاء کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں نہ وہاں کی گھاس کاٹیں نہ کوئی درخت قطع کریں اور نہ کسی چرند و پرند کے شکار کی جرأت کریں آخر کو جب اس معظم و مکرم مکان پر پہنچ جائیں تو جسطرح کہ فریادی بادشاہوں کے محلوں کے گرد چکر لگایا کرتے ہیں وہ بھی اسکے گرد پھریں اور اُسکے پردے پکڑ کر پناہ طلب کریں پھر اس بابرکت پتھر کو جس کا نام بہ صفت خدا کا دست راست رکھدیا گیا ہے بوسہ دیں اور یہی سمجھیں کہ وہ ایک پتھر ہے نہ اسمیں کسی قسم کے نفع رسانی کی قدرت ہے نہ نقصان پہنچانیکی۔ نفع و ضرر جو کچھ ہے خدا ہی کے ہاتھ میں ہے وہی نفع و ضرر کا مالک ہے چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اُسکو بوسہ دیتے وقت صاف کہہ ہی دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ تو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کچھ نفع دیسکتا ہے اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا اور مقصود آپ کا یہ تھا کہ لوگ اپنے خیالات خراب کرنیسے محفوظ رہیں اور اُنھیں یہ معلوم ہو جائے کہ شریعت محمدیہ کی اسکی نسبت ذاتی تعظیم کیا ہے اور لوگوں کو اسکی نسبت

کیسا اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ اسکے بعد وہ مختلف اعمال کی بجا آوری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جنکے اس موقع پر ادا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ خدا کے چند جلیل القدر بزرگوں کے کاموں کو یاد کریں جیسے کہ آدم اور ان کی زوجہ حوا یا سیدنا ابراہیم اور انکے بیٹے اسمعیل اور انکی والدہ ہاجرہ علیہم السلام کا ہے۔ چنانچہ وہ اعمال یہ ہیں کہ صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنا عرفات میں ٹھیرنا اسکے بعد مزدلفہ میں وقوف کرنا پھر منیٰ میں اُترنا شیطان کی ناکامی یاد کرنے کی غرض سے اس مقام کی طرف کنکریاں پھینکنا جہاں کہ ابراہیم خلیل اللہ کے بیٹے اسمعیل علیہ السلام کو اس نے دھوکا دینا چاہا تھا اور پھر ناکام رہا۔ اسی طرح اور اعمال کو سمجھ لیجیے پس جو شخص کہ ان اعمال کے اس راز سے کہ ان سے مقصود ان نیک بندوں کی یاددہانی اور ان کی پیروی ہے۔ ناواقف رہا تو اُسے ضرور خلجان ہوگا کہ ان سب کی حکمت کیا ہے اور اُن کے فائدوں کے تجسس میں وہ سرگرداں رہیگا اور جس کی سمجھ میں یہ بات آگئی وہ بے کھٹکے دل لگا کر ان سب کو بجا لائیگا اور انکے ثمرات کا نہایت شائق رہیگا اُسکی بڑی رغبت یہ ہوگی کہ سارے فوائد حاصل کرکے کسی طرح سے کامیاب ہو جاؤں۔ پس خدائے تعالیٰ جو خانہ کعبہ شریف پہنچکر ان اعمال کا ادا کرنا فرد ہی ٹھیرایا ہے اُسکو یوں سمجھئے کہ پہلی مرتبہ کعبہ کا طواف کرنا تو بمنزلہ اس بات کے ہے جیسے کہ بادشاہ اپنی فریاد رس رعایا کو ان کے آباؤ اجداد کی سی خدمات کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے اور اُنکے سامنے وہ بجالاتے ہیں تاکہ ان کی اطاعت و خیر خواہی ثابت ہو اور یہ معلوم ہو کہ اُن کی نسلیں بھی اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر ہیں یہ بھی انھیں کی طرح فرمانبردار رہیں گے۔

پس حاجی لوگ جب مکہ کے خاص خاص مقامات میں اُن اعمال کو ادا کرتے ہیں تو اپنے پاک طینت نیک نفس بزرگوں کی پیروی کی وجہ سے سارے عالم کی پرورش کرنیوالے کی بندگی کا مضمون اُن کے دلوں میں خوب جم جاتا ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ اعمال تعبدی یعنی بلا چون و چرا مان لینے کے قابل ہیں تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ انمیں حکمتیں اور فائدے نہیں پائے جاتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ظاہر یہ ایسے ہی افعال ہیں کہ جو ان کو ادا کرتا ہے تو گویا وہ انھیں اپنے مالک کا محض حکم سمجھ کر بجا لاتا ہے اور اُنکی بجا آوری کو اطاعت و فرمانبرداری خیال کرتا ہے اُسے اس کی پروا نہیں ہوتی کہ انمیں کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں وہ اسکی تفتیش کے درپے نہیں ہوتا اگرچہ غور کرنے کے بعد انکے فوائد مخفی نہیں رہتے۔ علاوہ بریں اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ انمیں کوئی حکمت نہیں تو اسوقت ان کی بجا آوری سے بندوں کی جانب سے اور بھی خدا کی اطاعت و فرمانبرداری ظاہر ہوگی گویا کہ بندہ اپنی زبان حال سے ان کے بجالاتے وقت یہ کہے گا کہ اے میرے رب مجھے تو جو کچھ حکم دیتا ہے میں اسکی فرمانبرداری کرتا ہوں گو تیرے حکم کے ثمرات میری سمجھ میں نہ آویں لیکن جب بھی تیری شان عالی اور سلطنت عظیم کی تعظیم کی غرض سے میں بجالاتا ہوں اور بندہ کی شان ہونا بھی یہی چاہیئے کہ جو کچھ اس کا مالک حکم دے بلا چون و چرا اُسے مان لے اُسے کیا منصب کہ حکمت اور راز پوچھنے بیٹھے اور شریعت محمدیہ کا مقصد اصلی بھی یہی ہے کہ اُسکی پیروی کرنیوالوں کی خدا کے سامنے یہی حالت ہونا چاہیئے اور یہ عبودیت عظیم مرتبہ سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے اس دین کے پیشوا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو اپنے اعلیٰ درجہ کے اوصاف میں شمار کیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ میں بندہ ہوں اور بندہ ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔ آپ نے اپنی تعریف میں مبالغہ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے اور آپکے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے حد سے نہ بڑھایا کرو بلکہ یوں کہا کرو کہ وہ خدا کا بندہ اور اسکا پیغمبر

خدانے بھی آپکی اعلیٰ درجہ کی تعریف کے موقع میں اسی وصف عبودیت ہی کے ساتھ آپ کو موصوف کیا ہے چنانچہ خداتعالیٰ آپ ہی کی شان میں ارشاد فرماتا ہے "سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ" یعنی جو اپنے بندہ کو راتوں رات لیگیا وہ پاک ہے پس عبودیت آپ کیلئے نہایت ہی خوشی اور بڑی خوبی کی بات ٹھیری۔

پھر حاجی ان خدمات کی بجاآوری کے بعد اپنے مولیٰ کے مہمان بنکر مقام منیٰ میں جا اترتے ہیں اپنی پراگندہ حالی کو دور کرتے ہیں۔ کپڑے بدلتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ حجامت بنواتے ہیں اور اپنے عیش آرام کی جو چیزیں چھوڑ رکھی تھیں اور جنسے کہ پرہیز کرتے تھے پھر ان سب کو مباح سمجھنے لگتے ہیں اپنی مبارک عید کے دنوں کو خورد و نوش میں گذارتے ہیں خوب قربانیاں کرتے ہیں یہانتک کہ گوشت بہا بہا پھرتا ہے لوگوں کے کھائے نہیں چکتا آدمیوں کا تو ذکر ہی کیا وحوش طیور بھی خوب سیر ہو جاتے ہیں اور یہی خداوندی ضیافت ہے کیونکہ اصل پوچھئے تو تمام چیزیں خدا ہی کی ملک ہیں وہی رزق دینے والا ہے اور لوگوں کے پاس جو کچھا پ دیکھتے ہیں خدا ہی نے بطور عاریت کے اُنھیں دے رکھا ہے اسیوجہ سے عید کے دن روزہ رکھنا حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ اُس دن روزہ رکھنے سے خدا کی ضیافت سے ایک قسم کا اعراض پایا جاتا ہے اب ان تمام اعمال کو پورا کرکے اور خداوندی مہمانی سے فارغ ہو کر وہ اسی بابرکت مکان کا طواف کرتے ہیں گویا کہ اُس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ خدا اُن کے گناہوں اور نافرمانیوں کے حملہ آوروں کے مقابلہ میں اُن کی مدد کرے اُنکو مغفرت عنایت کرے اور اپنی نعمتوں سے اُنھیں مالا مال کردے علاوہ اسکے اپنے وطنوں کے واپس جانیکی اجازت لینے کے قائم مقام بھی یہی طواف ہوتا ہے گویا اسکے بعد اُنھیں اسی کی اجازت ملجاتی ہے اور اس اجازت کو اس بات کی علامت سمجھنا چاہئے کہ خدا نے توبہ قبول کرلی وہ نہایت مہربان ہوگیا اور اب وہ ضرور اُن کے ساتھ انعام واکرام سے پیش آئیگا نافرمانی کے لشکر کے مقابلہ میں اُنھیں ضرور مدد دیگا چنانچہ اُن کے رسول علیہ السلام نے اسکی خوشخبری اُنھیں سنا بھی دی ہے پھر وہ اپنے اپنے شہروں کی طرف جانے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں اور اُن کے دلوں میں یہ خیال جاگزین ہوتا ہے کہ ہمیں ہماری مراد ملگئی ہماری ساری کلفتیں دور ہوگئیں اب وہ اس بیت معظم سے رخصت ہونیکی طرف مائل ہوتے ہیں اور طواف رخصت ادا کرتے ہیں اُن نعمتوں کا شکر بجالاتے ہیں جو اُن متبرک مقامات میں انکو نصیب ہوئیں اور جب اس سے جدا ہوتے ہیں تو اُن کا یہ حال ہوتا ہے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں دل پر کہ صدمہ فراق سے بے چین ہوا جاتا ہے وہ ہیں کہ اپنے مولیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالارہے ہیں اُسکی ہدایت کی طلب میں سرگرم ہیں اُس سے کامیابی کی دعا مانگتے ہیں اور ادب کے مارے پچھلے پیروں لوٹتے چلے آتے ہیں اور اس جدائی کا اُنھیں یہانتک غم ہوتا ہے کہ بعضوں کو کتنے ہی دنوں تک نیند نہیں پڑتی۔ پھر جب وہ اپنے وطن پہنچ جاتے ہیں تو مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے اُن کے دل ابدی مسرت وشادمانی سے پر ہوتے ہیں (چنانچہ اسکا مزا میر دنہار میں ذکر آیا ہے) اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے ہمیں بخشدیا ہم اُسکی نعمتوں سے مالا مال ہوگئے ہمیں گناہوں کے حملہ آوروں سے نجات ملی۔

اگر حج کے جملہ اعمال کی ایک ایک کرکے ہم حکمت بیان کرنا شروع کریں تو بڑی ضخیم جلدیں لکھی جاسکتی ہیں کہ پڑھنے والے بھی اکتا جائیں اور اُن کے مطالعہ کیلئے وقت بھی مشکل سے مل سکے پس جو کچھ بیان ہوا ہے اُسے یوں سمجھئے کہ بطور مشتے نمونہ از خروارے سارے

دریا میں سے ایک قطرہ ہے۔ خدا ہی میں طاقت ہے کہ وہ ساری صداقت دکھلا سکتا ہے۔

اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ شریعت محمدیہ نے پیروانِ اسلام پر یہ بات فرض کر دی ہے کہ جب انھیں موقع ملے تو وہ ان لوگوں سے مقابلہ کریں جو دین میں اُن سے مخالفت کرتے ہیں اور ان کی ایذا رسانی سے بچانے سے بھی باز نہیں آتے مگر وہ لوگ یا تو دین اسلام قبول کریں یا ان کے مقابلہ میں سر اٹھانا چھوڑ دیں اور اس مقابلے کا نام اس نے جہاد رکھا ہے اور اس میں سراسر انصاف کا لحاظ رکھا گیا جیسا کہ کتب سابقین میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خبر دی گئی ہے کہ وہ دونوں سے انصاف کے ساتھ لڑینگے چنانچہ شریعت نے سخت ممانعت کر دی کہ کوئی لڑکے عورت پیر فرتوت کو قتل نہ کرے اور نہ اس شخص کو قتل کرے کہ جو بقصد عبادت تعلقات دنیا کو قطع کئے ہوئے ہے ہاں جب کوئی ان میں سے لڑائی میں شریک ہو کر مقابلہ کرے یا کسی کی جانب سے تدبیر بتلانے کا ذریعہ ہو وہ بیشک واجب القتل ہو اور مقصود جہاد سے یہ ہے کہ خدا کے دین کی اشاعت ہو اور جو لوگ کہ اس کے مخالف ہوں اُن کی رہنمائی کی جائے چنانچہ ظاہر ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں وہ لوگ بھی اور مسلمانوں کی طرح سمجھے جاتے ہیں۔ اُنکے حقوق معاملات کی بابت تمام مسلمانوں کے رعایت کیجاتی ہے۔ اور ان میں عربی و عجمی ہونے کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ سب باہم بھائی شمار ہوتے ہیں ایک دوسرے کے معاون سمجھے جاتے ہیں ہر مسلمان اپنے اور محمدی بھائیوں کی نسبت یہی حکم رکھتا ہے جیسے کہ ایک جسم کے اعضا میں باہم علاقہ ہوتا ہے جہاں ایک عضو کو ایذا پہنچی اور تمام بدن بے چین ہو گیا سب ایک ہی اصول کے پابند ہوتے ہیں سب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے اور وہ خدا کی وحدانیت اور صرف اُسی یکتا خدا کا ماننا اور عبادت کرنا ہے تمام مسلمان اُسی کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں جب کسی طرح اپنی خوشی سے اور بغیر خوف کے مخالفین اسلام ہدایت قبول ہی نہیں کرتے تو اُس وقت اُن سے مقابلہ کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ سر اٹھانا چھوڑ دیں مسلمانوں سے دبے رہیں تو ہوں ان کی ایذا رسانی سے باز رہیں مسلمان اُن کی شر رسانی سے محفوظ رہکر نفع حاصل کر سکیں یہانتک کہ آخر کار مسلمان انکو ذمی بنا لیتے ہیں یعنی اُن سے صلح کر کے اُنکے ذمہ دار ہو جاتے ہیں کہ ہم لوگ تمھاری جان و مال اور آبرو کی پوری پوری حفاظت کرینگے جو قانون کہ مسلمانوں کیلئے تمام معاملات میں جاری ہے تمھارے لئے بھی وہی قانون رہیگا ہم تمھارے دین سے تعرض نہیں کرتے تم اپنے دین کے پابند رہنے کے مختار ہو اور دین کا معاملہ آخرت پر خدا کے حوالہ کرتے ہیں اور انھیں مجبور نہیں کرتے۔

پس اگر اسلامی جہاد کا پہلی شریعتوں کے جہاد سے مقابلہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جائیگا کہ اس میں طرح طرح کی آسانیاں پائی جاتی ہیں کہ جو پہلے نہ تھیں چنانچہ شریعت محمدیہ ہرگز حکم نہیں دیتی کہ تمام دشمنوں کا پورے طور سے قلع و قمع کر دیا جائے یہانتک کہ بچے تک بھی مار ڈالے جائیں جیسا کہ پہلی شریعتوں میں حکم تھا جو شخص کہ اس دین کے ساتھ پہلی شریعتوں کے جہاد کے احکام سے بھی واقف ہو گا اسے صاف معلوم ہو جائیگا کہ ان میں اور اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اُسے اس بات کا قائل ہونا پڑیگا کہ شریعت محمدیہ کے جہاد میں انتہا درجہ کا عدل و انصاف مدنظر رکھا گیا ہے۔

اسیطرح اس فرقہ نے شریعت محمدیہ کی ساری عبادتوں میں غور کیا تو انھیں یہ معلوم ہوا کہ اسی کے اصول میں جیسے کہ چاہئے پورے طور پر اس بات کی رعایت کی گئی ہے کہ ان میں خالق کی اچھی طرح سے تعظیم پائی جائے اور مخلوق پر سراسر مہربانی ہو اور نیز اس

فرشتے نے دیکھا کہ ان سب اعمال کا نفع اس عبادت کرنے والے ہی کو ملتا ہے خدا کو مخلوق کی اطاعت سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا اس لئے کہ اُسے ضرورت ہی کیا ہے خدا تو تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے۔

پھر اس گروہ نے شریعت کے ان قوانین میں غور کیا جو اس نے اس غرض سے مقرر کئے ہیں کہ حق داروں کا حق نہ مارا جائے اس کی پوری حفاظت ہو۔ رعایا میں سے خواہ مسلمان ہوں یا غیر قوم کے لوگ کسی پر کوئی بدمعاش ظلم نہ کرنے پائے کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے چنانچہ ان قوانین کو بھی انہوں نے اعلیٰ درجہ کا پایا۔

اسی طرح اس فرشتے نے دیکھا کہ اس شریعت نے ازدواج کے احکام بھی نہایت ہی باقاعدہ مقرر کئے ہیں چنانچہ اس نے زوجہ و شوہر دونوں کیلئے کچھ اتفاق کی حالت میں حقوق قرار دئے ہیں اور کچھ اسوقت جبکہ وہ علیحدگی اختیار کرنا چاہیں۔ اور اس نے ان باتوں کی اجازت دی ہے کہ اگر وہ ایک دوسرے سے تعلق قطع کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں تاکہ ہر ایک نقصان سے محفوظ رہے کیونکہ اگر اس کی اجازت نہ دیجاتی اور پھر انمیں کسی وجہ سے ایسی نفرت پیدا ہو جاتی جیسا کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ زن و شوہر میں مختلف اسباب سے ناراضگی ہو جایا کرتی ہے تو اسوقت یہ بات کچھ بعید نہ تھی کہ طرح طرح کے فساد پھیلتے جب خواہش نفسانی کا کسی پر غلبہ ہوتا تو باہم نفرت کی وجہ سے فرد کسی دوسرے کے ذریعے ناجائز طریق پر وہ خواہش پوری کیجاتی بےغیرت بننا پڑتا علاوہ اس کے جب عورت بانجھ ہوتی اور مرد میں بچہ پیدا کرنے کی قابلیت پائی جاتی یا بالعکس قصہ ہوتا تو ان دونوں میں سے ایک شخص کو ناحق اولاد سے محروم رکھنا لازم آتا اس لئے ان کو قطع تعلق کی اجازت دینا ہی عقل کے موافق ٹھہرا پھر اس نے طلاق دینا مرد کے اختیار میں رکھا ہے کیونکہ بخلاف عورتوں کے مردوں میں علی العموم استقلال اور عالی حوصلگی پائی جاتی ہے وہ زیادہ صبر کر سکتے ہیں اور عورتیں نہایت ہی زود رنج ہوا کرتی ہیں اور اس کا پتہ اسوقت لگ سکتا ہے جبکہ دونوں کی خصلتوں میں باہم مقابلہ کیا جائے علاوہ اس کے چونکہ عورت کا خرچ وغیرہ مرد ہی کے ذمہ ہے تو وہ جب تک مجبور نہ ہو جائیگا اسوقت تک اسکو چھوڑ کر کبھی اپنا نقصان گوارا نہ کریگا اور اگر کوئی نادر اتفاق سے اس کے خلاف عمل بھی آئے تو اسکا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ سارا خرچ بخلاف عورت کے مرد ہی کے ذمہ شریعت نے اس لئے مقرر کیا ہے کہ مرد فطرتی طور پر بہ نسبت عورت کے جسمانی ساخت میں قوی ہونیکی وجہ سے تحصیل معاش پر زیادہ قادر ہے اور جو کچھ مشقتیں اسمیں درپیش ہونگی وہ بخوبی برداشت کر سکتا ہے ہاں عورت کیلئے یہ مناسب ہے کہ خانہ داری کے اندرونی انتظامات کی دیکھ بھال کرے بچوں کی خور و پرداخت میں مشغول ہو جیسا کہ مرد بیرونی مصلحتوں کیلئے کوشش کرتے ہیں اور اس طرح پر عورت جو کہ مرغوب طبع اور مردوں کی منظور نظر ہے اگر بھی باہر نکلنے پر مجبور نہ ہوگی اور فتنوں سے محفوظ رہے گی۔

اسی لئے فتنہ اور اسباب بدکاری کے انسداد کی غرض سے جو کہ شرعاً اور عقلاً دونوں اعتبار سے قبیح ہے شریعت نے عورت کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے اور یہ عورتوں کے اعلیٰ درجے کے اوصاف میں سے ہے اور انکے لئے بڑے افتخار کا باعث ہے جسقدر کہ اس صفت میں وہ کامل ہوں اتنا ہی زیادہ فخر کر سکتی ہیں جس طرح کہ کسی نفیس شے کو لوگوں کی نظروں سے بچایا کرتے ہیں اور کسی کو نہیں دکھلاتے اور سات پردوں میں چھپا رکھتے ہیں اسیطرح پردہ سے بھی مقصود ہے کہ عورتوں کی حفاظت کیجائے انھیں ہر کس و ناکس

نہ دیکھ سکے نہ یہ کہ جیسا بعض نادان خیال کیا کرتے ہیں کہ عورت کے ساتھ بدگمانی کرنیکی وجہ سے پردہ کیا جاتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا
تو عورتوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ وہ مردوں کے دیکھنے سے اپنی نظروں کو ہر وقت بچایا کریں اور مردوں کو حکم ہوتا کہ وہ عورتوں سے
پردہ کیا کریں اور یہ خیال کرنا بھی بیجا ہے جیسا کہ بعض کم فہم خیال کرتے ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا انھیں قید کرنیکی مثل ہے ان پر بڑی
تنگی کیجاتی ہے جس سے کہ ان کی آزادی میں خلل پڑ جاتا ہے اور وہ بالکل نیست و نابود ہو جاتی ہیں کیونکہ مسلمان عورت تو بچپن ہی
سے پردہ میں رہا کرتی ہے پردہ ہی میں وہ جوان ہوتی ہے اپنے بیاہ کل ہی کے زمانہ سے وہ پردے کے ساتھ مانوس ہو جاتی ہے گویا کہ وہ
اس کی فطرت میں داخل ہو جاتا ہے اسکو یہاں تک پردے کی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ اس سے اُنس اور محبت کرنے لگتی ہے اسکو
بھی ایسا ہی ضروری خیال کرتی ہے جیسا کہ اپنی اور جبلی عادات کو حتیٰ کہ جو عورتیں اسمیں ذرا کوتاہی کرتی ہیں انھیں شرم والی بے پردہ
ہو جاتی ہے انکو بے شرم بیباک قرار دیتی ہے اسکو نکاح اپنا خیال کرتی ہے علاوہ بریں یہ بھی کہ پردہ خدا کا حکم ہے اُسے خوشی خوشی قبول
کرکے خداوند کریم کے علاوہ ثواب کی امیدوار بنجاتی ہے پس جب یہ حالت ہو تو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ شریعت محمدیہ نے عورت کو مظلوم
قیدی بنا رکھا ہے ظلم تو جب ہو سکتا ہے وہ اپنی خوشی سے نا اختیار کرتی شریعت کے موافق پردہ کرنے میں ظلم کا کہیں پتہ بھی نہیں بلکہ
حق تو یہ ہے کہ اس شریعت میں عورت کی بڑی حفاظت کیجاتی ہے بدکاروں اور بدمعاشوں کی نظروں سے خوب بچایا جاتا ہے اور یہ خیال
کیا جاتا ہے کہ نامحرموں کو عورت کی نسبت جس کے بارہ میں بڑی غیرت سے کام لیا جاتا ہے زبان درازی کا موقع نہ ملے علاوہ
بریں عورتوں میں بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جنمیں پوری پارسائی نہیں پائی جاتی انکی عادتیں اچھی نہیں ہوا کرتیں تو ایسی حالت میں
پردہ کرنے سے عورت کی نسبت کسی قسم کی خیانت کا مشکل سے خیال ہو سکتا ہے بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس کے خاوند کو بچے
کی نسبت بارہ میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے پس جو اولاد اس کے بطن سے پیدا ہوگی وہ نہایت اطمینان کے ساتھ یقین کریگا
کہ میرے ہی نطفہ سے ہے اسوقت شیطان کو اسکے دل میں عورت کی نسبت وسوسہ ڈالنے کی گنجائش نہ رہیگی بخلاف اس صورت کے
جبکہ عورت بے پردہ ہو کر باہر نکلتی ہو اور غیر مردوں سے میل جول رکھتی ہو۔ باوجود ان سب باتوں کے اگر عورت کو کوئی ضرورت
پیش آ جائے مثلاً یہ کہ اسے دینی احکام سیکھنا ہیں اور اسکا خاوند یا اور عزیز و قریب اسکو نہیں بتلا سکتا یا اپنے بھائی بندوں کی
آئے ملنا ہے تو ایسی حالت میں شریعت نے عورت کو باہر نکلنے کی اجازت بھی دی ہے لیکن وہی پردہ کے ساتھ تاکہ بدکاروں کی
نظروں سے محفوظ رہے اور شہوت پرستوں کے ہیجان کا باعث نہ ہو نیز یہ کہ اس کی پارسائی اور آبرو پر حرف نہ آنے پائے۔
اگر تعصب کو چھوڑ کر عقل سلیم سے پوچھا جائے تو وہ بھی یہی حکم دیگی کہ بیشک عورت کیلئے پردہ نہایت ہی عمدہ احکام میں سے ہے نہ صرف شوہر
وغیرہ ہی کا اسمیں فائدہ ہے بلکہ یوں کہئے کہ اسکا نفع تمام دنیا کو پہنچتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے شہروں سے فساد دور رہتا ہے چنانچہ
آپ دیکھتے ہیں کہ جن شہروں میں عورتیں پردہ میں رہتی ہیں وہاں کے اہالیان پولس کو بدکاری کیلئے خاص خاص مقامات نہیں
مقرر کرنے پڑتے جہاں کہ بدکار لوگ ناجائز طور پر اپنی خواہشوں کو پورا کرنیکے لئے جمع ہوا کریں کیونکہ وہاں کے حیادار لوگوں کی خواہش
نفسانی میں بھی عورتوں کے نہ دیکھنے کی وجہ سے چنداں جوش نہیں پیدا ہوتا جسکی وجہ سے آبرو والے لوگ اپنی عورتوں کی نسبت خوف

ہو جیسے محفوظ رہتے ہیں بخلاف اُن شہروں کے جہاں کہ عورتوں میں پردہ کی رسم نہیں ہے اور وہ بے حجاب پھرتی ہیں ظاہر ہے کہ وہاں کی بیبیوں بیٹیوں کو بدکاری کیلئے خاص خاص مقامات متعین کرنے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے اور وہ بدکار وں کو اُنکے نہیں ملنے کی خدا کی پناہ اس فعل شنیع کی یہانتک کثرت پائی جاتی ہے کہ وہاں کے بچوں کی تعداد ۔ پیدا کرنے میں قریب قریب نصف کے حرام سے پیدا ہونیوالے بچے شامل ہوتے ہیں اور وہ لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم شریف عورتوں کی حفاظت کی غرض سے اس نامعقول امر کے اختیار کرنے پر مجبور ہیں پس اگر اُن بدکاروں سے جنکی شہوتیں کہ عورتوں کو کھلا دیکھتے دیکھتے ترقی کر گئی ہیں انھیں خوف ہوتا اور آبرو والے لوگ اپنی عورتوں کی عزت کو نہ ڈرتے ہوتے اور یہ اندیشہ اُنکو نہ لگا ہوتا کہ یہ لوگ عورتوں کے معاملہ میں ہماری کچھ چلنے نہ دینگے تو وہ کبھی ایسے قابل نفرت امر کا ارتکاب نہ کرتے لہٰذا یہ نہایت ہی شرم کی بات ہے ایسوں پر جو کہ ایسے انتظام کے مدعی ہوں اور حیوانی حرکات اختیار کر کے اپنی عورتوں کی حفاظت کریں ۔ کاش اگر وہ عورتوں کے پردہ کا انتظام کرتے تو پھر انھیں ایسے قابل لعنت عمل کے اختیار کرنیکی ضرورت نہ پڑتی اب یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ عورتوں کا بے پردہ ہونا کس قدر ہی ضرر کی بات ہے اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ عورتوں کے پردہ میں رہنے سے نقصان ہے تو بے پردگی میں اُس سے بڑھکر نقصان متصور ہے اور ظاہر ہے کہ جسمیں کم ضرر ہو اسی کا اختیار کرنا عقلاً و نقلاً بہتر ہوا کرتا ہے چہ جائیکہ بے پردگی میں بکثرت نقصانات ہوں اور پردہ کرنے میں سراسر فائدے ہی فائدے ہوں کہ جسکو ہر عاقل مان لیگا ۔

پھر اس فرقہ نے جبکہ شریعت محمدیہ کے قوانین معاملات کی طرف توجہ کی اور خرید و فروخت کرایہ ۔ شرکت ۔ قرض وغیرہ کے احکام میں غور کیا اور دیکھا کہ جائداد کی تقسیم ایسی بالکل حکمت کے موافق ہے اُسی شخص کو اسمیں ترجیح دیگئی ہے جسکو کہ حاجت زیادہ ہوا کرتی ہے جسکے ساتھ کہ بہت ہی نزدیک کی قرابت پائی جاتی ہے اور امداد کے موقع پر جس سے کہ مدد پہنچنے کی زیادہ امید ہو سکتی ہے پس انھیں یہ معلوم ہوا کہ سارے احکام نہایت ہی کامل انتظام اور بندوبست کی رعایت کرکے مقرر کئے گئے ہیں جسمیں کہ تمام معاملات انصاف کے موافق ہوں اور منازعت نہ ہونے پائے ۔

پھر اس فرقہ نے حدود اور قصاص اور اُن تعزیرات میں غور کیا جو کہ اس شریعت نے لوگوں کے جان و مال و آبرو اور عقل کی حفاظت کیلئے مقرر کئے ہیں پس اُن سب کو انھوں نے بالکل حکمت کے موافق اور امن و امان کا ذریعہ پایا بیان اُسکا یہ ہے کہ جو شخص یہ جانیگا کہ اگر وہ کسی دوسرے کو قتل کریگا تو وہ بھی قتل کیا جائیگا تو پھر وہ قتل سے ضرور باز رہیگا اس طرح سے کم سے کم دو آدمیوں کی جان بچ گی اسی نکتہ کی وجہ سے قرآن شریف میں وارد ہوا ہے کہ قصاص لینے میں زندگی حاصل ہوتی ہے ۔

علیٰ ہذا القیاس جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ چوری کرنے سے اُسکا یا خیانت کرنیوالا ہاتھ قطع کر دیا جائیگا تو پھر اُسے چوری کرنیکی جرأت نہ ہو گی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دو شخصوں کو اپنے مال کے چوری ہو جانیکا کھٹکا نہ رہیگا ۔ ایک شخص نے کسی کی قسم کے اعتراض کا کیا اچھا جواب دیا ہے جبکہ اُس نے یہ اعتراض کیا کہ عجب تماشے کی بات ہے کہ ہاتھ کی دیت تو پانچسو اشرفیاں دینا پڑتی ہیں اور جب کوئی چوتھائی دینار بھی چرائے تو اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے اور وہ جواب یہ ہے کہ امانت داری ہاتھ کیلئے بیش قیمت

ہے اور خیانت کی ذات بالکل ارزاں ہے۔ اور اس کی بے قدری کی کچھ پروا نہیں ہو سکتی پس اب خداوندی حکمت کو سمجھ جاؤ
چونکہ حرامکاری باوجود بہتیری خرابیوں کے اس بچے کے قتل کا سبب ہوا کرتی ہے جو کہ حرام سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کا نسب
بے پتہ ہوتا ہے اُسے کوئی اپنے کنبہ میں نہیں شمار کرتا اور نہ اس کی مدد ہے اور نہ کوئی اس کا پرورش کرنے والا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اکثر
مر جایا کرتا ہے اس لئے شریعت نے حرامکاری کرنے والے کی بلکہ وہ اپنی منکوحہ سے متمتع ہو چکا ہے یہ سزا قرار دی ہے کہ پتھروں سے
اُسے مار ڈالیں جیسے کہ شہوت رانی سے سارے بدن کو لذت ملی تھی اسی طرح اس کا ہر عضو اس کی سزا کا مزہ بھی چکھ لے۔
اور اگر وہ حرام کار ایسا نہ ہو اس وقت کسی قدر اس کو حد در (؟) صرف سو کوڑوں ہی پر اکتفا کیا گیا ہے جو کہ اس کے سارے اعضا
پر لگائے جائیں گے جنہوں نے گویا شہوت رانی کی لذت اٹھائی تھی ہاں وہ مقامات جس میں چہرہ پر ضرب لگنے سے موت کا اندیشہ
ہو یا اُسکے علیحدہ بگڑ جانے کا ہو اور ان سو کوڑوں سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بچہ کہ اس سے پیدا ہو سکتا تھا اور اس نے
حرامکاری سے اُسے ضائع کر دیا ممکن تھا کہ سو برس تک زندہ رہتا اور یہ وہ عمر ہے جس کی انسان میں بلحاظ ساخت اور ابتدائی
نشو و نما پانے کے باوقات قدرتی قابلیت پائی جاتی ہے چنانچہ بعض اطباء کا یہ قول بھی ہے لیکن چونکہ زندگی بسر کرنے میں مختلف
پیش آتے ہیں ان کی وجہ سے بسا اوقات موت کے بہت سے اسباب لاحق ہو جاتے ہیں پس اس مدت سے پہلے ہی کبھی انسان کی
اجل آ پہنچتی ہے جو اسکے لئے مقرر تھی اور وہ مر جاتا ہے اور کبھی یہی مدت اُس کی اجل ہوا کرتی ہے تو وہ اس عمر کو پہنچ کر
پس جتنے سال تک کہ اس بچہ میں جسکو کہ اس نے حرامکاری کی وجہ سے ضائع کر دیا زندہ رہنے کی قابلیت ہو سکتی تھی اُسی
ہر ہر سال کے مقابل میں ایک ایک کوڑا مقرر کیا گیا۔

پھر چونکہ انسان میں سو برس تک زندہ رہنے کی قابلیت پائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ ابتدائی عمر میں پندرہ برس سے پہلے پہلے
اس کی عقل کا وجود ناقص ہے کہ تکالیف شرعیہ میں اس کا اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ اگر کسی کی سو برس کی عمر ہو تو اکثر قریباً پچانوے
برس کے اس کی عقل نہایت ہی ضعیف ہو جایا کرتی ہے اس بنا پر جو زمانہ اس کی عقل کے قوی قابل اعتبار اور کامل رہنے
کا ہے صرف اسی برس رہ جاتا ہے پس جو شخص کہ عقل ایسی چیز میں جو کہ بعد ایمان کے خدا کی نہایت ہی عظیم نعمت ہے شراب پی کر خلل
انداز ہو کہ جس سے کہ عقل یا تو بالکل ہی جاتی رہتی ہے یا ضعیف ہو جاتی ہے شریعت نے اُس کی سزا اسی کوڑے مقرر کی ہے
پس گویا کہ اس مدت میں نعمت عقل پوری پوری پائی جاتی ہے اسکے ہر ہر سال کے عوض میں ایک ایک کوڑا قرار دیا ہے اور اس
مدت شرابی کیلئے یہ اشارہ ہے کہ اے شراب پینے والے اس مدت تک جو نعمت عقل تیرے پاس بخوبی پائی جاتی تو نے شراب
پیکر اسمیں خلل اندازی کی اسی لئے تجھکو اسی کوڑوں کی سزا دیگئی۔

پھر انسان اپنے بالغ ہونے کی مدت یعنی اکثر پندرہ برس سے پہلے پہلے چونکہ مکلف نہیں ہوتا پس آبرو کے بارے میں اس کی بے عزتی
نہیں ہوتی جیسی کہ بالغ آدمی کی اسی طرح اگر وہ اپنی عمر طبعی یعنی سو برس تک زندہ رہے تو آخر کے پانچ سالوں میں چونکہ اُسکے
شہوت و قوی میں انتہا درجہ کا ضعف ہو جاتا ہے تو نہایت مشکل ہے اس کی نسبت کسی فحش امر کے ساتھ متہم ہونیکا گمان

ہو سکتا ہے اس لئے غالبًا اس مدت میں بھی اُسکی بے عزتی ہونا بہت ہی مستبعد امر معلوم ہوتا ہے پس وہ زمانہ جسمیں کہ اُس کی آبرو کی کامل طور پر محافظت کی اکثر ضرورت پڑسکتی ہے وہ صرف اسّی برس ٹھیرتے ہیں پس اسیوجہ سے شریعت نے ایسے شخص کی سزا جو کسی دوسرے کو تہمت لگاکر اسکی آبروریزی کرے اسّی کوڑے مقرر کئے ہیں گویا کہ اس عدد سے اس مانکی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جسمیں کہ آبرو کی پورے طور سے حفاظت کیا کرتے ہیں اور تہمت لگانیوالے کو گویا کہ یہ خطاب کیا جاتا ہے کہ تو نے جسکی تہمت لگاکر آبروریزی کی ہے اُسکی آبرو کی پوری پوری حفاظت کرنیکی اس مدت تک ضرورت پڑا کرتی تھی اسی لئے تجھے یہ سزا دیگئی۔

پھر یہ دیکھئے کہ شرائع سابقہ میں سے بعض میں قاتل کو قصاصًا یعنی قتل کرنے کا حکم تھا اور بعض میں معاف کردینے کا شریعت محمدیہ نے ان دونوں حکموں کو جمع کرلیا اُس لئے اس نے مقتول کے ولی کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ اگر چاہے تو وہ قصاص لے یا معاف کردے اور معافی کو تقویٰ کے قریب تمیز اگر اُس نے اسکی ترغیب دی ہے داسیطرح پر آپ اور اکثر احکام کو پائیں گے کہ جو شرائع سابقہ میں جدا جدا پائے جاتے تھے اس شریعت نے اُنھیں جمع کردیا اور سب کا خلاصہ نکال لیا اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا۔ کیونکہ اسی شریعت پر تمام شریعتوں کا خاتمہ ہے پس اللہ تعالیٰ نے تمام شریعتوں کی خوبیوں کو اسمیں مجتمع کردیا۔ پھر اس فرقہ نے اس شریعت کے آداب کو دیکھنا شروع کیا تو ان کو ہر باب میں اس کے قواعد و آداب بالکل مکمل نظر آئے چنانچہ اُنھوں نے دیکھا کہ اُس نے کھانے پینے۔ سونے۔ قضائے حاجت کرنے یہانتک کہ صحبت کرنے تک کے قواعد مقرر کئے ہیں یہ بتلایا ہے کہ باہم اُٹھنے بیٹھنے باتیں کرنے کا کیا طریق ہے سفر اور حضر میں کن امور کی رعایت کرنا چاہئے زن و شوہر اور تمام عزیز و قریب باہم کیا برتاؤ کریں پڑوسیوں اور دوستوں سے کیا معاملہ کرنا مناسب ہے، مسلمان مسلمانوں اور غیر قوموں کے ساتھ کس طرح سے پیش آئیں اسی طرح پر تمام امور کے آداب و قاعدے اُس نے مقرر کردئے ہیں جنکا شریعت میں غور و فکر کرنے سے پتہ لگ سکتا ہے۔

پھر اس فرقہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ملکی انتظامات کی جانچ شروع کی اور اس بات کی تفتیش کرنے لگے کہ جو کچھ آپ حکم دیتے ہیں اُسکا نفع خاص آپ کی ذات اور آپ کی اولاد ہی پر محصور رہتا ہے یا عام لوگوں کو پہنچتا ہے پس باوجود انتہا درجہ کی باریک بینی اور اعلیٰ درجہ کی تلاش کے بھی اُنھیں آپ کا کوئی حکم ایسا نہیں ملا اور نہ آپ کی شریعت میں کوئی امر اس قسم کا نظر آیا جس کا کہ فائدہ خاص آپ کی ذات یا آپ کی اولاد ہی کے ساتھ وابستہ ہوتا اور اُسکی منفعت عام نہوتی۔

اور جو بات بظاہر اس قسم کی معلوم بھی ہوئی تو غور کرنے سے صاف ظاہر ہوگیا کہ حقیقت میں اسکا نفع بھی تمام لوگوں کیلئے عام ہے اور اسمیں عام مصلحت کا لحاظ کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ مال غنیمت میں سے قبل تقسیم کرنے کے آپ کچھ لے لیتے تھے جسکو کہ صفی کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کے ساتھ ابتداءً آپ اپنے منصب ریاست کی عظمت قائم رکھنے کیلئے اپنے نفس کی بظاہر تخصیص کیا کرتے تھے جیسا کہ علی العموم حاکم و محکوم میں اس امر کی رعایت دیکھی جاتی ہے اور اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حاکم کی عظمت اور شان و شوکت اس کے مطیعین کے دل میں خوب مستحکم ہوجائے اور ظاہر ہے کہ یہ ملکی انتظام کے مقاصد میں سے اعلیٰ درجہ کا مقصد ہے آخرکار جو کچھ آپ سے لیتے تھے وہ فقیروں کی حاجت براری میں صرف کرڈالتے تھے پس معلوم ہوا کہ آپ کا بظاہر اپنی تخصیص کرنا

نہیں بنایا اور نہ کسی کیلئے خلافت کی وصیت کی بلکہ یہ مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دیا۔

داب، ریاست کے موافق اپنی شان و شوکت اور اختیار ظاہر کرنے کی غرض سے ہوتا تھا اور اس لئے کہ دولتمند اس کے لینے سے باز رہیں اور وہ مال حاجتمندوں کو پہنچ جائے اور اس خوبصورتی سے کام انجام پائے کہ مالداروں کو حاجتمندوں سے کینہ رکھنے کا بھی موقع نہ ملے اور اُن کی کار برآری بھی ہوجائے ورنہ شاید فقیروں ہی کو تقسیم کرنے سے دولتمند اُنکو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہوئے دیکھکر اُنکے دشمن ہو جاتے اس لئے آپ نے یہ طریق اختیار کیا بلکہ آپکا تو علی العموم یہ دستور تھا کہ جو کچھ آپ کے پاس آتا تھا اسمیں سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حاجت روائی کی مقدار رکھکر باقی سب محتاجوں کو تقسیم کردیا کرتے تھے اور یہ ایسی بات تھی جسمیں شبہ کی گنجائش نہیں متواتر طور پر یہ ثابت ہے دیانتک کہ آپ دنیا سے بھی اسی حال میں رخصت ہو گئے کہ اپنے اہل و عیال میں سے کسی کو ایک درہم و دینار کا وارث بھی نہ بنایا بلکہ آپ نے اپنی ساری جائداد منقولہ کو خیر و خیرات میں صرف کردیا اور غیر منقولہ جائداد کو فی سبیل اللہ محتاجوں کیلئے وقف کردیا) اپنے اور اپنے ساتھیوں کی اہل و عیال کیلئے مسلمانوں کے خزانہ میں سے لینے میں آپ نے ہمیشہ مساوات کو مدنظر رکھا کبھی آپ نے اپنوں کو اپنا سمجھکر ترجیح نہیں دی اور نہ اپنی اولاد میں سے کسی کیلئے اپنی خلافت یعنی جانشینی کی وصیت کی بلکہ یہ امر محض: بانوں کی رائے پر چھوڑ دیا کہ جسکو مناسب سمجھیں وہ اپنی لئے سے مقرر کریں اور اگر آپ چاہتے تو کسی کی نسبت اپنی جانشینی کیلئے تصریحاً ارشاد فرمادیتے پھر کسی کو قیامت تک بھی آپ کی مخالفت کی جرأت نہ پڑتی اور اس بارہ میں سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ آپ اپنے دوستوں اور کنبہ والوں کو ہمیشہ یہ نصیحت کرتے رہے کہ حاکم بننے سے جہاں تک بچ سکیں بچیں اور دنیاوی منصب اور ساز و سامان پر کبھی مغرور نہ ہوں۔

پھر اس فرقہ کو یہ معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول اور ظلم و تعدی کرنے سے بالکل معصوم و محفوظ ہیں آپکی کتنی ہی بیبیاں کیوں نہ ہوں آپ اُن کے ساتھ منصف بات کرنے پر پورے طور سے قدرت رکھتے ہیں اس لئے شریعت نے آپکے لئے اجازت دیدی کہ جتنی عورتوں کے ساتھ آپ چاہیں نکاح کرسکتے ہیں جیسے کہ پہلے رسولوں کیلئے اجازت تھی مثلاً داؤد و سلیمان یا انکے علاوہ اور انبیاء علیہم السلام لیکن جب رسولوں کے علاوہ اگر عورتیں بہت زیادہ ہوں تو عام طور پر انسان انصاف کے ساتھ پیش آنے سے عاجز پایا جاتا ہے اسلئے آپکی پیروی کرنے والوں میں سے کسی کیلئے چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنے کی شریعت نے اجازت نہ دی۔

اور ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دینے میں گویا کہ شریعت نے عورتوں کی تعداد کی زیادتی کا لحاظ کیا ہے کیونکہ مردوں کی تعداد کا بہ نسبت عورتوں کے اسوجہ سے کم ہوجانا کہ اُنھیں سیر و سیاحت اور کسب معاش وغیرہ کی مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں لڑائی میں کام آتے ہیں ایک ضروری امر ہے پس اگر مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہیں دیجاتی تو فاضل عورتیں بالکل معطل و بیکار رہتیں اور بلا وجہ اُنکو نسل کی افزائش سے روکنا لازم آتا علاوہ بریں مرد میں سن بلوغ سے لیکر آخر عمر تک خواہ وہ سو ہی برس تک کیوں نہ زندہ رہے توالد و تناسل کی استعداد باقی رہا کرتی ہے بخلاف عورت کے کہ وہ پچاس یا پچپن برس کے بعد ولادت سے بالکل مایوس ہو جاتی ہے کیونکہ اس سن میں اُس کا حیض منقطع ہو جاتا ہے اور تخم یعنی وہ مادہ جس سے کہ بچہ بنتا ہے اُسمیں باقی نہیں رہتا۔

اور یہ بات بھی خدا کے لطف سے خالی نہیں اس لئے کہ حاملہ ہونے، بچہ جننے اور دودھ پلانے کی وجہ سے اُسکی قوتوں میں ضعف آجاتا ہے اگر اب بھی بچہ ہوتا تو اُسکے لئے مصیبت پر مصیبت بڑھ جاتی پس عورت کے بالغ ہونے سے لیکر سن ایاس تک باعتبار اکثر کے کل پینتیس

برس کی مدت رہ جاتی ہے جس میں کہ عورت میں بچہ جننے کی قابلیت باقی رہتی ہے پس اگر مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ ہوتی تو یکلخت
کے ساتھ رہ کر اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ تک اُسے ناحق اپنی نسل پھیلانے سے محروم رہنا پڑتا پس کئی شادیوں کی اجازت دینے
مرد کو اپنی نسل میں معطل رہنے کی آفت سے نجات ملی اس طرح سے طلاق دینے کی اجازت کا نکتہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کیونکہ بر تقدیر
اجازت نہ ہونے کے اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ شادی کرنے پر قادر نہ ہوتا تو در صورت اُسکی زوجہ کے بانجھ ہونے کی یا
کبر سنی کی وجہ سے اولاد سے مایوس ہو جانیکے باوجود قوت تناسل کی استعداد رکھنے کے وہ مرد کو نسل سے معطل رہنا پڑتا اسلئے کہ وہ طلاق
تو دے ہی نہیں سکتا تاکہ بجائے اپنی زوجہ کے دوسری عورت سے شادی کرلیتا اسی طرح پر اگر مرد میں قوت تناسل کی قابلیت نہ ہوتی
تو عورت کو اولاد سے معطل رہنا پڑتا اب یہ دونوں خرابیاں رفع ہو گئیں رہی یہ بات کہ طلاق دینے کا اختیار صرف مرد ہی کو کیوں
دیا گیا اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے وہاں دیکھنا چاہیے)

اب صرف چار ہی عورتوں کی اجازت کی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اصل کسب معاش کے متعدد یہ چار ہی قسم کے ذریعے ہو سکتے ہیں اسلئے
ہر ایک کے مقابل میں ایک ایک عورت کی اجازت دی گئی گو کبھی ایسا بھی ہو کہ صرف کسب معاش کا ایک ہی طریق رکھتا ہو لیکن
وجہ باقی طریقوں کے قائم مقام ہو جائے اور وہ چار قسمیں یہ ہیں۔ تجارت۔ صنعت۔ زراعت۔ ملازمت۔ پھر شریعت نے چار
شادیوں کی اسوقت اجازت دی ہے جبکہ آدمی چاروں کے ساتھ انصاف کرسکے یہاں تک کہ اگر کوئی دو عورتوں کے ساتھ بھی انصاف
کرنیکا قادر نہ ہو تو اُسے دو کی بھی اجازت نہیں ہے صرف ایک شادی وہ کرسکتا ہے اور اگر کسی کو ایک عورت کے ساتھ بھی بے انصافی
کا خوف ہو اور اپنے کو عاجز پاتا ہو نان نفقہ دینے کی وسعت نہ رکھتا ہو تو اُسے ایک سے بھی شادی کرنیکی اجازت نہیں بلکہ ممانعت ہے۔

پھر چونکہ لونڈیاں یعنی وہ عورتیں جو کہ لڑائی میں گرفتار ہو کر آتی ہیں اکثر نسل سے محروم رہی جاتی تھیں کیونکہ غلاموں کا کام
خدمت میں مشغول ہونیکی وجہ سے نکاح کرکے ان کی خبر گیری کرنا دشوار امر ہے بلکہ یوں کہئے کہ وہ نکاح کے حقوق ادا کرنے پر پوری طرح
سے قادر ہی نہیں اسلئے اُنکے واسطے لونڈیوں کے مالکوں کو گو وہ چار سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں متمتع ہونیکی اجازت دی ہے تاکہ وہ
قوت تناسل سے بیکار نہ رہیں۔

اور غلام کو اس امر کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی مالکہ کا شوہر بن سکے کیونکہ عورت کے مالک ہونے کا تو یہ مقتضیٰ ہے کہ وہ غلام
پر حکومت کرسکے وہ اُسکے قبضہ میں رہے اور پورا اختیار حاصل ہو پس اگر وہ اُسکا شوہر بن سکتا تو چاہیے تھا کہ اس کی مالکہ بحیثیت اُسکی
زوجہ ہونیکے اس کی فرمانبرداری کرے اور غلام کو اُسپر قبضہ حاصل ہو پس اس منافقت اور مخالفت کی وجہ سے باہم معاشرت کرنے میں
بڑا خلل واقع ہوتا دونوں میں کبھی موافقت نہیں ہو سکتی اور اس بد انتظامی سے سارا عیش و آرام خاک میں مل جاتا علاوہ اس کے یہ امر شرف
اور عادل شریعت کے مقاصد کے بالکل خلاف ہے ہاں غلام کو دوسری عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے۔

پھر اس فرقہ کو معلوم ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے آپ کے بعد آپکی عورتوں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے اور جب غور سے دیکھا
میں غور و فکر سے کام لیا تو یہ بات ظاہر ہوگی کہ یہ امر نہایت عظیم الشان حکمتوں پر مبنی ہے۔ اوّل تو یہ کہ آپکی تعظیم کرنا بالکل تمام

ف چار شادیوں کی اجازت کی علت

ف دو شادیوں میں انصاف نہ کر سکنے والے کو اجازت نہیں

ف لونڈیوں کی بے شمار کی علت

ف ازواج مطہرات کی دوسرے نکاح کی حرمت کی علت

رسولوں کے بیبیوں کو اُنکے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آنا شرائع سابقہ میں ایک مانی ہوئی بات ہے اور آپکے ساتھ تو ادب کی رعایت کے
ضروری ہونے کے علاوہ وہ امر فی نفسہٖ بھی مستحسن معلوم ہوتا ہے کیونکہ علی العموم انسانی طبیعتوں پر یہ امر گراں گزرتا ہے کہ اُنکے بعد کوئی دوسرا
اُن کی عورتوں سے شادی کرے اور اس امر کی رعایت سوائے آپ کے کسی دوسرے کیلئے اگرچہ وہ اس اُمت کے بڑے لوگوں میں شمار
کیوں نہ ہوتا ہو اور کیسا ہی عالم و فاضل ہی کیوں نہ ہو اس لئے نہیں کی گئی تاکہ افزائش نسل کے بارہ میں تنگی نہ ہونے پائے۔

دوسرے یہ کہ خلافت کے بارہ میں بلا استحقاق دخل دہی کا انسداد کر دیا جائے کیونکہ بالفرض اگر آپکی ازواج مطہرات سے آپکے
بعد نکاح کرنے کی اجازت ہوتی تو جو شخص انہیں سے کسی سے بھی نکاح کر لیتا تو وہ اگرچہ جانشینی کے قابل بھی نہ ہوتا لیکن عام لوگوں پر تسلط
حاصل کر لیتا اور عام لوگوں کی عقلوں کو فریب دیتا کہ میرے پاس تو تمہارے رسول کی زوجہ موجود ہے اس وجہ سے مجھے اور وجوہ ترجیح حاصل
ہے اور بیشک میں خلافت و جانشینی کا استحقاق رکھتا ہوں اور آپ کی زوجہ مطہرہ کو اپنے دلی ارادہ میں عام لوگوں پر جو نادان ہوا
کرتے ہیں ترجیح حاصل کرنے کیلئے آلہ بنا لیتا اور یہ بات کوئی مستبعد نہیں ہے کیونکہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی ملکی تغیرات کی وجہ سے کسی
پہلے بادشاہ کی بیگم سے اسکے مرنے کے بعد شادی کر لی تو وہ اس حیلہ سے ملک پر قابض بن بیٹھا جسکی تاریخ شاہد ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اسکی اجازت ہوتی تو آپ کے پیروی کرنے والوں میں بڑا فتنہ فساد برپا ہو جاتا کیونکہ ہر شخص یہی چاہتا کہ رسول
کی زوجہ مطہرہ کو اپنے پاس رکھے تاکہ اسکو اُن کے پاس رہنے سے شرف حاصل ہو اُن کی امداد سے برکت حاصل کرنا نصیب ہو اس اعلیٰ
درجہ کی بزرگی سے فیضیاب ہو کر اپنے ہمچشموں پر فخر کرنے کا موقع مل جائے اُنکے ذریعے ان باتوں پر واقفیت ہو جائے جو بڑے بڑے
سمجھداروں کو بھی معلوم نہیں اسطرح باہم اُن میں بڑی مخالفت پیدا ہو جاتی جسکی وجہ سے فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جاتا پس اس امر
کے انسداد کی غرض سے بالکل مصلحت کے موافق شریعت نے آپکے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا قطعی حرام کر دیا۔

چوتھے یہ کہ اگر آپ کی ازواج مطہرات آپکے بعد کسی دوسرے سے نکاح کرتیں تو بیشک اُن کے منصب عالی اور مرتبہ منیفہ کی بے قدری
ہوتی اور تمام اُمت کے دلوں میں اُن کی وہ قدر و منزلت نہ باقی رہتی جو اُنکو اب حاصل تھی کیونکہ اس عورت کی حالت جو کہ ایسے جلیل القدر
خدا کے رسول کے پاس رہ چکی ہو اور پھر وہ کسی دوسرے کے پاس ہو گو وہ کیسا ہی بزرگ کیوں نہ شمار کیا جاتا ہو بالکل اُس شئے کی مثل
ہے جسکو کسی نے بلندی سے پستی میں ڈالدیا ہو یا اُس شخص کی مثل جسکو کہ شاہی کے بعد گدائی نصیب ہوئی ہو اور پھر لوگوں کے
دلوں میں اُن کی طرف سے نفرت پیدا ہو جاتی اور اس وجہ سے کہ وہ بعد آپ کے ایسے شخص کے قبضہ میں ہوتیں کہ جنکے نہ تمام حالات
اور قبائح سے معلوم ہوتا اور معصوم ہونا ضروری نہیں اُنکی شرعی باتوں کی نسبت لوگ مشکوک ہو جاتے اور ممکن تھا کہ اُنکو یہ خیال ہو جاتا
کہ وہ اپنے جدید شوہر کی خواہش کے موافق سارے اقوال و افعال میں عملدرآمد کرتی ہیں اور اُسی کے خیالات کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا نام لیکر روایت کرتی ہیں اور یہ دیکھئے کہ اُن کی نسبت ایسا خیال کرنا صحیح ہو سکتا ہے حاشا و کلا وہ بالعصمت بیبیاں
ایسی باتوں سے بالکل بری ہیں بلکہ اُن کی شان میں ایسا گمان کرنا نہایت بے انصافی پر مبنی ہے اس تقریر کا صرف مقصود یہ ہے
کہ ایسی حالت میں لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے خیالات پیدا ہو جانا کوئی بعید نہیں تھا اُنکو یہ شک پیدا ہو سکتا تھا اور ممکن تھا

ہوتا تو امت کو اُن کے اُن علوم کے ثمرات کثیرہ سے جن پر کہ دین کے بڑے جلیل القدر احکام مبنی ہیں اور جنہیں کہ انھیں پاک ازواج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے بالکل محروم رہنا پڑتا اور وہ احکام ہی معلوم نہ ہوتے جو آپ کے اُن اقوال و افعال سے مستنبط کئے گئے ہیں جنکی روایت کرنیوالی یہی عصمت مآب عورتیں ہیں جو کہ آپ کے ساتھ کھانے پینے۔ سونے بیٹھنے۔ جلوت و خلوت سب میں شریک رہتی تھیں اور اس طرح پر اُنھیں علوم نبوت سے واقفیت پیدا کرنیکا بہت اچھا اور قوی ذریعہ حاصل تھا اسیوجہ سے اکثر احکام ہمکو انھیں کے وسیلے سے معلوم ہوتے ہیں پس اگر وہ کسی دوسرے کے پاس رہتیں تو انکی یہ عظمت کہاں باقی رہتی اور وہ وثوق جو کہ اُن کی خبروں پر اب حاصل ہے اُسکا کہاں پتہ لگتا جسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ بہت سے علوم ہمسے فوت ہو جاتے علاوہ بریں اس نکاح کے حرام کرنے میں خدا جانے اور کتنی حکمتیں اور اسرار پائے جاتے ہیں جو کہ غور کرنیکے بعد منصف کے نزدیک مخفی نہیں رہ سکتے۔
پس اگر آپ کے بعد نکاح کرنیکی انھیں اجازت نہ ہونے سے خاص اُن کا ضرر بھی ہو تو اس ضرر کا عام لوگوں کے نقصانات کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا مصلحت عام شخصی مصلحت پر ہمیشہ ترجیح دینے کے قابل ہے پس یہ حکم کسی نفسانی غرض یا پست خیالات پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس بحث اور تدقیق سے یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی ذات سے بالکل بری ہیں آپکی نسبت کسی قسم کا خیال کرنا ادنیٰ درجہ ہے کیونکہ یہ تو اسرار اور حکم پر نظر کر کے خدا کا مقرر کیا ہوا حکم ہے پس جبکہ ہم ذرا قدر شریعت محمدیہ اور اسکے انتظامات کی جانچ کرینگے اور اسکو ایسی خوش انتظامی اور نہایت ہی عجیب و غریب حکمتیں جنکا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے معلوم ہو چکیں تو آپ ہمیں یوں کہنے لگے کہ صاحب حق سے تو انکار نہیں کیا جاتا اُسکو تو ماننا ہی چاہئے پس بیشک جو کچھ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ خدا ہی کی شریعت ہے ورنہ بھلا دیکھئے تو سہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے پڑھے آدمی جاہلوں میں پیدا ہوئے جہاں پرورش پائی اپنے وطن سے سوائے تھوڑی دور کے کہیں گئے نہیں اور وہ بھی چند ماہ کیلئے کہ جو مدت تھوڑا سا علم حاصل کرنے کیلئے بھی کافی نہیں ہو سکتی اور نہ آپ کو تمام عمر میں اپنے شہر میں کسی واقف کار اور دانشمند کی صحبت میں رہنے کا کبھی اتفاق ہوا اور نہ یہ ثابت ہو کہ آپ نے کبھی ملکی قوانین یا شرائع میں سے قدرے قلیل بھی سیکھنے کا اہتمام کیا ہو پس آپکو کہاں سے ایسی عقل ملی کہ جس سے آپ نے ایسے عجیب و غریب انتظام و ترتیب کو مستنبط کر لیا کہ جو نہایت ہی عظیم الشان حکمتوں کو محیط ہو جس میں کہ تمام عمدہ خصائل پائے جاتے ہوں جس سے کہ انسانی دنیا کا پورا پورا انتظام ہوتا ہو اُن کے حالات کی اصلاح ہوتی ہو اُن کے نفوس پاکیزہ ہوتے ہوں اُن کے شہر آباد ہوتے ہوں انھیں شریروں سے پناہ ملتی ہو اسی طرح ایسی تمام اس قسم کی چیزیں موجود ہوں جنسے کبھی آدم کو نفع پہنچا ہو اور جملہ ضرر رساں اشیاء سے وہ محفوظ رہتے ہوں باوجود کہ اُس میں تمام عالم کی پرورش کرنیوالے کے بارہ میں صحیح عقیدے بھی پائے جاتے ہوں جنمیں کہ پست اور بے بنیاد خیالات کا کہیں پتہ نہ ہو اسی طرح پر اس میں خلقت کو رہنما اور برگزیدہ رسولوں کی نسبت بھی عمدہ عقیدوں کی تعلیم ہو۔
یہ سب باتیں تو ایسی ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم سے زیادہ دانشمند صاحب لوگوں سے زیادہ واقف کار بہت بڑے فلسفی سیاست اور انتظامات ملکی کے بڑے ماہر بھی ہوتے تب بھی عقل میں یہ بات کسی طرح نہیں آتی کہ آپ تن تنہا ان تمام چیزوں پر حاوی

ہو سکتے اور آپ کیلئے ان سب اشیاء کا جمع کر لینا ممکن ہوتا ہاں اُسوقت بیشک یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے ہوں اور خدا ہی نے ان تمام امور کی طرف آپکی رہنمائی کی ہو یہ سب کچھ آپ کو بتلا دیا ہو ان سبکے بھید سمجھا دئے ہوں اور پھر لوگوں کی تعلیم کا اُنھیں حکم دیا ہو کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے سے بڑے فلسفیوں کو بھی یہ بات نصیب نہیں ہوئی کہ تمام امور میں ماہر ہو گئے ہوں گو اُن کی کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی واقفیت کیوں نہ ہو اور جملہ فنون پر ہی نظر کیوں نہ رکھتے ہوں ست ہوا تو ایک دو فن میں اُن کو کمال حاصل ہو گیا۔ جالینوس ہی کو دیکھئے کہ ملکی انتظام میں کمال رکھتا تھا۔ ارسطو حکمت نظری اور الٰہیات کا ماہر تھا بقراط کا پایہ طب میں ہے۔ اقلیدس کو علم ہندسہ میں مہارت تامہ حاصل تھی اسیطرح کوئی کسی فن میں اور کوئی کسی فن میں کامل ہو گیا اب رہا یہ امر کہ حکماء اور عقلاء میں سے کسی کو تمام فنون میں بھی کمال حاصل ہوا ہو یا انسان کی جملہ مصلحتوں کی معرفت نصیب ہو گئی ہو یہ بات تو کبھی ہوئی نہیں اور نہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ ہاں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو دیکھا جائے تو وہ بیشک انسان کے نفع کی جتنی چیزیں ہیں سب پر حاوی ہے کوئی چیز بھی اُس نے نہیں چھوڑی چنانچہ ہم اس کا پہلے بیان کر چکے ہیں اور تمام امور کے بیان کرنے میں اُس نے ایسا پاکیزہ طرز اختیار کیا ہے کہ جس چیز کی زیادہ حاجت پڑتی تھی اور وہ بہت ضروری تھی اُسے تو خوب شرح و بسط سے ذکر کر دیا اور کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور جو چیزیں ایسی تھیں کہ امور معاش یا نفس کے مہذب کرنے میں اُنکی ضرورت نہ پڑتی تھی اُنکی طرف محض اشارہ کر دینا کافی سمجھا گویا کہ اسطرح پر یہ بات بتلا دی کہ اُن کے حاصل کرنیکا اگر تمہیں شوق ہو تو اُنکے جاننے والوں سے سیکھ لو پتہ بھی بتلا دیا ہے اس بنا پر فنون ہندسہ حساب اور صناعات وغیرہ کے بارہ میں اُسنے نہایت سہولت سے کام لیا ہے لوگوں کو اُنکے تحصیل کی چنداں تکلیف نہیں دی اُسکو محض اُنکی خوشی اور مصلحت اندیشی پر چھوڑ دیا ہے۔

یہ سب باتیں شریعت میں اُس شخص کو نظر آسکتی ہیں جو اُسپر مطلع ہونیکی غرض سے اُس کی بخوبی جانچ کرے اور اپنی عقل سے کام لے۔ ورنہ بھلا اس شخص کو کیا پتہ لگ سکتا ہے جو کہ بہ نظر تعصب اس کو دیکھے یا اس کے احکام وغیرہ پر سرسری نظر ڈال جائے اور محض بعض مباحث پر واقفیت حاصل کر کے یہ سمجھنے لگے کہ میری نظر شریعت کی تمام چیزوں پر خوب محیط ہو گئی ہے حضرت کو سو حصوں میں سے ایک حصہ کی بھی خبر نہ ہو اور جو کچھ جانتے بھی ہوں وہ بھی پورے طور سے نہ سمجھے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ اس بحث و تفتیش کے بعد اس فرقہ نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام لائی ہوئی چیزوں میں تصدیق کی اور آپکو خدا کا پیغمبر ماننے لگے اور آپکے نہایت ہی مطیع اور اعلیٰ درجہ کے خیر خواہ بنگئے میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر استدلال کرنیکا ایسا دروازہ کھول دیا کہ جو قیامت تک بھی بند نہ ہوگا جو شخص کہ آپ کے بعد چاہے کتنے ہی زمانہ گذرنے پر کیوں نہ آئے لیکن وہ انھیں لوگوں کی طرح آپ کے صدق پر استدلال کر سکتا ہے اور اُسکے نزدیک بھی حق واضح ہو سکتا ہے کیونکہ جو کوئی شریعت محمدیہ کے عمیق دریا میں غوطہ لگائیگا اور قیود تعصب سے چھوٹی ہوئی نظر سے دیکھیگا اور اپنی عقل سے آزادانہ طور پر بلا رو رعایت کام لیگا ممکن نہیں ہے کہ اُس کی حقانیت کا اُسے یقین نہ ہو جائے اور صاحب شریعت کے صدق پر ایمان نہ لے آئے۔

اور جو شخص کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے زمانہ دراز گذرنے پر خصوصاً تیرہ سو برس کی مدت کے بعد آوے اُسکے

نزدیک تو شریعت کی مختلف فضیلتوں کے دیکھنے کی وجہ سے جو کہ اسکی خدا کی طرف سے ہونے پر دلالت کرتی ہیں حق تو واضح ہو ہی جائیگا۔ علاوہ بریں اس استدلال کا دروازہ اور بھی وسیع نظر آئیگا کیونکہ وہ دیکھے گا کہ یہ شریعت باوجود اتنی مدت مدید گذر جانے کے بھی ہمیشہ محفوظ رہی اس کے قواعد ہمیشہ عام رہے کسی نادر سے نادر زمانہ کی کبھی ضرورت نہ پڑی یہاں تک کہ عقل یہ حکم کرتی کہ فلاں قاعدہ فلاں زمانہ کے موافق نہیں رہا بلکہ اس کے قواعد ہر زمانہ کے مناسب ہیں ان کے فوائد ہمیشہ حاصل ہوتے رہے چنانچہ وہ تمام احکام ابھی تک بھی مرض تہذیب سے سالم ہیں اسکو برابر رکھتے ہیں اور جسے ہماری بات کا یقین نہ آئے وہ امتحان کرکے دیکھ لے کیونکہ امتحان کرنا سب سے قوی دلیل ہے پس اگر اس شریعت کے احکام کسی انسان کے تجویز کردہ ہوتے تو انہیں ضرور خلل پڑتا اور ان کا انتظام فاسد ہو جاتا چنانچہ برابر دیکھا جاتا ہے کہ زمانہ کے بدلنے سے آدمیوں کے تجویز کردہ قوانین میں تغیر و تبدل کی ہمیشہ ضرورت پڑتی ہے اور پچھلے احکام میں خلل پڑ جاتا ہے۔

تنبیہ۔ آپ بعض نادانوں کی بیہودہ گوئیوں سے گھبرا نہ جائیں کیونکہ اس بارہ میں کم فہموں نے بڑی بڑی بیہودہ گوئیاں کی ہیں یہاں تک کہ بعض وہ لوگ بھی اسی زمرہ میں داخل ہیں جو اپنا تعلق اسلام سے ظاہر کرتے ہیں اور حقیقت امر یہ ہے کہ وہ اسلام سے کوسوں دور ہیں انکو اس کی ہوا بھی نہیں لگی ان کی اتنی نظر ہی نہیں ہے کہ انہیں کچھ دکھائی دے وہ اس شریعت کی قدر و منزلت کو کیا جانیں بالکل ناواقف ہیں صرف انہوں نے کہیں سے اسلام کا نام سن لیا ہے اسی بنا پر انکا بیہودہ نفس طرح طرح کی باتیں بیہودہ نکالتا ہے اور انکی فاسد عقل میں یہ خیال جم گیا ہے کہ موجودہ زمانہ کیلئے شریعت کے مقرر کردہ احکام و قوانین کافی نہیں اس زمانہ کیلئے نیا قانون بننا چاہئے اور یہ بعض غیر قوموں کے بعض بعض قوانین اختیار کرنے کا اپنے آپ کو محتاج خیال کرتے ہیں اور سچ پوچھئے تو وہ قواعد یا تو خود ایسے ہیں کہ جن سے پورے طور سے آدمی نفع نہیں حاصل کرسکتا اور انکے احکام بالکل کمزور پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ اگر انہیں آپ کوئی نفع دیکھیں گے تو انکے ساتھ ہی بہت سی خرابیاں بھی نظر آئیں گی یا وہ فی الحقیقت اسی شریعت کے کامل قواعد سے ماخوذ نکلیں گے بجز اس کے کہ ان لوگوں نے اسلامی لباس اتار کر دوسرا لباس پہنا رکھا ہے جس کی وجہ سے انکی اصلی صورت اچھی طرح سے نہیں پہچانی جاتی اسی وجہ سے کم فہم لوگ انکو ایک جدید شے خیال کرنے لگے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں قوموں نے انکو ایجاد کیا ہے اور طرح طرح کی حکمتوں کی انہیں رعایت ملحوظ رکھی ہے۔

کاش ایسے سمجھنے والے کو اگر شریعت محمدیہ کے سمجھنے کی استعداد ہوتی اور اس کے احکام کے واقف کار ہوتے تو اسکو بھی ایسی غلطی نہ ہوتی اسپر یہ بات روشن ہو جاتی کہ اس شریعت میں تو ایسے کامل اور اعلیٰ درجہ کے قواعد موجود ہیں جو کہ زمانہ موجودہ کیا معنی بلکہ ہر زمانہ کی ضرورتوں کیلئے پورے پورے کافی ہیں انکے قواعد کے سامنے ان اقوام کے قواعد کا ذکر کرنا ہی بیجا ہے جو کچھ کہ اس کامل شریعت کے کہ انکے قواعد کے مقابلہ میں ان کی طرف ذرا بھی التفات کیا جائے اور اگر یہ نہ ہوتا تو یہی امر فیصلہ کر دیتا کہ ان قوموں کے پاس جو کامل قواعد موجود دیکھے جاتے ہیں شریعت کے جملہ قواعد میں یہ بھی داخل ہیں یہ نہیں ہے کہ یہ شریعت ان سے خالی ہے غایة ما فی الباب یہ ہے کہ انہوں نے ان کی اصلی اسلامی صورت کو بدل ڈالا ہے اور ایک نیا جامہ پہنا کر ظاہر کیا ہے یا اگر انہوں نے

شریعت محمدیہ سے اُن قواعد کو اخذ نہیں کیا ہے اور اُنکی نقل اُن قواعد تک اسوجہ سے پہنچی ہے کہ وہ عقل کے نزدیک مستحسن ہیں تو شریعت میں بھی وہ موجود ہیں اور اسوقت وہ ضرور یہ حکم کرتا کہ شریعت محمدیہ کے قواعد بالکل کافی ہیں اُسے دوسری قوموں سے سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن ہاں اس بات کے دریافت کرنیکے لئے عقل رسا اور احکام شریعت سے پوری پوری واقفیت کی بڑی ضرورت ہے جب تک آدمی کو شریعت کے جملہ ابواب میں تبحر حاصل نہو اُسوقت تک اس امر کا پتہ لگنا ہے ذرا امر مشکل ۔ محض سرسری نظر سے احکام شریعت کو دیکھ لینے سے کچھ کام نہیں چلتا ۔

پس اگر کوئی یہ چاہے کہ شریعت کے قواعد کو تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کرے جس سے کہ عام لوگوں کو سمجھنا آسان ہو جائے اور ان کی اصلاح ہو تو اُسکو چاہئے کہ شریعت محمدیہ کے متبحر عالموں پر اس امر کو پیش کر کے اُن سے درخواست کرے کہ وہ کوشش کر کے اُن قواعد میں سے ایسی چیزیں یکجا کر دیں جن سے کہ اُس کی حاجت روائی ہو جائے اور مقصد بر آئے تاکہ وہ لوگ درخواست کو موافق ایسے امور جمع کر دیں جن سے کہ عام لوگ پورے طور سے مستفیض ہو سکیں چنانچہ سلطان اعظم نے (خدا اُنکی سلطنت کا ہمیشہ حامی اور مددگار رہے) جب علماء سے ایسی کتاب تالیف کرنیکی خواہش ظاہر کی جسمیں کہ اُن تمام معاملات کے منصفانہ احکام مجتمع ہوں جکہ لوگوں کو اکثر اوقات پیش آیا کرتے ہیں تاکہ حکام اور اہل مقدمہ اُنکو آسانی سے سمجھ سکیں تو اُنھوں نے ایسی ہی کتاب لکھدی جس سے کہ اسبارہ میں لوگوں کی پوری پوری مقصد برآری ہو سکے اور اُس کتاب کا نام "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" ہے ۔

اُن لوگوں کے حالات دیکھکر بھی آپ خلجان میں نہ پڑیں جو کہ کہنے کو تو اسلام کی پیروی کے مدعی ہیں لیکن اُنھیں نہ تو کچھ ادب کا لحاظ ہے مطلب یہ کہ نہ اُن کے طرز عمل میں کچھ انتظام پایا جاتا ہے اُنکے تمام کاروبار میں بدتدبیری اور بدنظمی پھیلی ہوئی ہے ایسوں کو دیکھکر جو شخص کہ حقیقت حال سے واقف نہیں اور جو یہ نہیں جانتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی شریعت کی کہانتک مخالفت کی ہے اُسے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمان کیسے یہ دعوے کرتے ہیں کہ اُن کی شریعت اپنے پیروی کرنے والوں کی اصلاح کرتی ہے اُنکو انتہا درجہ کی تہذیب سکھلاتی ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہیں لیکن پھر بھی طرح طرح کی برائیوں میں پھنسے ہوئے ہیں اُنکو انواع انواع کی بدبختی گھیرے ہوئے ہے اُنکے شریعت کی اپنے مطیعین کے احوال درست کرنیکی ذمہ داری کہاں گئی وہ ان لوگوں کی اصلاح کیوں نہیں کرتی ایسے شخص کا یہ جواب ہے کہ دیکھئے انصاف نہ چھوڑئے یہ کس نے دعوی کیا تھا کہ شریعت محمدیہ اُس شخص کی بھی اصلاح کی ذمہ دار ہے جو صرف نام کا مسلمان ہے اور اپنے آپکو وہ مسلمان کہتا ہے لیکن عمل کے اعتبار سے اُسکی پوری مخالفت کرتا ہے اُسکے احکام کی تعمیل نہیں کرتا اور نہ اُسکے بتائے ہوئے آداب و اخلاق اختیار کرتا ہے آپ یقینا سمجھ لیجئے کہ شریعت نے اسکی کبھی ذمہ داری نہیں کی وہ صرف اُنھیں لوگوں کی اصلاح کرتی ہے جو کہ اُس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اُس کی تعلیم کے موافق اخلاق اور آداب اختیار کرتے ہیں چنانچہ اس بات کی قرآن اور حدیثوں میں تصریح کر دی گئی ہے ۔

بلکہ شریعت نے تو یہانتک کہدیا ہے کہ جو شخص ان امور میں اس کے ساتھ مخالفت سے پیش آئیگا اُسپر طرح طرح کی مصیبتیں اور بلائیں نازل ہونگی یہانتک کہ اُسکو اُن مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا جنسے کہ مخالفین اسلام بالکل محفوظ رہینگے اس لئے

کہ ایسا شخص بجائے آخرت کے دنیا ہی میں اپنے گناہوں کا کچھ مزہ چکھ لے تاکہ اسی طرح پر کسی وقت مخالفت سے باز آجائے اور اُسے توبہ کرنا نصیب ہو۔ خدا کی یہ بھی عادت ہے کہ جس شخص کے ساتھ اُسے اُسکی بعض نیکیوں کو پسند کرکے لطف اور مہربانی سے پیش آنا منظور ہوتا ہے تو اُسکو دنیا میں گناہوں سے پاک کرنے کیلئے طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ دنیاوی مصیبتیں اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں اور وہ آخرت کی عذاب سے بچ جائے۔

آئیے ہم ایسے شخص کی حالت کو جو مسلمان ہو لیکن بباعث نافرمانیوں کے اسلامی برکتوں سے محروم رہتا ہو آپکیلئے ایک ایسی مثال بیان کریں جس سے کہ آپ اس مضمون کو بخوبی سمجھ جائیں۔ پس فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس ایک بہت بڑا کتب خانہ موجود ہے جس میں کہ علم و اخلاق و آداب کی بہت سی نفیس کتابیں رکھی ہوئی ہیں اُن کے مضامین تمام پسندیدہ کاموں کی ہدایت و ترغیب سے مملو ہیں لیکن وہ اُن میں سے کسی کتاب کو کبھی کھولکر نہیں دیکھتا اور نہ اُس سے مستفید ہوتا ہے تو کیا آپ کی عقل اس بات کا فیصلہ کرسکتی ہے کہ ایسا شخص محض کتابوں کی جلدوں کو مطلا و مذہب کرکے انہیں اپنے کتب خانہ میں نہایت آراستگی کے ساتھ رکھنے سے مہذب بنجائیگا یا وہ اس طرح پر فضیلت حاصل کریگا اور علمی سعادت سے بہرہ یاب شمار کیا جائیگا حق تو یہ ہے کہ سوائے اس شعر "نہ محقق بود نہ دانشمند چارپائے برو کتابے چند" کے مصداق بننے کے وہ اور کسی لائق ہو سکتا ہے اور اُسے سوائے جاہل کے اور کیا خطاب دیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ صاحب ہم تو اس شریعت کے پیروی کرنیوالوں میں ایسوں کو بھی پاتے ہیں کہ جنکا شمار اسلام کے علما میں ہوتا ہے پھر بھی اُن لوگوں کے اخلاق درست نہیں ہوتے اور نہ اُن کی عادتیں ہی اچھی ہوتی ہیں دنیا طلبی میں اُن کا نمبر تو جاہلوں سے بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے اور یہ سیم و مال کی طلب میں گرے پڑتے ہیں دل کھولکر لوگوں کو ستاتے ہیں انہیں کسی کے نقصان کی پروا نہیں ہوتی پھر کیا وجہ ہے کہ اس شریعت سے اُن شریروں کو کوئی تہذیب حاصل ہوئی انہیں اسکا کیا ثمرہ ملا بلکہ اگر اُن کا عالموں میں شمار نہ ہوتا تو یہی بہتر تھا بہتیری خرابیوں سے اُنکا ہاتھ رُکا رہتا۔ اس اعتراض کا جواب مجھے سنئے حقیقت امر یہ ہے کہ ایسے لوگوں نے شریعت کو جانا ہی نہیں ہے کہ وہ کیا ہے محض اُسکے پوست کو اُنہوں نے دیکھا یا مغز تک وہ پہنچے ہی نہیں انہیں اخلاق و آداب کا پورے طور سے اطلاع ہی نہیں اگر تحقیق کیجئے تو معلوم ہو جائیگا کہ ایسے لوگ وہی ہیں کہ جنہوں نے عربی لغت کے متعلق مختلف علوم میں سے ایک دو علم جیسے نحو صرف۔ بلاغت وغیرہ کو اچھی طرح سے حاصل کر لیا ہے جو کہ شریعت کے سمجھنے کا ذریعہ ہے نہ عین شریعت ہے اور کتب شریعت پر محض ایک سرسری نظر اس غرض سے ڈال لی ہے کہ انہیں اپنے مقاصد کے حاصل کرنے میں کامیابی ہو انہیں نیت کے درست رکھنے سے کیا کام بڑا مقصود اُن کا یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے معمولی احکام سے واقف ہو جائیں تاکہ حکام کو خوش رکھیں اور عام لوگوں سے جنہیں کہ بُرے بھلے کی تمیز نہیں ہوتی خوب مال حرام سے لیکر کھائیں۔ شریعت محمدیہ کے آداب اور نصائح صرف اس غرض سے اُنہوں نے یاد کر رکھے ہیں تاکہ لوگوں میں بیٹھکر خوب باتیں بنا سکیں اور اُنکو اپنے دام میں پھنسائیں اُنکا یہ ہرگز مقصود نہیں ہوتا کہ وہ اپنا علاج کریں اور اُن کے امراض نفسانی کو صحت حاصل ہو اسی لئے تو وہ شریعت کے رفیع الشان اخلاق نہیں اختیار کرتے اور نہ اُسکے آداب جمیلہ کو سیکھتے ہیں انہیں یہ بھی توفیق نہیں ہوتی کہ اُسکی نصیحتیں مان کر اپنے قابل نفرت احوال و افعال سے باز آئیں

[illegible]

[illegible]

اُن کا بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیوی مقاصد کو حاصل کر کے اپنی خواہش نفسانی کو پورا کریں اُن لوگوں کی مثال اُس طبیب کی سی ہے جو کہ امراض کو تشخیص کر سکتا ہے اُس کو اُن کی دوائیں اور علاج بھی معلوم ہے لیکن وہ اپنے سخت مرض کی طرف ذرا التفات نہیں کرتا اور اگر کبھی ملتفت بھی ہوتا ہے تو دوا استعمال نہیں کرتا اور نہ لگ کر علاج کرتا ہے بلکہ اس کا سارا خیال اسی میں لگا ہوا ہے کہ مریضوں سے خوب مال حاصل کرے اور گو اپنے مرض کی کچھ بھی پروا نہیں۔ تو پھر تمہیں خدا کی قسم بھلا بتاؤ تو سہی کہ جب اُس طبیب کی غفلت کا یہ حال ہو تو اُس کا مرض کیونکر صحت یاب ہو سکتا ہے۔ کیا محض علم طب سے واقف ہونا اُس کے مرض کو دفع کرنے کے لئے کافی ہو جائیگا اور اُسکو اسطرح شفا حاصل ہو جائیگی؟ ہرگز نہیں پس کیا یہ کہنا اُسوقت بجا ہو سکتا ہے کہ علم طب محض بیکار ہے اُس سے بیماریوں کو ذرا بھی نفع نہیں پہونچتا دیکھو نا یہ طبیب اگرچہ علم طب سے واقف تھا مگر اس نے معالجہ نہیں کیا تو اسکو مرض سے کچھ بھی شفا حاصل نہ ہوئی۔ میں تو کسی طرح خیال نہیں کر سکتا کہ اس بیہودہ بات کے کہنے کی کوئی جراءت کرے گا ہاں جسکے حواس ہی ٹھیک نہ ہوں وہ جو چاہے سو بک دے۔

اب اسکو سمجھ لیجئے کہ علماء اسلام میں سے جنکی یہ حالت ہو اور وہ شریعت کی مخالفت کے ساتھ لوگوں میں بدنام ہوں ایسوں کو شریعت علماء السوء یعنی بُرے علماء کے نام سے پکارتی ہے کوئی جاہل سے جاہل کیوں نہ ہو لیکن ان لوگوں کا ضرر مسلمانوں کے حق میں اُنسے بدرجہا بڑھا ہوا ہے یہ مسلمانوں کے پکے دشمن ہیں مسلمانوں میں سے خدا ایسوں کو غارت کرے دنیا سے ناپید ہو جائیں اور اُن کی عوض میں خدا ایسے علماء و فضلاء کو پیدا کرے جو کہ پرہیزگار ہوں لوگوں کو حق بات بتائیں راستی کی رہنمائی کریں پسندیدہ صفات سے موصوف ہوں خوش اخلاق ہوں۔ آداب شریعت کو نگاہ رکھتے ہوں سنت یعنی اپنے رسول کے طریق کے پورے پورے متبع ہوں خدا ایسے عالموں کی تعداد کو زیادہ کرے اور اُن کے عمدہ اعمال اور نیک کوششوں کا اُنھیں ثمرہ عنایت کرے تمام امت کی جانب سے اُنہیں بہتر جزا سے مالا مال کر دے ایسے ہی لوگ علماء آخرت کہلانے کے مستحق ہیں جنہیں کہ خدا نے اپنے خوف و خشیت کو مخصوص کر دیا ہے اپنی بابرکت کتاب میں اُن کی تعریف کی ہے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اُنکی توصیف و ثنا کا اظہار کرایا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنکے کہ جملہ اقوال و اعمال میں شریعت محمدیہ کے پیروی کے آثار پائے جاتے ہیں اُنھیں کی راست کرداری کا صدقہ ہے کہ مخالفین اسلام کیلئے اعتراض کا کوئی موقع نہیں رہا ہے انہیں کی استقامت کا طفیل ہے کہ کسی دشمن کو گفتگو کرنے کی مجال نہیں ہے چنانچہ یہ بات عقلاء پر مخفی نہیں ہے۔

پھر اُس شخص سے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جسے کہ ان علماء سوء کو دیکھکر دھوکا ہو گیا ہے اور وہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی وہ علماء شریعت ہیں جو خود صلاح کار نہیں اور جنسے کہ مسلمانوں کی اصلاح کی امید کیجاتی ہے خیر صاحب میں آپکو معذور سمجھ سکتا ہوں اگر آپکو ان شیطانوں کو دیکھکر دھوکا ہو گیا ہے جو کہ رسمی علوم اور احکام شرعیہ کے الفاظ یاد کر کے اپنے کو عالم ثابت کرتے ہیں اور اپنے ظاہر کو اس طرح سے آراستہ کرتے ہیں لیکن اگر آپ سمجھدار ہیں تو میں آپکو ایسا نہیں خیال کر سکتا کہ ان کے علاوہ ایک دوسرے فرقہ کو بھی دیکھکر آپ دھوکہ میں پڑ جائیں گے جو کہ بالکل کورے ہیں اُنہیں کچھ بھی واقفیت نہیں۔ راستی کا اُنہیں نام و نشان

نہیں محض جاہل اور نادان ہیں عالموں کا لباس پہن رکھا ہے دنیا کمانے کیلئے پرہیزگاروں کی سی صورت بنا رکھی ہے لوگوں کے پھنسانے کیلئے جبہ و دستار سے آراستہ ہو کر جال پھیلایا ہے فقط کھانے کمانے کیلئے اپنی شکل بدل لی ہے انہیں سے بعض لوگ علم کے منصوبوں پر بھی جرات کر بیٹھتے ہیں درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں مفتی و قاضی بننے میں بھی انھیں باک نہیں ہوتا اور عام لوگ ہیں کہ اپنی نادانی سے پھنس جاتے ہیں وہ کیا جانیں زمین و آسمان میں کیا فرق ہے خدا ہدایت کرے۔ ایسوں پر تو انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھنا چاہئے میرا کہنے سے مقصود یہ ہے کہ بحث و مناقضہ میں کہیں ان دھوکے بازوں کو نہ بیٹھئے گا ان کی مکاری کی بنیاد نہایت کمزور ہے ذرا سی بات میں تو انکی قلعی کھلتی ہے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ حیوانات سے بھی گئے گذرے ہیں۔

ف جاہل صوفیوں کی مذمت ۱۲

ف اب ایک مکار فرقہ اور رہگیا ہے جس سے کہ اسلام کو نہایت ضرر پہنچتا ہے عام لوگوں میں وہ اپنی چالاکیوں کو رواج دے دیکر اُن کے عقیدے بگاڑتے ہیں اور اُنھیں خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ لُٹے ان دھوکے بازوں کی من گھڑت باتوں کو جانکر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اُن پر حقائق اشیا منکشف ہو گئیں اور معرفت میں بڑے بڑے عالموں سے بھی وہ سبقت لیگئے اور سچ پوچھئے تو وہ اپنی اُسی گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں ان دغابازوں کی حقیقت مجھسے سُنئے کہ وہ یہ دعوے کرتے ہیں کہ انھیں شریعت محمدیہ کے ایسے ایسے بھید اور علوم کی معرفت حاصل ہو گئی ہے جو کہ بڑے بڑے عالموں کو بھی نہیں معلوم ہوتی اور خدانے فلاں فلاں ذریعوں سے اُن کو اپنا برگزیدہ بناکر تمام بھید ان کو بتلا دئے اور وہ اُن رموز اور بھیدوں کو ایسے کلمات سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ شرعی قواعد کے موافق سراسر کفر ہیں

ف پکے صوفیوں کے حالات ۱۲

ف لیکن بات یہ ہے کہ اُن کی باتیں علماء شریعت میں سے بعض عارفین کے اقوال کے بظاہر مشابہ معلوم ہوتی ہیں جنکے عقیدوں کے صحیح ہونیمیں ذرا بھی شک نہیں ہوتا اور دین کے بارے میں جنکی راست کرداری کی بہتیری شہادتیں موجود ہوتی ہیں اور در حقیقت خدا اُن کی پرہیزگاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں شریعت کے بہتیرے رموز اور بھیدوں پر انھیں مطلع بھی کر دیتا ہے جن سے کہ وہ لوگ بالکل بے بہرہ رہتے ہیں جو اُنکے ایسے نیک عمل نہیں کرتے اور جن میں کہ اُن کی ایسی راستی اور استقامت نہیں پائی جاتی اور در واقع میں وہ امور شریعت کے ذرا بھی مخالف نہیں ہوتے بلکہ وہ اسی شریعت کے مختلف رموز و اشارات سے ماخوذ ہوتے ہیں صرف بات کیا ہے کہ اُنکے بیان کرنے میں بعض مرتبہ یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ وہ شریعت کے مخالف ہیں اور یہ خرابی زبان میں اُن کے ظاہر کرنیکے لئے کافی الفاظ نہ موجود ہونیکی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے پس اُن کے ظاہری الفاظ سے شریعت کی مخالفت کا وہم ہونے لگتا ہے اگرچہ واقع میں ایسا ہوا نہیں کرتا پھر چونکہ ان عارفین کی پابندی شریعت اور راست کرداری میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوا کرتا اس لئے علماء اُن کے کلام کی تاویل کر دیا کرتے ہیں یعنی اُن کے اقوال کے ظاہری معنی چھوڑ کر صحیح معنی لیتے ہیں جو کہ شریعت کے موافق ہوں تاکہ لوگ اُن بزرگوں سے بدگمانی نکریں اور ان کے عقائد کی نسبت مشکوک ہونیسے محفوظ رہیں باقی رہے یہ دغاباز جو کہ شریعت کی راہ راست کو چھوڑ کر کجروی اختیار کرتے ہیں اور لذات فانی اور خواہشات نفسانی کے پورا کرنے میں سرگرم ہوتے ہیں یہ لوگ محض مدعی ہوا کرتے ہیں اُنھیں اُن عارفین کے منصب کا صرف دعوے کرنا آتا ہے اور کچھ واہی تباہی کلمات بک دیا کرتے ہیں جو کہ بظاہر اُنکے کلام کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن ان کی ایسی پرہیزگاری سے کوسوں دور رہتے ہیں اور نہ اُنکے علوم و معارف کا اُنکے

پاس نشان ملتا ہے ہوشیار رہو دیکھو خبردار کبھی ان دغا بازگمراہوں کی باتوں میں نہ آنا انکی طرف ذرا بھی التفات نکرنا یہ لوگ دین کو تباہ کردینے والے ہیں۔ اس زمانہ میں ان کی بڑی کثرت ہے خدا جانے انھوں نے کتنوں کے عقیدے خراب کرڈالے اور کتنی حرام چیزوں کو حلال کردیا پس ہر مسلمان کو جو کہ شریعت محمدیہ کی پیروی کا ارادہ کرتا ہے یہ چاہئے کہ وہی عقیدے رکھے جو قرآن اور صحیح حدیثوں کی صراحتاً معلوم ہوتے ہوں اور اس بارہ میں انھیں بڑے بڑے علماء کے کلام کا اعتبار کرے جنکا علم اور جنکی راست کرداری کیا عام اور کیا خاص تمام لوگوں کے نزدیک مسلم الثبوت ہو اور انکے سوا تمام خیالات اور اوہام کو الگ کرے خدا بطفیل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سب کی رہنمائی کرے آمین۔

اُن میں سے ایک فرقہ اور تھا جنکی نظر ان استدلالات مذکورہ تک تو پہنچی نہیں لیکن اُنھوں نے اس امر میں غور کرنا شروع کیا کہ دیکھیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کیا ہیں اور یہ تمام فرقے جو کہ پہلے آپ کے مخالف تھے کیونکر مطیع بنگئے اور وہ کونسی دلیلیں ہیں جنکی وجہ سے ان سب کو آپ کی اطاعت اور تصدیق کرنا پڑی پس کہنے لگے کہ یہ سارے فرقے جنہوں نے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کرلی بیشک نہایت عقلمند ہیں انکی عقل بھی بالکل صحیح و درست معلوم ہوتی ہے انہیں یہ بھی قابلیت موجود ہے کہ استدلال کرکے صحیح طور پر حقیقت امر کو دریافت کریں ہمنے ان لوگوں کو دیکھا کہ پہلے تو ان سبنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تصدیق کرنے سے بڑا انکار کیا بہت نفرت ظاہر کی بڑے زور و شور سے آپکی تکذیب کرنے پر آمادہ ہوگئے یہانتک کہ آپ کے دوست احباب آپ کے عزیز و قریب آپکے کنبہ والوں نے بھی آپ کی مخالفت کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی خاصکر ان لوگوں کو دیکھئے جو کہ پہلے رسولوں کے دین کو مانتے تھے اور اُن کے پاس اُنہیں رسولوں کی لائی ہوئی کتابیں بھی موجود تھیں وہ سبکے سب آپکو آپ کے دعوے سے باز رکھنے کی غرض سے زجر اور توبیخ اور ملامت سے پیش آئے بہت کچھ کوشش کی کہ کسی طرح سے آپ اپنی بات کو چھوڑدیں اُن سب کو بیوقوف نہ بنایا کریں اُن کے بتوں کے ساتھ طعن و تشنیع سے نہ پیش آیا کریں اور اُنکے باطل اعتقادات کی خرابی نہ بیان کریں اس مقصد کے حاصل کرنیمیں انھوں نے بہت کچھ لالچ بھی دی اور یہ بھی کہا کہ اگر تم اپنے دعوے کو ترک کردو تو تمہیں اپنے مال میں شریک کرلیں گا اپنی اچھی سے اچھی لڑکیوں سے تمہاری شادی کردینگے پھر اُنھیں لوگوں کا یہ حال ہوا کہ کہاں اتنی نفرت اور انقباض تھا اور کہاں وہی اپنی آبائی عادتوں اور عقیدوں کو ترک کرنے لگے خصوصاً وہ لوگ جو کہ پہلے رسولوں کے دینوں میں سے کسی دین کے معتقد تھے چنانچہ اُن کی یہ کیفیت ہوئی کہ پہلے تو اپنے آسمانی دین اور آسمانی کتابوں سے استدلال کرکے اسلام کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے تھے اور انتہا درجہ کی نفرت ظاہر کرنے لگے تھے پھر کچھ سمجھکر ان ساری باتوں سے باز آئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنیکی طرف پورے پورے متوجہ ہوگئے کیونکہ خود اُنھیں کی کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راستی کی متعدد شہادتیں انھیں ملیں اور جو علامتیں انہیں بطور پیشین گوئی کے مذکور تھیں سب کی سب آپ پر منطبق ہوگئیں پھر کیا تھا اُنھوں نے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبی یقین کیا کہ آپ کی شریعت تمام پہلی شریعتوں کیلئے ناسخ ہے تو اُن شریعتوں کے بہتیرے احکام کو جنکو وہ مانے ہوئے تھے چھوڑدیا اور آپکے بتلائے ہوئے احکام بجا لانے لگے سچ پوچھئے تو یہ بات تھی بڑی مشکل کہ اپنی ان عادتوں کو جنکے مدتوں سے وہ عادی

ہو رہے ہوں باوجود فتنہ چھوڑ دیں کبھی ہو ہی نہیں سکتا اور یوں تو وہ کبھی چھوڑ ہی نہیں سکتے! ہاں جب کوئی ایسا ہی قوی سبب
در پیش ہو جائے تو اُس وقت یہ امر ممکن ہے کیونکہ وہ اس بات کو یقیناً جانتے تھے کہ پچھلے رسولوں کے شریعت کے اتنے بہت سے احکام کو
اگر وہ خدا کے حکم اور مرضی کے خلاف چھوڑ بیٹھیں گے تو ضرور بہت سخت انتقام اور سزا کے مستحق ٹھیریں گے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان
لوگوں کا ایمان لے آنا اور آپ کی رسالت کی تصدیق کر لینا ہو نہ ہو ضرور دلیلوں کی بڑی دیکھ بھال پر مبنی ہے کیونکہ اگر وہ دلیلیں
یقینی اور قطعی نہ ہوتیں کہ جن سے اُنکے دلوں کو پورا پورا اطمینان حاصل ہو گیا اور اُن کی عقلوں نے انہیں تسلیم کر لیا اور حق بات
کرنے کیلئے کافی پایا تو وہ کبھی اُن دلیلوں کے مقتضا کے موافق کاربند نہ ہوتے اور اپنی عادات کو ہرگز ترک نہ کرتے اور اپنے پہلے
خیال کے مطابق وہ اپنے آپ کو خداوندی انتقام کا مستحق نہ بناتے اور اُن کی صحیح عقلیں اس باطل امر پر چشم پوشی کرنیکو ہرگز
روا نہ رکھتیں اور ان کو اس بات کی کبھی اجازت نہ دیتیں کہ وہ محض کسی ضعیف دلیل پر اعتماد کر لیں یا اپنی بد انجامی کا لحاظ نہ کرکے
خواہش نفسانی کی پیروی کرنے پر مائل ہو جائیں اور اپنے آپ کو اتنے بڑے خطرے میں ڈالیں اس موقع پر انہیں کوئی دوسرا سبب
مثل نفسانی جذبات وغیرہ کے بھی نہیں پایا جاتا کہ جسکی وجہ سے کبھی کبھی آدمی جوش میں بیجا امور کا ارتکاب کر لیا کرتا ہے
بلکہ اگر دیکھا جائے تو اُن کے دلوں میں اس کے خلاف نفسانی جوش، قومی پاس اور مذہبی تعصب موجود تھا کہ جو آپکی تصدیق
کے انکو تکذیب پر زیادہ تحریک دے سکتا تھا اور ان کیلئے اپنے قدیم مذہب پر ثابت قدم رکھنے کا بہت قوی ذریعہ ہو سکتا
تھا پس باوجود طرح طرح کی دلیلوں کے موجود ہونے کے جن سب کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اُن سب کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
تصدیق پر متفق ہو جانا بیشک ایک اور مستقل دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جس سے آپ کا دعوی بخوبی ثابت ہو سکتا ہے
کیونکہ یہ بات محال ہے عقل سلیم اسکو ہرگز نہیں تسلیم کر سکتی کہ سب عقلاء باوجودیکہ وہ اپنی عادات اور خیالات کے بہت طرفدار
تھے اتفاقی طور پر متفق ہو گئے اور نیز یہ کہ اتنی بہت سی دلیلوں کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راستی پر حاصل ہو جانا بھی محض
ایک اتفاقی امر تھا ایسی باتوں کے اتفاق ہونیکا وہی قائل ہو سکتا ہے جو کہ انصاف کو چھوڑ کر ہٹ دھرمی کرنے لگے۔ پس
اسبات پر اعتماد کر کے ان سب فرقوں کا اتفاق کر لینا اور اتنی بہت سی دلیلوں کا مجتمع ہو جانا ہرگز اتفاقیہ نہیں ہو سکتا ہے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تصدیق کر لی اور آپ کے جملہ احکام کو قبول کر کے ہم نے اقرار کر لیا کہ آپ بیشک خدا کے رسول
ہیں۔ ناظرین آپ کو اس فرقہ کا استدلال ہم منطقی طرز پر سمجھائیں اس فرقہ نے ایک قیاس استثنائی سے استدلال کیا ہے جس میں سے
کہ نقیض تالی کی اس نے استثنا کی ہے تاکہ نقیض مقدم نتیجہ نکلے۔ چنانچہ ہم اُنکی دلیل کو بالاختصار یوں بیان کر سکتے ہیں کہ

اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہ ہوتے تو یہ تمام منصف مزاج عقلمند جو بڑے متعصب تھے آپکی تصدیق پر اتفاق نہ کرتے اور نہ اتنی ایک دلیلیں آپکی
موافق جمع ہو جاتیں لیکن ان تمام لوگوں نے اتفاق کر لیا اور اتنی ایک دلیلیں جمع ہو گئیں تو آپ ضرور سچے ہوتے پس یہ ثابت ہوگیا
کہ اس فرقہ نے پہلے فرقوں کی تقلید کر کے ایمان اختیار نہ کر لیا بلکہ انہوں نے بھی دلیل سے اس امر کو ثابت کیا ہے جیسا کہ آپکو ابھی معلوم ہوا
اور ان میں سے ایک دہری مادہ کا قدیم ماننے والا اور طبعیات کا جاننے والا فرقہ بھی تھا جنکا خیال تھا کہ عالم کا مادہ قدیم ہے

عہ یعنی باطل ... ۱۲

اور وہ کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں بلکہ خود موجود ہے۔ عالم کیلئے کوئی خدا نہیں جس نے کہ عالم کو پیدا کر کے اس عمدہ انتظام پر اسکو مرتب کیا ہو۔ وہ باوجود اپنے رنگ برنگی ہونے اور اس عجیب و غریب حالت پر موجود ہونے کے جسمیں کہ عقل چکرا جاتی ہے محض عناصر کے ملنے اور قوانین قدرت کے مطابق جو انمیں موجود ہیں محض فعل و انفعال ہونے کی وجہ سے بن گیا ہے اور چونکہ وہ عالم کے پیدا کرنے والے کے وجود کو نہیں مانتے تو وہ لامحالہ رسول کی بھی تصدیق نہیں کر سکتے جن کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ انکو اللہ تعالیٰ اس عالم کے پیدا کرنے والے نے ہدایت کیلئے بھیجا ہے پس جب انھوں نے یہ سنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپکو خدا کا بھیجا ہوا کہتے ہیں اور یہ دیکھا کہ ان تمام فرقوں نے پہلے تو آپکی تکذیب کی اور پھر آپ کی تصدیق کرنے لگے اور وہ مختلف دلیلیں بھی انھیں معلوم ہوئیں جنسے کہ ان فرقوں نے آپکی تصدیق پر استدلال کیا تھا اور یہ مشاہدہ کیا کہ انسانی دنیا میں ان سب باتوں کی وجہ سے ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا کہ ان سارے فرقوں نے اپنی تمام رسوم اور عادتوں کو جن کے وہ مدتوں سے عادی ہو رہے تھے ترک کر دیا اور اپنے خیالات اور عقائد کو بھی بدل ڈالا اور ایک ایسے شخص کے مطیع بن گئے جس نے کہ تن تنہا ان ہزاروں کے خلاف دعوے کیا اور انکے مقابلہ کی جرأت کی اور حالت یہ تھی کہ نہ اسکا کوئی یار تھا نہ مددگار تو کہنے لگے کیا یہ کوئی معمولی واقعہ سمجھا جا سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ یہ ضرور اس قابل ہے کہ اسکی طرف توجہ کی جائے اس بارہ میں خوب غور و فکر سے کام لیا جائے انکے اسباب اور وجوہات سے بحث کی جائے کہ یہ عظیم انقلاب کیونکر واقع ہوا اور واقعی امر کو دریافت کیا جائے کہ آیا یہ سب کچھ حقیقی امور کی وجہ سے ظہور میں آیا ہے یا بعض اوہام اور خیالات انکے باعث ہوئے ہیں جس سے انکی عقلوں کو اسکی وجہ سے تحریک پیدا ہوئی اور انھوں نے فکروں کو اسطرف متوجہ کیا کیونکہ ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی بات کو سنتا ہے تو ضرور اسکے دل میں اسکی نسبت کچھ نہ کچھ خیال پیدا ہو جاتا ہے اور اسکے دریافت کرنیکی فکر پڑ جاتی ہے پس وہ بھی آپس میں یوں کہنے لگے کہ یہ واقعہ تو نہایت ہی ضروری معلوم ہوتا ہے اور ہم تو عالم کی ذرا ذرا سی چیزوں سے بحث کیا کرتے ہیں انکے اسباب کی تفتیش کرتے ہیں انکی وجہ حقیقت اور غایت کو دریافت کرتے ہیں ہم تو اس بات کو مانے ہوئے بیٹھے ہیں کہ انسانی دنیا میں ہر حادثہ اور ہر انقلاب کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے جیسے کہ مادہ کے متعلق حوادثات میں ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ مادہ کا کوئی اثر نہیں پایا جا سکتا کہ جسکا کوئی موثر نہ ہو بلکہ انکے ہر ہر تغیرات کیلئے کوئی نہ کوئی ضرور مقتضی موجود ہوگا تو کیا اس بات کے ماننے کے بعد بھی اتنے بڑے عظیم واقعہ سے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں کامیاب ہو گئے اور تمام لوگ آپکے مطیع بن گئے۔ ہم چشم پوشی کر سکتے ہیں یہ تو انسانی دنیا میں اتنا بڑا انقلاب ہے کہ تاریخ میں اس کی نظیر مشکل سے ملیگی تو پھر کیا ہمیں یہ مناسب ہے کہ بلا تحقیق کے یوں ہی محض اٹکل اور تخمین سے یہ کہدیں کہ بس محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداری اور حکومت حاصل کرنیکے لئے یہ دعویٰ کیا ہے اور ان سب لوگوں کو وہم ہو گیا ہے کہ انھوں نے آپ کا اتباع کر لیا۔

کیا اس موقع پر ہمارا فرض منصبی نہیں ہے کہ ہم تاریخی طاقت سے کام لیں اور اتنے بڑے انقلاب اور تغیر کے اسباب دریافت کریں اور اسکی کوئی وجہ ڈھونڈھ نکالیں کہ اس بے یار و مددگار اور مفلس بے پڑھے لکھے شخص کے اتنے لوگ کیوں مطیع ہو گئے اچھا اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ آپ کا دعویٰ فقط حکومت حاصل کرنیکی غرض سے تھا تو ہم اس کا کیا سبب بتا سکتے ہیں کہ ان تمام متعصب و

آپ کی کیوں اطاعت کرلی اور وہ باوجودیکہ اپنی رسموں کے بڑے پابند اور اپنے خیالات کے بڑے طرفدار تھے آپ کے کیسے مطیع بنگئے اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس طاعت قبول کرنے کا سبب ان سب کا تعصب تھا تو یہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ سب تو اپنی ہی عادتوں اور اپنے ہی خیالات کے ساتھ تعصب کرتے تھے اسکا تو مقتضا یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کرنا کیا معنی اُلٹے آپکی اور زیادہ مخالفت کرتے اور اگر ہم اس کا یہ سبب ٹھیرائیں کہ ان کو قومی پاس تھا اور یہ لالچ کرتے تھے کہ اگر انھیں حکومت حاصل ہوجائیگی تو ہم بھی اس سے بہرہ یاب ہونگے تو یہ بھی صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم آپ کی قوم اور آپ کے قرابت مندوں کو تو دیکھتے ہیں کہ آپ کے سب زیادہ مخالف تھے اور جو کوئی انھیں سے آپ کا مطیع بھی ہوا تو اسوقت کہ جب آپ کو اپنے ارادوں میں پورے طور سے کامیابی حاصل ہوچکی اور آپ کے ساتھیوں اور مددگاروں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور ایسے بہت ہی قلیل لوگ نکلیں گے کہ جو آپ کے عزیزوں میں سے پہلے پہل ایمان لے آئے ہوں پس جب یہ حالت ہو تو انکا قومی تعصب کسی طرح اس کا سبب نہیں ٹھیر سکتا علاوہ بریں اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اول امر میں آپ کے قرابت والے آپکی حمایت کرتے تھے تو بھلا اسکو اور تمام کثیر فرقوں کی اطاعت اختیار کرلینے میں کیا اثر ہوسکتا ہے کیونکہ آپ کے عزیزوں کی قوت اتنے بہت سے لوگوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ نہ تھی بلکہ ان سے بہت ہی کم تھی اور شان لوگوں کی مثل آپ کے قرابت مندوں کی بات کا لوگوں پر چلنا ہی آسان تھا پس اگر آپ اپنے قرابت مندوں کی طرفداری پر بھروسہ کرکے اتنے لوگوں سے مقابلہ کرتے تو ضرور آپ نے ان سب کے سر ہلاکت میں ڈالدیا ہوتا اور ان طرفداروں کی قوت کے ساتھ انکا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا یہ بات اسوقت معلوم ہوسکتی ہے کہ جب دونوں جانبوں کی صحیح تعداد دریافت کیجائے اور اگر ہم اسکا یہ سبب قرار دیں کہ ان تمام فرقوں نے یہ لالچ کرکے آپ کی اطاعت قبول کرلی کہ جب آپ اپنے دعوے میں کامیاب ہوجائیں گے اور آپ کو جو غلبہ حاصل ہونیوالا تھا حاصل ہوجائیگا تو ان سب کو بھی اس کے ثمرات حاصل کرنیکا موقع ملیگا تو یہ بھی صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ ان تمام فرقوں کو یہ کہاں سے معلوم ہوگیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اپنے دعوے میں کامیاب ہونگے اور انکو ایسا غلبہ کامل ہو ہی جائیگا اور حالت یہ تھی کہ جب آپ ابتدا ابتدا میں دعوے کرنے کھڑے ہوئے تھے تو بالکل تن تنہا تھے نہ کوئی آپ کا ساتھ دینے والا تھا اور نہ کوئی مدد کرنیوالا اور نہ کوئی بظاہر ایسا ذریعہ آپ کو حاصل تھا کہ جسکی وجہ سے آپ کی کامیابی کی امید ہوسکتی آپ نے یہ دعوی کیا تھا کہ لوگوں کیلئے ایک مذاق ہاتھ لگا تھا یوں کہا کرتے تھے کہ اس خبطی کو دیکھتے ہو کہ اتنا بڑا تو دعوے اور پھر نہ کوئی کامیابی کا ذریعہ نہ سبب جب یہ کیفیت ہو تو کونسی ایسی قوم ہوسکتی ہے کہ جو کسی شخص کو اسکے دعوے میں جھوٹا بھی سمجھتی ہو اور وہ بھی بالکل تن تنہا ہو کامیابی کے ذرائع میں سے اسکو کوئی ذریعہ بھی حاصل نہ ہو اور پھر وہ لوگ اپنے ان عادات و اعتقادات کو جنکے کہ وہ اپنی دین و دنیا کی بہتری کی امید کرتے ہوں ترک کردیں اور محض یہ لالچ کرکے اس شخص کا اتباع کرنے لگیں کہ جب اسکو اپنے ارادوں میں کامیابی حاصل ہوجائیگی تو انھیں بھی فلاں ثمرات سے فیضیاب ہونے کا موقع ملے گا چاہے وہ ان ثمرات سے محروم ہی کیوں نہ رہیں اور تو کوئی نہیں ہاں البتہ مجنون ایسا کرسکتے ہیں اور اس بات کو یقیناً عقل ہرگز نہیں تسلیم کرسکتی کہ یہ سب فرقے مجنون تھے اور اگر ہم یہ کہیں کہ آپکی فصاحت اور زبان دانی اسکا سبب ہے کہ آپ نے اپنی قادر بیانی سے ان سب کو اپنا

فریفتہ کر لیا ہے اور اپنی راستی کے دلائل کاذبہ کو رنگ آمیزیاں کرکے سچ کر دکھایا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سارے فرقے محض آپ ہی کی بیان کی ہوئی دلیلوں سے آپ کے مطیع نہیں ہوئے جیسا کہ اُن لوگوں کی ساری دلیلوں کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے بلکہ اُنھوں نے بہت سی ایسی دلیلوں سے بھی استدلال کیا ہے کہ جسمیں آپ کو کوئی دخل نہیں اور نہ اُن کا قائم کرنا آپکی قدرت و اختیار میں تھا بھلا بتلائیے تو سہی کہ کیا یہ آپ کے اختیار میں تھا کہ آپ اپنے میں اُن ساری علامتوں کو جمع کر لیتے جو کہ اُنھیں میں سے بعض بعض فرقوں کی کتابوں میں موجود تھیں جنھیں کہ وہ پہلے رسولوں کی کتابیں بتلاتے تھے اور وہ انھیں یہ خبر دیگئے تھے کہ ہمارے بعد عنقریب ایک رسول آئیگا کہ جسمیں یہ ساری علامتیں پائی جائیں گی چنانچہ آپ میں وہ ساری علامتیں اُنھوں نے بچشم خود دیکھ لیں۔ کیا آپکی طاقت میں تھا کہ اپنے قرآن میں تمام اعلیٰ درجے کے صفات جمع کر لیتے جنکے کہ بڑے بڑے فصیح اور ماہر فلسفی بھی عاجز ہیں اور حالت یہ کہ آپ بالکل بے پڑھے لکھے شخص۔ آپنے جاہلوں میں پرورش پائی اور پھر جمع کرکے اپنی راستی کی دلیل میں پیش کرتے کیا یہ آپ کی قدرت میں تھا کہ ان جملہ قوانین کو جسے کہ آپ شریعت کہتے ہیں اس عجیب غریب ترتیب کے ساتھ جسکو دیکھکر عقلیں دنگ ہو جاتی ہیں مرتب کر لیتے تاکہ اپنی راستی کی دلیل میں پیش کر سکیں اور پھر نہ آپ لکھے نہ پڑھے متفرق قوموں کے حالات سے بیخبر اور مختلف ممالک و بلاد کے قوانین سے محض ناواقف کیا یہ آپ کے قبضہ کی بات تھی کہ قرآن کی چھوٹی سی چھوٹی سورت کے مقابلہ سے بھی ان تمام فرقوں کے بڑے بڑے فصیح و بلیغ لوگوں کی زبان کو گونگا بنا دیں یہانتک کہ بعض تو اپنے عجز کا اقرار کر لیں اور بعض ناچار ہو کر لڑنے پر مستعد ہو جائیں اور اپنی جانوں کو جنگ و جدل کی مصیبتوں میں پھنسائیں اور یک سورت کے بھی مقابلہ کی جرات نہ کریں حالانکہ اگر وہ مقابلہ پر قادر ہوتے تو اس سے بڑھکر انکے لیے اور کوئی آسان تدبیر ہی نہ تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیشک وہ مقابلہ کرنے سے عاجز تھے اور اگر کوئی یوں کہے کہ ان سب لوگوں پر چونکہ وہم طاری ہو گیا تھا اسیوجہ سے یہ مقابلہ سے عاجز رہے اسلیے کہ جب آپنے اُنسے یہ کہا کہ تم لوگ میرے قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے مثل لانیسے بھی عاجز ہو تو اُنپر وہم غالب ہو گیا اور اُنھوں نے اپنے کو عاجز خیال کر لیا اور پھر اُنسے کچھ نہ ہو سکا اور وہم ایک ایسی چیز ہے کہ جسکی تاثیر سے کوئی انسانی عقل انکار ہی نہیں کر سکتی تو ہم کہینگے کہ اس بات کو بھی عقل سلیم کسی طرح نہیں مان سکتی اور اس شخص کا یہ قول ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا کیونکہ جو اثر ہم وہم کا دیکھتے ہیں وہ صرف اسی قدر ہے کہ اُسکا تسلط نہایت ہی تنگ اگر ہوگا بھی تو ایک یا دو فرقوں پر اور وہ بھی ایک آدھ مقام پر اور اگر رہا بھی تو ایک یا دو دن اور اگر بہت رہا تو ایک یا دو مہینے بس۔ لیکن وہم کا یہ تسلط کہ تمام لوگوں پر ہو جائے ہر مقام میں اُسکا دخل ہو بیس تیس برسوں سے بھی کچھ زیادہ زمانہ گذرنے پر بھی باقی رہے بلکہ صدیاں گذرنے پر بھی زائل نہ ہو جو لوگ کہ اُس وہم کے سبب کے وارد ہونیکے وقت بہت دور ہوں اُنپر بھی قبضہ کرے اور وہ بھی محض اس وجہ سے کہ اُنکو اور لوگوں کی خبر پہنچگئی جن پر کہ وہم چھا گیا تھا اور یہ سنتے ہی اُنپر بھی وہم کا قبضہ ہو جائے کبھی ایسا دیکھا نہیں گیا اور نہ آج تک سننے میں آیا کہ وہم کا ایسا عام اور باقی رہنے والا تسلط بھی ہوتا ہے کہ ہر مقام میں بھی ہو برسوں گذرنے پر بھی باقی رہے۔ عقل سلیم وہم کی اس خاصیت کو بغیر کسی خارجی سبب کے پائے جانیکے کہ جس سے اسکی تقویت ہوئی ہو ہرگز نہیں تسلیم کر سکتی۔ علاوہ بریں کیسی ہی وہمی باتیں کیوں نہ ہوں لیکن غور و فکر

گزنیے استداد زمانہ کے بعد ان سے ضرور خلاصی ہو ہی جاتی ہے اور واقعی بات کا پتہ لگ ہی جاتا ہے کیونکہ ممکن نہیں ہے کہ کسی چیز میں غور و فکر سے کام لیا جائے اور پھر بھی حقیقت حال معلوم نہ ہو اور ظاہر بات ہے کہ یہ سب فرقے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی کی وجہ سے حقیقت امر دریافت کرنیکے بڑے ہی حریص تھے تاکہ آپکی تکذیب ثابت کر سکیں اور باوجود اس کے بھی اُن کی کسی ایسی چیز تک رسائی نہیں ہوئی اور قرآن کے مقابلہ سے اُنکا عاجز رہنا ایک امر مستمر رہا کہ جس میں وہم کی ذرا بھی تاثیر ثابت نہیں ہو سکتی پس اب بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اُن کو وہم نہ تھا بلکہ وہ فی الواقع عاجز ہی تھے اور اگر وہم کے عام تسلط اور مستمر رہنے کے امکان پر یوں اعتراض کیا جائے کہ دیکھئے قدیم ہیئت داں علماء کو عام طور پر سیکڑوں برس تک اس امر کا وہم رہا کہ آسمان گھومتا ہے اور زمین ساکن ہے تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ اس وہم کا عام اور مستمر ہونا ایک بہت بڑے قوی سبب کی وجہ سے تھا اور وہ یہ ہے کہ نظر اور مشاہدہ سے تو آسمان کا دورہ کرنا معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین کا ساکن ہونا۔ علاوہ بریں اُنکے پاس وہ آلات بھی موجود نہ تھے کہ جس سے حقیقت حال کے دریافت کرنیمیں مثلاً زمین کو (جیسا کہ اُنکا خیال ہے) بہت مدد ملی اور جس امر میں کہ بحث در پیش ہے اُسمیں کوئی ایسا سبب موجود نہیں کہ جسکی وجہ سے اتنا عام اور مستمر وہم ہو سکے کیونکہ اسکا سبب (جیسا کہ معترض کا گمان ہے) سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے کہ جو تمام لوگوں کو مخاطب کر کے آپنے فرمایا تھا کہ تم سب قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو اور کوئی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اس سبب میں اسقدر قوت ہرگز نہیں ہو سکتی کہ جسکی وجہ سے اتنا عام اور مستمر وہم پیدا ہو جائے چنانچہ یہ بات منصف کے نزدیک بالکل واضح ہے پس امر متنازع فیہ اور قدیم ہیئت کے جاننے والوں کے وہم میں اچھی طرح سے فرق ظاہر ہو گیا۔

(میں کہتا ہوں کہ جب عقل کے نزدیک بغیر کسی قوی سبب کے بیس برس سے کچھ زائد بھی وہم کا عام اور مستمر ہونا مسلم نہیں ہے تو ایسے وہم کا بلا کسی قوی سبب کے تیرہ سو برس کی مدت تک عام اور مستمر رہنا تو عقل سے اور بھی کوسوں دور ہوگا اور جبتک نہیں تو سنئے کہ اتنی بڑی مدت گذر چکی اور بڑے بڑے فصیح و بلیغ شاعر۔ انشاپرداز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن رہے بہتیروں نے آپ کی شریعت کی روشنی کو ٹھنڈا کرنا چاہا اور اُنکے لئے کوئی ایسا مانع بھی نہ تھا پھر بھی ہمیشہ قرآن شریف کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کا بھی مقابلہ نہ کر سکے اتنی قلیل مقدار بھی قرآن کے مثل لانے سے سراپا عاجز ہی رہے اور ہمیشہ رہیں گے اور ہم تو کھلے خزانے بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ قیامت تک بھی قرآن کی مثل کوئی نہ لا سکے گا)

پھر جسطرح یہ فرقے ایسے سبب کی تفتیش کرتا رہا کہ جسکی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں لوگ غلطی میں پڑ گئے ہوں لیکن انھیں ایسا کوئی سبب نہیں معلوم ہوا بلکہ بالآخر غایت درجہ کے استقراء اور تلاش کے بعد اُن کے نزدیک یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس موقع میں غلطی کا کوئی سبب نہیں ہو سکتا پھر کہنے لگے کہ کیا ہم نے تمام چیزوں کی جنہیں کہ عقل تجویز کر سکتی ہے اور جو کہ ذہن میں آسکتی ہیں حقیقت کا احاطہ کر لیا اور اشیاء کا ہمیں پورے طور سے پتہ لگ گیا ہرگز نہیں۔

انسانی شرافت کی قسم ہم سچ کہتے ہیں کہ ہمارا علم تمام حقائق کو جو کہ خیال میں آسکتی ہیں ہرگز محیط نہیں ہے بلکہ بڑی چیز یعنی جس

مادی دنیا کے جیسے کہ ہم رات و دن دیکھا کرتے ہیں قوانین قدرت برابر چھپے مخفی رہے چنانچہ دن بدن کچھ نہ کچھ نئے قوانین قدرت ہمکو دریافت ہوتے جاتے ہیں۔ وہ امر جسے کہ ہم بہت اطمینان سے کہہ سکتے ہیں یہ ہے کہ جتنی اشیا سے ہمکو واقفیت حاصل ہوچکی ہے اگر اُن کی نسبت اُن اشیا کے ساتھ دیکھی جائے کہ جو ابتک ہمکو دریافت نہیں ہوئیں تو بیشک وہی نسبت نکلے گی جو سمندر کو ایک قطرہ کے ساتھ ہوتی ہے پس جب یہ حالت ہو حقائق کی واقفیت میں ہمارا اور جب اتنا گھٹا ہوا ہو اور تمام اشیا پہ مادی اور محیط ہونا ہماری لوازم ذات سے قرار پا تو جبار یا ہمکو تمام حقائق کا پورا پورا علم بھی نہ ہو تو پھر ہم اس بات کا کیونکر اطمینان کرسکتے ہیں کہ اس مادی دنیا کے سوا کوئی دوسرا عالم نہیں ہے کہ جسکی اطلاع ہمکو نہیں ہوئی اور ہم اسکو دریافت نہیں کرسکے خواہ اسوجہ سے کہ ہماری نظریں مادی دنیا سے بحث کرنے میں ہمہ تن مصروف تھیں اُس سے ہمیں بحث کرنیکا موقع ہی نہ ملا اور یہ نکل جانے خیالات اسی کے مادی ہو رہے تھے تو اس سے یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہم دوسرے عالم سے بالکل غافل ہوگئے اور یہ سمجھنے لگے کہ شاید اس مادی دنیا کے سوا کوئی دوسرا عالم ہی نہیں ہے اور خواہ اسوجہ سے کہ ہمیں کوئی ایسی دلیل ہی نہ ملی کہ جس سے دوسرے عالم کا پتہ لگتا۔ یا اسوجہ سے کہ ہمیں ایسے ذرائع حاصل نہیں تھے کہ جن کے وسیلہ سے اس مادی دنیا کے علاوہ کوئی دوسرے عالم کو دریافت کرینکے ہم قابل ہوجاتے بھلا بتلائیے تو سہی کہ برقی قوت کے دریافت ہونے سے پہلے اس کا کون خیال کرتا تھا۔ اور اُسکے خواص و آثار کس کی سمجھ میں آسکتے تھے اور ان کو کون مان سکتا تھا یہاں تک کہ اتفاقیہ وہ قوت دریافت ہوگئی اور متعدد تجربوں سے اس کے فوائد کی تحقیق ہوتی گئی حالانکہ یہ عالم طبیعیات ہی سے ہے اور باوجود اسکے ہم اسکو آنکھ سے آج تک دیکھ بھی نہ سکے غایت سے غایت یہ ہوا کہ ہم نے اس کے آثار دیکھکر اس کے موجود ہونے پر استدلال کرلیا۔

علاوہ بریں ہم لوگوں میں یہ بات جو مشہور ہے کہ ہم کسی چیز کو جب تک کہ اپنے حواس خمسہ میں سے کسی سے ادراک نہ کرلیں نہیں مانتے اسپر بھی قائم نہ رہ سکے اور اس کا ہر موقع پر التزام کرنا ہمارے امکان سے خارج ہوگیا بلکہ ضرورت کے وقت ہمکو اپنے اس قاعدہ کو بدرجہ مجبوری چھوڑنا پڑا مطلب یہ ہی دیکھئے کہ مادۂ ایثر (یعنی ایتھر) کو ہم مانتے ہیں اور اُسے ثابت کرتے ہیں حالانکہ یقیناً ہم نے اسکو اپنے حواس میں سے کسی سے ادراک نہیں کیا ہمکو صرف اس کے ثابت کرنیکی یہ ضرورت پڑی ہے تاکہ ہم روشنی کی حقیقت سمجھ سکیں چنانچہ ہم اس کے ثابت کرنے کے بعد اس بات کے قائل ہوگئے کہ روشنی اس مادہ ایثر (یعنی ایتھر) کی حرکت کا نام ہے کہ جو تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ ایثر (ایتھر) اُن کے نزدیک ایک گیس ہے کہ جو غیر متناہی خلا میں بھرا ہوا ہے اور جب تک کہ بعض روشن اجسام جیسے کہ ستارے اسمیں اثر نہ کریں تو وہ خود ساکن رہتا ہے اور اُنکے اثر کرنیکی وجہ سے اسمیں حرکت پیدا ہوتی اور موجیں مارنے لگتا ہے جیسے کہ ہوا جسم کے اثر کرنے سے آواز کیلئے حرکت کرنے لگتی ہے اور پھر اس کی حرکت آنکھ تک پہونچ جاتی ہے جس کی وجہ سے اسمیں اثر ہوتا ہے اور اُسے مرئیات کا شعور ہوجاتا ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ حرارت یا قوت کہربائی اور وہ حرارت قوت برقی اور قوت مقناطیسی ہیں، صرف اسی ایثر (ایتھر) کی حرکتیں ہیں اور وہی اسکی اصل ہے کہ چاروں غیر قابل وزن مادوں کو ایک مادہ میں جمع کرتی ہے اور وہ چاروں مادے روشنی حرارت قوت کہربائی یا برقی اور قوت مقناطیسی ہیں اور

جب ہمارا یہ شعور قاعدہ قابل اعتبار نہیں۔ یا تو اِن اشیاء کے وجود کو کونسی شے مانع ہوسکتی ہے کہ جن کو محض ہمارے حواس ادراک نہیں کرسکتے اور یہ بات اُن موجودات سے جو کہ خوردبین (مائکراسکوپ) سے نظر آتے ہیں ثابت بھی ہوچکی ہے کیونکہ اُن کا ادراک جب تک کہ آلات بطریق استعمال کئے جائیں ہو ہی نہیں سکتا تو پھر ایسی اشیاء کے موجود ہونے کو کونسا امر مانع ہوسکتا ہے کہ جن کے ادراک کیلئے ہمارے موجودہ حواس گو وہ کسی قوت مدرکہ کیوں نہیں کافی نہوں بلکہ اُن کے ادراک کیلئے کسی دوسرے حاسہ کی ضرورت ہو جو کہ ہم میں نہیں پایا جاتا چنانچہ یہی ایتھر (اثیر) ہی ایسا ہے۔ اور جب ہمارے حواس مادی دنیا کے اعتبار سے اسقدر عاجز ٹھہرے تو پھر مادی عالم کے علاوہ دوسرے عالم کی اشیاء کے ادراک سے اگر عاجز ہوں تو کچھ بھی مستبعد نہیں پس اگر انصاف سے پوچھو تو یہی ہے کہ ہم معرفت اور شناخت کے راستہ میں بہت ہی قاصر ہیں اور اُن تمام اشیاء کے حقائق دریافت کرنے کے ذرائع جنھیں کہ عقل تجویز کرسکتی ہے ہم میں بیشک ناتمام ہیں پس عقل اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ بہتیری ایسی حقیقتیں واقع میں موجود ہوسکتی ہیں کہ جن سے ہم محض ناواقف رہیں یا اُن کی ہمکو خبر ہی نہ ہو اور اُن اشیاء کے ادراک کے ذریعے یا تو ہم میں موجود ہی نہوں یا اُن کی تمام شرطیں نہ پائی جاتی ہوں اور جب ہم بے انصافی کا ساتھ چھوڑ کر انصاف کے مددگار بنیں گے تو فوراً ہم یہی سمجھیں گے کہ عالم طبیعیات کے سوا کسی دوسرے عالم کو نہ ماننا محض ایک تحکمی بات ہے اور بلا دلیل حکم لگانا ہے کیونکہ غایت سے غایت یہ ہوگا کہ جہاں تک ہم نے بحث کی ہے ہمیں اس عالم کے سوا کسی دوسرے عالم کی کوئی دلیل نہیں ملی اور نہ اس امر کی دلیل ملی ہے کہ اس عالم کا کسی دوسرے عالم سے ارتباط معلوم ہوتا۔ رہی یہ بات کہ اس عالم مادی کے سوا کسی دوسرے عالم کے موجود نہ ہونے کی ہمیں کوئی دلیل ملی ہو یا اس امر کی کہ یہ عالم کسی دوسرے عالم کے ساتھ مرتبط نہیں ہے قسم انسانی شرافت کی کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور یہ عام ہر سمجھدار کے نزدیک مسلّم ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی چیز کا پتہ نہ لگے تو اس سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ نفس الامر میں بھی وہ شے موجود نہیں۔ اسی طرح سے اگر کسی شے کے وجود کی دلیل ہمیں معلوم نہ ہو تو اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں وہ شے بھی موجود نہیں۔ پس ایسا ہی یہاں بھی سمجھئے کہ اگر مادی عالم کے سوا کسی دوسرے عالم کا ہمکو پتہ نہ لگے اور اُسکے موجود ہونے کی دلیل ہمکو معلوم نہ ہو تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ نفس الامر میں بھی کوئی دوسرا عالم موجود نہیں یہ ممکن ہے کہ ہمارے دریافت نہ ہوا ہو چنانچہ یہی دیکھئے کہ ہمیں لوگوں میں سے قدیم طبیعیات کے جاننے والوں پر ہزاروں برس کا زمانہ گذر گیا اور وہ رعد اور برق کی وجہ دریافت کرنے کے درپے رہے لیکن انھیں اس کی کوئی صحیح دلیل معلوم نہ ہوسکی اور اسکی حقیقت سے ناواقف رہے اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو دریافت نہ ہونے یا اس کی دلیل نہ معلوم ہونے سے اس کا فی نفسہ موجود نہ ہونا لازم نہیں آیا اور متاخرین کو اسکی دلیل معلوم ہوگئی اور انھوں نے اسکی حقیقت کو دریافت کرلیا۔ (اور وہ ان کے خیال کے موافق دو کہربائی ہے) اور وہ دنیا کی فروعی چیزوں میں سے ہے کہ جسکی وجہ سے اسی طرح طرح کے عجائبات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

پس بنا بر تحقیق امور مذکورہ کے ہمیں سے حقائق اشیاء کی نسبت ہماری واقفیت کا محدود اور ناتمام ہونا معلوم ہوچکا تو یہ بات بلاشک ممکن ہے کہ اس مادی عالم کے علاوہ کوئی دوسرا عالم بھی پایا جاتا اگرچہ ابتک ہمکو اس کے موجود ہونے کی دلیل

نہ معلوم ہوئی ہو اور جب یہ کیفیت ہے تو ہم اس بات سے کیونکر مامون ہو سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن حقائق ممکنہ الوجود کا دعویٰ کرتے ہیں وہ واقع میں موجود ہی ہوں اور ہم انکی حقیقت اور واقفیت سے ناواقف ہوں اور اسیوجہ سے ہم نے اس کو حکومت حاصل کرنیکا حیلہ سمجھ لیا ہو اور ہم یہ خیال کرنے لگے ہوں کہ ان تمام فرقوں کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لینا محض وہم پر مبنی ہے اور اُن کے پاس اسکی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے۔ کیا اب یہ ممکن نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں سچے ہی ہوں اور ان تمام لوگوں کو بھی ہی دلیلیں معلوم ہو گئی ہوں کہ جنکی وجہ سے انھیں آپ کی تصدیق کرنی پڑی اگرچہ ہمیں اُنکی صحت کا ذرا بھی پتہ نہ لگا ہو اور جب بالفرض یہی کیفیت ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم کے پیدا کرنیوالے یعنی خدا ہی کے بھیجے ہوئے ہوں اور اُن کی بتلائی ہوئی سب باتیں ہوں پڑیں اور اُنھیں باتوں میں مثلاً ایک بات یہ بھی ہو کہ عالم انسانی کیلئے ضرور حشر و نشر ہو گا اور یہی خدا اُس شخص کو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے دائمی ثواب عطا کریگا اور جو شخص کہ آپ کی تکذیب کرتا ہے اسکو ابدی سزا دیگا۔ تو بھلا بتلائے کہ اسوقت ہمکو کیا بہتری حاصل ہو سکتی ہے اور ہم اپنی محنت اور مشقت اور بحث و تفتیش سے کیا ثمرہ حاصل کر سکتے ہیں جو کہ ہم اپنے بڑے لمبے چوڑے علموں میں جیسے کہ علم افلاک علم کائنات۔ علم طبقات الارض۔ علم نباتات[عـه]۔ علم حیوانات۔ علم کیمیا[عـه] وغیرہ میں صرف کرتے ہیں کیا اسوقت ہم پر یہ بات صادق نہ آئیگی کہ ہم ادنیٰ درجہ کی فانی چیز کے ساتھ مشغول ہوئے اور باعظمت دائمی شئے کو ہمنے چھوڑ دیا بیشک ہم خسارہ میں رہیں گے اور جس سے کہ ہم برداشتہ خاطر ہوئے جاتے ہیں اور جس سے کہ ہم سوء اختیار دینی بے تمیزی کے ساتھ کسی شئے کو پسند کرنے) میں پڑنے سے ڈرتے ہیں وہ یہ امر ہے کہ اگر کہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُنکی پیروی کرنے والوں کا قول قیامت کے بارہ میں صحیح ہو گیا تو بیشک ہمکو نقصان اٹھانا پڑیگا اور ہم اشک خونیں سے رونے قابل ہو جائیں گے اور اگر ہمارا یہ قول کہ قیامت نہ ہو گی اور انسان مرنے کے بعد زندہ نہ کیا جائیگا صحیح بھی ہو گیا تو اُنکا ذرا بھی نقصان نہ ہو گا چنانچہ طبیب اور منجم دونوں کے بارہ میں کہ جنکا قیامت سے انکار کرنیمیں ہمارا سا ہی خیال تھا کسی[عـه] نے کیا خوب کہا ہے ؎ قال المنجم والطبیب کلاهما لن یبعث الاموات قلت الیکما ÷ ان صح قولکما فلست بخاسر - او صح قولی فالخسار علیکما یعنی منجم اور طبیب دونوں یہ کہنے لگے کہ مردے کبھی زندہ نہکے جائیں گے تو میں نے اُنھیں جواب دیا کہ بس الگ رہو۔ اگر تمھاری بات صحیح بھی ہو گئی تو میرا کوئی نقصان نہیں ہو سکتا اور اگر میرا کہنا صحیح نکل آیا تو تم دونوں کو ضرور نقصان اٹھانا پڑے گا بس ہمارے حق میں مصلحت یہی ہو کہ ہم حزم اور احتیاط سے کام لیں اور جتنی چیزیں کہ ہمارے علوم کے مخالف معلوم ہوں اُن کو سنتے ہی بلا تحقیق اُن سے انکار نکریں اور اپنی اس ہٹ دھرمی کو ترک کریں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے بحث کریں اور اس امر کی تفتیش کریں کہ لوگ اُن کی کیوں تصدیق کرنے لگے اور اُنکے دلائل میں غور و فکر سے کام لیں کیونکہ ہمارا اسمیں ضرر ہی کیا ہے اور تحقیق کرنے سے ہمیں کونسا امر مانع ہو سکتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ اس بحث و تحقیق کا یہی

عـه جیالوجی سـه بوٹانی سـه کیمسٹری لعـه حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ مترجم

نتیجہ ہو کہ ہم غور سے نتیجے تک پہنچ جائیں پس دلائل سابقہ کو دیکھ کر اسی امر پر اُن کی رائے قرار پائی اور سب متفق ہو گئے اور انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تحقیق پر کمر ہمت باندھی اور اس سے بحث کرنے پر آمادہ ہو گئے کہ آیا آپکا دعوی سچا تھا یا جھوٹا اور ان دلائل کی تفتیش کرنے لگے کہ جنکی وجہ سے ان لوگوں نے آپکی اطاعت اختیار کی تھی تاکہ ان میں غور کرنے سے اس امر کا پتہ لگ سکے کہ آیا وہ دلیلیں صحیح ہیں کہ جنکی وجہ سے اور لوگوں کی طرح انہیں بھی تصدیق کرنا چاہئے یا غلط ہیں یا انکی غلطی کے ظاہر ہونیکی وجہ سے شبہ رفع ہو جائے اور کچھ تردد باقی نہ رہے پس سب سے پہلے انھوں نے ان اشیاء کو دیکھنا شروع کیا جنہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور جنکی نسبت انکا یہ دعوی تھا کہ یہ شریعت اس علم کے خدا کے پاس سے ہیں اور جن سب کو وہ شریعت کہتے تھے۔

پس انھوں نے اس میں بہتیری ایسی چیزیں دیکھیں کہ جو ان کے علوم جدیدہ کے خلاف معلوم ہوتی تھیں کہ وہ بالکل غلط سمجھتے ہیں منجملہ ان کے اس کے شریعت میں یہ وارد ہوا ہے کہ عالم کا مادہ پہلے موجود نہ تھا اور پھر پیدا ہوا ہے اور جس نے کہ اُسے بعد عدم موجودگی کے موجود کیا ہے اور اس طرح کی کائنات کو اس عمدہ انتظام پر پیدا کیا ہے وہی خدا ہے اور اسی نے جیسے کہ اُسے عدم سے موجود کر دیا ہے وہ اسی طرح بعد موجود ہونے کے اُسے پھر معدوم کر سکتا ہے۔ اور اسی خدا نے علاوہ تمام حیوانات کے انسان کو ایک مستقل نوع بنایا ہے اور اسی سے اسکی عورت کو پیدا کیا ہے اور پھر ان دونوں کو اسی نے ایسے مکان میں رکھا ہے کہ جسے جنت کہتے ہیں اور بعد انکے ان دونوں کو ان سے ایک امر میں خلاف ہو جانیکی وجہ سے زمین پر اتار دیا انسان کیلئے اس کے بدن کے علاوہ ایک دوسری چیز نفس بھی ہے جسے کہ روح کہتے ہیں اسکے بدن کے ساتھ اس کو ایک خاص علاقہ ہوا کرتا ہے کہ جبتک وہ علاقہ رہتا ہے اسکو زندگی حاصل رہتی ہے اور جب وہ علاقہ جاتا رہتا ہے تو موت آجاتی ہے یہ روح بدن سے جدا ہونیکے بعد بھی باقی رہتی ہے اور وہ ادراک کرتی ہے اسے لذت اور الم بھی حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی موت کے اور اس کے فنا ہونیکے بعد بھی خدا اسے پھر زندہ کریگا اور اسکے ساتھ دوبارہ روح کا علاقہ پیدا کر دیگا اس نے اپنی دنیاوی زندگی میں جو نیک عمل کئے ہونگے اسکو انکی جزا دیگا۔ اور جو برے عمل کئے ہونگے انکی سزا دیگا۔ خدا کی نعمتیں جس مکان میں ملیں گی جس کا نام جنت ہے اور اسکا عذاب اس مکان میں ہوگا جس کا نام دوزخ ہے خدا انسان کو ان دونوں میں زمین و آسمان کی تباہ ہو جانے اور لوگوں کے مرنے کے بعد پھر ان کے دوبارہ زندہ کئے جانیکے بعد داخل کریگا۔ لوگ ان دونوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ بدن کے ساتھ روح کے متعلق ہونے اور اُسمیں زندگی پائے جانے کے وقت لذت اور الم کے معلوم کرنے میں بدن اور روح دونوں مشترک ہیں انسان کی طرح باقی حیوانات میں بھی روح پائی جاتی ہے اور جتنی سمجھ کہ ان کی زندگی کیلئے ضروری ہے تمام حیوانات کو حاصل ہوتی ہے البتہ اسقدر سمجھ اور عقل نہیں پائی جاتی جسقدر کہ انسان میں موجود ہے اسیوجہ سے بخلاف اور حیوانات کے انسان کو اس خدا کی عبادت کی تکلیف دی گئی اسی خدا نے کچھ نورانی اجسام پیدا کئے ہیں کہ جنکا نام فرشتہ ہے انکو اس امر کی قدرت ہوتی ہے کہ مختلف شکلیں بدل لیں ہمارے سامنے سے گذر جائیں اور ہم نہ دیکھیں نہ کسی طرح بھی

besturdubooks.wordpress.com

ہی پائی جاتی ہے وہ ایسے ایسے کام کر سکتے ہیں کہ جن سے انسانی طاقتیں بالکل عاجز ہیں۔ یہی فرشتے خدا اور اس کے اُن نیک بندوں کے مابین کہ جو رسول کے نام سے مشہور ہیں خداوندی احکام کے پہنچانے کا واسطہ واقع ہوتے ہیں خدا نے ایسے اور اجسام بھی پیدا کئے ہیں کہ جو اپنے بعض خواص میں انھیں فرشتوں کے مشابہ ہیں مثلاً مختلف شکلیں بدلنا۔ نظر سے چھپ جانا بڑے بڑے کاموں پر قادر ہونا لیکن ان باتوں میں اُتنے فرق ہے کہ وہ انکی طرح نورانی نہیں ہوتے اور نہ انھیں نری بھلائی ہی ہوتی ہے اور نہ وہ خدا کے اور اس کے رسولوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں ایسے اجسام کا نام جن ہے۔ خدا نے ہمارے اوپر سات آسمان پیدا کئے ہیں کہ جو فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں اور خدا ہی آسمان سے پانی (۱) اتارتا ہے اُسی خدا نے ان آسمانوں سے اوپر ایک بہت بڑا جسم پیدا کیا ہے کہ جس کا نام کرسی ہے اور اس کے اوپر اس سے بھی بڑا ایک اور جسم ہے کہ جس کا نام عرش ہے ہمارے اور ان آسمانوں کے درمیان بہت ہی بڑا فاصلہ ہے اور فرشتے اس فاصلہ کو بہت تھوڑے زمانہ میں قطع کر سکتے ہیں جو کچھ کہ زمین ہو یا آسمان جنت ہو یا دوزخ جملہ کائنات میں ہوتا ہے خدا ہی کی قضا؎ و تقدیر سے واقع ہوتا ہے یعنی اس وجہ سے کہ خدا نے جان لیا ہے اور وہ ارادہ کرتا ہے اور اسکو اپنی قدرت سے موجود کر دیتا ہے۔ اس نے ایک بہت بڑا جسم ہے کہ لوح کہتے ہیں اور ایک دوسرا جسم ہے کہ قلم کہتے ہیں اسلئے پیدا کیا ہے کہ جو کچھ واقع ہو اُسمیں ثبت کیا جائے اور ہر طور سے اگرچہ اسکو اسکی کوئی ضرورت نہ تھی جتنی چیزیں کہ اسکی قضا اور حکم سے ہوتی ہیں سب اسی کے پیدا کرنے سے موجود ہوتی ہیں اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ اگرچہ اس نے مسببات کو اسباب کے ساتھ مرتبط کیا ہے اور یہ مقرر کیا ہے کہ سبب کے بعد مسبب پایا جائے لیکن ان دونوں کیلئے وہی خالق ہے وہی سبب کو پیدا کرتا ہے اور وہی اس کے بعد مسبب کو پیدا کر دیتا ہے تمام چیزوں کی تاثیرات جو کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں اسی کے خلق اور ایجاد سے ہوتی ہیں کوئی شے بالطبع یا اس قوت کی وجہ سے جو اس میں رکھدی گئی ہے حقیقۃً موثر نہیں ہے۔ وہ خدا قدیم سے موجود ہے ہمیشہ رہیگا اُسپر عدم کا طاری ہونا محال ہے ایک ہے۔ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے یکتا ہے اُس کے سوا جتنی چیزیں ہیں سب اسی کی محتاج ہیں وہ کسی کی محتاج نہیں موجودات میں سے نہ کوئی شے اُسکے مشابہ ہے اور نہ وہ کسی شے کے مشابہ ہو سکتا ہے اسکا ادراک نہایت کامل ہوتا ہے تمام چیزوں کو پورے طور سے جانتا ہے جو کچھ کہ ہو چکا یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا اُن سب کی خبر ہے اس کے علم سے کوئی شے الگ نہیں جتنی چیزیں کہ عقل کے نزدیک ممکن ہیں چاہے وہ کتنی ہی بڑی اور مشکل کیوں نہوں لیکن وہ سب پر پورے طور سے قادر ہے زندہ ہے جملہ صفات کمال کے ساتھ جو اس کے شایاں ہے متصف ہے۔ اور تمام صفات نقصان سے پاک ہے ایسے ہی اور مضامین کو سمجھے کہ جنکو انھوں نے شریعت میں پایا اور وہ ان کے معتقدات کے خلاف ہیں جو انھیں اپنے علوم سے دریافت ہوئے یا جہاں تک ان کی عقل کی رسائی ہوئی اس کے موافق ان کے علوم میں اُن چیزوں کی کوئی دلیل نہیں ملی یہ کیفیت دیکھکر قریب

؎ قضا و قدر کی بحث آگے آتی ہے یہاں اتنا سمجھئے کہ قدر اور تقدیر کے معنی اندازہ کرنے اور مقرر کر دینے کے ہیں اور قضا کے معنے حکم کرنے کے ہیں پس حاصل یہ ہوا کہ خدا نے پہلے سے تمام عالم کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے اور اسی کے موافق اپنے علم اور ارادہ سے سب کچھ پیدا کیا کرتا ہے اور حکم

ہی تھا کہ وہ لوگ پھر اُس ارادہ سے ہٹ جاتے جس پر کہ اُنھوں نے پختہ قصد کر لیا تھا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے بحث کرکے اُسکی تحقیق کرینگے اور کچھ بیہودہ تھا کہ وہ پھر تکذیب کرنے پر جم جائیں لیکن اس ارادہ سے باز رکھنے والا امر اُنکا سابق کا وہ فیصلہ ہوا کہ ہم سب لوگ متفق الرائے ہو چکے تھے اور وہ یہ تھا کہ ہمارے حق میں مصلحت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے بحث کرکے اسکی بخوبی تحقیق کریں اگر غلط ہیں تو پڑنے سے محفوظ رہیں اور اعتقاد پر عمل کریں اسلئے کہ اُن کا تمام حقایق کی پوری واقفیت پر قادر رہنا اور جملہ ممکن الوقوع حقیقتوں پر حاوی ہونا اُنکو معلوم ہو چکا تھا جسکی وجہ سے وہ اس امر کے اختیار کرنے پر مجبور تھے ہیں وہ اپنے فیصلہ کے بموجب عمل کے موقع پر بھی ثابت قدم ہے اور کہنے لگے کہ قبل اس کے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین کی دلیلوں پر غور کریں ہمیں اُن مسائل سے بحث کرنا چاہئے کہ جو شریعت میں ہیں نہیں اور وہ ہمارے اُن خیالات کے خلاف ہیں جنکو ہمنے اپنے علوم کی مدد سے قائم کیا ہو یا ہمارے علوم میں اُنکی کوئی دلیل ہی نہیں ہے کیونکہ شاید اس طریقہ سے شریعت کے لیے مسائل کی اُن سے بحث کرنے کے بعد غلطی ظاہر ہو جائے اور پیروان شریعت کے نزدیک بھی اُنکا غلط ہونا مدلل ہو جاوے تاکہ اول امر سے اُنکا دعوے ساقط ہو جائے اور اُنکے تبعین یا ادعی کے دلائل سے بحث کرنیکی محنت ہمیں نہ اٹھانا پڑے اور اسی طرح معاملہ طے ہو جائے لیکن اسوقت اُن کے دل میں یہ بات آئی کہ جب ان مسائل سے باہم ہم بحث کرینگے تو بسا اوقات واقعی امر کے ظاہر ہونے میں دیر وقت پڑ سکتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اُن سے وہ مراد نہ ہو جو بظاہر سمجھ میں آتا ہے یا اُنکی ایسی صحیح وجہ نکل سکتی ہو کہ جسکی وجہ سے ہمارے علوم کے ساتھ مطابقت ہو جائے اور ہم خود اسکو دریافت کر سکتے ہوں۔

اُس نے بہتر یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنیوالوں میں سے کسی عالم سے ملیں اور یہ مسائل اُس کے سامنے پیش کرکے اُن کے بیان کی درخواست کریں پس ہمیں یا تو اُن کی غلطی معلوم ہو جائیگی یا اُنکی صحت کا ہمیں پتہ لگ جائیگا اور اس عالم کی وجہ سے ہمیں مطلب کے سمجھنے میں دقت بھی نہ پیش آئیگی پس وہ علماء اسلام میں سے ایک عالم سے ملے اور اُنھوں نے اپنا قصہ اور اُن مسائل میں اُنکے ساتھ گفتگو کرنے سے جو اُنکا مقصد تھا سب بیان کیا۔

اُس عالم نے اُنسے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو پہلے اس عالم کے بارہ میں اپنے مذہب اور خیالات کا خلاصہ اور تمام کائنات کے وجود کی اصل مجھ سے بیان کر دیں کیونکہ شاید اس طور میں اُن شرعی مسائل کو جنکو کہ آپ لوگ نہیں مانتے آپہی لوگوں کے خیالات کے موافق ثابت کر سکوں یا میں آپ کے اعتقادات اور خیالات کی غلطی نکالدوں یا اس کے سوا کوئی اور صورت پیدا کروں کہ جس سے باہمی اختلاف رفع ہو جائے تب اس رائے کو سبنے پسند کیا اور کہنے لگے کہ لیجئے ہمارے مذہب اور خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو ہمنے اپنے علوم کی مدد سے قائم کیے ہیں وہ یہ ہے کہ اس عالم کی اصل اور انواع کی ارضی اور مادی اشیاء کی پیدائش کے بارہ میں قدمائے فلاسفہ کا بڑا اختلاف ہے ہر ایک نے ایک جدا مذہب قائم کیا لیکن زمانہ حال میں جس امر پر کہ ہمنے قرار پا چکی ہے اور جس بات کا پتہ تجربہ اور دلیل سے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس عالم کی مادی اور ارضی اشیاء کی کل دو امر ہیں مادہ اور اسکی قوت حرکت اور یہ دونوں قدیم اور ہمیشہ سے ہیں ازل سے انمیں تلازم پایا جاتا ہے یعنی ہی

نہیں کہ مادہ اور اُس کی قوت میں انفکاک اور انفصال ہو سکے اور ان دونوں میں سے کوئی بغیر دوسرے کے پایا جا سکے۔ مادہ سے مراد وہی ایتھر (ایثر) ہے جو کہ خلا میں بھرا ہوا ہے۔ مادہ کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اُنہیں سے بسیط سے بسیط صورت میں موجود ہونیکی حالت کے اعتبار سے اُسکو ایتھر (ایثر) کہتے ہیں۔ رہی مادہ کی قوت اُس سے اُسکے غیر منقسم اجزا کی حرکت مراد ہے جو کہ اپنی ذات کے اعتبار سے متماثل اور صفات کے لحاظ سے مختلف ہیں اُنکی شکلیں بدلتی رہتی ہیں اور ہم لوگ (یعنی سائنس جاننے والے) اس بات کے قائل ہیں کہ یہ حرکت مادہ میں خود بخود پیدا ہوتی ہے اس کیلئے کوئی خارجی سبب نہیں ہے۔ پھر اجرام سماوی یعنی ستارے اور کائنات ارضی یعنی جمادات، نباتات، حیوانات پہلے موجود نہ تھے اور پھر اسی مادہ سے بذریعہ اس کی حرکت کے بنے ہیں اور اُنکا بننا بھی اسی طرح سے ہے جس طرح سے کہ اپنی علت سے معلول بالضرورت بن جاتا ہے اور اشیاء کی پیدائش میں مادہ اور اُس کی حرکت کو نہ کسی قسم کا ادراک ہوتا ہے اور نہ اُن میں قصد پایا جاتا ہے۔

[illegible]

اب سمجھنا چاہئے کہ پہلے تو انہیں اجزا کے خاص قسم کی کیفیات پر مجتمع ہو جانے سے سدیمی مادہ کا وجود ہوا۔ سدیمی مادہ سے چھوٹے چھوٹے ذرے مراد ہیں اور قانون کشش ان کے اجتماع کا باعث ہوا اسطرح پر ایک کرہ بن گیا اور وہ اپنے محور کے گرد گردش کرنے لگا۔ پھر دوسرے قوانین قدرت کے موافق وہ منتشر ہو گیا وہ کرہ جو شمس تھا پھر اُسکی گردش کے مقتضا کے موافق باقی ستارے اس سے جدا ہونے لگے اور کرے بن بن کر اپنے محوروں پر گردش کرنے لگے منجملہ اُنکے ہماری زمین بھی ہے۔ پھر کرہ جو آباد ہے زمین کا یہ قصہ ہوا کہ آفتاب کے جدا ہونے کے بعد اپنے محور کے گرد مدت تک گردش کرتی رہی اور اسطرح پر اس کا پوست یعنی سطح ظاہری سرد ہونے لگی اور مختلف طبقات بنتے اور معادن حیوانات نباتات پیدا ہوتے رہے اور سبب اسکا وہی مادہ کی حرکت اور خاص طور پر باہم اُنکا اجتماع تھا۔ علم طبقات الارض کی تحقیقات کے موافق ہمارے نزدیک یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ حیوانات اور نباتات پہلے نہ تھے اور پھر اُنکا وجود ہوا ہے اور یہ اس لئے کہ ارض کے مختلف طبقات کے خلاف آخری طبقہ میں جہانتک کہ ہماری رسائی ہو سکی ہے حیوانات اور نباتات کے بالکل آثار نہیں پائے اس سے صاف ظاہر ہوا کہ زمین پر کوئی ایسا زمانہ ضرور گذرا ہے کہ جب اُسپر جاندار اجسام یک لخت موجود نہ تھے اس کے بعد بحث۔ تحقیقات اور کیمیاوی اعمال کے مشاہدات کی بدولت ہماری یہانتک رسائی ہو گئی جس سے کہ ہمنے یہ دریافت کر لیا کہ عناصر بذریعہ حرکت مادہ کے اُس کے اجزا کے اجتماع سے پیدا ہوئے ہیں کہ جو خلا میں سالہا سال سے بھی زیادہ ہیں اور عناصر کے مجتمع ہونے اور خاص طور پر ملنے کی وجہ سے معدنیات اور جاندار اجسام وجود میں آئے پہلی چیز جس سے کہ بنتے ہیں ایک قسم کا زلال کے مثل مادہ ہوتا ہے جسکی ترکیب میں چند عناصر شامل ہوتے ہیں اور وہ نہ تو بالکل بہا ہوا ہوتا ہے اور نہ بیچا بلکہ ان دونوں کی درمیانی حالت رکھتا ہے۔ اُسمیں غذا حاصل کرنے، منقسم ہونے۔ توالد و تناسل کی قوت پائی جاتی ہے جسے اس مادہ کا نام پروٹو پلازم (یعنی پہلی شے) رکھا ہے اسی کے منقسم ہونے سے وہ خول تیار ہوتے ہیں جنسے کہ جسم اعضا کی بناوٹ ہوتی ہے اور اسی کو مجتمع ہو جانے سے حیوانات اور نباتات حسب بسیط اور بالکل ابتدائی حالت میں پیدا ہوتے ہیں حیات و زندگی (انھیں) ...

عـه یعنی بجلی قسمت کی نہیں ہو سکتی۔ عـه سدیمی (یعنی ابرار) بمعنی غبار ہے۔ مترجم عـه حیاتی ... مترجم

کے خواص و افعال اور ان کے کیمیاوی امتزاج کے محض ایک ظہور کا نام ہے وہ کوئی دوسری مستقل شے نہیں ہے کہ جس کا جسم
میں حلول ہوتا ہو جیسا کہ ہم لوگوں میں سے حیات کو ایک مستقل شے ماننے والے فرقہ کا خیال ہے اور حیوان میں یہی حیات
ہوتی ہے، روح کوئی چیز نہیں ہے پھر وہ حیوانات اور نباتات جو ابتدائی حالت میں تھے قدرت کے چار قوانین کے موافق
جو اُن کیلئے ضروری ہیں توالد و تناسل کی وجہ سے بڑھنے اور ترقی کرنے لگے پہلا قانون افراد کا باہم ایک دوسرے سے
مبائن ہونا ہے جس کا نام تباین افراد ہے پس کوئی فرد اپنی اصل کے تمام مشابہ نہیں ہو سکتی بخلاف تبائنات کے نر
اور مادہ کا ہونا ہے۔ دوسرا قانون فروع کا باوجود دوسرے تبائنات یا جداگانہ خصوصیتوں کے اختیار کرنے کے انہیں اصول
کے تبائنات یا خصوصیتوں کا منتقل ہو جانا ہے جس کا نام قانون انتقال تبائنات الاصول الی الفروع مع بقاء الامتیاز
ہے پس اسی وجہ سے افراد میں کوئی قوی ہوتا ہے کوئی ضعیف یا کمزور، کوئی خارجی صدمات کا متحمل ہو سکتا ہو کوئی نہیں کسی کے
لئے ظروف موافق ہوتے ہیں کسی کیلئے ناموافق۔ تیسرا قانون باہم افراد میں باقی رہنے کے بارہ میں منازعت کا واقع ہونا
جس کا نام قانون تنازع بقا ہے پس اسی واسطے ضعیف یا کمزور خارجی طاقتوں کے تحمل نہ کر سکنے والے اور وہ جنہیں کہ ظروف
ناموافق ہیں ہلاک اور نابود ہو جاتے ہیں اور افراد میں سے جو اس کے خلاف ہیں وہ باقی رہتے ہیں۔ چوتھا قانون طبعی
یا فطری انتخاب ہے اور اس سے فطرت کا نہایت عمدہ اور کامل شے کو انتخاب کر کے حفاظت کرنا مراد ہے پس لاکھوں برس
کے گزرنے پر حیوانات اور نباتات کو اجزاء مادہ کی اضطراری حرکت اور فطرت کے ان قوانین اربعہ کے موافق رفتار اختیار کرنے
سے موجودہ حالت تک ترقی کرنا نصیب ہو گیا یہاں تک کہ خود انسان بھی منجملہ تمام حیوانات کے ایک قسم کا حیوان ہی ہے لیکن
فطری انتخاب کے قانون کے موافق عمدگی اور خوبی کے اعتبار سے ترقی کر کے اس موجودہ حالت پر پہونچ گیا ہے اور چونکہ
وہ بندر کے ساتھ نہایت مشابہت رکھتا ہے تو یہ بات کچھ بعید نہیں بلکہ بہت قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور
بندر کی ایک ہی اصل سے پیدائش ہوئی ہو اور دونوں ایک ہی اصل سے نکلے ہوں اور پھر انسان ترقی کرنے لگا ہو
حتی کہ ترقی کرتے کرتے اپنے قرین یعنی بندر سے بڑھ گیا ہو اور انسان تمام حیوانی انواع کے اعتبار سے بالکل نو پیدا ہے اور اسکی
پیدائش ان سب کے بعد واقع ہوئی ہے اسی وجہ سے صرف کئی لاکھ برس کے نہایت محدود اور معدود زمانہ سے اس کا وجود
پایا جاتا ہے اگرچہ کروڑوں برس اس سے پہلے بھی بکثرت انواع موجود رہی ہیں۔ عقل اور انسانی ادراک منجملہ اُن تمام افعال
مادہ کے کہ جو مادہ کے اجزاء متحرکہ اور عناصر ممتزجہ کی تاثیر و تاثر سے پیدا ہوتے ہیں محض ایک خاص فعل کا نام ہے وہ کوئی علیحدہ
شے نہیں ہے اگرچہ اصل مادہ اور حرکت دونوں کے دونوں عقل و ادراک سے بالکل خالی تھے پھر انسانی عقل اور بقیہ حیوانات
کی عقول میں محض کمیت اور مقدار کا فرق ہے ماہیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں صرف یہ بات ہے کہ انسان میں عقل کی
مقدار تمام حیوانات سے بڑھی ہوئی ہے پھر وہ باقی مسائل کہ جو ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں پائے جیسے کہ انسان کا
مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور دار نعیم و دار عذاب یعنی جنت اور دوزخ کا پایا جانا۔ فرشتوں، جنوں، آسمانوں، عرش، کرسی

لوح اور قلم کا موجود ہونا فرشتوں کا بڑے بڑے کاموں پر قادر ہونا اور اسی قسم کے اور مسائل (یعنی وہ مسائل جو پہلے بیان ہو چکے) وہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ہمارے علوم میں انکی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی اس لئے ہم انکا اعتقاد بھی نہیں کرتے بلکہ انمیں سے بعض امور تو ایسے ہیں کہ جنکو ہمارے علوم بالکل ساقط الاعتبار ثابت کرتے ہیں اور ان کے استحالہ پر دال ہیں کیونکہ انکے ثبوت سے ان قوانین فطرت کا ٹوٹنا لازم آتا ہے جنہیں کہ ہمنے کائنات میں پایا ہے پس ان امور کا نہ ماننا ایک نہایت ضروری بات ہے یہ تو ہمارے مذہب کا علی وجہ الاختصار بیان ہے اور اسی پر طبیعیات (سائنس) جاننے والے فرقہ کی عام طور پر رائے قرار پا چکی ہے اسکے بعد وہ لوگ محمدی دین کے عالم کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ صاحب اب آپ کہئے ہم آپکے کلام کو نہایت شوق سے سنیں گے۔

تب اسلامی عالم نے ان لوگوں سے یوں کہنا شروع کیا کہ اے میرے انسانی بھائیو سنو میرا محمدی دین اور آپ لوگوں کا بغرض اظہار حق گفتگو کرنے کیلئے مجھے انتخاب کرنا یہ دونوں امر ایسے ہیں کہ آپ لوگوں کے ساتھ خلوص اور سچی خیرخواہی سے پیش آنے اور اظہار حق میں باریک بینی سے کام لینے کو مجھپر لازم کرتے ہیں لیکن اس موقع پر میں آپ سے بغیر ایک امر کی درخواست کے نہیں رہ سکتا وہ یہ ہے کہ آپ لوگ اتنی سی بات اپنے اوپر لازم کریں کہ بلا تعصب اور اپنے پہلے خیال کی ناحق طرفداری کے بغیر میری تقریر کو بغور سنیں اور اسے اپنے دماغ میں جگہ دیں کیونکہ اگر تعصب سے کام لیا جائیگا تو حق بات ہرگز سمجھ میں نہ آسکیگی اور عقل کی بینائی جاتی رہیگی اور جس طرح کہ دن دوپہر بھی بدلی کی وجہ سے آفتاب نظر نہیں آتا اسی طرح سے اس موقع پر بھی آنکھوں پر تعصب کے پردے پڑ جائینگے اور آفتاب حقیقت آنکھوں سے پوشیدہ ہو جائیگا۔ اور اگر آپ لوگوں نے تعصب چھوڑ دیا اور اپنے خیالات سابقہ کی طرفداری نہ کی اور اسطور پر ان دونوں ناحق کی قیدوں سے اپنے اپنے ضمیروں کو آزاد کر لیا تو پھر دیکھئے گا کہ میں آپ لوگوں کیلئے ایسی تقریر کرونگا جس سے کہ حق روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائیگا بشرطیکہ اس خدا کو منظور ہو جس کے سوا میں کسی اور کو کسی شے کا پیدا کرنیوالا نہیں مانتا۔

پس آپ لوگوں کے مذہب یعنی ان خیالات میں جنہیں کہ آپنے ابھی میرے سامنے بیان کیا ہے اچھے طور پر غور کرنیکے بعد میں کہتا ہوں کہ آپ کے مذہب کی بنیاد جیسے یہ معلوم ہوئی کہ آپ مادہ کو قدیم مانتے ہیں پھر چونکہ آپنے مادہ کو قدیم مان لیا اس لئے لامحالہ آپ کسی کو خدا ماننے کیلئے مجبور نہ ہوئے کہ جو اس کو پیدا کرتا اور جبکہ آپنے مادہ کے سماوی اور ارضی تنوعات کو دیکھا اور انکا حادث ہونا بھی آپ کے نزدیک ثابت ہو گیا اور عقل ان تمام تنوعات اور تغیرات کے حدوث کو محض نفس مادہ ہی کیوجہ سے اس سبب سے تسلیم نہ کر سکی کیونکہ اس کے نزدیک مادہ میں اسکی صلاحیت نہیں پائی جاتی ان وجوہ سے آپ کو ضرورت ہوئی کہ آپ مادہ کے ذرات بسیطہ کیلئے حرکت ثابت کریں۔ اسطرح پر تمام تنوعات کو آپ نے مادہ اور اس کی حرکت پر مبنی کیا اور اگر آپ مادہ کا حدوث مان لیتے تو آپ کو ضرور کسی نہ کسی خدا کے وجود کا یقین کرنا پڑتا جو کہ اسے پیدا کرتا اور اس کے عدم پر اسکے وجود کو ترجیح دیتا پھر اسکے بعد جب آپ اس کے تنوعات پر نظر ڈالتے تو اسوقت یہی کہنے لگتے کہ جس خدا نے کہ مادہ کو پیدا کیا ہے وہی ان تنوعات کو بھی پیدا کرنیوالا ہے کیونکہ اس تقدیر پر ان تنوعات کیلئے سوائے خدا کے کسی دوسرے موجب کی ضرورت ہی نہیں رہتی

اور نہ ذرات مادہ کیلئے حرکت ہی ثابت کرنے کی حاجت رہتی اور اس تکلف سے بھی نجات ملجاتی اور اس زبردستی کی بات کا قائل بھی نہ ہونا پڑتا کہ عالم کی انواع و اقسام کی چیزیں محض مادہ اور اسکی حرکت سے علی وجہ الضرورت پیدا ہوگئی ہیں اور خوبی یہ کہ ان میں (یعنی مادہ اور اسکی حرکت میں) نہ تو کسی قسم کا ارادہ پایا جاتا ہے نہ کچھ سمجھ ہے۔ نہ انھیں کسی شی کا علم ہی ہوتا ہے اور نہ کچھ تدبیر ہی کی قابلیت رکھتے ہیں اور پھر بھی انسے سب کچھ باقاعدہ ہی ہوتا جاتا ہے یہانتک کہ تمام عالم نہایت ہی عجیب وغریب انتظام کے ساتھ پیدا ہوگیا جسکو دیکھکر عقل صاف یہی حکم کرتی ہے کہ اس کیلئے اتنی چیزوں کی ضرورت ہیکہ قدرت پوری پوری ہو علم نہایت ہی کامل ہو حکمت اور تدبیر اعلیٰ درجہ کی موجود ہو اس موقع پر میں یہ خیال کرتا ہوں کہ جب میں مادہ کے قدم کے بطلان پر دلیل قائم کرونگا اور اس کا حدوث ثابت ہو جائیگا تو اسوقت لامحالہ آپ کو کوئی نہ کوئی خدا ماننا پڑیگا کہ جس نے مادہ کو پیدا کر دیا اور جو عدم سے اسکو وجود میں لایا اس طریقہ سے آپ کو یہ سمجھنا بھی آسان ہو جائیگا کہ مادہ و تمام حوادث اسی خدا کے فعل کی وجہ سے ہیں اور اس کی قدرت علم حکمت اور تدبیر کا کامل ہونا انہیں تغیرات سے فوراً معلوم ہو جائیگا۔ اس کے بعد آپ لوگوں پر شریعت محمدیہ کے باقی مسائل کی تصدیق کرلینا بھی حتیٰ کہ آپ اجتک پڑھے علوم اور اعتقادات کے خلاف کچھ رہتے ہیں کچھ دشوار نہ رہیگا۔

پہلے صفحے میں نے آپکے سابق الذکر مذہب میں تین قضیے ایسے پائے ہیں کہ جن کا آپ لوگ بڑے اعتقاد و جازم کے ساتھ یقین کرتے ہیں اور انکو ارکان مانے ہوئے ہیں لیکن اگر صحیح طور سے انہیں غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان سب کے ثبوت کی بنا تحقیق کرنا باعتبار نفس الامر کے ہرگز ممکن نہیں کیونکہ بعض انمیں سے بالکل قطعی ہیں مشاہدہ سے انکا ثبوت ہو چکا ہے ان کی تصدیق کرنا ایک لازمی بات ہے لیکن اگر ان کی تصدیق کیجائے تو پھر دوسرے کا ماننا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا (پہلا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ اور اس کے ذرات بسیطہ کی حرکت کے قدم* کے قائل ہیں اور ان دونوں کو ازل سے متلازم مانتے ہیں کہ کوئی بغیر دوسرے کے پایا ہی نہیں جا سکتا یعنی مادہ اور حرکت میں مفارقت ہونا محال ہے (دوسرا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ کے جمیع تنوعات کے حدوث* کے قائل ہیں یعنی تمام اشیاء سماوی اور ارضی خصوصاً حیوانات کی ساری انواع پہلے موجود نہ تھیں اور اسی مادہ سے پیدا ہوگئیں کیونکہ طبقات الارض کی دیکھ بھال سے آپ لوگوں کو لازمی طور پر یہ حکم لگانا پڑا کہ تمام انواع کے حیوانات اور نباتات زمین میں پہلے نہ تھے اور پھر پیدا ہوئے ہیں اور ان کی پیدائش کیلئے لاکھوں برس کا زمانہ آپنے ٹھیرایا ہے اور اسی کی مقتضاء کے موافق آپ نے یہ حکم لگایا کہ انسان کی پیدائش جملہ انواع کے لحاظ سے بہت ہی حال کی ہے اور وہ سبکے بعد پیدا ہوا ہے کیونکہ اُسکے آثار صرف زمین کے اوپر کے طبقات میں پائے جاتے ہیں طبقات زیریں میں اس کے آثار کا نام ونشان نہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ سبکے بعد پیدا ہوا پھر اس کی پیدائش کے زمانہ کے مقرر

* قدم سے مراد کسی شے کا ہمیشہ سے موجود ہونا اور اسپر عدم کا کوئی زمانہ نہ گذرنا ۱۲ مترجم * حدوث سے مراد کسی ایسی شے کا موجود ہو جانا کہ جو پہلے موجود نہ تھی ۱۲ مترجم

besturdubooks.wordpress.com

کرنے میں آپ لوگوں نے بے انتہا اختلاف کیا ہے جیسا کہ میں نے آپ ہی لوگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے۔

(تیسرا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ کے جمیع تنوعات کو بذریعہ اُس کے ذرات کی حرکت کے کہ جو مادہ کیلئے ازل سے لازم ملزوم ہے اور نیز اُن قوانین قدرت کے مقتضا کے موافق کہ جو اُنہیں موجود ہیں علی وجہ الضرورۃ مادہ سے حادث مانتے ہیں اور پھر مادہ اور اُسکی حرکت کا نہ اُنہیں کچھ اختیار ہے اور نہ اُن میں کوئی ارادہ ہی پایا جاتا ہے۔ مقصود اس سے یہ ہے جیسا کہ آپ کے کلام سابق میں اسکی تصریح موجود ہے کہ جس طرح معلول اپنی علت سے حادث ہوا کرتا ہے اسیطرح مادہ اور اُس کی حرکت سے تمام تنوعات حادث ہوئے ہیں پس تمام تنوعات معلول ٹھہرے اور مادہ اور اُسکی حرکت تنوعات کی علت۔ درحقیقت میں اُن کے نزدیک محض مادہ کی حرکت ہی علت ہے لیکن جبکہ مادہ اور اُسکی حرکت میں انفکاک ناممکن تھا یہانتک کہ وہ اس امر کے قائل ہوگئے ہیں کہ مادہ اور اُسکی حرکت میں سے کسیکا وجود بغیر دوسرے کے متصور ہی نہیں ہے اسلئے دونوں کو بمنزلہ شے واحد کے اعتبار کر لیا ہے اور اسی کو علت کہدیا ہے اور چونکہ اُن دونوں میں تلازم پایا جاتا ہے اسلئے یہ اعتبار کر لینا جائز ہے کوئی مضائقہ بھی نہیں جب آپ کو یہ سب کچھ معلوم ہو چکا تو اب سنئے کہ ہر عقل سلیم صاف یہی حکم کرتی ہے کہ کوئی شے اپنی علت سے جس سے کہ اُسکا وجود لازم ہو جاتا ہے ہرگز تخلف نہیں کر سکتی پس اگر اُسکی علت حادث ہوگی تو وہ شے بھی اُس کے بعد ہی بلا تاخیر موجود ہو جائیگی اور اگر اُسکی علت قدیم ہوگی تو وہ شے بھی قدیم ہی ہوگی اور قدم میں اپنی علت کی متابعت کریگی اس سے ہرگز متاخر نہ ہو سکیگی ورنہ لازم آئیگا کہ علت تو پائی جائے اور معلول نہ ہو اور یہ بات محال ہے جب یہ ثابت ہوگیا تو اب میں کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کے مادہ اور اُسکی حرکت کو قدیم ماننے سے کہ جو جمادات۔ نباتات۔ حیوانات اور تمام عالم کی انواع کی چیزوں کیلئے علت ہیں یہ لازم آتا ہے کہ یہ سب اشیاء بھی کہ جو اُنکی معلول ہیں قدیم ہو جائیں حالانکہ آپ لوگ اپنے علوم طبیعیہ اور علم طبقات الارض کی تحقیقات کے موافق اُنکے قدم کے قائل نہیں ہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ اس علت کو اُن معلولات کا لازم ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ اُنکا وجود ایک ہی دفعہ بالکل مکمل ہو جائے اسلئے کہ علل اور معلولات میں باہم ارتباط پایا جاتا ہے اور ایک دوسرے پر سلسلہ وار موقوف ہو سکتے ہیں مثلاً یہ ممکن نہیں ہے کہ پانی کے وجود سے پہلے حیات کا ظہور ہو سکے اور پانی اپنے دونوں عنصروں کے بننے سے پہلے موجود ہو جائے اور وہ دونوں عنصر جو پانی کو مرکب کرتے ہیں ہیڈروجن اور آکسیجن ہیں اور خود وہ دونوں اجزاء مادہ کے خاص طور پر مجتمع ہونے سے پہلے کہ جس سے اُنکی تالیف حاصل ہو سکے موجود نہیں ہو سکتے پس حیات کا وجود پانی کے وجود پر موقوف ہے چاہے اس سے ایک لحظہ ہی پہلے کیوں نہ ہو پس کونسی عقل یہ قیاس کر سکتی ہے کہ مادہ اور اُسکے سارے مرکبات ایک ساتھ ہی موجود ہو سکتے ہیں اسکا جواب ہم یہ دینگے کہ جب ان تمام علتوں میں سے پہلی علت یہی (مادہ اور اُسکے اجزاء کی حرکت ہے) حادث مان لی جائے اُسوقت بیشک اُن قوانین قدرت کے موافق جو پیدائش کے متعلق ہیں اور جن کے کہ آپ لوگ قائل ہیں ضرور ایک مدت کی حاجت پڑ سکتی ہے تاکہ اُسمیں استعداد آجائے اور مادہ کے اجزا اس طرح پر مجتمع ہو لیں جس سے کہ عناصر کی تالیف ہو پھر پانی بنے اُس کے بعد حیات موجود ہو اور اس تقدیر پر بلا شبہ انہیں

قوانین قدرت کے موافق عقل کے قیاس میں، یہ صحیح نہیں ہو سکتا کہ پانی سے پہلے حیات موجود ہو جائے یا عناصر بننے پائیں اور پانی حاصل ہو جائے یا اجزاء مادہ کے مجتمع ہونے سے پہلے ہی عناصر بنجائیں (یہ سب اہل سائنس کی سمجھ کے موافق کہا گیا ہے ورنہ پیروان اسلام کی عقلوں میں یہ امور ناممکن نہیں کیونکہ اُن کے نزدیک تو یہ سب کچھ خدائے قادر ہی کرتا ہے اور اسکی قدرت کے لئے کوئی امر ممکن محال نہیں ہو سکتا کوئی شے بھی چاہے کتنی ہی مستبعد اور تعجب انگیز کیوں نہ معلوم ہوتی ہو لیکن خدا سب پر قادر ہے) لیکن جب پہلی علت کو قدیم مانا جائے جیسے کہ آپ لوگوں کا خیال ہے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ سارے معلولات حادث ہوں باوجودیکہ اُنکی علت ازلی اور ہمیشہ سے موجود ہے کیونکہ جب ان کی علت ان کے موجود ہونیکو بالاضطرار لازم کرتی ہے تو پھر کسنے کہ ان سب اشیاء کو لاکھوں یا کروڑوں برس کی مدت تک پیدا ہونے سے کس چیزنے روک رکھا اور پہلے پیدا نہ ہونے دیا اور کس وجہ سے اتنی مدت گذرنے کے قبل ہی وہ موجود نہ ہو گئیں ۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ اتنی مدت کی اسلئے حاجت ہو تاکہ علت میں معلول کے پیدا ہونیکی استعداد آجائے یعنی اُسمیں استعداد پیدا ہونیکے لئے اتنے ہزار سال کی ضرورت ہوئی تو ہم آپ سے پوچھیں گے کہ آپ کی معین کردہ مدت کے قبل ہی استعداد کیوں نہ پیدا ہو گئی باوجودیکہ پہلی قدیم علت اسکی مقتضی بھی موجود تھی اور کس چیزنے اتنی مدت تک استعداد کو پیدا نہ ہونے دیا اور پھر مقدر مدت گذرنے کے بعد اُسے پیدا کر دیا معلولات کے حدوث اور اس حدوث کی استعداد پیدا ہونے کیلئے جتنی مدت آپ بڑھاتے جائیں گے ہمارا یہ سوال برابر قائم رہیگا کہ پھر اس مدت سے پہلے حدوث کیوں نہ ہوا اور اسکی استعداد اس سے قبل کیوں نہ تھی بہرحال یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہیگا اور ہمارا سوال آپ سے ہرگز نہ اُٹھ سکیگا ظاہر ہے کہ علت اولیٰ ہی سے استعداد کے بالاضطرار پیدا ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہے پس حدوث و قدم کے اعتبار سے استعداد کی بھی وہی حالت ہوگی جو اُس کی علت کی ہے اور چونکہ اس موقع پر یہ علت قدیم مانی گئی ہے اس لئے ضروری ہے کہ استعداد بھی قدیم ہو اور استعداد کا قدیم ہونا مستلزم ہے کہ تمام تنوعات جو معلول ہیں وہ بھی قدیم ہوں ورنہ لازم آئیگا کہ علت تو ہمیشہ سے موجود ہو اور معلول نہ ہو ۔ حالانکہ یہ صریح محال ہے پس اب یا تو آپ ان تمام تنوعات کو بھی جو معلول ہیں قدیم مانئے اور جو بات کہ آپکے علوم طبیعیہ اور علم طبقات الارض کی تحقیقات سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اُسکی تکذیب کیجئے حالانکہ آپ لوگ اس امر کے ہرگز قائل نہیں ہو سکتے اور یا اس کے قائل ہو جایئے کہ مادہ اور اُسکی حرکت سے یہ کام اپنے اختیار و ارادہ سے کرتے ہیں یا خدا نے ان تنوعات کی پیدائش کیلئے جو زمانہ چاہا مقرر کر دیا اور آپ لوگ اسکو بھی کبھی نہیں مان سکتے بلکہ اسکا تو آپ بڑے شد و مد سے انکار کرتے ہیں جیسا کہ میں نے آپ لوگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے اور اگر بالفرض بعض اہل سائنس اسکے قائل بھی ہو جائیں تو یہ خرابی لازم آئیگی کہ اُن کو اجزاء مادہ کے ہر ہر جزء کیلئے اتنا علم اور ادراک ماننا پڑے گا جس سے وہ اس امر کے دریافت کرنیکے قابل ہو سکے کہ وہ باقی اجزاء کے ساتھ کون سے خاص طریقے سے مجتمع ہو تاکہ عالم کی اشیاء انواع میں سے کوئی خاص نوع بنجائے اور پھر وہ اپنی وضع کو کسی طرز پر بدلدے جس سے کوئی دوسری نوع بنجائے علیٰ ہذا القیاس تمام انواع کو لے لیجئے اب دیکھنا یہ ہے کہ ہر ہر ذرہ میں اتنے امور کے دریافت کرنیکی قوت آپ مان سکتے ہیں جسکو کہ بڑے بڑے لوگ اور اتقیاء دنیا کے نہایت ہی

تجربہ کار سن رسیدہ اشخاص کی کیمیٹی بھی دریافت نہیں کر سکتی اور وہ بھی عاجز ہیں۔ اسموقع پر اسکے علاوہ اور بہت اعتراضات اس بنا پر وارد ہو سکتے ہیں کہ اگر ہم اُن سب کو بیان کرنے لگیں تو بہت ہی طوالت ہو جائے اور یا آپ لوگوں کو ایسا کوئی سبب صحیح بیان کرنا چاہئے کہ جسکی وجہ سے یہ تمام تنوعات اپنی علت سے اتنے عرصہ تک متخلف رہے اور لاکھوں کروڑ برس کے بعد جاکر بنے ہیں تو نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگ اس کی کوئی وجہ اصلاً یا نقلاً کچھ بیان کر سکتے ہیں اسکا بیان کرنا کیا منہ کا نوالہ ہے ذرا کام رکھتا ہے اور یا تو آپ لوگ مادہ اور اُسکی حرکت کو حادث مان لیں اور یہی عین مقصود ہے۔

ف حدوث مادہ کی دوسری دلیل عقلی ۱۲

آئیے اسی دلیل کو ہم اختصار کے ساتھ آپ کو مرتب کرکے دکھلائیں۔ وہ اس طور پر ہوگی کہ اگر تمام تنوعات کی علت (اور شاید مادہ اور اُسکی حرکت ہے) قدیم ہوگی تو اُسکی استعداد بھی قدیم ہوگی اور اگر استعداد قدیم ہوگی تو تمام تنوعات بھی قدیم ہونگے لیکن تنوعات قدیم نہیں ہیں اسلئے استعداد بھی قدیم نہ ہوگی اور یہی مقصد ہے پھر اگر آپ یہ کہنے لگیں (اگرچہ میں آپ کی نسبت ایسا ہرگز خیال نہیں کر سکتا کہ آپ ایسی بدیہی البطلان بات کے کہنے کی جرأت کر سکینگے) کہ نہیں استعداد حادث ہے اور تمام تنوعات بھی حادث ہیں لیکن پھر بھی مادہ اور اُسکی حرکت دونوں قدیم ہی ہیں تو میں آپ سے دریافت کرونگا کہ استعداد پیدا ہونے سے پہلے مادہ اور اُسکی حرکت ازل میں یعنی لگاتار زمانہ غیر متناہی تک کیا کرتے رہے اور مادہ پر کیونکر لا متناہی زمانہ گزر سکا اور وہ محض بے نتیجہ اور لغو حرکت کرتا کرتا رہا اور پھر نا متناہی ازلی اور غیر محدود مدت تک بے نتیجہ رہنے کے بعد کس چیز نے اُسے اس امر پر آمادہ کر دیا کہ ایک محدود زمانہ سے اُسمیں استعداد پیدا ہو جائے پھر اسیطرح سے محدود زمانہ سے تنوعات بھی پیدا ہونے لگیں میرا تو خیال ہے کہ آپکے پاس سوائے ساکت ہو جانے کے اور کیا جواب ہوگا۔ پس اس ساری بحث کے بعد حق اور ماننے کی بات یہ ہے کہ آپ لوگونکو تاکہ آپ یہ سمجھ سکیں کہ قسم قسم کی انواع کیونکر پیدا ہو گئیں مادہ اور اسکے اجزاء کی حرکت جسکے کہ آپ قائل ہیں دونوں کو حادث ماننا چاہئے یعنی پہلے انکا وجود نہ تھا اور پھر وجود ہوا

ف حدوث مادہ کی دوسری دلیل ۱۲

اس موقع پر اور بھی بہت سی یقینی دلیلیں ہیں کہ جو مادہ کے حدوث پر دلالت کرتی ہیں لیکن مثل دلیل سابق کے آپ لوگوں کی تحقیقات پر مبنی نہیں ہیں۔ اسمیں کوئی مضائقہ بھی نہیں معلوم ہوتا اگر میں اُنہیں سے ایک آدھ دلیل آپ لوگوں کے ساتھ نیک گمان کرکے بیان کر دوں کہ آپکی عقلیں اُسکے سمجھنے سے قاصر نہ ہونگی اور اُسے تسلیم کرینگی خصوصاً جب آپ اپنے ترک تعصب کرنے کے وعدہ کو پورا کرنے کیلئے ثابت قدم رہیں جسکو کہ میں نے آپ کی جانب سے کچھ دیکھا بھی ہے وہ یہ ہے کہ یہ امر ذرا بھی مخفی نہیں کہ مادہ صورت سے جو کہ اُسکے ساتھ قائم ہوتی ہے خالی نہیں پایا جاتا اور نہ مادہ کا تمام صورتوں سے مجرد ہو کر پایا جانا ممکن ہی ہے (جیسا کہ مادہ کا بغیر تحیز اور کسی نہ کسی قدر خالی جگہ کے گھیرے ہوئے موجود ہونا ممکن نہیں ہے) پس مادہ جب کبھی پایا جائیگا اُسکے لئے کوئی نہ کوئی صورت ضرور ہوگی خواہ وہ صورت اثیری ہو یا سدیمی عنصری ہو یا معدنی نباتی ہو یا حیوانی۔ اسیوجہ سے تو آپ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ مادہ اپنے اول وجود میں کہ جو اُسے تمام انواع کے بننے سے قبل حاصل تھا جتنی صورتیں کہ متصور ہو سکتی ہیں سب سے بسیط صورت میں موجود تھا اور یہ کہ جتنی صورتیں کہ مادہ اختیار کرتا جاتا ہے وہ اسی کی حرکت ہی سے پیدا ہوئی ہیں اور یہ کہ حرکت اور مادہ میں انفصال ناممکن ہے بس ان سب باتوں سے

عـــه سدیمی سے مادہ کی وہ حالت مراد ہے جسمیں عنصر بننے سے قبل موجود تھا ۱۲ مترجم

صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مادہ اس حالت میں بھی تمام صورتوں سے مجرد اور خالی نہیں مانا ہے اس لئے کہ یہ بات آپ لوگوں کی عقل
تسلیم ہی نہیں کر سکتی پھر جو کوئی صورت کہ مادہ میں قائم ہوگی وہ ضرور حادث ہی ہوگی اسلئے کہ وہ زائل ہو سکتی ہے اور اُسپر عدم
طاری ہو سکتا ہے اگرچہ وہ تمام صورتوں سے ابسط ہی کیوں نہ ہو مثلاً اسی صورت کو لے لیجئے جسکا کہ تمام انواع کے بننے سے قبل مادہ کیلئے
ثابت ہونا آپ کے کلام سے معلوم ہوا ہے اور پہلی صورت کا معدوم اور زائل ہونا ہمکو اس طرح پر معلوم ہوا کہ اُسکا معدوم ہو جانا اور
اُس کے بعد بہتیری صور نوعیہ کا طاری ہونا مشاہدہ کر لیا گیا ہے اور جس چیز پر کہ عدم طاری ہوتا ہے اور وہ اُسے قبول کر سکتی ہو اُسکا
قدیم ہونا محال ہے کیونکہ جو شے قدیم ہوگی وہ ہرگز زائل اور معدوم نہیں ہو سکتی جیسا کہ اسکا بیان آگے آتا ہے اس لئے کہ اس کا
قدم یا تو اس وجہ سے ہوگا کہ اُسکی ذات ہی اُس کے وجود کو مقتضی ہوگی یعنی اسکا سبب سوائے اُسکے نفس کے اور کوئی نہ ہوگا بلکہ وہ
خود ہی موجود ہوگی اور اسکا نام قدم ذاتی ہے اور یا اس وجہ سے کہ اُس کی علت قدیم ہوگی اور خود اُسکی ذات نہیں بلکہ وہی علت
قدیمہ اُسکے قِدَم کو مقتضی ہوگی اور اسکا نام قِدَم غیر ذاتی یا قِدَم بالغیر ہے اسکے سوا قدیم ہونیکی اور کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔
اور ظاہر ہے کہ اُس شے کے وجود کا مقتضی عام ہے کہ اُسی کی ذات ہو یا کوئی دوسری شے جب تک حاصل اور قائم رہیگا اُسوقت
تک کیونکر ممکن ہے کہ اُس شے پر عدم اور زوال طاری ہو سکے پس قدیم کی دونوں قسمیں ایسی ہیں کہ اُنپر عدم کا طاری ہونا ممکن
نہیں اور وہ عدم کو ہرگز قبول نہیں کر سکتیں جب یہ ثابت ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ جب مادہ کے تمام صور لازمہ کا حدوث ثابت
ہو گیا تو پھر مادہ کا قدیم ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ جب ہم مادہ کی تمام صورتوں کو لیتے ہوئے ایسی صورت تک پہنچ جائیں
کہ جو سب سے ابسط ہو اور مادہ کیلئے وہی پہلی صورت ہو تو اہلِ عقل کے نزدیک یہ ہرگز ممکن نہیں ٹھیر سکتا کہ اس سے پہلے بھی مادہ کیلئے کوئی
صورت ہو سکے مادہ کے ابسط صورت کے بعد والی صورتوں کا حدوث تو اس طرح ظاہر ہے کہ وہ پہلے نہ تھیں اور اُس کی اوّل صورت
کے زائل ہونے کے بعد پیدا ہوئی ہیں اب رہی مادہ کی ابسط اور سب سے پہلی صورت تو ہم کہتے ہیں کہ وہ بھی حادث ہے اسلئے کہ وہ
معدوم اور زائل ہو گئی اور قدیم کا زائل ہونا محال ہے جیسا کہ ابھی ثابت ہوا پس اب بتلائے کہ مادہ اپنی اول صورت کے
حادث ہونے کے قبل کس حالت میں موجود تھا یہ تو آپ کہہ ہی نہیں سکتے کہ مادہ کیلئے کوئی صورت نہ تھی کیونکہ اسکا سابق میں بیان
ہو چکا ہے کہ مادہ کا بغیر کسی صورت کے پایا جانا محال ہے اب یا تو آپ یہ مانئے کہ اس صورت سے پہلے کوئی اس سے بھی ابسط صورت
موجود تھی اور یہ خلاف مفروض ہے کیونکہ آپ نے اِسکو سب سے پہلی صورت مانا ہے اور تسلیم کر لیا ہے کہ اس سے قبل کوئی صورت ہو ہی نہیں
سکتی اور یا تو آپ اسی کے قائل ہو جائے کہ مادہ اسی صورت کے ساتھ حادث ہوا ہے پس مادہ حادث ٹھہریگا نہ قدیم اور یہی مقصود ہے
ہم اسی دلیل کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ مادہ اس اول صورت اور اُسکے بعد والی صور نوعیہ کیلئے ملزوم
ہے اور یہ صورت اور اُسکے بعد آنیوالی صورتیں مادہ کیلئے لازم ہیں اور مادہ سے سب کی سب منفک اور جدا نہیں ہو سکتیں جیسا
کہ علت اور معلول کے مابین انفکاک ناممکن ہے اب یوں تقریر کیجائیگی کہ اگر مادہ جو ان صورتوں کیلئے قدیم ہوگا تو یہ سب
صورتیں بھی جو اُس کیلئے لازم ہیں ضرور قدیم ہونگی کیونکہ لازم کا اپنے ملزوم سے منفک اور جدا ہونا محال ہے۔ لیکن یہ صورتیں

اس دلیل سے کہ عدم کو قبول کرتی ہیں قدیم نہیں ہو سکتیں پس مادہ بھی قدیم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تالی کے سبب اور رفع کرنے سے مقدم کا رفع یا سلب لازم آتا ہے جیسا کہ علم منطق میں یقینی طور پر یہ بات طے ہو چکی ہے اور ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص اسکو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ پھر بحث سابق کے تمام ہونیکے بعد ہم کہتے ہیں کہ حادث یعنی ایسی شے کیلئے جو پہلے نہ تھی اور پھر موجود ہوگئی ضرور کوئی ایسا امر ہونا چاہئے جو اُسے موجود کردے اور جسکی وجہ سے اُسکے عدم پر اُسکے وجود کو ترجیح ہو جائے اور وہ عدم کی تاریکی سے وجود کی روشنی میں نکل آئے ورنہ ترجیح بلامرجح لازم آئیگی اور وہ منجملہ بدیہی محالات کے ہے اگر خدانخواستہ آپ لوگوں کی یہ حالت ہو جائے کہ آپ ترجیح بلامرجح کو بھی ممکن کہنے لگیں تو مجھ سے سُننے میں پوچھتا ہوں کہ جب آپ کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنیں کہ میں نے انسانی ایجاد کردہ ترازوؤں میں سب سے سبک اور ایک ایسی ترازو دیکھی کہ جسکے دونوں پلڑے بوجھ میں بالکل برابر تھے پھر کیا دیکھتا ہوں کہ کہاں تو اُسکے دونوں پلڑے بالکل متوازی تھے یا فرض کیجئے کہ بائیں جانب کا پلڑا کسی سبب سے جھک کر زمین سے لگا ہوا تھا پھر دفعتہً داہنا پلڑا یا بائیں سو راجح ہوگیا اور اتنا نیچا ہوا کہ زمین سے لگ گیا اور بایاں اتنا اونچا ہوگیا جہانتک کہ اونچا ہونا ممکن تھا لیکن یہ سب کچھ بلا کسی سبب اور مرجح کے پایا گیا راجح ہونیوالے پلڑے کو نہ کسی حیوانی طاقت نے راجح کیا یعنی جھکایا نہ اُسے ہوا کا دھکا لگا نہ کوئی دوسرا جسم جو اوپر سے گرا ہو اسکا باعث ہوا خلاصہ یہ کہ جتنی چیزوں سے پلڑا جھک سکتا ہے انمیں سے کوئی بھی نہیں پائی گئی اور پھر بھی وہ بلا وجہ جھک گیا پس اس موقع پر اگر آپ اس قائل کے قول کو سچ سمجھیں گے تو میں جان لونگا کہ آپ لوگوں کا عناد انتہا درجہ کو پہنچ گیا بس اب آپ سے گفتگو کرنا جائز نہیں اور اگر آپنے اُسکی تصدیق نہ کی اور آپ نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ تو محال ہے تو اُسوقت میں آپسے عرض کرونگا کہ حضرت یہی ترجیح بلامرجح ہے اسی کی نسبت مینے سابق میں آپ سے کہا تھا کہ بدیہی محالات میں سے ہے۔

اس مثال میں اور جتنی حقائق کہ اس کے علاوہ متصور ہو سکتی ہیں عام ہے کہ وہ حسی ہوں یا عقلی ان سب میں اس لحاظ سے ذرا بھی فرق نہیں ہے کہ ترجیح بلامرجح سب میں محال ہے جیسا کہ یہ امر ہر تامل کرنے والے کے نزدیک بخوبی ظاہر ہے اور جب آپ اپنے بہترے علمی مباحث اور گفتگو میں تامل کرینگے تو آپ خود دیکھیں گے کہ آپ اپنے مدمقابل سے بحث کرتے وقت بیشمار مواقع پر اسی قاعدہ کے ماننے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں اور وہ قاعدہ یہی ترجیح بلامرجح کا محال ہونا ہے چنانچہ جب کوئی شخص اس امر کا دعوے کرتا ہے کہ حوادث فطرت میں سے فلاں امر بلا سبب پایا گیا اور اُسکا وجود اتفاقات فطرت میں فلتۃً[ع] یا اتفاقی طور پر ہوگیا ہے تو آپ اُس سے کہتے ہیں کہ یہ بالکل ناممکن ہے اور ہمارے نزدیک محقق امر یہ ہے کہ جسکو لوگ فلتۃ یا اتفاقی کہتے ہیں وہ محض باعتبار ظاہر کے ہے چونکہ اُسکا سبب نہیں معلوم ہوا اور نہ حقیقت میں اُسکا وجود ضرور کسی نہ کسی سبب اور قوانین فطرت میں سے کسی نہ کسی قانون کی وجہ سے ہوا ہے کہ جو ہمپر مخفی رہا ہے بے وجہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی پس آپ لوگوں کا ایسے اقوال کہنا صاف اسی ترجیح بلامرجح کے محال ہونے پر بھروسہ کرنا ہے اس تقریر سے یہ ظاہر ہوگیا کہ آپ لوگ بھی اس قاعدہ کو مانتے ہیں اور اسکا انکار نہیں کر سکتے اور مینے جو باوجود اسکی بداہت اور وضوح کے تقریر کو اس موقع پر اتنا طول دیا تو اُسکی یہ وجہ ہے کہ مینے آپ ہی لوگوں

[ع] قدمائے فلاسفہ کی اصطلاح میں اسے بخت و اتفاق کہتے ہیں ۱۲ مترجم

ہے۔ بعض عقل کے کمزوروں کو دیکھا ہے کہ اس بدیہی اور فطری قاعدہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترجیح بلا مرجح کے واقع ہونے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا یعنی اس بات کے قائل ہیں کہ بلا وجہ بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے اور ایسی بے خبری اختیار کر لینا اُنکی جہالت کا نتیجہ ہے اسکا ارتکاب وہی کر سکتا ہے کہ جو محض خس حیثیت کا ہو اور جسکی عقلی قوتیں نہایت ہی کمزور ہوں ایسے شخص کا حال تو بالکل سوفسطائیہ فرقہ والوں کا سا ہے کہ جو حقائق اشیاء کے بلکہ مشاہدات کے بھی منکر ہیں اور یوں گمان کرتے ہیں کہ علم کی چیزیں محض اوہام اور خیالات ہیں۔

پس اب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے اب سنئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین کے نزدیک مادہ کا حادث ہونا بہت سی دلیلوں سے ثابت ہو چکا انھیں دلائل میں سے وہ دلیلیں بھی ہیں جو میں نے آپ لوگوں کے سامنے پیش کیں اور آپ لوگوں کے مقابلہ میں صرف انھیں دلیلوں کی تخصیص کی یہ وجہ ہے کہ وہ آپ کی تحقیقات اور آپ کے علمی اصول کے مناسب ہیں یا اسلئے کہ وہ بالکل واضح ہیں اور ایسے مقدمات پر مبنی نہیں جنکے سمجھنے میں آپکی عقلوں کو دقت ہو اور اُن کے نزدیک یہ بھی ثابت ہو چکا کہ ترجیح بلا مرجح محال ہے اس لئے وہ اس بات کے قائل ہوں گے کہ ضرور کوئی ایسی شے ہونا چاہئے کہ جس سے مادہ حادث ہوا اور اُسکے وجود کو اُسکے عدم پر ترجیح ہوئی اور اس شے کا جس سے کہ مادہ حادث ہوا ہے لا محالہ موجود ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ جو شے خود معدوم ہو اس سے کوئی شے اضطرارًا یا اختیارًا کیسے موجود ہو سکتی ہے بلکہ ناممکن ہے جیسا کہ عقل کے نزدیک یہ امر بدیہی اور ظاہر ہے پس وہ لوگ یعنی اہل اسلام معتقد ہوں گے کہ وہ شے جس سے کہ مادہ جو عالم کی اصل ہے پیدا ہوا ہے ضرور موجود ہے اسکا معدوم ہونا محال ہے کیونکہ موجودات کی معدوم سے ہرگز حادث نہیں ہو سکتیں اور نہ وجود و عدم دونوں برابر ہو سکتے ہیں اور انھوں نے اسکا نام عالم کا خدا رکھا۔

پھر ان لوگوں نے کہا کہ یہ خدا ضرور قدیم بھی ہونا چاہئے ورنہ اگر حادث ہوگا تو ضرورت ہوگی کہ اُسکا حادث کرنے والا کوئی اور ہو اور وہ دوسرا ہو کیونکہ ترجیح بلا مرجح تو محال ہی ہے اور پھر اس دوسرے کیلئے تیسرے کی ضرورت پڑیگی اور اسیطرح یہ سلسلہ چلے گا پھر یا تو دور لازم آئیگا یا تسلسل اور دور اور تسلسل دونوں محال ہیں اور جو چیز کہ ان دونوں کی طرف منتہی ہوگی اور جس سے کہ محال لازم آئیگا وہ بھی محال ہوگی پس اس خدا کے حادث ماننے سے یہ محال لازم آتا ہے تو خدا کا حدوث بھی محال ٹھہرا اور جب کسی شے کا حدوث محال ہو تو لازمی ہے کہ وہ قدیم ہو اب دور کے معنے یہ ہیں کہ وہ دو چیزوں کا اس طور پر ہونا کہ ہر ایک کا وجود دوسرے کے وجود پر موقوف ہو اور اس سے لازم آتا ہے کہ ہر ایک کا وجود اپنے وجود سے پہلے ہو جائے جس سے یہ لازم آئیگا کہ شے اپنے وجود سے پہلے موجود ہو جائے اور یہ بالبداہت باطل ہے پس اگر ہم کہیں کہ وہ خدا جس پر مادہ کا وجود موقوف ہے خود اس کا وجود بھی اسی مادہ پر موقوف ہے عام ہے کہ بلا واسطہ موقوف ہو یا کسی شے کے واسطے سے مثلاً یوں کہ اس خدا کا وجود کسی دوسری شے پر موقوف ہو اور اس شے کا وجود مادہ پر موقوف ہو اور مادہ خدا پر موقوف ہو تو اس صورت میں یہ لازم آئیگا کہ مادہ قبل اس شے کے پایا جائے کہ جو وجود مادہ کے لئے سبب ہے جس سے کہ ضروری ہوگا کہ مادہ اپنے وجود سے پہلے ہی موجود ہو جائے اور یہ امر صراحۃً باطل ہے اور کوئی عقلمند اسکا قائل نہیں ہو سکتا۔ اسکا نام دور حقیقی ہے کہ جس کے باطل ہونے میں ذرا بھی شک نہیں۔

اور ایک دور حقیقی بھی ہوتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ دو شے میں سے بعض بعض پر اس وجہ سے موقوف ہو کہ وہ دونوں ایک علت کے معلول ہیں مثلاً دن کا موجود ہونا اور دنیا کا روشن ہونا کہ یہ دونوں طلوع آفتاب کے معلول ہیں ایسا دور محال نہیں ہے اور نہ ہمارا اسمیں کلام ہی ہے

بحث دوم تسلسل اس کے یہ معنی ہیں کہ چند اشیا اس طور جانب ازل میں لگاتار ہوتے ہوئے چلے جائیں اور یہ سلسلہ کہیں ختم ہی نہ ہو اور عقل بیک انکی ہونیکا اس سے حکم لگاتی ہے کہ اس سے متعدد محالات لازم آتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو چیز محال کو مستلزم ہوتی ہے وہ بھی محال ہوتی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے اگرچہ تسلسل کے باطل ہونے کی بہت سی دلیلیں نہایت شرح و بسط اور تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں لیکن ہم نہیں ہے اس موقع پر صرف ایسی ہی دلیلوں پر اقتصار کیجئے کہ جو آپ لوگوں کے افہام کے قریب ہوں اور جنکو آپ کی عقلوں سے مناسبت ہو زیادہ نہیں آپ سے ہم صرف دو ہی دلیلیں بیان کرینگے۔

پہلی دلیل ہر عقل سلیم کے نزدیک یہ بات نہایت ہی ظاہر اور اجلی بدیہیات میں سے ہے کہ عدد ناقص اپنی اکائیوں کی تعداد کے لحاظ سے عدد زائد کے ہرگز برابر نہیں ہو سکتا مثلاً پانچ کا عدد سات کے اعتبار سے ناقص ہے تو وہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جتنی پانچ میں اکائیاں ہیں اتنی ہی سات میں بھی ہوں بلکہ سات میں پانچ اکائیوں سے دو اکائیاں اور زائد ہیں اسیطرح ہر چھوٹے عدد کو بڑے عدد کے اعتبار سے سمجھ لیجئے خلاصہ یہ کہ ہر عدد ناقص اور زائد کا (یعنی چھوٹے اور بڑے عدد کا) اکائیوں میں برابر ہو جانا صریح محال ہے اسی طرح عقل یہ بھی حکم کرتی ہے کہ جو مقدار دو حدوں کے درمیان گھری ہوگی وہ ضرور محدود اور متناہی ہوگی اور یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شے دو حدوں کے درمیان گھری بھی ہو اور غیر محدود بھی ہو ان دونوں باتوں کا مجتمع ہو جانا سراسر محال ہے پس جب آپنے ان دونوں مقدموں کو تسلیم کر لیا اور کرنگے تسلیم کیجئے میں آپ لوگوں کو شک ہی کیا ہو سکتا ہے تو ظاہر تر ہیں تو اب یہ سنئے پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر تسلسل کا وقوع ہونا ممکن ہوگا اور تسلسل غیر محدود امور کا جانب ازل میں مرتب ہونیکا نام ہے تو فرض بھی جائز ہوگا کہ ہم ایسے ہی امور کے دو سلسلے فرض کریں کہ جنمیں سے ایک کی ابتدا تو زمانہ موجود سے ہو اور دوسرے کی مثلاً ہزار برس پہلے سے شروع ہوا ہو اور دونوں جانب ازل میں لگاتار چلے گئے ہوں ایسا میں ذرا بھی شک نہیں کہ پہلا سلسلہ (جو زمانہ موجودہ سے شروع ہوا ہے) دوسرے سلسلہ سے (جو اب سے ہزار برس قبل شروع ہوا ہے) صرف ایک مخصوص عدد (ہزار برس) کے اعتبار سے بڑا ہوگا پھر ہم ان دونوں سلسلوں میں ہر ایک سے ایک ایک امر کو ساقط کرنا شروع کرتے ہیں یعنی ہم پہلے سلسلے سے ایک ساقط کرینگے اس کے مقابل دوسرے سے بھی ایک ہی ساقط کرینگے پھر اسی طرح سے دونوں سے برابر ساقط کرتے چلے جائیں گے پس اس صورت میں یا تو ان دونوں سلسلوں میں سے کوئی سلسلہ بغیر دوسرے کے ختم ہو جائیگا اور یہ خلاف مفروض ہے اور یا دونوں سلسلے ساتھ ختم ہو جائیں گے پس جانب ازل میں انکا غیر متناہی اور غیر محدود ہونا کہ اسی کا نام تسلسل ہے باطل ہو جائیگا اور یہی ہمارا مقصود تھا اور اگر ان دونوں سلسلوں میں سے کوئی بھی ختم نہ ہوگا تو اس صورت میں لازم آئیگا کہ سلسلہ ناقصہ سلسلہ زائدہ کے برابر ہو جائے حالانکہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ عدد ناقص کا عدد زائد کے برابر ہو جانا محال ہے پس ظاہر ہوگیا کہ اشیاء کا جانب ازل میں غیر متناہی

صفت ازل جیسا کہ ابد کی جانب غیر محدود ہو سکتے ہیں۔ ۱۲ مترجم عفی عنہ

چونکہ اسی کا نام تسلسل ہے محال کو مستلزم ہے اور جو شے کہ محال کو مستلزم ہوتی ہے وہ بھی محال ہوا کرتی ہے لہٰذا تسلسل بھی ضرور محال ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر تسلسل ممکن ہو تو ضرور ہمیں جائز ہوگا کہ ہم ایسے دو خط فرض کریں کہ جو ایک نقطہ سے مثلث کی دونوں ساقوں کے مثل غیر متناہی کھنچے چلے جائیں پس اُن کے اجزا بمنزلہ اُن غیر محدود امور کے ٹھہرینگے کہ جو جانب ازل میں مرتب ہوتے ہوئے چلے گئے تھے پھر ہم اُن دونوں کے درمیان کی مسافت ظاہر کرنے کیلئے جزو بہ جزو پے درپے خطوط فرض کر سکتے ہیں اور پھر وہ مسافت ظاہر کرنے والے خطوط بھی طول میں اتنے ہی زیادہ ہوتے جائینگے کہ جتنے کہ وہ پہلے کے دونوں خط مفروض بڑھتے جائیں گے اس صورت کو سمجھ لیجئے پس جب ہم نے ان دونوں خطوں کو غیر متناہی مانا ہے تو ضرور ہے کہ ان دونوں خطوں کے درمیان کی مسافت بھی جسکو ہمنے خطوط سے ظاہر کیا ہے غیر متناہی ہو پس ان خطوط میں سے وہ خط بھی جو غیر متناہی مسافت کو ظاہر کریگا ضرور غیر متناہی ہوگا حالانکہ وہ دو حدوں کے درمیان گھرا ہوا ہے کیونکہ اس درمیانی مسافت کی دو حدوں کے مابین گھرے اور محصور ہونے میں ذرا بھی شک نہیں اور دونوں حدیں وہی دونوں خط مفروض ہیں حالانکہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ جو مقدار دو حدوں کے مابین محصور ہوگی وہ ضرور متناہی ہوگی اور یہ کہ باوجود اس طرح پر محصور ہونے کے اسکا غیر متناہی ہونا محال ہے پس جو امر کہ اس محال کو مستلزم ہو اور وہ اس موقع پر دونوں خطوں کا غیر محدود ماننا ہے جسکو تسلسل کہتے ہیں وہ بھی ضرور محال ہوا پس جب آپ میری تقریر میں جسکو کہ میں نے دور اور تسلسل کے باطل اور محال ہونے پر قائم کیا ہے غور کرینگے اور اپنی فکر سے کام لیں گے تو یہ بات آپ پر بخوبی ہویدا ہو جائیگی کہ وہ خدا جس نے مادہ کو بنایا ہے ہرگز کسی دوسری شے سے حادث نہیں ہو سکتا ورنہ یا تو دور لازم آئیگا اگر ہم لوٹ پڑیں اور یہ کہنے لگیں کہ اُس خدا کا وجود اسی مادہ کے وجود پر موقوف ہے اور یا تسلسل لازم آئیگا اگر ہم کہیں کہ اس خدا کا وجود کسی دوسری شے پر موقوف ہے اور اُسکا وجود کسی تیسری شے پر پھر اسی طرح پر غیر محدود سلسلہ جاری کرتے چلے جائیں اور دور اور تسلسل یہ ہر ایک محال ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے پس جو امر (اور وہ اس موقع پر خدا کا حادث ماننا ہے) اُن دونوں محالوں کو مستلزم ہوگا وہ بھی ضرور محال ہوگا اور جب خدا کا حادث ہونا محال ہوا تو وہ قطعی طور پر قدیم ٹھہرا کیونکہ موجودات میں سوائے حدوث اور قدم کے کوئی تیسری شق نکل ہی نہیں سکتی اور خدا کو قدیم ثابت کرنا ہی ہمارا مقصود تھا۔

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین اس خدا کے قِدَم ثابت ہو جانیکے بعد یہ کہتے ہیں کہ اسکا قِدَم یا تو محالاً کسی ایسے امر کیوجہ سے ہوگا کہ جو ازل میں اُس کے وجود کو مقتضی ہو اب اگر وہ امر اسی کی ذات مانی جائے تو قدیم لذاتہ ٹھہریگا۔ لیکن اگر وہ امر اُسکی ذات کے سوا کوئی دوسری شے قرار دیا جائیگی تو اُسکو قدیم بغیرہ ماننا پڑیگا حالانکہ اُسکے قدیم بغیرہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ کوئی اسکا مقتضی ہی پایا جاتا ہے اور بالفرض اگر کوئی اس کے قدیم بغیرہ ہونے کا احتمال نکالے تو اس صورت میں اس غیر میں گفتگو جاری ہوگی کہ آیا وہ قدیم لذاتہ ہے یا وہ بھی قدیم بغیرہ ہی ہے پھر یا تو اسی طرح برابر سلسلہ چلا جائیگا کہ جو تسلسل ہے اور وہ محال ثابت ہو چکا ہے اور یا کسی قدیم لذاتہ ہی تک پہنچکر سلسلہ کو ختم کرنا پڑیگا تو پھر پہلے قدیم لذاتہ سے گریز کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوا پس

عہ یعنی ہم اُس قدیم لذاتہ کا نام خدا رکھیں گے ۔۔

حق یہی ہے کہ اُس خدا کو قدیم لذاتہ مانا جائے یعنی خود اُسکی ذات ہی اسکو مقتضی ہے کہ وہ ازل میں موجود ہو۔ اسکی نظیر آپ لوگوں کا یہ قول ہے کہ اجزاء مادہ کی حرکت کیلئے کوئی دوسری شے مقتضی نہیں بلکہ اُنکے خود نفس حرکت ہی مقتضی ہے جیسا کہ ہم نے آپ لوگوں کی کتابوں میں دیکھا ہے پس اسبات سے بھی کچھ تعجب نہ کیجئے کہ یہ خدا قدیم لذاتہ ہے یعنی اُس کی ذات ہی اُسکے وجود کیلئے مقتضی واقع ہوئی ہے۔ اب اسوقت یہ کہا جائیگا کہ جب تک خدا کی ذات جو اُسکے وجود کو مقتضی ہے قائم رہیگی اُسوقت تک وہ فنا اور عدم کو ہرگز نہیں قبول کرسکتا ورنہ لازم آئیگا کہ کسی شے کے وجود کا مقتضی تو موجود ہو اور باوجود اس کے وہ شے فنا اور معدوم رہے حالانکہ یہ محال ہے پس ثابت ہوگیا کہ اُس خدا کا فنا اور معدوم ہو جانا محال ہے اور اسکا باقی رہنا ایک لازمی امر ہے پس وہ ہمیشہ اور غیر محدود مدت تک باقی رہنے والا ہے۔

پھر وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ خدا جس سے کہ مادہ صادر ہوا ہے یا تو مادہ کا حادث ہونا اُس سے بلا ارادہ اور اختیار کے بطریق علیت اور ضرورت کے ہوگا اور یا بطریق ارادہ اور اختیار کے ہوگا یعنی اُسی خدا نے مادہ کے وجود کا ارادہ کیا اور اُسے اختیار کرلیا اور اُسکے لئے وہی وقت مقرر کردیا جس وقت کہ وہ پایا گیا لیکن مادہ کا صدور خدا سے بطریق علیت ہونا تو ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ خدا تو قدیم ہے تو اُس سے بطریق علیت اُسکا صدور ہوتا تو مادہ کا قدیم ہونا لازم آتا اور اسکی وجہ سے تمام تنوعات بھی ضرور قدیم ہو جاتے کیونکہ جب مادہ میں ارادہ اور اختیار ہی نہیں پایا جاتا تو وہ محال تنوعات کا حدوث اُس سے بطریق علیت کے ہوتا پس اس صورت میں ہرگز ممکن نہ تھا کہ مادہ حادث ٹھہرتا اور اپنی علت سے متاخر ہو سکتا حالانکہ مادہ اور اُسکے تمام تنوعات کا حدوث بخوبی ثابت ہوچکا ہے پس نتیجہ یہ ہوا کہ اس خدا سے مادہ کا صدور بطریق علیت نہیں ہو سکتا اب سوا اسکے کوئی صورت باقی نہیں رہی کہ مادہ خدا کے ارادہ اور اختیار سے حادث ہوا ہو اور اُسی نے اُسکے لئے وہ وقت پہلے ہی سے مقرر کردیا ہو جبکہ وہ پایا گیا پس اس تقریر سے یہ بات پورے طور سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ خدا کیلئے ارادہ اور اختیار ثابت ہے اُسکی ذات ارادہ کنندہ اور ذی اختیار کہلانے کے شایاں ہے اُسکے لئے اسکی ضد محال ہے اور وہ ضد مجبور اور بے اختیار ہونا ہے۔

پھر اُس خدا نے مادہ کے وجود کا ارادہ کرکے اُسکے وجود کو عدم پر ترجیح دیدی اور اُسکے وجود کا ایک زمانہ معین کردیا اور یہی ترجیح اور تخصیص اختیار ہی کا منشاء اور فعل ہے اسلئے یہ مادہ محض خدا کے منشاء اور فعل ہی سے ان عجیب و غریب اور حیرت انگیز تنوعات کو قابل حادث ہوا اس موقع پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین یہ کہتے ہیں کہ جس خدا نے مادہ کو جسکی حقیقت کا سمجھنا انسانی فلاسفروں کی عقول پر نہایت ہی دشوار ہے جیسا کہ اُنکی کتابیں دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ اُنھوں نے مادہ کی تعریف بیان کرنے اور اُس کی حقیقت ظاہر کرنے میں کیا کچھ خبط مچایا ہے بنایا ہے کہ جو سماوی ارضی جماری۔ نباتی اور حیوانی عجیب و غریب انواع پر متنوع ہوا ہے اور جسمیں کہ طرح طرح کی صورتیں یکے بعد دیگرے قبول کرنیکی قابلیت موجود ہے۔

بیشک وہ خدا نہایت کمال کے ساتھ علم و قدرت رکھنے والا اور پورا پورا قادر اور عالم ہے منجملہ اسبات کے کہ اُسی نے مادہ سے انواع و اقسام کے تنوعات کو متنوع کیا ہو اور تمام تعجب خیز کائنات کو باوجود عجیب و غریب استحکام کے اُس سے بنایا ہو جیسا کہ

besturdubooks.wordpress.com

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین کا عقیدہ ہے اور یا اُسنے مادہ ہی کو اس قابل بنایا ہو کہ وہ اُسکے ذرات بسیطہ کی حرکت اور ان قوانین فطرت کے موافق جو اس کے ساتھ قائم ہیں ان تمام تنوعات اور تغیرات کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسا کہ آپ لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ یہ تمام تنوعات مادہ کے ذرات کی حرکت سے کہ جو خاص خاص قوانین فطرت کے موافق جاری ہے حاصل ہوگئے ہیں پس ہر دو شق پر خدا کے کامل علم اور قدرت پر قطعی دلالت موجود ہے کیونکہ ایسے کی نسبت جو کسی بسیط شے کو پیدا کرے اور پھر بدل بدل کر اس کے بیشمار انواع بناتا ہے اور باوجود نہایت درجہ کے استحکام اور انضباط کے نہایت ہی حیرت افزا اور تعجب خیز اشیاء اس سے نکالتا ہے یا وہ ایسی بسیط شے کو پیدا کر سکے جس میں یہ قابلیت موجود ہو کہ وہ اُن قوانین فطرت کے مقتضا کے موافق جو اسی میں قائم ہوں بیشمار عجیب و غریب انواع کی جانب منقلب ہو سکے تو ایسے کی نسبت کسی عاقل کو ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ضرور کامل علم اور قدرت والا ہوگا اور اس کا عاجز یا ناواقف ہونا سراسر محال ہے۔ مثلاً جب ہم کسی گھڑی کو جس سے کہ وقت معلوم ہوتا ہے دیکھیں اور ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ غایت انضباط اور استحکام کے ساتھ کیسی عجیب اس کی ترکیب ہوا کرتی ہے جو قواعد ہندسیہ اور کل سازی کے اصول پر سراسر مبنی ہوتی ہے پس جس طرح کہ اس امر کو ہم سمجھتے ہیں کہ اس گھڑی کا ضرور کوئی بنانیوالا ہے کہ جس نے اُسے بنایا ہے اور نہایت محکم اصول پر اس کی بنا رکھی ہے اسیطرح قطعی طور پر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اسکا بنانیوالا بھی اسکو جانتا ہے کہ اسکے بنانیکی کافی قدرت رکھتا ہو اور نہایت منضبط اور مستحکم اصول پر مبنی کر دیا اُسے پورا پورا علم بھی ہو۔ علاوہ اسکے خواہ اسی نے اس کے پرزے بنائے ہوں اور پھر انہیں اس طرح خود ہی جوڑا ہو کہ وہ بخوبی کام دے سکتی ہو اور یا اس نے صرف اس کے پرزوں ہی اس انداز پر بنائے ہوں کہ جنکو مرتب کر کے گھڑی جوڑی جا سکتی ہو اور کام دینے کے قابل ہو سکتی ہو۔ اگر اس موقع پر ہم سے کوئی یہ کہنے لگے کہ اس گھڑی کو ایک شخص نے کہ جو اندھا بہرا دست و پا بریدہ نا سمجھ بے خبر علم ہندسہ سے بالکل بیبہرہ اور کل سازی کے اصول سے محض ناواقف ہے بنایا ہے تو ہم اس قائل کو پرلے شد و مد سے تکذیب کرینگے اور ہماری عقلیں ذرا بھی ایسی بات نہ مانیں گی اور یہ کہیں گی کہ جو اس بات کی تصدیق کرے اور ایسے شخص کو سچا جانے وہ پرلے درجہ کا احمق ہے پس تو آپ نے سُنا میں آپ سے کہتا ہوں کہ جب آپ لوگوں کو اس کے وجود کا پتہ نہ لگا جسنے کہ مادہ پیدا کیا ہے اور پھر آپ مادہ کے قدم کے معتقد ہوگئے پھر اس کے مختلف تنوعات اور تغیرات کو آپ نے دیکھا کہ جو پہلے نہ تھے اور پھر حادث ہوئے اور یہاں بھی آپ اس کے وجود کو دریافت نہ کر سکے کہ جو ان تمام تنوعات کا پیدا کرنیوالا ہے اسلئے آپ لوگوں کو یہ ضرورت ہوئی کہ اس سبب کی بحث کریں جسکی وجہ سے یہ سب تنوعات پیدا ہوئے کیونکہ عقل ہرگز اسکو نہیں تسلیم کر سکتی کہ وہ سب محض مادہ ہی سے حادث ہوگئے ہوں اسوجہ سے کہ ہر حادث کیلئے ضرور کوئی سبب ہونا چاہئے کہ جس میں اس کے احداث کی صلاحیت موجود ہو اور پھر وہ مادہ ایسا ہے نہیں پس بڑی سرگردانی کے بعد آپ لوگ اس امر کے قائل ہوگئے کہ مادہ کے ذرات بسیطہ جنکی شکلیں مختلف ہیں ازلی حرکت کے ساتھ متحرک ہیں اور اسی حرکت کے باعث سے یہ اجزا مختلف ہیئت اور طرح طرح کی کیفیت پر مجتمع ہونے لگے کہ جس سے یہ جملہ تنوعات پیدا ہوگئے تو آپ لوگوں نے محض یہ کہکر اپنی عقلوں کو سمجھا لیا کہ ان تمام تنوعات کا سبب یہی حرکت واقع ہوئی ہے حالانکہ آپ لوگوں کو ان اجزا

کو نہ تو محسوس اپنی آنکھوں ہی سے کبھی دیکھا اور نہ بڑی سے بڑی خوردبین سے آج تک یہ نظر آئے (اور نہ ہرگز آپ لوگ ان اجزا کو دیکھ سکیں گے) اور نہ کبھی مادہ کی حرکت کا کسی کو ذرا احساس ہوا (اور نہ ہرگز آپ لوگ احساس کر سکیں گے) لیکن جس چیز نے آپکو مادہ کے اجزا اور اُن کی حرکت کے قائل ہونے پر مجبور کیا وہ محض یہ ضرورت ہے کہ آپ سمجھ سکیں کہ تمام انواع کیونکر بن گئیں اور اسپر بھی آپ نے اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ لوگوں نے ان اجزا کیلئے مختلف شکلیں بھی مان لیں تاکہ آپ اس کہنے کے قابل ہو جائیں کہ انہیں اجزا کے اجتماع سے باوجود ان کی اشکال کے اختلاف کے مختلف انواع اور طرح طرح کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں ان سب باتوں کے تو آپ قائل ہو گئے لیکن اُن اجزا کے اشکال کا دیکھنا تو جدا رہا محض اُن اجزا تک کو تو آپ نے دیکھا نہیں بلکہ یہ ساری باتیں فرضی اور تخمینی ہیں جن کے ماننے پر آپ کو محض اس ضرورت نے آمادہ کیا ہے تاکہ آپ یہ سمجھ سکیں کہ یہ مختلف انواع کیونکر بن گئیں۔

اب اس موقع پر اگر آپ لوگوں نے اپنا وہ قاعدہ بالائے طاق رکھ دیا جسکی نسبت ہمنے آپ لوگوں کو اکثر ڈینگ مارتے سنا ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگ کسی امر کو جب تک کہ اس کا احساس اور مشاہدہ نہ کریں ہرگز مانتے ہی نہیں وہ قاعدہ اب کہاں گیا کیوں اس موقع پر احساس اور مشاہدہ کو چھوڑ کر عقلی دلیل سے استدلال کرنے پر مجبور ہوئے اس سے یہ خیال نہ کیجئے کہ ہم عقلی استدلال کے طریقے سے انکار کرتے ہیں نہیں یہ تو خاص ہمارا اور تمام جمہور حکماء کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے ہمیں صرف آپ لوگوں کو یہ یاد دلانا مقصود ہے کہ آپ لوگو یہ قول کہ ہم احساس اور مشاہدہ کے سوا کسی چیز پر اعتماد ہی نہیں کرتے پورا نہ ہو سکا اور نہ آپ اپنے اس قول پر قائم رہ سکے (اور نہ ہرگز قائم رہ سکتے ہیں) اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ موقع ہی ایسا تھا چونکہ ہمیں استدلال کی ضرورت ہوئی کیونکہ ہم نے اجزا اور اُن کی حرکت کے آثار مشاہدہ کئے اور وہ آثار یہی تنوعات ہیں اور انہیں آثار سے اُن کے موثر پر ہمنے استدلال کیا تو ہم آپ سے کہیں گے کہ یہی تو ہم بھی کرتے ہیں خدائے عالم کے آثار مشاہدہ کرکے ہم اور اسیطرح تمام مذاہب والے خدا کے وجود پر استدلال کرتے ہیں اور خدا کے آثار یہی ساری کائنات ہیں پس ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آپ لوگوں کو ہمارے استدلال کا سمجھنا کیوں مشکل معلوم ہوتا ہے اور اپنے استدلال کو آپ آسان خیال کرتے ہیں حالانکہ اگر انصاف سے پوچھئے تو عقل ہمارے ہی استدلال کو قبول کرتی ہے جیسا کہ ابھی ہم بیان کرینگے

اس تمہید کے بعد ہم اپنے اصلی مطلب پر پھر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک جبکہ مادہ کا حدوث اور یہ امر ثابت ہو چکا کہ اس مادہ کیلئے ضرور کوئی محدث اور موجد ہے جس نے کہ اسکو حادث کیا اور عدم سے اسکو اس طرح پر موجود کر دیا کہ وہ تمام تنوعات اور تطورات قبول کرنیکے قابل ٹھہرا اور اس سے اُن کے نزدیک اس موجد کا ارادہ اسکی قدرت اور اس کا علم بھی بدیہی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا اب اسکے بعد اُن کو اس امر کے سمجھنے کیلئے کہ تمام انواع کیونکر بن گئیں کسی دوسری چیز کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں اسی لئے وہ قائل ہو گئے کہ جس خدا نے مادہ کو پیدا کیا اسکو تمام تنوعات قبول کرنیکے قابل بنایا اور جو کہ صفت ارادہ قدرت اور علم کے ساتھ موصوف ہے اسی نے مادہ پیدا کرنے کے بعد اس سے ان تمام انواع کو بنایا اور ان نئی نئی صورتوں کو کہ جنہیں دیکھکر عقل دنگ رہ جاتی ہے ایجاد کیا کیونکہ ان انواع کے حدوث کیلئے کوئی نہ کوئی موجب ضرور ہونا چاہئے اور ظاہر ہے کہ اُن کے حدوث کو اسی خدا ہی کیطرف نسبت کرینگے جس میں کہ ارادہ قدرت اور علم سب کچھ پایا جاتا ہے عقل قبول کرتی ہے۔

اور سمجھ میں بھی آتا ہے بخلاف اس کے کہ اُن کے حدوث کو اجزاء مادہ کی حرکت کی جانب منسوب کیا جائے کہ جنہیں نہ ارادہ ہے نہ قدرت ہے اور نہ کچھ علم ہی پایا جاتا ہے بلکہ صرف اتفاقی طور پر اُس کے اجزاء خاص خاص کیفیتوں کے مجتمع بھی ہو جاتے ہیں پھر چند قوانین فطرت کے موافق جنکے لزوم کو عقل نہیں سمجھ سکتی عمل درآمد بھی کرلیتے ہیں اگرچہ ان قوانین میں سے بعض کے لزوم کیلئے عقل کو کوئی نہ کوئی موجب تلاش کرلینا ممکن ہے اور یہ تبائنات اصول کیلئے فروع کی وراثت کا قانون ہے جیسا کہ پیشتر آپ کے مذہب کے بیان میں اسکا ذکر ہوچکا ہے لیکن ان قوانین میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اُنکی ملازمت کے موجب کا تلاش کرنا عقل کے امکان میں نہیں اور یہ وہ تباینات ہیں جنکی موجودگی ہر فرع میں ضروری خیال کیگئی ہے اور جن کے اعتبار سے ہر فرع اپنی اصل کے خلاف ہوتی ہے کیونکہ ہر عاقل یہ کہہ سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اصول کے خلاف فروع میں تبائنات کا موجود ہونا لازمی ہوگیا؟ اور یہ کیوں نہ ضروری ہوا کہ کسی امر میں تباین ہونیکے بغیر فرع اپنی اصل کے موافق ہوا کرتی حالانکہ عقل یہی امید کرسکتی ہے کہ فروع اپنے اصول کے موافق ہوا کریں اُنکے خلاف نہ ہونے پائیں پس اگر اس موقع پر کوئی ایسی شے جو ان تبائنات کو دائمی طور پر ضروری کرتی ہے موجود نہ ہوتی تو یہ قانون فطرت لازمی نہیں ہوسکتا اب رہا کہ محض اجزاء کی حرکت ان تبائنات کو دائمی طور پر ضروری کردے تو عقل اسکو نہیں تسلیم کرسکتی نہ اس سے اسکا اطمینان ہوسکتا ہے کیونکہ اُن اجزاء میں تو اس استمرار کی صلاحیت کا ذرا بھی پتہ نہیں جیسا کہ ہر فکر سلیم کیلئے یہ امر بخوبی ظاہر ہے۔

اس مقام کے مناسب ایک مثال یاد آئی جس کا بغرض توضیح ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں وہ یہ ہے کہ جب ہمکو یہ معلوم ہو کہ کسی شخص نے ایک دخانی کل کے پرزے تیار کئے ہیں پھر اسکے بعد ہم دیکھیں کہ وہ دخانی کل اُن سے مرکب ہوکر مکمل ہوگئی اور چلنے لگی اور ہر ہر پرزہ اپنا اپنا کام دینے لگا اب بتلائے کہ ان دونوں باتوں میں سے عقل کس کو قبول کرسکتی ہے آیا ہمارا یہ کہنا صحیح ہو کہ جس شخص نے اس کل کے پرزے بنائے تھے اُسی نے اُن کو جوڑ کر اس کل کو چلایا ہوگا یا یہ قول صحیح ہوسکتا ہے کہ نہیں یہ پرزے اُس حرکت کے ذریعے سے جو اُن میں پائی جاتی ہے خود بخود مرکب ہونے لگے اور اپنے اپنے موقع پر لگنا شروع ہوئے یہاں تک کہ زمانہ دراز کے بعد یہ کل اس طرح جڑ جڑا کر مکمل ہوگئی اور چلنے لگی اس میں ذرا شک نہیں ہوسکتا کہ عقل بلا تامل پہلی بات کو تسلیم کریگی اور بلا کسی شک و شبہ کے دوسرے امر کو متروک خیال کریگی اسی پر قیاس کرکے آپ اسکو بھی خیال کریں کہ عقل اس بات کو قبول کرسکتی ہے کہ جس نے مادہ کو ایجاد کرکے اُسکو تمام تنوعات کے قابل بنایا اُسی نے اُسی سے تمام انواع کو بھی پیدا کیا نہ یہ کہ بلا اس کے کہ مادہ کے ایجاد کرنے والے نے کچھ کیا ہو وہ مادہ اپنے اجزاء کی اضطراری حرکت کی وجہ سے قانون وراثت اور قانون تباین کے موافق خود بخود طرح طرح کی انواع میں متنوع ہونے لگا کہ جنکے بننے کیلئے اعلیٰ درجہ کی قدرت نہایت ہی کامل علم و حکمت اور تدبیر کی ضرورت ہے پس اے عقلمندو ذرا تو انصاف کرو

خدائے عالم کے ارادہ۔ قدرت اور علم کے ثابت کرنے کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ایک بات کے اور قائل ہیں جسکے اوپر تنبیہ کردینا اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کا ارادہ اور اُس کی قدرت دونوں صرف ایسی ہی چیز کے ساتھ متعلق ہوسکتی ہیں کہ جو عقلاً ممکن ہے یعنی وہ ایسی شے ہو کہ عقل جس کے وجود اور عدم کی تصدیق کرسکتی ہے اُس کے نزدیک وہ موجود بھی ہوسکتی ہو اور معدوم بھی۔ ممکن ہونیکے بعد کوئی شے کیسی ہی بڑی اور مشکل کیوں نہ معلوم ہوتی ہو لیکن خدا اُسکو وجود دیا

معدوم کے ساتھ اور اسیطرح اُس کے اور احوال ہیں سے جیسے ساتھ چاہے اپنے ارادہ سے خاص کرسکتا ہے اور جس کے ساتھ کہ اُس نے اپنے ارادہ سے اُسے خاص کر لیا ہے اسی کے موافق اپنی قدرت سے پیدا کرسکتا ہے اب رہا وہ امر کہ جو عقلاً واجب ہو یعنی عقل اُس کے معدوم ہونیکی تصدیق نہیں کرسکتی تو ظاہر ذی مقدار شئے کا لازمی طور پر کچھ نہ کچھ جگہ گھیرنا ۔

اسیطرح وہ امر جو عقلاً محال ہو یعنی عقل اس کے موجود ہونیکی تصدیق نہیں کرسکتی مثلاً اجتماع نقیضین سو ان دونوں قسم کی اشیاء کے ساتھ خواہ ایجاداً ہو یا اعداماً البتہ نہ تو خدا کا ارادہ ہی متعلق ہوسکتا ہے اور نہ اسکی قدرت اسلئے کہ جو شئے عقلاً واجب ہے وہ خود ہی موجود اور حتماً حاصل ہوگی اُس کا وجود سے نکل جانا ممکن ہی نہیں پس خدا کا ارادہ اور قدرت دونوں اُس کے ساتھ نہ ایجاداً متعلق ہوسکتے ہیں نہ اعداماً ۔ ایجاداً تو اسلئے کہ تحصیل حاصل ہے اور اس سے موجود کا موجود کرنا لازم آتا ہے اور اعداماً اس سے کہ اُسکا معدوم ہونا اور وجود سے نکل جانا محال ہے ۔ اب رہا امر محال وہ تو معدوم ہوتا ہے اُسکا وجود میں آنا ممکن نہیں پس اُس کے ساتھ بھی وہ دونوں (ارادہ اور قدرت) نہ اعداماً متعلق ہوسکتے ہیں کیونکہ تحصیل حاصل ہے اور اس سے معدوم کا معدوم کرنا لازم آتا ہے اور نہ ایجاداً اسوجہ سے کہ اُس کا موجود ہونا اور وجود میں داخل ہو جانا محال ہے ۔

لیکن خدا کا علم ہر شئے کے ساتھ خواہ وہ شئے عقلاً ممکن ہو یا واجب یا محال ضرور متعلق ہوتا ہے جس سے کہ وہ شئے خدا کے پاس منکشف ہوتی ہے پس خدا ہر شئے کو وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو اور پھر چاہے وہ حاضر ہو یا گذشتہ یا آیندہ ۔ سبکو خوب جانتا ہے اُسے تمام چیزوں کا علم ہے شئے حاضر کے ساتھ تو اُسکے علم کا تعلق ظاہر ہے عام ہے کہ وہ واجب ہو یا ممکن یا محال کیونکہ محال بھی تصور میں حاضر ہوسکتا ہے پس خدا اسکو اور اس کے استحالہ کو جانتا ہے ۔ اب رہا امر گذشتہ جسکا وجود منقطع ہو چکا وہ ضرور خدا کی پیدا کردہ اشیا میں سے ہوگا جو کہ خدا ہی کے ایجاد سے موجود ہوا تھا اور اسی کے اعدام سے معدوم ہو گیا اور اس میں کوئی تعجب نہیں کہ جس شخص نے کسی شئے کو بنایا ہو اور پھر اُسے معدوم کردیا ہو اُس کے ساتھ اُس شخص کا علم باقی رہ سکتا ہے اور امر آیندہ کے ساتھ بھی جو اب تک موجود نہیں ہوا اُسکے علم کا تعلق ظاہر ہے کیونکہ جبکہ وہ شئے حادث ہونیکے قابل ہے اور بغیر اسکے کہ خدا اپنے ارادہ سے اُس کے وجود کی تخصیص کرے اور اپنی قدرت سے اُسے موجود کردے وہ ہرگز حادث نہیں ہوسکتی اس لئے کہ کل حوادثات خدا ہی کے افعال کے آثار ہیں پس لازمی امر ہے کہ اُس کے ایجاد کرنے سے پہلے خدا اُسے جانتا بھی ہو کیونکہ اُسنے تو اُسکے وجود کا ارادہ کیا ہوگا جب تو اپنی قدرت سے اُسے موجود کردیگا اور اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ جس انسان نے یہ پختہ قصد کرلیا ہو کہ میں ایک خاص قطعہ کا مکان مثلاً ایک ماہ کے بعد تعمیر کرونگا وہ جو کچھ کہ اس گھر میں بناوے گا اُسے خوب جانتا ہے لیکن اس شخص کے علم میں اور خدا کے علم میں یہ فرق ہے کہ بسا اوقات کسی مانع کیوجہ سے اس شخص کو وہ مکان بنانا میسر نہیں ہوتا تو اس کا پہلا علم واقع کے موافق نہیں رہتا لیکن خدا اُس کے افعال سے جیسے کریگا اُس نے ارادہ کر لیا ہے کوئی مانع باز نہیں رکھ سکتا وہ ضرور ہی اُنھیں کرتا ہے اس لئے اسکا علم ہمیشہ واقع کے موافق ہی ہوتا ہے اُسکے خلاف ہونا ممکن ہی نہیں ۔

اس مقام سے آپ شریعت محمدیہ کے اس مسئلہ کو بھی کہ حوادث میں ہر شئے خدا کے قضا و قدرت سے ہوتی ہے خوب سمجھ گئے ہونگے

کیونکہ جب یہ امر ٹھہرا کہ عالم میں ہر حادثہ جس طرح پر کہ اس کے ساتھ خدا کا علم پہلے سے متعلق ہو چکا ہے اُسکے موافق اُسی کے پیدا کئے سے موجود ہوتا ہے تو ضرور ہوا کہ اُس کے علم سابق کے موافق اُنکے ساتھ خدا کی قدرت ایجاد متعلق ہو اور اُسی کا نام قضا اور یہ بھی ضروری ہے کہ ازل سے اُنکے ساتھ خدا کا علم متعلق ہو اور وہ اس کیلئے ایک حد مقرر کر دے جس کے موافق کہ وہ اسے ایجاد کریگا اور اسیکو قدر کہتے ہیں۔ (قضاء و قدر کی یہ تفسیر یہاں بیان کیگئی یہ منجملہ انھیں تین تفسیروں کے ہے جنہیں کہ علامہ باجوری نے جوہرہ کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے اور یہی تفسیر ماتریدیہ کیا کرتے ہیں)

ف یہ جو شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل اور اولیاء غیب اور آئندہ ہونیکے واقعات کی خبر دیا کرتے ہیں اس مقام سے اس کو بھی آپ سمجھ گئے ہونگے کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادثات کو جانتا ہے اس لئے کہ ہر حادثہ اُسی کے علم سے اُسی کے ارادہ کے متعلق ہونیسے اُسی کے فعل سے پیدا ہوا کرتا ہے تو پھر اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے کہ یہی خدا ان رسل اور اولیاء میں سے جسے چاہے اس غیب یا امر آئندہ کی خبر دیدے اگرچہ ہم اسکے قائل ہیں کہ نفس فطرت انسانی کا یہ مقتضا نہیں کہ وہ بذاتہ اور خود غیبیات میں سے کسی شے کو جان سکے لیکن اگر خدا کسی کو بتلادے تو اُسے کون روک سکتا ہے پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ خدا کے بتانے ہی سے معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اوروں کو خبر دیدیتے ہیں اُن میں سے ایسا تو کوئی بھی نہیں جو بذاتہ علم غیب کا دعویٰ کرتا ہو۔ چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیبکے دعویٰ کرنیکو اعلیٰ درجہ کے منہیات میں شمار کرتی ہے اور جو اس کا دعویٰ کرے اُسکو کافر بتاتی ہے۔

ف پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ وہ خالق عالم جس کا ہمارے نزدیک وجود۔ قدم۔ بقا۔ قدرت ارادہ اور علم ثابت ہو چکا ہے ضرور زندہ ہونا چاہئے اس لئے کہ مردہ کا صفت ارادہ۔ قدرت اور علم میں سے کسی کے ساتھ موصوف ہونا عقل میں نہیں آتا جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس خدا کیلئے صفت حیات ثابت ہوگئی اور اُسکا موت کے ساتھ موصوف ہونا محال ٹھہرا۔

ف پھر وہ کہتے ہیں کہ وہ خدا مادہ کے تمام خواص میں سے کسی خاصہ میں بھی مادہ کے مشابہ نہیں ہو سکتا عام ہے کہ وہ خواص ایسے ہوں کہ جنکے لزوم کیلئے نفس مادہ کی طبیعت مقتضی ہو اور وہ اُس سے جدا نہ ہو سکتے ہوں اور وہ مادہ کے عام صفات ہیں جو اسکے جمیع انواع کیلئے لازم ہیں اور یا وہ ایسے ہوں جنہیں کہ نفس مادہ کی طبیعت قبول کر سکتی ہو خواہ وہ اُس کے تمام انواع میں پائے جا سکتے ہوں یا فقط اُسکے بعض مرکبات ہی میں اور یہ وہ اوصاف ہیں جو کہ مادہ کے جمیع انواع کے لئے عام تو ہیں لیکن لازمی نہیں اور یا وہ عام ہی نہیں ہیں جیسے کہ جوہریت جیسے عرضیت۔ متحیز ہونا (یعنی کسیقدر جگہ کو گھیرنا) مرکب ہونا۔ متجزی ہونا۔ غیر بنا چاہنا غیر کو جننا۔ اتصال۔ انفصال۔ حیوانیت۔ نباتیت۔ جمادیت۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ تمام انفعالات نفسانیہ اور اُسکے مثل جتنی چیزیں ہیں۔ کیونکہ وہ خدا ان خواص میں سے کسی میں بھی اگر مادہ کے مشابہ مانا جائیگا تو وہ بھی اُسی کے مثل مادہ ٹھہریگا اس لئے کہ یہ ظاہر بات ہے کہ جو شے کسی دوسرے کے ساتھ اُس کی ذات اور طبیعت کے لوازمات اور خواص میں سے کسی خاصہ میں بھی مشابہ ہوگی وہ ضرور اُسی کے مثل اور ویسی ہی ہوگی اور اگر یہ خدا مادہ تسلیم کیا جائیگا تو جو

کچھ کہ مادہ کیلئے ممکن ہے یعنی حدوث وہ خدا کیلئے بھی ممکن ہوگا اور خدا بھی حادث ٹھہریگا کیونکہ جو حکم چند یکساں چیزوں میں سے کسی ایک کیلئے ثابت ہوگا وہ ویسی ہی اور چیزوں پر بھی صادق آئیگا حالانکہ خدا کیلئے قدم کے لازمی ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اُس کے حدوث کا محال ہونا ثابت ہو چکا ہے پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس خدا کا مادہ کے مشابہ ہونا ناممکن ہے تو وہ ضرور اسکے خلاف ہوگا۔ اور یہی اس مسئلہ کا مقصد ہے جسکے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین معتقد ہیں کہ خدائے عالم کے لئے تمام حادثات کے خلاف ہونا ضروریات میں سے ہے اور اس کا اُن کے مشابہ ہونا محال ہے اسلئے خدا نہ مادہ ہو سکتا ہے اور نہ مادہ کے خواص میں سے کسی کے ساتھ اُس کا موصوف ہونا ممکن ہے جیساکہ پیشتر بیان ہو چکا ✦

پھر چونکہ ظاہر ہو چکا ہے کہ خدا نہ جوہر ہے نہ جسم اس لئے اُسے کسی مکان کی بھی ضرورت نہیں جسمیں کہ وہ قائم ہو اور نہ وہ عرض ہی ہے جو اُسے کسی محل کی حاجت ہوتی جسمیں کہ وہ حلول کرتا اور قائم ہوتا۔

علاوہ بریں اگر اُسے عرض مانا جائیگا اور وہ کسی محل کا اپنے قیام میں محتاج ہوگا تو وہ ضرور صفت ہوگا اور اگر وہ صفت ہوگا تو پھر اُس کا اُن صفات کے ساتھ جن کا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے موصوف ہونا ناممکن ٹھہریگا اور وہ صفات قدرت ارادہ علم اور حیات ہیں حالانکہ خدا کے ان صفات کے ساتھ موصوف ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اس لئے اُس کا صفت ہونا ممکن نہیں ہو سکتا تو پھر وہ عرض بھی جو اپنے حلول اور قیام میں کسی محل کا محتاج ہو نہ ہو سکیگا۔

پھر چونکہ خدا کا قدم ثابت ہو چکا ہے تو وہ کسی موجد کا بھی جو اُسے ایجاد کرتا ہرگز محتاج نہیں ہو سکتا۔ غرض یہ کہ خدا کا مکان۔ محل اور موجد کی جانب محتاج نہ ہونا یہی امور ہیں جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے اس عقیدہ سے مقصود ہیں کہ خدائے عالم کا بنفسہ اور خود ہی قائم ہونا ضروری ہے اور غیر کے ساتھ اس کا قائم ہونا محال ہے۔ خدا کی اس صفت پر ایک دوسری دلیل بھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ مکان کا۔ یا محل کا یا کسی موجد کا محتاج ہوتا تو ضرور تھا کہ یہ امور مذکورہ اُس سے قبل موجود ہوتے اور اُس کے بنائے ہوئے نہ ہوتے حالانکہ اس بات پر دلیل قائم ہو چکی ہے کہ وہی خدا قدیم اور تمام کائنات کے قبل سے ہے اور کائنات میں ہر شے اُسی کی بنائی ہوئی ہے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس کے بعد بھی وہ انہیں سے کسی شے کی جانب محتاج ہو۔

اُس سابق کے مسئلہ میں کہ خدا مادہ کے خواص میں سے کسی شے میں بھی اس کے مشابہ نہیں ہے یہ شبہ نہ کرنا چاہئے کہ لیجئے خدا ان امور میں تو مادہ کے مشابہ ہو گیا کہ وہ موجود ہے ارادہ کرتا ہے۔ عالم ہے۔ قادر ہے زندہ ہے اور اسی طرح اور صفات ہیں جو کہ اسکے لئے ابھی ثابت ہوئیں کیونکہ مادہ کے انواع ان صفات کے ساتھ تو موصوف ہوتے ہیں اس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا کے صفات مذکورہ کو محض آثار کی مشابہت کیوجہ سے انواع مادہ کے صفات کے ساتھ صرف اسی مشارکت حاصل ہے حقیقت کے اعتبار سے پورا پورا اختلاف اور مباینت پائی جاتی ہے کیونکہ خدا کی صفات مذکورہ اُن کے نزدیک صفات قدیم ہیں اعراض نہیں ہو سکتی لیکن انواع مادہ کی وہ صفات جن کے ساتھ اُن کو اسی مشارکت حاصل ہے بلاشبہ اعراض اور مادہ کے حادث اور زائل ہونیوالے احوال ہیں اور اسمیں ذرا بھی خفا نہیں کہ محض آثار میں مشابہت کا پایا جانا اس امر کو

مستلزم اور مقتضی نہیں ہو سکتا کہ حقیقت میں بھی مشابہت ہو خصوصًا جبکہ صفات خداوندی کے آثار ہیں اور ان صفات انواع کے آثار ہیں اس اعتبار سے زمین اور آسمان کا فرق بھی موجود ہو کہ صفات خداوندی کے آثار با عظمت۔ محیط اور کامل ہوں اور صفات انواع کے آثار اُن کے مقابل میں حقیر۔ ناقص اور قاصر ہوں جیساکہ دونوں کے آثار میں مقابلہ کرنیسے صاف صاف واضح ہوتا ہی

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین جبکہ خدائے عالم کے وجود پر دلیل قائم کر چکے اور آپ لوگوں پر اُس کے وجود کی تصدیق کرنیکو دلیل سابق کے مقتضا کے موافق لازم کر چکے تو اب اُنھیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے مقابلہ میں اس امر پر دلیل قائم کریں کہ وہ خدا ایک ہے۔ خدائی میں اور عالم کی تخصیص اور ایجاد میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ لوگ تو ایک خدا کو بھی نہیں مانتے تھے اُنھوں نے دلیل سے اُسکے وجود کی تصدیق کرنیکو آپ پر لازم کر دیا اب انہیں آپ لوگوں کی جانب سے اس امر کا اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ آپ اُس خدا کے سوا اور کسی خدا کے وجود کا دعوے کرنے لگیں گے اس لئے کہ اسے تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں آپ کے نزدیک تو یہ ظاہر بات ہے کہ آثار خداوندی کی دلالت سے خدائے عالم کے وجود کو ثابت کرنے کے بعد کونسا امر مقتضی ہے کہ کسی دوسرے خدا کے ثابت کرنے کیلئے بھی ہمیں ضرورت پڑے باوجودیکہ اس عالم کی ایجاد کرنے کیلئے صرف ایک ہی خدا جسمیں کہ اُس کے ایجاد اور حکم کرنے کیلئے کامل صفات موجود ہوں بالکل کافی ہے۔

لیکن چونکہ وہ اس کے معتقد ہیں کہ وہ خدا ایک ہی ہے اُس کی خدائی میں کسی کا شریک ٹھہرانا سراسر محال ہے اور وہ اپنے عقیدوں کو بغیر قطعی دلیل پر مبنی کئے ہوئے باز نہیں رہ سکتے اُن کے عقیدوں کی بنا ہمیشہ قطعی دلیلوں پر ہوتی ہے خواہ وہ قطعی دلیل عقلی ہو یا نقلی اس لئے لازم ہے کہ وہ اس خدا کی وحدانیت پر عالم کے ایجاد کرنیمیں اُسکے منفرد ہونے پر اُسکے سوا کسی خدا کے وجود کے محال ہونے پر ضرور عقلی یا نقلی دلیل قائم کریں۔ علی ہذا القیاس جب وہ اُن فرقوں سے گفتگو پر آمادہ ہوں جو کہ متعدد خدا ماننے والے ہیں اور عالم کیلئے دو یا تین یا زیادہ خداؤں کا اعتقاد رکھتے ہیں تو اسوقت بھی اُن فرقوں پر خدائے عالم کی وحدانیت کا اقرار لازم کرنیکے لئے وہ اس امر کو اپنے ذمہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ خدا کی وحدانیت اور اُس کے سوا کسی دوسرے خدا کے محال ہونے پر دلیل قایم کریں لیکن ان فرقوں کے مقابلہ میں اُن کی دلیل ضرور عقلی ہونی چاہیے نقلی دلیل کو وہ مانتے ہی نہیں تو پھر اُن کے سامنے اُس کے بیان کرنے سے فائدہ ہی کیا نکلیگا۔

رہی خدائے عالم کی وحدانیت پر دلیل نقلی جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اعتماد کرتے ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن میں جسکی نسبت اُنھوں نے خدائے عالم کے پاس سے ہونیکی خبر دی ہے بکثرت موجود ہیں۔ قرآن کی اکثر سورتیں خدا کی توحید اور ایجاد کرنیمیں اُس کے منفرد ہونیکی تصریح کرتی ہیں بلکہ اُن میں اُسکی توحید کی دونوں قسم کی عقلی قطعی بھی اور اطمینان بخش دلیلیں بھی جو کہ عام لوگوں کی عقل کے موافق ہیں جنمیں کہ قطعی برہانی دلیل سمجھنے کی قابلیت نہیں مذکور ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو توحید خداوندی کے اعتقاد کے بارے میں محض نقلی دلیل پر بھی اعتماد کر سکتے ہیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی لائی ہوئی چیزوں کی حقانیت کی تصدیق خدا کی توحید پر موقوف نہیں ہے

(وحدانیت کی عقلی دلیل)

اس لئے کہ آپ کے دعوے کی حقانیت پر متعدد دلائل قائم ہونیکی وجہ سے عالم کے موجد کی جانب سے آپ کی رسالت کی تصدیق کرسکتے ہیں عام ہے کہ وہ موجد ایجاد کرنیمیں منفرد اور ایک مانا جائے یا نہ مانا جائے پھر جبکہ وہ آپ کی رسالت کی پوری طور سے تصدیق کرچکے تو پھر انھیں آپ کی یہ خبر بھی ماننا پڑیگی کہ جس خدا نے انھیں بھیجا ہے اور رسول بنایا ہے وہ ایجاد کرنیمیں منفرد اور ایک ہے اُس میں اُس کا کوئی شریک نہیں لیکن دلیل عقلی جسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اُن فرقوں کے مقابلہ میں جو متعدد خداؤں کے قائل ہیں خدائے عالم کی وحدانیت پر قائم کرتے ہیں اور نیز جسپر کہ اُسکی وحدانیت کے اعتقاد کے بارہ میں وہ خود بھی اعتماد کرتے ہیں اُس کی بکثرت صورتیں اور مختلف طریقے ہیں اس مقام پر بغرض اختصار انمیں سے ہم ایک ہی دلیل بیان کرینگے۔

پس سنئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اس موقع پر یہ کہتے ہیں کہ اگر عالم کے خدا متعدد مانے جائیں مثلاً دو مانے جائیں (یا دو سے زیادہ کیونکہ اس استدلال میں کوئی فرق نہیں آسکتا) تو عالم میں کسی شے کا بھی وجود نہیں ہوسکتا لیکن عالم میں کسی شے کا نہ پایا جانا باطل ہے اس لئے کہ اُس کا وجود تو ہم مشاہدہ کررہے ہیں پس وہ امر بھی (یعنی خدا کا متعدد ماننا) جس سے کہ یہ خرابی لازم آئی ضرور باطل اور غلط ہوگا اور جب خدا کا متعدد ماننا باطل ٹھہرا تو اُس کی وحدانیت ثابت ہوگئی اور یہی ہمارا مقصود تھا سنئے کہ خدا کے متعدد ماننے سے عالم میں کسی شیٔ کا نہ پایا جانا کیونکر لازم آتا مثلاً فرض کیجئے کہ دو خدا ہوں تو وہ دونوں یا تو باہم متفق ہوجائیں گے یا مختلف رہیں گے اگر متفق ہوجائیں تو وہ کسی چیز کو ایجاد نہیں کرسکتے ورنہ لازم آئیگا کہ دو موثروں کا فقط ایک ہی اثر ہو اور یہ محال ہے کیونکہ اس سے لازم ہے کہ اُن دونوں میں سے ہر ایک کی ایجاد سے اگر عالم کا ایک جداگانہ اور مستقل وجود ہوگا تو لازم آئیگا کہ عالم دو وجود کے ساتھ موجود ہو حالانکہ وہ صرف ایک ہی وجود کے ساتھ موجود ہے جیساکہ ظاہر ہے اور اگر دونوں ایجاد سے زیادہ نہیں عالم کا فقط ایک ہی وجود حاصل ہو تو ماننا پڑیگا کہ اُن دونوں میں سے ہر ایک نے بانفرادہ اُسے ایجاد نہیں کیا بلکہ دوسرے کے ساتھ ملکر ایجاد کیا جیسے کہ اگر دو قوتیں ملکر کسی پتھر کے ڈھکانیکا باعث ہوں ہر ایک اُن میں سے بانفرادہ اُس کے ڈھکانے کیلئے کافی نہ ہو بلکہ دونوں کے مجتمع ہونیکی ضرورت پڑے تو ہر ایک دوسری قوت کی محتاج ٹھہریگی اور اُس کے ساتھ ملکر مرکب ہوگی اور وہ دونوں قوتیں مرکب ہوکر ایک قوت بنے گی۔ تو اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ ڈھکانیکی نسبت دونوں کی طرف ہونی چاہئے ان میں سے کسی ایک کی جانب علی الاستقلال نسبت کرنا ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ پس اس بنا پر دونوں خدا ایک دوسرے کی ساتھ مرکب ہوں گے اور دونوں بمنزلۂ ایک خدا کے قرار پائیں گے کہ جس کی طرف ایجاد کی نسبت ہوگی اور دونوں میں سے ہر ایک کی جانب علی الاستقلال ایجاد کی نسبت نہ ہوسکیگی کیونکہ ہر ایک موجد کا جزء ہوگا نہ مستقل موجد حالانکہ خدائے عالم اُس کو کہہ سکتے ہیں کہ جو اس عالم کا موجد ہو اور اگر یہ کہا جائے کہ ہر واحد خدا نہیں بلکہ فی الحقیقت دونوں کا مجموعہ خدا ہے تو اس کا جواب ہم یہ دینگے کہ پیشتر ثابت ہوچکا ہے کہ خدائے یعنی موجد عالم کا مرکب ہونا محال ہے کیونکہ اُسمیں اور مادہ اور اُس کی تمام انواع کے مابین جمیع صفات کے اعتبار سے جو کہ اُن کے ساتھ مختص ہیں مخالفت ہونا ایک لازمی امر ہے اور اُنھیں صفات میں سے ترکیب بھی ہے۔ علاوہ بریں ہر ایک مرکب کیلئے حدوث لازم ہے تو اس بنا پر خدا کا حدوث لازم آئیگا اور نہ یہ ممکن ہے کہ

دونوں عالم کو علی الترتیب اس طرح پر ایجاد کریں کہ پہلے تو ایک ایجاد کرے اور پھر دوسرا اور نہ تحصیل حاصل لازم آئیگی اور وہ محال ہے جیسا کہ پیشتر ثابت ہو چکا ہے اور نہ یہی ممکن ہے کہ بعض چیزوں کو ایک ایجاد کرے اور بعض باقی کو دوسرا کیونکہ اس وقت ان دونوں کا عاجز ہونا لازم آئیگا اس لئے کہ جب کسی شے کے ساتھ ان دونوں میں سے کسی ایک کی قدرت متعلق ہو جائیگی تو لا محالہ اُس شے کے ساتھ دوسرے کی قدرت کے متعلق ہونیکا طریق وہ پہلا مسدود کر دیگا پس دوسرا اسکی مخالفت پر ہرگز قادر نہو سکیگا اور عاجز رہے گا اور اگر دوسرا اُس کے خلاف کر سکا اور اُس نے اپنی قدرت کے متعلق ہونیکے طریق کو مسدود نہ ہونے دیا تو پہلے کو عاجز ماننا پڑے گا۔ بہر حال خدا کا عجز لازم آئیگا اور خدا کا عجز محال ہے۔ اور اگر دونوں مختلف ہو جائیں اس طرح پر کہ ایک تو عالم کی ایجاد کرنیکا ارادہ کرے اور دوسرا اُسکے معدوم کرنیکا پس ہرگز ممکن نہیں کہ دونوں کا ارادہ نافذ ہو سکے ورنہ اجتماع ضدین لازم آئیگا اور نہ یہ ممکن ہو کہ ایک کا ارادہ نافذ ہو اور دوسرے کا نہ ہو کیونکہ جس کا ارادہ نافذ ہو سکے گا وہی عاجز ٹھہریگا اور دوسرا بھی ویسا ہی قرار پائیگا اسواسطے کہ دونوں میں مماثلت منعقد ہو چکی ہے اور دونوں یکساں ہیں علاوہ بریں یہ بھی ہے کہ جب ایک کا ارادہ نافذ ہوگا اور دوسرے کا نہیں تو جس کا ارادہ نافذ ہو جائیگا وہی خدا ٹھہریگا دوسرا نہیں ہو سکتا اب وحدانیت کی دلیل مکمل ہو گئی

ف اور یہی دلیل قرآن مجید میں بھی مجملاً اور علی وجہ الاختصار مذکور ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (لو کان فیہما آلھۃ الا اللہ لفسدتا) اگر دونوں میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے یعنی اگر زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے میں اللہ کے سوا اور خدا بھی قائم ہو سکتے اگرچہ اللہ بھی اُن کے ساتھ ہوتا تو وہ دونوں درہم و برہم ہو جاتے یعنی آسمان و زمین کا وجود ہی نہوتا لیکن اُن دونوں کا وجود نہونا باطل ہے اس لئے کہ اُنکا موجود ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے پس وہ شے یعنی اللہ کے سوا جنس خدا کا موجود ہونا یعنی کسی اور خدا کا موجود ہونا) بھی جس سے کہ یہ خرابی لازم آئی باطل ٹہرے تو اب ثابت ہو گیا کہ زمین اور آسمانوں میں یعنی عالم میں اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہو سکتا بلکہ وہی خدائی کے ساتھ منفرد اور یکتا ہے اور یہی مقصود تھا۔ یہ نہیں ہے کہ خدا کی جماعت ہی محال ہو بلکہ خدا کا مجرد متعدد ہونا محال ہے چنانچہ ہم نے اپنے قول جنس خدا سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر سابق میں دونوں خداؤں کے متفق ہو جانیکے احتمال کو جو فرض کیا ہے وہ محض سرسری نظر کے لحاظ سے ہے ورنہ جب غور کیا جائے تو دونوں خداؤں کے متفق ہونے اور صلح کر لینے کا سرے سے احتمال ہی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ خدائی کا مرتبہ عام غلبہ اور کامل استقلال کو مقتضی ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی طرف اس قول میں اشارہ کیا ہے (اذن لذھب کل الٰہ بما خلق ولعلی بعضہم علی بعض) اب تو (یعنی اگر کئی خدا مانے جائیں) ہر ہر خدا اپنی اپنی پیدا کی ہوئی اشیا کو لیجاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر بیٹھتا) یہ تو آپ نے سن لیا اب میں اس امر پر مکرر تنبیہ کرتا ہوں کہ یہ دلیل اور اسیطرح اور دلیلیں صرف انھیں کے مقابلے میں قائم کیجا سکتی ہیں کہ جو خدائے عالم کے وجود کو تو مانتے ہیں لیکن وہ متعدد خداؤں کے مدعی ہیں پس وہ اس قسم کی دلیلوں سے اپنے تعدد کے دعوے سے باز رکھے جا سکتے ہیں رہے وہ لوگ جو عالم کیلئے کسی خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے اُن کے مقابلے میں اس دلیل کا قائم کرنا اُس وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اُنپر اس امر کا ماننا لازم کر دیا جائے کہ عالم کیلئے ضرور کوئی خدا ہے جس نے کہ اُسے ایجاد کیا پھر اُنکو خدائی کے منصب کو

اور جس عظمت اور استقلال کو کہ خدائی کا منصب مقتضی ہے اچھی طرح سے سمجھا دیا جائے ورنہ اُنھیں اسکی کیا پروا ہوگی کہ خدا کا عجز لازم آتا ہے یا اس کے سوا اور محالات جن کا کہ دلیل سابق میں پیشتر ذکر ہو چکا ہے لازم آتے ہیں پس اس سے ذرا آگاہ رہنا چاہیے)

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے دیکھا کہ اتنی ہی صفات جو کہ خدا موجد عالم کیلئے ثابت ہوئیں ہر چند کہ خدائی کا مدار ٹھہر سکتی ہیں اور وہ صفات وجود۔ قدم۔ بقاء۔ حوادث کے ساتھ مخالفت اُس کا بنفسہٖ قائم ہونا یعنی استقلالاً موجود ہونا۔ وحدانیت۔ علم قدرت ارادہ اور حیات ہیں اور اگر خدا صرف انھیں صفات کے ساتھ موصوف ہو تب بھی وجود کائنات کی علت بننے کیلئے کافی سمجھا جا سکتا ہے اور ہر عاقل لتنے پر قناعت کر سکتا ہے۔ لیکن اُنھوں نے اس خدائے پاک کی شان میں اور بھی غور کرنا شروع کیا اور اُس کی عجیب و غریب مصنوعات اور ان کی کمال پائداری میں تامل کیا تو کہنے لگے کہ جب اسکی مصنوعات میں یہ کمال موجود ہو تو کیا وہ خدا آپ کسی صفات کمالیہ میں سے کسی صفت میں خود ناقص بھی ٹھہر سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ جہانتک ہم خیال کر سکتے ہیں کیسکو ایسا نہیں پاتے کہ وہ اپنے مثل کوئی شے ایجاد کر سکے چہ جائیکہ ناقص کسی کامل کو ایجاد کرے یا کامل اپنے سے اکمل کو ایجاد کرنے کے قابل ہو سکے۔ انہیں حیوانات کو لیجئے کہ وہ کچھ ہی کیوں نہ بنائیں اور ایجاد کریں لیکن ہم ہمیشہ اُن کو اُس سے عاجز ہی پاتے ہیں کہ وہ حیوانیت میں اپنے مثل یا اپنے قریب قریب بھی بنا سکیں اور حیوانات کو بھی جانے دیجئے۔ انسان کو لیجئے کہ جو سب سے زیادہ جاننے والا اور صنعت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا قادر مانا جاتا ہے وہ بھی کچھ ہی کیوں نہ بنائے اور ایجاد کرے لیکن جب دیکھا جاتا ہے تو وہ اپنے مثل یا اپنے سے اکمل بنانا تو جدا رہا اُس کے مصنوعات میں اُس کمال کے قریب قریب بھی نمودار نہیں ہوتا جو کہ خود اُسمیں قائم ہے حیوان یا انسان کا بنانا تو بالائے طاق رہا انسان میں نبات بنانیکی تو قدرت ہے ہی نہیں۔ غایت سے غایت وہ جو کچھ بنا سکتا ہے یہ ہے کہ وہ جمادی صورت جو کہ حیات سے بالکل خالی ہوتی ہے تراش لیتا ہے یا چند عناصر کو جمع کر کے کیمیاوی ترکیب دے سکتا ہے کہ جس میں حیات کا ذرہ برابر بھی نشان نہیں پایا جاتا یا کلیں ایجاد کر سکتا ہے کہ جو قدرتی قوانین جرثقیلی کے موافق غیر دائمی اور ناپائدار حرکت کرنے لگتی ہیں اور پھر نہ اُن میں حیات کا نام و نشان ہوتا ہے اور نہ احساس کا۔ اور جب وہ کسی حیوان یا نبات میں اُس کی صورت کے متغیر کرنیکے لئے کسی قسم کا تصرف کرنا چاہتا ہے تو وہ خود ہرگز اسپر قدرت حاصل نہیں کر سکتا آخر کار ناچار و ناچار اُنھیں قوانین قدرتیکے استعمال کرنے پر مجبور ہوتا ہے جو تغیر دینے کیلئے اس خدائے پاک کی جانب سے مقرر ہیں۔ اور جو تغیر کہ اُس سے حادث ہوتی ہے وہ حقیقت میں اُس کا فعل بھی نہیں ہے اُسکو صرف اسیقدر دخل ہے کہ اُس نے اُس قانون قدرت کو دریافت کر لیا جس سے کہ تغیر پیدا ہو سکتی ہے اور پھر اُسنے جس شے کو تغیر دینا مقصود ہے اُس پر اُسے مسلط کر دیا اور اگر یہ تغیر اُسکے بنانے اور اُسکے پیدا کرنے سے ہوتی تو اُس کے ظاہر ہونے سے قبل ضرور اُسکو اُسکے تمام حالات کی تفصیلی واقفیت ہوتی وہ اُس کی مقدار اور کیفیت کو پوری تحقیق کے ساتھ جان سکتا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بیان اسکا یہ ہے کہ جب کوئی انسان اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ کسی پرندکے بچہ کو اُس کی خلقت میں بدصورت کر دے تو وہ انڈے میں ایک جانب سے قوی حرارت پہونچاتا ہے اور دوسری جانب سے ذرا ضعیف اس سے بچہ میں ایک خاص قسم کی بدصورتی پیدا ہو جاتی ہے پس یہ بدصورتی اس انسان کا فعل ہرگز نہیں ہو سکتی ورنہ انڈے سے نکلنے کے

پہلے ہی اس صورت کی بدنمائی کی مقدار، اسکی کیفیت اور یہ کہ کس موقع پر یہ خرابی پیدا ہوئی پوری تحقیق کے ساتھ جانتا اور اُس سے واقف ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا نوبت سے غایت وہ تجربہ سے یا اتفاقی طور پر اُس قانون قدرت پر مطلع ہوگیا جس کی وجہ سے کہ اس ذنب میں بچہ کی صورت بدنما ہو جاتی ہے اور وہ بدنما ہو جاتا ہے اور اُس قانون کو وہ استعمال کرنے لگا جیسے کہ کسی شخص کو یہ معلوم ہوگیا کہ پانی سے پیاس بجھ جاتی ہے پھر جب اُسے پیاس لگتی ہے تو وہ اپنے معدہ میں پانی پہونچاتا ہے اُس سے اُسے سیرابی حاصل ہو جاتی ہے اور اسکی پیاس بجھ جاتی ہے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس شخص نے کہ اپنے معدہ میں پانی پہونچایا ہے خود اُسی نے سیرابی کو بھی پیدا کیا اور پیاس کو دفع کر دیا اور کیا اُس کے مصنوعات میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں پس اسکا اتنا ہی فعل ہے کہ اُس نے اپنے معدہ میں پانی پہونچایا ۔ پانی جب معدہ میں پہونچا تو اُس سے معدہ کی حرارت ٹھنڈی پڑی اور پیاس جاتی رہی اسمیں جو کچھ حاصل ہوا اُس میں پانی پہونچانیوالے کی ذرا بھی تاثیر نہیں اس موقع سے یہ امر بطریق اولیٰ واضح ہوگیا کہ کیسے کا استعمال درختوں کے نکلنے اور اُن کے بار آور ہونے میں اُسکے لئے مقررہ قوانین قدرت استعمال کرکے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے اُس کی نسبت یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اُسی نے گیہوں کے درختوں کو ایجاد کیا اور بنایا ہے ان سے پھل نکالے ہیں اور انکی عجیب و غریب اور حیرت انگیز خواص کا وہی پیدا کرنیوالا ہے گو اُس میں سے فی الحقیقت کوئی شے بھی اُس کی بنائی ہوئی نہیں ہاں اگر مجازی اطلاق کو آپ لیتے ہیں تو اُس میں کوئی مضائقہ نہیں اُس کو ہم بھی مانتے ہیں اسی طرح تمام اُن اشیاء کی نسبت جن کے وجود کا سبب انسان عالم کے مقررہ قوانین قدرت استعمال کرکے ہوا کرتا ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن کا انسان بنانیوالا اور موجد نہیں بلکہ صرف اُس کا کام اتنا ہے کہ وہ مقررہ قوانین قدرت کو اُن کے مقررہ راستوں میں جاری کر دیتا ہے اُس کے بعد تمام آثار اُن سے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ انسان آثار کو نہیں پیدا کرتا عنقریب بیان آتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اسلام کے قائل ہیں کہ یہ تمام آثار قوانین قدرت سے خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ظہور میں آتے ہیں نہ فقط قوانین قدرت کے ذاتی اثر سے چنانچہ اس کی تحقیق عنقریب آئیگی پس ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک یہ بات کہ جس کا پیشتر ذکر ہوا واضح ہوگئی کہ کوئی شے اپنے مثل کے بنانے پر بھی قادر نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ وہ اپنے سے بڑھکر اور اکمل شے کو بنائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ لازمی امر ہے کہ جس خدا نے مادہ کو عجیب و غریب قوانین قدرت کے ساتھ ایجاد کیا جسکی وجہ سے کہ اس میں بیشمار تطورات اور تغیرات کی قابلیت آگئی اور اُس سے حیرت انگیز پیداوار وجود میں آئیں ضرور ہے اس خدا کی جملہ صفات ہوں کہ انکے دلیل سے ثابت ہوچکی اور جو صفات کمالیہ کہ اُس کی ذات کے شایاں ہیں سب مرتبہ کمال کو پہونچی ہوئی ہوں ورنہ وہ اپنے مصنوعات کے مثل یا اُن سے بھی کمتر ٹھہریگا حالانکہ یہ امر اُس کے خلاف ہے جسکو کہ عقل یقینی طور پر جان چکی اور اسکی تصدیق کر چکی ہے پس وہ اس کے مستحق ہیں کہ وہ خدا ضرور سمیع بصیر متکلم اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ جو اسکی ذات کے شایاں ہیں متصف ہے اس لئے کہ یہ بات عقل میں نہیں آ سکتی کہ وہ بہرا، اندھا، گونگا ہو اور پھر اسی نے قوت سمع کو پیدا کیا ہو آنکھوں کو روشن کیا ہو کلام کے ساتھ زبان کو جاری کیا ہو اور یہ ہو سکتا ہے کہ وہ صفت کمالیہ میں ناقص ہو حالانکہ اسی نے صفت کمالیہ کی نظیر کو اپنے مصنوعات میں پیدا

ہی کامل طور پر ایجاد کیا ہے لیکن جتنی صفات کا کہ وہ خدا کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں اُن کے بارے میں اُنہیں یقین ہے کہ نہ وہ حوادث کی سی صفات ہیں اور نہ حقیقت میں اُن کے مشابہ ٹھہر سکتی ہیں اگرچہ باہم اُنمیں آثار کی مشابہت کیوجہ سے مشارکت اسمی پائی جائے اور اس امر کا پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ آثار کی مشابہت سے حقیقت کی مشابہت ضروری نہیں پس خدا سننے میں ہماری طرح کان کا محتاج نہیں بلکہ یہ اُسکی صفت قدیمہ ہے جو اُسکی ذات کی ساتھ قائم ہے جس سے کہ تمام مسموعات اُسپر منکشف ہو جاتے ہیں اسیطرح اُس کا دیکھنا آنکھ کی پتلی پر موقوف نہیں بلکہ وہ بھی صفت قدیمہ ہے جو کہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس سے کہ تمام مبصرات اُس کے نزدیک منکشف ہو جاتے ہیں اُس کا کلام ہماری طرح آواز اور حرف سے نہیں ہو سکتا بلکہ وہ بھی صفت قدیمہ ہے جو کہ اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جسکے ذریعہ سے وہ اپنی مخلوقات میں سے جس کسیکو جو کچھ سمجھانا چاہتا ہے سمجھا سکتا ہے اسیطرح تمام اُن باقی صفات یعنی علم - ارادہ - قدرت - حیات وغیرہ کی نسبت جو سابق میں بیان ہوئیں یہی کہا جا سکتا ہے پس وہ ساری صفات قدیمہ ہیں جو کہ اُسکی ذات کے ساتھ قائم ہیں جنمیں سے ہر ایک کا اُسکے مقتضا کے موافق اشیاء کے ساتھ تعلق ہوتا ہے خواہ بطور انکشاف کے ہو یا تخصیص کے یا احداث کے ورنہ اگر اُسکی صفات حوادث کی سی صفات مانی جائیں گی تو وہ بھی انھیں کی طرح حادث ٹھہریگا حالانکہ اُسکے قدم کے ضروری ہونے پر اور اُس کے حدوث کے محال ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اس کا تفصیلی بیان پہلے گذر چکا ہے۔

ف پھر جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اسی خدائے پاک کیجانب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اُن دلائل کیوجہ سے جو آپکے صدق پر قائم ہو چکی ہیں یقین کر چکے تو اونھوں نے دیکھا کہ آپ کی شریعت خدائے عالم کیلئے صفات سابق الذکر جو کہ عقلی دلائل سے معلوم ہوئیں ثابت کرتی ہے اور یہ وہ صفات ہیں جن پر خدائی کا مدار ہے اور نیز وہ صفات کمالیہ جنکے لئے کہ اُسکی شان عظیم مقتضی ہے اور سوا اس کے عدل - رحمت - کرم - ہدایت - احسان اور ایسی ہی اور صفات بھی کہ جن کا پتہ نصوص شرعیہ سے لگتا ہے اسی قبیل سے ہیں باوجود اس کے اُنھوں نے یہ بھی پایا کہ ان صفات کے علاوہ اس شریعت نے خدا کیلئے چند ایسی صفات کو بھی ثابت کیا کہ دلیل عقلی جنکے نہ ثبوت ہی پر دلالت کرتی ہے اور نہ اُن کی نفی پر لیکن شریعت محمدیہ میں چونکہ اُن کی تصریح کی گئی تھی تو وہ اُن صفات کے بھی معتقد ہو گئے اس لئے کہ اُن صفات کے خبر دینے والے (اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) صادق ہیں اور اُن کا صدق اُن دلائل قاطعہ کیوجہ سے جو اُن کے صدق پر قائم ہو چکیں یقینی تسلیم کیا گیا ہے اور عقل اُن صفات کو محال بھی نہیں سمجھتی کہ اُن کے ماننے میں کچھ پس و پیش کرنے کا موقع ہوتا۔

ف اسیطرح اس شریعت میں خدائے پاک کیلئے چند ایسی اشیاء کو بھی ثابت کیا ہے جن سے کہ بظاہر جسمیت کا شبہ پڑتا ہے اور یہ اشیاء جیسے کہ چہرہ - آنکھ - ہاتھ - انگلی - قدم وغیرہ ہیں - پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے ان اشیاء کو خدا کے لئے ثابت تو کیا لیکن چونکہ عقلی اور نقلی دلیل کی رو سے خدا کا جسمیت سے منزہ اور پاک ہونا ثابت ہو چکا تھا اس لئے انھوں نے اُن کے ظاہری معانی نہیں تسلیم کئے اور یہ اعتقاد رکھا کہ ان کے معانی جو ہوں خدا کی ذات کے مناسب ہیں حوادث میں اُن کے

جو معانی سمجھے جاتے ہیں وہ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ رہا ان کی حقیقت کا علم وہ انھوں نے اُسی خدائے پاک پر رکھا اور اسکے حوالہ کیا۔ اسی لئے وہ اس امر کے قائل ہوگئے کہ مثلاً خدا کا ہاتھ تو ہے لیکن وہ ہمارے ہاتھوں کی طرح نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کی آنکھ بھی ہے لیکن ہماری آنکھوں کی طرح نہیں ہو سکتی علی ہذا القیاس اور اشیاء کو بھی سمجھئے اتنا تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ باقی رہی انکی مراد معنی کی حقیقت اُسے خدا ہی خوب جانتا ہے پس اس طور پر وہ خدا کو منزہ مانتے ہیں اور حقیقی علم خدا کے حوالہ کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ جہاں تک کہ عقل کی دلالت اور شریعت محمدیہ سے معلوم ہوا اس کے موافق وہ خدا کو تمام کمالات کے ساتھ جو اس کی شان عالی کی سزاوار ہیں موصوف مانتے ہیں اور تمام نقائص سے کہ جو اس کو زیبا نہیں منزہ اور مبرّا اعتقاد کرتے ہیں۔

پھر اس شریعت نے جیسے کہ خدا کی صفات بتلائی ہیں اسیطرح اس کے وہ نام بھی جو اس نے اپنے لئے خود تجویز کئے ہیں بتلائے انھیں میں سے لفظ (اللہ) ہے جو اس کا خاص نام ہے دوسرے پر اطلاق نہیں ہوتا اس لفظ کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قبل بھی گو جو عالم کے پیدا کرنیوالے پر عربی زبان میں اطلاق موجود تھا لیکن شریعت نے بھی خدا تعالیٰ پر اسی لفظ کو اطلاق کیا اس لئے اس طرح پر اس میں شرعی حیثیت پیدا ہوگئی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین کے نزدیک یہ نام شرعی نام سمجھا گیا نہیں کہ انھوں نے شریعت محمدیہ کا اس کو نام کیا نہ لفظ عربی سمجھا اسیطرح پر خدا تعالیٰ کے باقی ناموں کو سمجھئے۔

پھر شریعت محمدیہ نے جیسے کہ اپنے پیروی کرنیوالوں کو خدا کے وجود کے اور اس کے ان صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہونے کی تعلیم دی جنکے یا تو ثبوت ہی پر عقل دلالت کرتی ہے یا خدا کیلئے ان کو جائز رکھتی ہے اور اسکے نام بتلائے اسیطرح اس نے خدا کے وجود اور اس کی عظمت پر اس کی تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہونے پر عقلی دلیل سے استدلال کرنیکا طریق بھی سکھلایا عام ہے کہ وہ دلائل برہانی قطعی ہوں یا اطمینان بخش دلائل ہوں جن سے کہ قلوب کی پوری تسکین ہو جاتی ہے اور دل انکو فوراً قبول کر لیتا ہے۔ اس طرح پر اسلامی امور کے اثبات کیلئے نہایت ہی وسیع طریق ان کے ہاتھ لگا اور حقیقی اصول پر اسلامی خوبیاں ثابت کرنیکے واسطے ان پر بہت بڑا دروازہ کھل گیا چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ انھیں سے چند امور کو ذکر کروں جو کہ خدائے عالم کے وجود پر صفات کاملہ کے ساتھ اسکے موصوف ہونے پر اسکی اور اسکی صفات کی عظمت پر اور پھر اُن کے آثار کی وسعت پر دلالت کرتے ہیں جس سے کہ دلوں میں اسکی شان عظیم کی عظمت پیدا ہوتی ہے اور ایک سے ایک معلومات اور اعلیٰ سے اعلیٰ عجیب و غریب اشیاء کے جاننے پر اسکو پوری قدرت حاصل ہونیکا دلوں کو یقین ہوتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود کے بیان کرنے سے پہلے میں ایک مقدمہ ذکر کروں جس سے کہ مطلب کے سمجھنے میں سہولت پیدا ہو جائے اور جو کہ مقصود کے ساتھ اپنے لگاؤ کی وجہ سے بہت کچھ نافع ثابت ہوگا میں کہتا ہوں کہ یہ امر تو مخفی نہیں کہ مادہ اور اس کے انواع کیلئے کچھ عام صفات ہیں جیسے کہ تحیز (یعنی کسی نہ کسی قدر فضاء کو گھیرنا) جو تمام اجسام میں پایا جاتا ہے اور کچھ خاص صفات ہیں جیسے کہ لوہے کا ہتھوڑے کی چوٹ کا سہ سکنا اور شیشہ کا چور چور ہو جانا یہ دونوں صفات اجسام کی ایک ایک نوع کے ساتھ خاص ہیں اور آپ لوگوں کی علمی و سائنس کی کتابوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انواع

میں سے کسی سے بھی عام صفات منفک نہیں ہو سکتیں اُن کا منفک اور جدا ہونا محال ہے باقی رہیں خاص صفات انکی نسبت
آپ لوگوں کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر صفت جس جسم میں کہ پائی جاتی ہے کسی نہ کسی سبب سے اُس سے ضرور جدا
ہو سکتی ہے چنانچہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ مثلاً لوہے سے جو زرہ کی چوٹ سے برچھے کی صفت جدا ہو سکتی ہے اور پھر اُسمیں اُسکی
چوٹ سے ریزہ ریزہ ہو جانیکی صفت جبکہ گلے فلاں عرق میں بھگویا جائے تو پیدا ہو سکتی ہے۔ زلزلہ آنیکے وقت مقناطیس سے
لوہے کی کشش کرنیکی قوت جاتی رہتی ہے اسی بنا پر ایک آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے زلزلہ کا قریب الوقوع ہونا دریافت
ہو سکتا ہے تاکہ انسان اُس سے محفوظ رہ سکے پس یہ امر کی تصریح ہے کہ جسم کی خاص صفات اسباب طبعیہ میں سے کسی کسی
سبب سے ضرور جدا ہو سکتی ہیں جیسا کہ ہم نے پیشتر ذکر کیا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ان عام صفات کی نسبت جنکا ثبوت
اُن کے نزدیک مادہ کے جمیع انواع میں مدلل ہو چکا ہے یہ کہتے ہیں کہ ہمیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفات دو قسم پر
منقسم پائی جاتی ہیں بعض تو ایسی ہیں کہ مادہ کے تمام انواع میں سے کسی سے بھی منفک نہیں ہو سکتیں اُن کا منفک اور جدا
ہونا محال ہے اور اس قسم کی صفات کے ساتھ خدا تعالیٰ کی قدرت باوجود اُن کے متحقق الوجود ہونیکے اُن کے معدوم
کرنے کیلئے متعلق نہیں ہو سکتی اس لئے کہ خدا کی قدرت امر واجب یعنی ایسی شے کے اعدام کے ساتھ جس کا وجود ضروری اور
معدوم ہونا محال ہے متعلق نہیں ہوا کرتی جیسے کہ جسم کیلئے تحیز یعنی جسم کا کسی نہ کسی قدر خلاء کو گھیرنا پس ممکن نہیں ہو کہ کوئی جسم
بغیر کسی قدر خلاء کے گھیرے ہوئے پایا جائے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ جمیع انواع سے جیکے منفک ہونیکو عقل جائز رکھتی ہے۔
پس کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کی قدرت ایسی صفت کے معدوم کرنے کے ساتھ عام ہے کہ تمام انواع سے ہو یا کسی
خاص نوع سے متعلق ہو جائے کیونکہ یہ امر عقلاً ممکن ہے اور جو امر عقلاً ممکن ہوتا ہے وہ ضرور خدا تعالیٰ کی قدرت کے تصرف کے تحت
میں آسکتا ہے جیسے کہ اجسام کی عام کشش جسکی وجہ سے ایک جسم دوسرے کو کشش کرتا ہے اور ایسے ہی کشش اتصال یعنی جس کشش
کی وجہ سے کسی جسم کے ایک ہی جنس کے اجزا فردہ یعنی ذرے جیسے لوہے کے مثلاً باہم ملے رہتے ہیں اور ان کے ملنے کی وجہ سے جسم بنجاتا ہے
اسی قسم کی اور صفات ہیں پس وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا ثبوت اگرچہ اجسام میں پایا جاتا ہے لیکن ان کیلئے عقلاً لازمی نہیں ہے
بلکہ اُن کا ثبوت اجسام میں امکان حقیقی کے طور پر ہے یعنی عقل کیلئے یہ ممکن ہے کہ اجسام کا اس قسم کی صفت کے ساتھ متصف ہونے
بدون کا تصور جو اس صفت کے کرے پس اس سے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے کہ اگر ہم کسی جسم کو عام کشش سے خالی تصور کریں یعنی
وہ نہ کسی دوسرے جسم کو کشش کرے اور نہ دوسرا جسم اسکو اسیطرح ایسی بھی کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی کہ اگر ہم کسی جسم کو کشش
اتصال سے خالی تصور کریں اور اُسکی ذرات کا باہم ملنا کسی دوسرے سبب سے مان لیں علاوہ بریں آپ لوگوں کا جسم میں کشش اتصال
کے ساتھ قوت مدافعت کے وجود کا بھی قائل ہونا گویا اجتماع نقیضین کو ماننا ہے۔ قوت مدافعت سے وہ قوت مراد ہے جسکی وجہ
سے جسم کے ذرات پورے طور سے مل نہیں سکتے اور وہ ان کو ملنے سے روکتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم میں خلاء اور مسامات
باقی رہ جاتے ہیں اور یہی قوت خارجی قوت کا جبکہ وہ جسم پر دباؤ ڈالتی ہے مقابلہ کرتی ہے جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں اس کا

حرکی بیان موجود ہے اگر آپ کہیں کہ بغیر اس قوت کے تو اجسام کا بننا ہی خیال میں نہیں آسکتا تو ہم جواب دینگے کہ ہمارے نزدیک خدا کی قدرت سے بغیر اس قوت کے مانے ہوئے دوسرے طور پر بھی ممکن ہے اور اگر ہم اس موقع پر کسی سبب ہی کے قائل ہو جائیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہو کہ سوائے اس قوت مدافعت کے کوئی دوسرا سبب ہو بھلا بتلایئے اس میں کونسی قباحت ہے کہ یہی اجزا فردہ ذرات بسیطہ جنکے اجسام میں موجود ہونیکے آپ قائل ہیں ممکن ہے کہ انہیں کی شکلیں ایسی ہوں کہ اُن میں کچھ ابھار پائے جاتے ہوں اور کسیقدر گہراؤ یعنی گڑھے بھی موجود ہوں پس ان اجزا کے مجتمع ہونے کے وقت یہی ابھار اُن گڑھوں میں گھس کر خوب جم جاتے ہوں پس اب یہ گڑھے ان ابھاروں پر دباؤ ڈالے رہتے ہوں یا کسی سبب جیسے کہ حرارت جو کہ اُن ذرات کو پھیلا دیتی ہے دباؤ کم پڑتا ہو تو جسم سیال یا از قسم گیس عــــہ بنتا ہو اور جب یہ ابھار گڑھوں میں دب جاتے ہوں یا کسی سبب جیسے کہ برودت و دباؤ شدید پڑتا ہو تو جسم میں بمقدار دباؤ کے سختی آجاتی ہو اور ٹھوس جسم بنتا ہو اب اس موقع پر قوت مدافعت کیوجہ سے باہم ذرات کی مدافعت کے بجائے یہ علت بیان کیجا سکتی ہے کہ جب یہی گڑھے ایسے تنگ ہوتے ہیں جیسیں کہ یہ ابھار پورے طور سے نہیں سما سکتے تو ذرات کے مابین خلا باقی رہ جاتا ہے اور یہی وہ مسامات اور سوراخ ہیں جو ہر جسم میں پائے جاتے ہیں اور یہ ایسی علت ہے جس سے کہ اجسام متحد الجنس کے ذرات کے باہم ملے رہنے کی وجہ جس طرح ظاہر ہوتی ہے اسی طرح عقل کیلئے اجسام مختلف الجنس کے باہم ملنے کیوجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے جیسے کہ مابین گوند اور کاغذ کے ہوتا ہے۔ مراد اس علت سے اجزا فردہ ذرات بسیطہ میں ابھار اور غار پائے جانیکی وجہ سے اس امر کا واقع ہونا ہے اور ظہور کیوجہ یہ ہے کہ یہ علت آپ لوگوں کی اس علت سے جو کہ آپ نے ذروں کے باہم ملنے کیلئے بیان کی ہے یعنی یہ کہ یہ امر بذریعہ قوت کشش اتصال کے انجام پاتا ہے جو کہ اجسام مختلف الجنس میں موجود ہوتی ہے عقل سے قریب تر ہے جیسا کہ ہم نے پیشتر بیان کیا۔ اور جبکہ آپ لوگوں کے نزدیک ان اجزا فردہ (ذرات بسیطہ) کی مختلف شکلیں ہیں اور وہ اگرچہ بالفعل قسمت نہیں قبول کرتے لیکن وہمی قسمت کو ضرور قبول کر سکتے ہیں جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں موجود ہے تو ہمارے نزدیک جائز ہے کہ ہم کچھ ابھار اور غار فرض کر کے آپ لوگوں کو الزام دیں بخلاف ان اجزا بسیطہ کے جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک ہیں کیونکہ ان میں یہ بات نہیں آسکتی۔ اس تقریر سے کوئی نہ سمجھ جائیگا کہ میں اجزا فردہ (ذرات بسیطہ) میں ابھار اور غار کے وجود کو مانتا ہوں اور اسپر میں نے اپنی علت کو مبنی کیا ہے کیونکہ اس تعلیل پر بھی اشکالات کے وارد ہونے سے میں مامون نہیں ہوں میں نے تو صرف یہ دکھلانے کیلئے آپ کی تعلیل میں ایک احتمال پیدا کیا کہ دیکھئے آپ کی تعلیل کہاں تک پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے اور یہ کہ دوسری تعلیل آپ کی تعلیل سے قریب تر ہے۔ خلاصہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو یہ نہیں کہتے ہیں کہ صفات عامہ جو پیشتر مذکور ہوئیں اور ایسی ہی اور بھی اجسام میں موجود نہیں ہیں اور صفت مذکورہ جسم میں اُن کے موجود ہونیسے انکار کرتے ہیں یہاں تک کہ آپ کو اُن کے ثبوت پر دلائل قائم کرنیکی تکلیف گوارا کرنا پڑے وہ تو ان کے ثبوت کو مان کر صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ عقلاً ضروری نہیں ہیں بلکہ وہ اجسام میں موجود بھی رہ سکتی ہیں اور اُنسے معدوم بھی ہو سکتی ہیں اس لئے کہ عقل اُن سے نہ اُن کے موجود ہونیکو محال سمجھتی ہے اور نہ اُن سے اُن کے معدوم ہونے کو

عــــہ گیس کی قسم کے وہ اجسام کہلاتے ہیں جو مثل ہوا کے نظر نہیں آتے ۔ مترجم

اور جب ان کی یہ حالت ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے تحت تصرف ہیں جو کہ تمام اُن اشیا پر جو کہ عقلاً ممکن ہیں قادر ہے فرد در
داخل ہو سکتی ہیں جیسا کہ پیشتر ثابت ہو چکا ہے پس جیسے کہ اُس نے انھیں ایجاد کیا ہے باوجود اجسام کے موجود رہنے کے وہ
اُن کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہے یہاں تک کہ کشش اتصال کے معدوم کرنے پر بھی کیونکہ وہ نفس اجسام کے بننے کیلئے لازمی
نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگوں کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ خدائے پاک بلا قوت کشش اتصال کے بھی ان اجزاء فردہ (ذرات بسیطہ)
کا مجتمع کرنے پر کسی سبب کے ذریعہ سے ہو یا بلا وساطت کسی سبب کے ہر طرح پر قادر ہے اگرچہ وہ لوگ خدائے پاک کی عادت پر جو کہ اُسنے
اس عالم میں جاری کر رکھی ہے قیاس کر کے پہلی ہی بات کے قائل ہوں گے اور وہ عادت یہ ہے کہ خدا نے اس عالم میں ہر شے
کو ایک سبب کے ساتھ مرتبط کر رکھا ہے یعنی اس نے اپنی یہ عادت ٹھہرائی ہے کہ جب کوئی سبب پایا جاتا ہے تو وہ اُسکے مسبب کو بھی ایجاد کر دیتا ہے
اب رہیں صفات خاصہ تو اُنکے بارہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین کا قول آپ ہی لوگوں کے مثل ہے کہ وہ اپنے موصوفات کیلئے
ضروری نہیں ہیں بلکہ اُن سے جدا ہو سکتی ہیں لیکن آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ صفات اپنے موصوفات سے اُسوقت جدا ہو سکتی
ہیں کہ جب اس کے ذرات بسیطہ کسی طبعی سبب کی وجہ سے اپنی پہلی وضع سے متغیر ہو جائیں اور پھر آپ کے نزدیک اس مفارقت
کیلئے ایک کافی زمانہ کی ضرورت پڑتی ہے جو کبھی تو کم اور کبھی اسقدر زیادہ ہوتا ہے کہ ہزاروں برس تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین جب تک کہ اُن کے نزدیک امر واقعی کی حقیقت مدلل نہیں ہوتی یہی کہتے ہیں کہ صفات خاصہ کا
اپنے موصوفات سے جدا ہونا ممکن ہے کہ جسم کے ذرات بسیطہ کی وضع کے متغیر ہو جانے سے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے سبب
سے ہو اور جب اُن کے نزدیک کوئی امر مدلل ہو جاتا ہے تو وہ بلاتکلف اس کے قائل ہیں کچھ ہی کیوں نہ ہو بہر حال وہ خدا ہی کو پیدا کرنے
والا مانتے ہیں اور ان افعال اسباب کی نسبت حقیقی پر اس کیلئے موجب ٹھہراتے ہیں اُن کا یہ قول ہے کہ وہ عادی اسباب ہیں یعنی خدا تعالیٰ
کی عادت جاری ہو گئی ہے کہ اسباب کے پائے جانے کے وقت وہ اُن کے مسببات کو ایجاد کر دیتا ہے اور وہ اسباب اپنے مسبب کیلئے
نہ موجب ہیں نہ موثر اگرچہ آپ ان اشیاء کو اُن کے سبب کیجانب نسبت کرتے رہیں گے لیکن اُنکا یہ اعتقاد ہرگز نہیں ہو کہ اُن اسباب
کو اُن کے وجود میں بالطبع کچھ اثر ہے بلکہ اس نسبت کرنے سے اُن کا مطلب یہ ہو کہ خداوند تعالیٰ اس مسبب کو اس کے سبب کے موجود ہونیکے
وقت اپنی عادت کے موافق اس عالم میں پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ چاہے کہ سبب کو پیدا کرے اور مسبب کو نہ پیدا کرے یا سبب

سه اسکی بہت واضح مثال یہ ہے کہ لال جھنڈی کے دکھانے سے آتی ہوئی ریل ٹھہر جاتی ہے اور سبز سے جب بلائی آتی ہے تو ان ریل والوں نے اپنی
عادت مقرر کرلی ہے تو گویا وہ بالعکس مقرر نہیں کر سکتے یا بغیر جھنڈی دکھلائے جانے کے ریل کو نہیں روک سکتے اگرچہ عادت مقررہ کے اعتبار سے
یہ لازمی بات ہے کہ سرخ جھنڈی سے ہمیشہ ریل رکے گی اور سبز سے آئے گی اور جب وہ اپنی اس عادت کو توڑنا چاہیں تو اس کے خلاف
بھی ہو جائے گا۔ یہی مثال خداوندی عادت کی ہے یعنی جو قوانین قدرت یا اسباب طبعی دریافت ہوئے ہیں وہ جھنڈی کے مثل ہیں
اور خدا نے انھیں کے موافق تمام عالم کا انتظام کر رکھا ہے جب کوئی طبعی سبب پایا جاتا ہے تو اپنی عادت کے موافق وہ اس کے مسبب
کو بھی موجود کر دیتا ہے اگر وہ چاہے تو اس کے خلاف بھی کر دے۔ چنانچہ جب وہ کسی مصلحت سے مستمرہ قوانین کے خلاف کوئی امر پیدا کرتا ہے
تو اسکو خرق عادت کہتے ہیں جو شخص کہ خدا کو عاجز نہ ٹھہرائیگا اور ذی اختیار مانے گا اسکو اسکے سمجھنے میں ذرا دقت نہیں ہو سکتی ۔ مترجم

بغیر اس سبب کے پیدا کرے۔ تو وہ ضرور کر سکتا ہے اور جب یہ اسباب مؤثر نہ ٹھہرے اور مسببات کا وجود خدا ہی کے پیدا کرنے سے قرار پایا تو وہ اس زمانہ کے بارہ میں جسکو کہ آپ لوگ صفات کے اپنے موصوفات سے جدا ہونیکے لئے لازمی مانتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ اتنا زمانہ محض خدا تعالیٰ کی عادت مستمرہ کے اعتبار سے ہے اور اگر وہ ایک لحظہ میں موصوفات سے صفات کو جدا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے وہ اتنے دراز زمانہ کے ساتھ پابند ہونے کیلئے مجبور نہیں ہے مثلاً جبکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ لوہا فلاں عرق میں جب بھگویا جائے تو بوجہ بھگونے اس کے ذرات بسیطہ کی وضع متغیر ہو جانے سے اُس سے چوٹ کھا کر ٹوٹنے کی صفت دور ہو جائیگی اور اسمیں بجائے اس کے چوٹ کھا کر چور چور ہو جانیکی صفت آ جائیگی اور اُس کیلئے ایک کافی زمانہ کی ضرورت پڑیگی اور یہ عرق اس تبدیلی میں بالطبع مؤثر اور موجب ہے اور اتنا زمانہ لازمی ہے یہاں تک کہ بغیر اس کے یہ امر پورا ہی نہیں ہو سکتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اس موقع پر یہ کہیں گے کہ یہ تبدیلی خدا تعالیٰ کے فعل سے اس طرح پر حاصل ہوئی ہے کہ اُس نے چوٹ کھا کر ٹوٹنے کی صفت کو معدوم کر دیا اور بجائے اُس کے چور چور ہو جانیکی صفت کو ایجاد کر دیا عام ہے کہ یہ بات اُس کے ذرات کی وضع کے متغیر ہو جانیکی وجہ سے حاصل ہوئی ہو یا کسی دوسری وجہ سے جو ہمکو معلوم نہیں ہوئی اور اس تبدیلی میں اس عرق نے بالطبع اثر نہیں کیا اور نہ اُس کیلئے موجب ہوا بات صرف یہ ہے کہ خدا کی اس عرق میں بھگو دینے کے وقت اس تبدیلی پیدا کرنیکی عادت جاری ہو گئی ہے اور یہ زمانہ جسمیں کہ یہ تبدیلی پوری ہوئی کوئی لازمی شرط نہیں ہے بلکہ خدا اس تبدیلی کے ایک لحظہ میں پیدا کرنے پر قادر ہے جیسے کہ وہ لوہے کو بغیر اس عرق میں بھگونے کے اس تبدیلی کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے اسیطرح اس قول کے بارہ میں کہ آگ فلاں جسم کو جلاتی ہے اور پانی پیاس کو بجھا دیتا ہے اور فلاں چیز سے فلاں اثر ہوتا ہے وغیرہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کہتے ہیں کہ انمیں سے کوئی شے بھی بالطبع مؤثر نہیں ہے بلکہ جو آثار ان اشیاء سے پیدا ہوتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں حقیقت میں خدا ہی چند شروط اور احوال عادیہ کے ساتھ اُن اشیاء کے پائے جانیکے وقت ان آثار کو پیدا کر دیتا ہے اور وہ ان اشیاء میں سے بغیر کسی شے کے پائے جانے کے بھی جنکو آپ سبب کہتے ہیں اُن آثار کے پیدا کرنے پر قادر ہے جیسے کہ وہ اُن آثار کو باوجود اُن کے منشا کے موجود ہونے اور باوجود تمام شرائط کے پائے جانے اور موانع کے مرتفع ہونیکے معدوم رکھہ سکتا ہے۔

جس چیز نے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو اس بات پر جسکا پیشتر بیان ہوا کہ اشیاء میں بالطبع کوئی تاثیر نہیں ہے بلکہ آثار خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہوا کرتے ہیں آمادہ کر دیا دو امر ہیں۔ اول تو وہ دلیلیں ہیں جو اس بات پر قائم ہو چکیں کہ خدا ہی تمام اشیاء کے پیدا کرنے میں جو اس عالم میں ہوا کرتی ہیں منفرد اور مستقل ہے پس اگر اشیاء ان آثار کے وجود میں جو اُن سے ناشی ہوتے ہیں بالطبع موثر مانے جائیں گی تو وہ اُن کیلئے ضرور خالق ٹھہریں گی حالانکہ خدائے عالم کے سوا کہ اُسی کا نام اللہ ہے کسی دوسرے کا خالق ہونا محال ثابت ہو چکا ہے اور اس استحالہ پر دلیل قائم ہو چکی ہے خصوصاً جبکہ اُن آثار میں سے بعض نہایت مضبوط اور مستحکم بھی ہوں جنکو دیکھکر عقل صاف یہی حکم کرتی ہے کہ اُن کے اس استحکام کے ساتھ ہونیکے لئے ضروری ہے کہ انکا پیدا کرنیوالا صاحب تدبیر۔ پورے علم اور کامل ادراک والا ہو اور ان صفات کا ان جمادی اشیاء کیلئے ثابت کرنا ایسی بات ہے جسکا کوئی عاقل

قائل نہیں ہو سکتا مثال کیلئے آپ اسی نباتات کو لیجئے جسمیں کہ عجیب عجیب چیزیں ہیں جیسے جڑ، تنہ، شاخیں، پتے، پھول، پھل، نسل، بیج کے اجزا، اور تخم، ہر قسم قسم کی شکلوں طرح طرح کے رنگوں، ذائقوں اور خاصیتوں کے جسے دیکھکر عقل چکر میں آجاتی ہے اور یہ کہ پھر یہ پیدا کہاں سے ہوئیں، مٹی، پانی، اور ہوا سے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین کی عقلیں بلکہ تمام عقول سلیمہ اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرسکتیں کہ یہ تمام چیزیں جن کیلئے اعلی درجے کا علم، قدرت، اور تدبیر کی ضرورت ہے مٹی پانی اور ہوا نے پیدا کردی ہوں جو ان تمام صفات سے بالکل خالی ہیں اسی سے ان کے ایجاد اور پیدائش کو ذی قدرت اور اعلی درجے کے واقف کار خدائے پاک کے حوالہ کرتے ہیں جسکی نسبت اُن کے نزدیک دلیل تو تم ہو چکی ہے کہ اسی نے عدم سے اصل مادہ کو گوناگوں امور کے قابل پیدا کیا۔

اگر بالفرض خدا کے پیدا کرنے میں مستقل اور متفرد ہونے سے قطع نظر بھی کر لیجائے تو دوسرا سبب اس کا یہ ہے کہ انھوں نے انھیں اشیاء میں جن سے کہ یہ آثار ناشی ہوتے ہیں غور کیا اور اسکی حقیقت کو سوچا تو انھوں نے دیکھا کہ یہ اشیاء ان آثار کیلئے ہرگز بالذات مقتضی نہیں ٹھہر سکتیں کیونکہ ان میں سے کوئی شے ایسی نہیں پائی گئی جسکی نسبت عقل اس امر کے یقین کرنیکو ضروری کردے کہ فلاں اشیاء فلاں فلاں آثار کیلئے مقتضی ہونا چاہئیں مثلاً حرارت برف کو پگھلا دیتی ہے اور برودت پانی کو جما دیتی ہے اور جب ان کی حقیقت میں غور کیا جائے تو عقل کیلئے ان دونوں چیزوں کے انہیں دونوں خاص اثروں کے مقتضی ہونیکی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔ جیسے کہ اس بات کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے کہ ہر جسم حیز کا مقتضی ہے یعنی ہر جسم کسی نہ کسی قدر خلا کو ضرور گھیرے گا، اور یہ کہ دو جسم مقتضی ہیں کہ وہ متداخل نہیں ہو سکتے اور ایک ہی حیز یعنی ایک ہی جگہ میں دونوں کا حلول نہیں ہو سکتا مثلاً جب وہ آپ سے کہیں کہ کیوں صاحب حرارت اور برودت میں معاملہ بالعکس کیوں نہیں ہوا تو آپ کیا جواب دے سکتے ہیں شاید آپ یہ کہیں کہ ہر ایک کی خاصیت ہی یہ ہے تو وہ آپ سے دریافت کرینگے کہ ہر ایک کی خاصیت بالعکس کیوں نہ ہوگئی اب آپ یہی کہیں گے کہ حرارت قوت انفعالیہ کمزور کر دیتی ہے اور برودت اسکو قوی کرتی ہے پھر وہ آپ سے پوچھ سکتے ہیں کہ یہ معاملہ بالعکس کیوں نہ ہوا کوئی عقلی وجہ بتلائیے بہرحال اسی طرح چلے چلئے کہاں تک چلئے گا آخر کار آپ کو بجز اس کہنے کے اور کوئی گنجائش نہیں ملیگی کہ ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک خاصیت کے ساتھ کسی خاص کرنیوالے نے خاص کر دیا ہے اسی وجہ سے ہر ایک میں ایک خاص خاصیت پائی جاتی ہے پھر وہ آپکو یہ بتلا دینگے کہ یہ تخصیص کرنیوالا وہی خدا ہے (یعنی اللہ تعالی) جس نے کہ مادہ کو ایجاد کیا ہے اور وہ فاعل مختار ہے اس نے جس شے کو جس شے کے ساتھ چاہا خاص کر دیا کیونکہ اختیار کی شان ہی یہی ہے بعد ان سب باتوں کے وہ آپ سے کہیں گے کہ جب اشیاء موثر بالطبع نہ ٹھیریں اور تاثیر خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہوئی پس وہ زمانہ جو آثار کے حصول کیلئے مانا گیا ہے کوئی ضروری شرط نہیں ٹھہر سکتا بلکہ وہ محض عادی شرط ہے پس خدا ایک لحظہ میں جیسے کہ پلک مارنا یا اس سے بھی کم زمانہ میں اثر کے پیدا کرنے پر پورے طور سے قادر ہے کیونکہ دلیل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ خدا کی قدرت کا حال حوادث کی قوتوں ایسی نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ اس کے کرنے میں اُسے زمانہ کی احتیاج نہیں جیسے کہ حوادث کی قوتوں کو احتیاج پڑتی ہے بخلاف کہ وہ جتنی ہی شدید ہوتی ہیں ان کے عمل کرنے میں اتنا ہی کم زمانہ صرف ہوتا ہے اور جتنی ہی وہ کمزور ہوتی ہیں تو کمی

زیادہ وہ زمانہ کی ضرورت پڑتی ہے علاوہ بریں یہ بھی ہے کہ اگر اُس کی قوت اپنے عمل کرنے میں زمانہ کی محتاج ہوتی جیسے کہ امور طبعی
محتاج ہیں تو ہم دیکھتے کہ وہ مصنوعات جو کہ عظیم ہوتے ہیں اور جنمیں کہ نہایت باریک صناعیاں بکثرت اشکال و ترکیب
اور خواص موجود ہوتی ہیں ہمیشہ اُن کے بننے میں اُن مصنوعات کے بننے سے زیادہ دراز ہی زمانہ صرف ہوتا جنمیں کہ یہ امور
نہیں پائے جاتے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً پہلی قسم کی ایک نبات بہت ہی تھوڑی مدت میں
نکل آتی ہے اور دوسری قسم کی کوئی نبات پہلی قسم کی نکلنے کی مدت سے کئی گونہ طویل مدت میں نکلتی ہو پس یہ امر صاف اسبات
پر دلالت کرتا ہو کہ زمانہ کا ممتد ہونا خدا کی مخلوقات کے ایجاد کرنے میں کوئی شرط نہیں ہے ورنہ یہ مثال بننے دی ہے اسمیں خود معلم البشر
پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے اس قول سے کہ ذی آثار اشیاء کا آثار کیلئے سبب بننا محض عادی ہے اور ان آثار کے
بننے کیلئے یہ زمانہ بھی محض عادی شرط ہے کہیں یہ نہ سمجھ جائیگا کہ وہ خلاف عادت امور کے کثرت وقوع کے قائل ہیں یہاں تک کہ
آپ اُن سے خرق عادت پر دلالت کرنے والے واقعات کثیرہ کے بیان کرنیکا مطالبہ کریں کیونکہ وہ یہ بات ہرگز نہیں کہتے
وہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ انکی سببیت عادی ہے اور وہ زمانہ بھی شرط عادی ہے اور خدا خلاف عادت کرنے پر قادر ہے اور یہ
محال نہیں ہے لیکن خلاف عادت کرنا خدا سوائے چند مخصوص حالتوں کے مثلاً کسی نبی کے معجزہ یا کسی ولی کی کرامت کیلئے اور
کبھی ثابت نہیں ہوا جیسا کہ اُن کے یہاں بالتواتر منقول ہے یا انھوں نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بچشم خود دیکھا ہے جبکہ
انھوں نے رسالت کا دعویٰ کیا تھا اور ان کے ہاتھ پر معجزات اور خوارق عادات ظاہر ہوئے تھے پس جب یہ جو کچھ بیان کیا ہوا
مقدمہ متقرر ہو گیا اور لوگوں نے اُسے اپنے دلوں میں جگہ دے لی تو آیئے ہم اور آپ ملکر اس عالم کے مادہ اور اسکے انواع اور اُن
عجیب و غریب صورتوں میں جن پر وہ مشتمل ہے اور ان حیرت انگیز گوناگوں تبدیلیوں میں جو اُن میں واقع ہوتی رہتی ہیں غور کریں
اور دیکھیں تاکہ ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ مادہ میں اُن امور کا قیام مادہ اور اُس کے ذرات کی حرکت کے فعل سے ہے
یا اُن چیزوں میں سے باہم ایک کا دوسرے میں تاثیر کرنے کے باعث سے یا اُس خدا کے فعل سے ہے جو کہ اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے
والا صاحب ارادہ۔ قادر اور ذی قدرت ہے کہ اپنے ارادے جسکے ساتھ چاہتا ہے اُسکی تخصیص کرتا ہے اور جس طور پر
چاہتا ہے اُسے متغیر کرتا ہے۔ اور پھر اُس کے افعال بھی ایسے با حکمت اور اعتدال درجہ کے استحکام اور تدبیر کے ساتھ ہوتے ہیں
جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی اور اُس کی صفات کی عظمت غیر محدود ہے عقل اُسکو نہیں پا سکتی اور نہ افکار اُسکو
حاوی ہو سکتے ہیں اس امر کے واضح ہونے کے بعد کوئی کام جسکو عقل جائز رکھتی ہو کتنی ہی عظمت کو کیوں نہ پہونچ جائے اور
اُس میں کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی باریکی اور استحکام کیوں نہ موجود ہو لیکن اُس خدا کی عظمت اور اُسکی صفات کے کمال کے سامنے
بالکل ہیچ۔ بالکل آسان اور ظاہر معلوم ہوگا۔ اُس پاک ذات کی عظمت کا کیا کہنا ہے اُس کا تسلط ایسا کامل رکھتا ہے پیدائش اور
ہر طرح کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے اُسے ہر شئے پر پوری قدرت حاصل ہے۔

اب آئیے ہم عالم کواکب کی طرف متوجہ ہوں اب ضرور ہو کہ آپ لوگوں کی کتب ہیئت کی تصریح کے موافق ہیئت کا کہ زمین سے

ہر ایک کی ایک جدا خاصیت ہے جو دوسرے میں نہیں پائی جاتی اور ہر ایک خاص حالت کے ساتھ مخصوص نظر آئیگا چنانچہ بعض اُن میں سے نہایت ہی چھوٹے ہیں اور بعض بہت ہی بڑے حتیٰ کہ ہماری زمین کو اُنکے ساتھ وہی نسبت پائی جاتی ہے جو ایک بالو کے ذرے کو اُس کرہ کے ساتھ ہوتی ہے جس کا قطر ایک ہاتھ یا کچھ اس سے بھی زیادہ ہو۔ پس اگر ہماری زمین کا قطر سات ہزار نو سو بارہ (۷۹۱۲) میل کا اور اس کا محیط چوبیس ہزار آٹھ سو ننانوے (۲۴۸۹۹) میل کا ہے تو آفتاب کا قطر آٹھ لاکھ بانوے ہزار پانچسو اسی (۸۹۲۵۸۰) میل کا اور اس کا محیط چھبیس لاکھ اٹھتر ہزار پانچسو میل کا ہے اور اس کا جرم ہماری زمین کے جرم سے بارہ لاکھ انسٹھ ہزار سات سو گنا بڑا ہے۔ اور اُن میں سے بعض ہم سے بہت ہی قریب اور بعض اربوں میل کے فاصلہ پر ہیں اُن میں سے بعض کا دن اور سال ہمارے یہاں کے دن اور سال سے چھوٹا ہوتا ہے اور بعض کا ہمارے یہاں کے دن اور سال سے بہت زیادہ بڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ زحل کا ایک سال ہمارے یہاں کے اُنتیس سال کے برابر اور اورانس کا چوراسی سال کے برابر اور نپتون کا ایک سو چونسٹھ اور چند سو سال کے برابر ہے بعض اُنمیں سے اپنے مدار پر چلی حرکت کرتے ہیں اور بعض بہت ہی سریع الحرکت ہیں حتیٰ کہ مشتری کی چال تیس ہزار (۳۰۰۰۰) میل فی گھنٹہ ہے پس جتنی دیر میں کہ انسان ایک مرتبہ سانس لیتا ہے وہ دو میل چل جاتا ہے اور اسکی محوری گردش کے لحاظ سے اُسکے اجزا محیطی کی حرکت کی سُرعت چار سو ستر میل ہے۔ ان میں بعض کا نور سرخ ہے بعض کا زرد بعض کا سفید اور بعض کا کسی اور رنگ کا انمیں سے بعض کا نور اصلی ہے جیسے کہ آفتاب اور ثوابت کا اور بعض دوسروں سے نور حاصل کرتے ہیں جیسے قمر اور باقی سیاروں کا ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جنمیں ذرا بھی حرارت نہیں پائی جاتی اور بعض میں بکثرت حرارت موجود ہے۔ چنانچہ آپ لوگوں میں سے بعض کے قول کے موافق آفتاب میں اتنی حرارت ہے کہ اگر وہ جمع کیجائے تو وہ اتنی مقدار برف کے پگھلانے کیلئے کافی ہو سکتی ہے جس سے تمام روئے زمین چھپ جائے اور اسکی موٹائی گیارہ میل کی ہو اور جو حصہ کہ اس کی زمین تک پہونچتی ہے وہ اسکی حرارت کے دو ارب اٹھائیس کروڑ دس لاکھ حصوں میں سے ایک حصہ ہے ان میں سے بعض ثوابت ہیں کہ جو شموس (آفتاب) کہلاتے ہیں انکی روشنی ہمارے آفتاب ہی کیطرح ذاتی ہوتی ہے جس سے کہ وہ تمام عالم جو اُس سے متعلق ہے روشن ہوتا ہے وہ ثابت اور اپنی جگہ پر ٹھیرے ہوئے نہیں ہیں جیسا کہ اُنکے نام سے فہم ہوتا ہے بلکہ وہ بھی حرکت کرتے ہیں لیکن بات صرف یہ ہے کہ وہ ہم سے چونکہ بہت ہی فاصلہ پر واقع ہیں اس لئے ہمکو ان کی حرکت کا پتہ صرف اُس وقت لگ سکتا ہے جبکہ صدیوں کی صدیاں گذر جائیں اس لئے ہمیشہ انکی دوری کی نسبت قریب قریب وہی باقی رہتی ہے جو پہلے تھی۔ ان میں سے بعض آفتاب سے دور ہیں اور یوماً فیوماً ان کی دوری بڑھتی جاتی ہے اور بعض اس سے قریب واقع ہیں اور ہمیشہ نزدیک ہوتے جاتے ہیں بعض کی حالت بدلتی رہتی ہے کبھی تو ان کی روشنی بڑھ جاتی ہے اور کبھی گھٹ جاتی ہے بعض ان میں وقتی ہوتے ہیں یعنی وہ ایک مخصوص زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ کبھی وہ زمانہ طولانی بھی ہوتا ہے اور پھر چھپ جاتے ہیں اور اس کے بعد پھر ہرگز نہیں نکلتے بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کا نور ہم تک برسوں کے بعد حتیٰ کہ سیکڑوں برس کے گذر جانے پر پہنچ سکتا ہے حالانکہ ہمارے آفتاب کا نور ہم تک آٹھ منٹ اور چند سکنڈ کے عرصہ میں پہونچ جاتا ہے باوجودیکہ آفتاب ہم سے نو کروڑ

میل سے کچھ زیادہ ہی دور ہوگا ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کی نسبت آپ لوگوں کا گمان ہے کہ وہ آباد ہیں اور بعض کی نسبت آپ لوگوں کا یہ خیال نہیں ہے اُن میں سے بعض شمالی ہیں بعض جنوبی بعض متوسط۔ بعض کو رات سے خصوصیت ہے بعض کو دن سے بعض کا روشن رخ کبھی وسیع ہو جاتا ہے اور کبھی تنگ اور بعض میں یہ بات نہیں پائی جاتی بعض دوسروں کے گہن کا باعث ہوتے ہیں اور بعض میں دوسروں کی وجہ سے گہن لگتا ہے علیٰ ہذا القیاس بعض کی کچھ حالت ہے اور بعض کی کچھ۔ اور وہ سب خلا میں عام کشش کے قدرتی قانون کے باعث قائم ہیں جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں اور شاید وہ عالم کے قوانین قدرت میں سے بعض کو اُس کے پیدا کرنے والے نے انہیں جاری کر رکھا ہے کسی دوسرے قانون کے باعث سے نہایت ہی انضباط اور استحکام کے ساتھ اپنے برجوں اور منزلوں میں اطلاع کی گردشوں اور حرکتوں کے ساتھ چل رہے ہیں جنسے کہ اوقات منضبط رہتے ہیں برسوں مہینوں۔ دنوں۔ اور گھنٹوں کا پتہ لگتا رہتا ہے مختلف فصلیں تمیز ہو جاتی ہیں اور پھر اُن میں وہ ترتیب موجود ہے جس کو عقل حیران رہ جاتی ہے اور ان سب کا مرجع کسی فاعل ذی قدرت کیطرف معلوم ہوتا ہے باوجود ان سب باتوں کے ان میں مخلوقات یعنی نباتات حیوانات۔ معدنیات کے منافع بھی موجود ہیں جنکی پرورش اُن کے انوار کی حرارت سے ہوتی ہے اور بقدر حاجت ہر ایک کی غذا دیا کیجاتی ہے اسیطرح بیشمار فائدے ہیں کوئی کہاں تک بیان کرے انسان کی زبان انکے پورے بیان سے عاجز ہے فکر ہی کرتا اور آنکھیں خیرہ ہیں پس جب یہ سب اصل مادہ کے لحاظ سے برابر اور یکساں تھے اور انکا مادہ اس کو مقتضی نہ تھا کہ ہر ایک کو اسی خاصیت کے ساتھ جو اس میں موجود ہے خاص کردے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس چیز نے ان میں سے ہر ایک کو اس خاصیت کے ساتھ جو اس میں موجود ہے خاص کر دیا اور جس نے انکو باوجود اسقدر استحکام کے ایسے عجیب ترتیب انتظام کے ساتھ مرتب کیا انہیں کہ مخلوقات کی سراسر مصلحت اور فائدہ ہی فائدہ ہے کیا وہی مادہ کے ذرات بسیطہ کی حرکت ہو سکتی ہے جس میں نہ تو کچھ تمیز ہی پایا جاتا ہے اور نہ کچھ ارادہ اور تدبیر ہی موجود ہے اور کیا یہ کہنا مناسب ہے کہ جس نے ان کو ایسے عجیب و غریب طور پر پیدا کیا ہے وہ بڑا جاننے والا۔ صاحب ارادہ و ذی قدرت اور اعلیٰ درجہ کی حکمت والا دانشمند نہیں

اب آئے ہم کائنات جو کی جانب نظر کریں تو اس میں بھی یہی معلوم ہوتا ہے جس میں کہ نباتات کی اس وجہ سے کہ وہ ہوا کے بگوں ہوتی ہیں زندگی ہے اور حیوانات کی زندگی کا اس پر انحصار ہے کہ وہ بذریعہ سانس لینے اور پھیپھڑے میں داخل ہونیکے ان کے خون کو صاف کرتی ہے چونکہ بہ نسبت اور اشیاء کے ہوا کی زیادہ ضرورت تھی اس لئے وہ وافر مقدار میں موجود ہے نہایت آسانی سے بکثرت حاصل ہو سکتی ہے اور اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ بالکل سہل ہے جسکی وجہ سے وہ بہت جلد کام میں آسکتی ہے اسپر کیا موقوف ہے عالم میں یہی حکمت جاری ہو رہی ہے کہ جس شے کی جسقدر زیادہ حاجت ہوتی ہے اتنی ہی کثرت سے وہ موجود ہوتی ہے اور اتنی ہی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ یہ امر ہوا۔ پانی۔ غذا۔ دواؤں کی جڑی بوٹیوں۔ نہایت خوبصورت اور بیش قیمت جواہرات وغیرہ کے حالات میں غور کرنے سے اسی ترتیب سے واضح ہو جائیگا۔ پھر اُس میں مختلف ہوائیں انکی رفتار

جو سے زمین کے اوپر کی فضا مراد ہے نہ یہ کہ بادل وغیرہ جس میں وہ معلق ہیں

اُن کے منافع۔ اُن کے اختلافات اور ہر ایک کی جدا جدا خاصیتیں پاتے ہیں کوئی اُن میں سے شرقی ہوا ہے کوئی غربی۔ کوئی شمالی ہے کوئی جنوبی۔ اور کوئی انہیں کے درمیان چلتی ہے۔ کوئی تر ہے کوئی خشک کوئی گرم۔ کوئی سرد۔ کوئی سخت ہو کوئی نرم کوئی رات کو چلتی ہے۔ کوئی دن کو کسی کی چال خاص قوتوں کے اعتبار سے باقاعدہ ہے اور کوئی بالکل بے قاعدہ چلتی ہے کوئی آہستہ چلتی ہے کبھی ہوا کی چال کی تیزی فی گھنٹہ سات میل سے لیکر اکانوے میل تک ہوتی ہے اور کبھی اُسکی تیزی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ فی گھنٹہ ایک سو بیس میل یا اس سے زائد کے حساب سے چلنے لگتی ہے لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے بعض اُنمیں سے گردباد اور بگولے ہوتے ہیں جیسے کہ زمین کے رہنے والوں کو فائدہ پہونچتا ہے وہ بادلوں کو بارش کے موقع پر ہنکا لیجاتے ہیں۔ بار آور مادہ کو اعضاء تذکیر سے اعضاء تانیث میں منتقل کر کے درختوں کے بار ور ہونیکا باعث ہوتے ہیں اور ارواح کو راحت پہونچاتے ہیں۔ حرارت کو لطیف کرتے ہیں۔ سمندروں میں اُن سے جہاز چلتے ہیں۔ نباتات کے تخم اُن کے ذریعہ سے زمین پر پراگندہ ہوتے ہیں اس کے علاوہ اور بہتیرے فائدے دستیاب ہوتے ہیں جنکو کوئی شمار کرنیوالا شمار نہیں کرسکتا اور نہ تحریر میں آسکتے ہیں۔ اس میں ہم بادل اور اس کی نہایت عجیب و حیرت انگیز بناوٹ کو دیکھتے ہیں جسکی وجہ سے ہوا اُس کو اُٹھا سکتی ہے اور جہاں کہ بارش کی ضرورت ہوتی ہے وہاں مختلف ہوائیں اُسکو لیجاتی ہیں اور پھر رعد و برق اُن کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں کہ جن دونوں میں حکمت یہ خیال کیجاتی ہے کہ نور اپنی حرارت اور حرکات موجی کی وجہ سے اور رعد اپنی کپکپانیوالی آواز کے باعث سے پانی کو پگھلا دیتے ہیں باوجود اس کے ان دونوں سے رعد و برق سے جنگل کے رہنے والوں کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں پانی برس رہا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ سردی سے برف جم جاتی ہے اور زیادہ تر وہ پہاڑوں ہی پر گرتی ہے تاکہ ایک مدت تک وہاں رہ سکے اور اسکا پانی پگھل پگھل کر اُن کے نشیبوں اور خزانوں میں جمع ہوتا رہے تاکہ مخلوقات کے منافع کیلئے پانی اُن میں جمع رہے اور اُن کے جھرنوں سے نکلتا رہے۔ اسیطرح یہ دریا و چشمے جاری ہو جاتے ہیں جنکے پانی سے ایام گرما میں زمین اور حیوانات کو سیرابی حاصل ہوتی ہے۔ جنسے بڑے بڑے سبزہ زار اور باغات پیدا ہوتے ہیں۔ پس اگر بادلوں سے زمین پر صرف پانی ہی کی بارش ہوا کرتی تو پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے قبل اسکے کہ اُنکے خزانے چشموں اور دریاؤں کے جاری کرنے کیلئے کافی مقدار پانی جمع کرنے پاتے سارا پانی سرعت کے ساتھ بہہ جاتا دیکھو کہ پانی کو گویا اونچے مکان سے دشمنی ہے کہ فوراً وہاں سے چلدیتا ہے۔ اسکے علاوہ اور بہتیری چیزیں ہیں کائنات جو شامل ہیں جنکے بیان میں جلدیں کی جلدیں تصنیف ہوتی ہیں

اس موقع پر ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم روشنی کا بیان کریں کیونکہ جب وہ اسی فضا میں پھیلی ہے تو کائنات جو میں ہم اسکا ذکر کر سکتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس میں نہایت ہی عجیب و غریب قوانین قدرت پائے جاتے ہیں جنکے لئے ایک جدا علم لگیا۔ یہ خاصیتیں جیسے کہ اسکا منعکس ہونا۔ اسکا منقسم ہو کر سات رنگوں میں تبدیل ہو جانا وغیرہ ہیں باوجود اسکے اسمیں حیوانات اور نباتات کے بہتیرے فائدے موجود ہیں۔ انکا اُس سے نمو ہوتا ہے صحت قائم رہتی ہے روشنی سے بہتیرے زہریلے حشرات الارض مرجاتے ہیں بذریعہ روشنی ہی کے اشیا نظر آتی ہیں۔ اسیطرح اُس کے بیشمار فوائد ہیں پھر باوجود یکہ وہ روشنی

آنکھ کے سامنے خود ظاہر ہے اور دوسری چیزوں کو ظاہر کر دیتی ہے۔ لیکن آپ لوگوں پر اُسکی حقیقت مخفی ہی ہی کچھ پتہ نہ لگا اُس کے بیان کرنے میں آپ لوگوں نے عجب خبط کیا ہے چنانچہ آپ لوگوں میں سے سب سے مشہور فلاسفر کا یہ قول ہے کہ بہت چھوٹے چھوٹے ذرے ہوتے ہیں جو کہ روشن جسم سے چاروں طرف پھیلتے ہیں اور آپ ہی لوگوں میں سے اُسکے بعد والے فلاسفروں نے واضح دلیلوں سے اُس کے قول کی تردید کر دی اور اس بات کے قائل ہو گئے کہ روشنی کی حقیقت ایتھر کے مادہ کے اجزا کی لہر ہے جو کہ عالم میں پھیلا ہوا ہے یعنی ان کے نزدیک روشنی انھیں اجزا کی حرکت کو کہتے ہیں اور زمانہ حال میں آپ لوگوں نے علم طبعیات کی اسی تفسیر پر بھروسہ کر لیا ہے اور اسی بنیاد پر بہت بڑے قصر کھڑے کئے ہیں اور بہت سے مسائل کا اسکو مبنیٰ قرار دیا ہے کوئی قائل اس موقع پر کہہ سکتا ہے کہ ان ایتھر کے اجزاء کی جھلملاہٹ جو بلوری کچ یا موٹی چادر کو تو اُن کی حرکت توڑ کر نکل جاتی ہے لیکن جب اسکے کسی طرف ایک پتلی تہ خلاف سیاہی کی لگا دی جائے تو وہ حرکت اسکو پھاڑ کر پار نہیں جا سکتی گویا ہمالیہ کا کوئی سلسلہ حائل ہو گیا وجہ یہ کہ اس نازک اور پتلی سی تہ کو تو نہ پھاڑ سکے اور بلور کے اسقدر دلدار اور سخت تختے کو پھاڑ کر نکل جائے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ اس رنگ نے بالطبع اُس کی حرکت کو باطل کر دیا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہاں جس شئے کے پیدا کرنے سے تو یہ ہو سکتا ہے اس سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا لیکن ہم تو آپ کی تفسیر کے موافق اسکی عقلی وجہ پوچھتے ہیں ہمارے نے تو اسی کے موافق بیان کیجئے کہ اس حرکت کو کیونکر اتنے دبیز اور سخت تختے کو توڑ کر نکل جانے کی قوت حاصل ہو گئی اور وہ اسقدر پتلی اور نازک تہ کو توڑنے سے کیوں عاجز رہی۔ اگر آپ کہیں کہ یہ رنگ روشنی کو چوس لیتا ہے تو ہم آپ سے دریافت کرینگے کہ رنگ کے روشنی کو چوسنے کا (جسکی حقیقت ذرات کی حرکت ہے) کیا معنی ہیں ذرا عنایت کر کے واضح عبارتمیں بیان تو کر دیجئے جسکو عقل قبول کرے۔ علاوہ بریں آپ ہی لوگوں میں سے بعض صناعوں نے کچھ تیل ایجاد کئے ہیں کہ جب وہ چند منٹ آفتاب کی روشنی میں رکھدئے جائیں تو تمام رات تاریکی میں روشن رہتے ہیں پس جو آپ نے روشنی کی تفسیر بیان کی ہے اس کے موافق اگر آپ کہیں کہ یہ حرکت جو تیل سے تاریکی میں ملحق رہتی ہے روشنی کے انعکاس کے باعث سے ہے تو ہم آپ سے دریافت کر سکتے ہیں کہ یہ حرکت تیل سے کیونکر برابر پیدا ہوتی رہی حالانکہ اصلی حرکت جو آفتاب سے آئی تھی اُس سے منقطع ہو گئی اور چند ساعتوں ہی میں اُس سے جدا ہو چکی اور یہ امر قدرتی قانون انعکاس کے بالکل خلاف ہے اور اگر میں یہ کہہ رہا ہوں تو آپ بیان کر دیجئے بعد اس بحث کے بھی ہم یقیناً آپکی تفسیر کو غلط نہیں سمجھ سکتے بلکہ ممکن ہے کہ صحیح ہو اور یہ بھی خدا کی مخلوقات اور اسکے تحت تصرف میں داخل ہو لیکن ہمارا صرف مقصود یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اس امر سے آگاہ کر دیں کہ وہ چیز جس کو آپ زیادہ سے زیادہ یقینی مانتے ہیں وہ بھی دلیل (منطقی) طور پر قطعی اور یقینی نہیں ہے اب اس تمام گفتگوئے سابق کے بعد ہم آپ سے انصافاً پوچھتے ہیں کہ جسنے کائنات جو کی ہر شے کو اُسکی خاصیت کے ساتھ خاص کر دیا اور انہیں نہایت ہی کامل صنعت اور پورے ایجاد کے ساتھ منافع مستحکم کئے کہ جن سے زمین کو اسکی موت کے بعد زندہ کر دیا اُس کو غذا دی بخشی۔ اُن کو اُس کے سکان کے نمو کا باعث قرار دیا آنکھوں کے نزدیک دیکھنے کی

چیزوں کے ظہور کا ان کو ذریعہ ٹھہرایا تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شے اس اجزاء کی حرکت یا اتفاقی امر یا ضرورت۔ یا اس کے علاوہ اور مہمل اور بے معنی الفاظ جن کی تفسیر بالکل بے پتہ ہوتی ہے قرار پا سکتے ہیں یا وہ اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا پورا واقف صاحب ارادہ ذی قدرت (خدا) ہے؟

اب آئیے ہم اپنی توجہ کو زمین کی طرف مائل کریں اور اس کی جمادی۔ نباتی اور حیوانی کائنات اور ان امور کی جانب جن کو اس کا جغرافیہ جیسی حاوی ہے نظر کریں۔

ہم سمندر کو دیکھتے ہیں جس کی مساحت کی مقدار سطح زمین کے چار حصوں میں سے تین حصوں تک پہونچتی ہے یعنی جس کا رقبہ ایک سو چوالیس لاکھ اکتیس ہزار دو سو میل مربع ہے (۱۴۴۳۱۲۰۰) اور وہی آبی مخلوق کے گروہ کا مسکن ہے اور دریائی جواہر کے پیدا ہونے کی جگہ ہے واضح ہے کہ وہ غذا کے کام میں آئیں یا دوا کے یا آرائش کے اور وہ سب چیزیں یہاں بھی پائی جاتی ہیں جو خشکی میں موجود ہیں جیسے پہاڑ وادی سخت و نرم زمین۔ ٹیلے۔ ریگستان پہاڑیاں۔ سنگلاخ زمین۔ ترائی۔ باغات۔ رنگ برنگ کے درخت چھوٹے بڑے حیوانات جن میں نمو ہوتا ہے اور اپنے اجناس۔ انواع اور اصناف کے موافق خاص خاص مقامات میں بستے ہیں۔ اور سمندر میں بہت عمیق مواضع ہیں کہ جن میں سے بعض عمیق موقع کا واقعی طور پر پتہ نہ لگ سکا اور تحقیقی طور پر آپ لوگ نہ دریافت کر سکے۔ غایت درجہ جہاں تک آپ لوگوں کی رسائی ہوئی اسکے موافق نو میل تک گہرائی قیاس کی جاتی ہے پھر اسکا بھی کوئی قرار نہیں اور سمندر کے عجائبات میں سے دو جزر شمالی اور جنوبی اور بال پہاڑ و ننگی برابر ہیں برف کے پہاڑ جو قطب شمالی کے نزدیک تیرتے رہتے ہیں۔ اور اس کا کھاری ہونا جس میں بڑی حکمت ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا پانی ضرور متعفن ہو جاتا اور زراعت اور جاندار ہلاک ہو جاتے اور وہ انسان کیلئے ایسا مسخر ہو رہا ہے کہ لوگ اسکی سطح پر سفر کرتے ہیں اس میں غوطہ لگاتے ہیں اور اس میں بڑے بڑے راستوں اور مختلف ہواؤں کا انھیں سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پھر ہم خشکی پر نظر ڈالتے ہیں اور ان اشیاء کو دیکھتے ہیں جو کہ اس میں پائی جاتی ہیں تو سب سے پہلے ہماری نظر پہاڑوں پر جاتی ہے کیونکہ پانی کے وہی مخزن ہیں جس سے کہ نباتات اور حیوانات کو سیرابی ہوتی ہے انھیں میں طیور و وحوش کا ایک بہت بڑا حصہ پناہ گزیں ہوتا ہے۔ انہیں میں بڑے بڑے مضبوط اور نہایت ہی بلند درخت اگتے ہیں جو کہ عمارتوں میں لگانے اور جلانے کے کام آتے ہیں وہی آباد سرزمینوں کیلئے گرم اور سرد ہواؤں سے بڑے محافظ ہیں بعض کا منظر نہایت خوش آئند معلوم ہوتا ہے۔ طرح طرح کی نباتات اور رنگ برنگ کے گل بوٹوں سے مزین نظر آتے ہیں ان میں سے بعض ایسے پہاڑ بھی ہوتے ہیں جہاں برگ و بار کا نام و نشان ہی نہیں وہاں کی مٹی بھی بارش کے باعث سے بھی باقی نہیں رہی صرف بڑے پتھروں کے نشان رہ گئے ہیں جن کی شکل بڑی بڑی تصویروں کے ڈھانچوں سے جن کا گوشت علیحدہ کر دیا گیا ہو کچھ ملتی جلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بس اس قسم کے پتھر مکانوں اور قلعوں کی تعمیر میں صرف ہوتے ہیں بعض آتش فشاں پہاڑ ہوتے ہیں جن سے راکھ اور جلی ہوئی چیزیں نکلتی رہتی ہیں اس کے تمام اطراف تاریکی کے وقت ان سے روشنی جھلکے

ہیں اسی طرح بعض کسی قسم کے ہوتے ہیں اور بعض کسی قسم کے جو کہ انسان کو حیرت میں ڈالدیتے ہیں۔

ف سبزہ زاروں اور میووں کی کیفیت ۱۲

دوسرے مرتبہ میں زمین کا وہ حصہ ہے جو نشیب میں واقع ہے وہاں ایک سے ایک حسین درخت اُگتے ہیں قسم قسم کے پھول وپھل دستیاب ہوتے ہیں۔ دلوں کو خوشی اور سرور میسر ہوتا ہے باوجود اسکے اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اُن کو دنیا کی بہشت کہا جاسکتا ہے جس میں جہاں دیکھو وہاں گنجان سایہ اور شیریں چشمے دکھلائی پڑتے ہیں۔ باغات پھولوں سے آراستہ ہیں درخت باردار ہو رہے ہیں نہریں بلندی سے پستی کیجانب اترتی چلی آرہی ہیں۔ اُن کے گرداگرد عجب دلکش آوازیں مسموع ہو رہی ہیں کہیں بلبل کی صفیر کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہیں کہیں سے قمریوں کی کوکو کی صدا آرہی ہے کسیطرف ہرن اپنی بولی بولتے ہیں کہیں جنگلی کبوتر اتار چڑھاؤ کے ساتھ غرغوں کرتے سنائی دیتے ہیں غرض ایسی ایسی چیزیں ہیں جن سے دلکو خوشی اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور بعضے پہاڑ تو گویا جہنم ہی ہیں کہ جہاں سوائے ناگوار موت کے اور کچھ بھی نہیں کہیں کہیں بوسیدہ ہڈیاں پڑی ہوئی نظر آتی ہیں جیسے کہ وہ مقام جو جاوے کے قریب وادی موت کے نام سے مشہور ہے جس کے اندر کی زمین بالکل صفاچٹ پڑی ہے جہاں کہ کسی نبات یا جاندار کا نشان نہیں اور اُس میں تپش اور گرمی اسقدر ہے کہ بالکل جلائے دیتی ہے اسیوجہ سے اسمیں جہاں کوئی پرندہ اُترا یا جاندار گیا یا کسی وحشی جانور نے وہاں ذرا قیام کیا فوراً ہی اسکو خونریز موت نے دبالیا اور اسکا کام تمام کردیا چنانچہ اس میں جابجا بڑے بڑے جانوروں اور کیڑوں کی پُرانی ہڈیاں پڑی ملتی ہیں اور یہ وہاں کے ایک قسم کے زہریلے درخت کا اثر سمجھا جاتا ہے جسکے سوا نباتات کی قسم سے وہاں کچھ نہیں ہوتا لیکن جو بات آپ لوگوں کے نزدیک صحیح سمجھی جاتی ہے اُسکے موافق اسکا سبب یہ ہے کہ وہ آتش فشاں پہاڑ کے بالکل قریب واقع ہے اسوجہ سے وہ اپنے منافذ سے زائد مقدار کی زہریلی ہوا نکالتا ہے جس سے جاندار مرجاتے ہیں اور نباتات خشک ہوجاتی ہیں۔ اب بتلائیے کہ ان مقامات میں سے کس نے بعض کو گویا جنت اور بعض کو جہنم بنادیا۔ کیا ذرات مادہ کی حرکت ہوسکتی ہے یا وہ صاحب ارادہ اور اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا جسکو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس شے میں جو خاصیت چاہے پیدا کردے (یعنی خدا) ہے بیشک وہ انتہا درجہ کا واقف کار اور صاحب حکمت ہے۔

ف جاوا کی وادی موت کا بیان ۱۲

ف کھوہ اور غاروں کا بیان ۱۲

تیسرا مرتبہ کھوہ اور غاروں کا ہے جسمیں کہ حیوانات پناہ گزیں ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ سے پہاڑ اپنے اندر سے بخارات نکالتے ہیں۔ عجائبات میں سے یہ امر ہے کہ بعض غار گرمیوں میں تو اتنے سرد ہوتے ہیں کہ اُن کے اندر کا پانی جم جاتا ہے اور جاڑوں میں خوب گرم رہتے ہیں پس بہتیرے حیوانات کہ جو جاڑوں کی سردی نہیں برداشت کرسکتے اُس میں پناہ لیتے ہیں۔ خدائے لطیف وخبیر کی پاکی کا کیا کہنا ہے اور انہیں سے بعض موت کے غار ہیں کہ جہاں انمیں کوئی جاندار گیا اور فوراً مرا کیونکہ اُن غاروں میں آتش فشاں پہاڑوں کی سانسیں نکلتی ہیں کہ جو اب بجھ گئے ہیں اور اُن کی زہریلی ہوا باقی رہگئی ہے جسکی وجہ سے جہاں کسی جاندار نے اُن کا تنفس کیا اور وہ مرا پس بعض غار بمنزلہ قلعہ کے محافظ ہیں اور بعض باعث موت ہیں اُس فاعل مختار کی عجب شان ہے جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا ہے۔

ف۔ زمین کا بیان جس میں طرح طرح کی چیزوں کا پیدا ہونا ثابت ہے ۱۲

ف

چوتھا مرتبہ زمین نرم کا ہے اُس میں غالب مادہ ایسا ہوتا ہے جس سے نباتات کا قیام ہے جو کہ حیوانات کی غذا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے پھر اُسکی مٹی مختلف قسم کی ہوتی ہے اُن میں سے ہر قسم ایک خاص قسم کے نباتات کے مناسب ہوتی ہے پس اگر سب کی مٹی ایک ہی طرح کی ہوا کرتی تو نباتات کی بہت سی اقسام کی پیدائش میں نقصان آجاتا اور اُس کی بہتری قسمیں ہمکو دستیاب نہو سکتیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مٹی نہ تو بہت سخت ہی ہے اور نہ بہت نرم متوسط درجہ رکھتی ہے۔

پس اگر پتھر کی طرح سخت ہوتی تو اُس میں ان چیزوں کی صلاحیت نہ پائی جاتی اور اگر بالکل ہی نرم ہوتی تو حیوانات کے قدم اُس میں دھنس جایا کرتے اور اُسمیں وہ چل نہ سکتے اور نہ اُن کے رہنے کے قابل ہوتی۔ پس بتلائے کہ پتھروں کو کسنے اسقدر سختی کے ساتھ مخصوص کر دیا کہ وہ تعمیر کے کام میں آسکیں اور اسکے سوا اور زمین کو نہ بہت سخت ہی بنایا اور نہ بہت نرم۔ جس سے حیوانات کی غذا کی زراعت کے قابل ہو سکے۔ کیا اسکا بنانیوالا صاحب حکمت۔ تمام چیزونکی خبر رکھنے والے۔ ذی تدبیر۔ اور اعلیٰ درجہ کے علم رکھنے والے (خدا) کے سوا اور بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں

ف۔ معادن کا بیان اور خداوند کی قدرت کا اظہار ۱۲

ف

ہم کائنات زمین میں سے معادن کو دیکھتے ہیں کہ اُن کے اندر مختلف خواص اور جدا جدا انواع و اصناف کی اشیاء پیدا ہوتی ہیں جو کہ باوجود مختلف ہونے کے زمین کے باشندوں کیلئے بہت ہی نافع ثابت ہوتی ہیں کیونکہ اُن میں سے کوئی جامد ہے کوئی سیال۔ کوئی سخت ہے کوئی نرم۔ کسی میں چوٹ کھا کر بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ کسی میں نہیں کسی میں پگھلنے کی قابلیت پائی جاتی ہے اور کسی میں یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ کوئی بھاری ہے کوئی ہلکی۔ رنگوں کے اعتبار سے کوئی زرد ہے کوئی سفید۔ کوئی سرخ ہے اور کوئی سیاہ۔ اسیطرح بہت سے اقسام پائے جاتے ہیں۔ پھر اُن سے آدمیوں کو بیشمار نفع پہونچتا ہے مختلف قسم کے آلات طیار کئے جاتے ہیں جو اکل شرب وغیرہ کی ضرورتوں میں استعمال کئے جاتے ہیں ہتیار بنتے ہیں مکانات کی تعمیر میں صرف ہوتے ہیں غرضکہ فلاحت (جوتنے) زراعت (بونے) اور ادویہ سب ہی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ اور چونکہ لوہا سب سے زیادہ مفید ہوتا ہے اور زمین میں بالکل ہی پوشیدہ ہوتا ہے یہاں تک کہ لوہے کی معدن کیطرح کوئی معدن اتنی پوشیدہ نہیں ہوتی جیسا کہ کتب معادن میں موجود ہے اس لئے قرآن شریف میں لوہے کا بالتخصیص ذکر کر کے خدا نے اُس کے پیدا کرنے کا اور نیز اس امر کا احسان جتایا ہے کہ باوجود اس قدر مخفی ہونے کے اُس کے دریافت کرنے کے طریقے مقرر کئے اور اُن کی ہدایت کی چنانچہ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے (کہ ہمنے[ع] لوہے کو اتارا ہے۔ اُس میں بڑی قوت اور لوگوں کے منافع موجود ہیں) اس کے سوا خدا نے کسی اور معدن کی نسبت ایسا ذکر نہیں کیا) لوہے کے ہم عجیب و غریب خواص دیکھتے ہیں جنکی یقینی وجہ اور علت بیان کرنے سے ہماری عقلیں بالکل عاجز ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ جہاں تک ہم اپنی بحث کو اُس کی نسبت گفتگو کرنے میں پہونچا سکے وہ اسقدر ہے کہ ہم یہ کہکر چپ ہو رہیں کہ اُسکی خاصیت ہی یہی ہے اور کوئی وجہ نہیں بتا سکتے اور اگر آپ کہیں کہ ہم لوگ تو اس کے قائل نہیں ہیں بلکہ ہمکو تو بلا شبہ اُسکی یقینی علت پر واقفیت حاصل ہے تو ہم

ع وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ الآیۃ ۱۲

آپ کہتے ہیں کہ اچھا اس مقناطیس کو لیجئے جو معدنیات میں عجب چیز ہے اُس میں لوہے - فولاد - اور مقناطیس کے کشش کرنے کی قوت ہوتی ہے آپ لوگ اس کشش کی وجہ اُس کے ذرات بسیطہ کی حرکت اور اُن کی اوضاع کی خاص ترتیب کو بتلاتے ہیں -

اب میں کہتا ہوں کہ خدا کے پیدا کرنے سے اگرچہ ممکن ہے کہ یہی واقعی وجہ ہو لیکن آپ نے یہ وجہ بالکل بے پتہ بیان کی جس سے عقل کو تسکین نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ ہمارے آیندہ کے سوالات اُسپر وارد ہوں -

اوّل سوال یہ ہے کہ ذرات کی حرکت اور اُن کی وضع کا صرف یہی نتیجہ کیوں ہوا کہ وہ اشیاء مذکورہ ہی کو کشش کرے اسکی وجہ سوا اُس میں بقیہ معادن مثل سونے تانبے وغیرہ کے کشش کرنیکی قوت کیوں نہ پیدا ہوگئی اسکی کوئی صحیح وجہ صاف طور پر بیان تو کیجئے -

دوسرا یہ کہ اسکا کیا سبب ہے کہ مقناطیس جب کسی لوہے کی سلاخ سے ملتا ہے اور اُسکو کشش کرتا ہے تو وہ اُسمیں بھی بغیر اسکے کہ مقناطیس کی قوت میں کچھ کمی ہو کشش کی خاصیت پیدا کر دیتا ہے اسوجہ سے جب تک مقناطیس اُس سلاخ سے متصل رہتا ہے مقناطیس ہی کی طرح وہ بھی کشش کرتی ہے اور جہاں اُس سے الگ ہوا اور لوہے کی یہ خاصیت گئی اس حالت کو آپ عارضی مقناطیس بننا کہتے ہیں - لیکن جب کسی فولادی سلاخ سے مقناطیس لگایا جاتا ہے تو اُس سلاخ میں کشش کرنیکی ایسی خاصیت آجاتی ہے کہ مقناطیس اس سے الگ بھی کر لیا جائے جب بھی وہ خاصیت باقی رہتی ہے اسیطرح جب فولادی سلاخ مقناطیس سے رگڑ دی جائے تو اس میں اس کشش کی استمراری خاصیت آجاتی ہے اور اسکو مصنوعی مقناطیس بننا کہتے ہیں - اب آپ صاف طور پر ذرا بیان تو کیجئے کہ لوہے اور فولاد کی سلاخ میں محض مقناطیس کے لگنے سے یہ خاصیت کیسے پیدا ہو جاتی ہے؟ کیا ان دونوں کے ذرات کی وضع بدل گئی چاہے وہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہوں - اور جب ایسی ہی بات ہے تو کیا لوہے کی سلاخ میں وہ ذرات اپنی اصلی وضع پر لحظہ ہی بھر میں لوٹ آئے اور فولادی سلاخ میں اُسیطرح رہگئے یا اس کے علاوہ اور کوئی بات ہے - ذرا واضح طور پر لوہے اور فولاد میں یہ فرق ہمیں سمجھا تو دیجئے بلکہ سخت اور نرم لوہے میں بھی تو کوئی چنداں فرق نہیں حالانکہ سخت لوہے کی بھی فولاد ہی کی سی حالت ہے کہ ذرا میں اُس میں یہ خاصیت آجاتی ہے اور مقناطیس کے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے -

تیسرا سوال یہ ہے کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ مقناطیسی قطعہ کے دونوں سروں پر کشش کی قوت پائی جاتی ہے اور جوں جوں اُسکے وسط کے قریب ہوتے جائے یہ قوت کم ہوتی جاتی ہے یہانتک کہ ٹھیک وسط میں یہ قوت ذرا بھی نہیں معلوم ہوتی اور جب اس قطعہ کے ٹھیک بیچوں بیچ سے دو حصے کر دئے جائیں تو اُس سرے میں بھی جہاں سے کہ اُس قطعہ کے ٹکڑے کئے گئے ہیں بہت ہی قوت آجاتی ہے جیسے کہ اصلی سرے میں پس وضاحت کے ساتھ اسکی وجہ بیان کیجئے کہ وہ قوت وسط میں ضعیف اور سروں پر اسقدر قوی کیوں تھی اور پھر قطع کرنے کے بعد اُس سرے میں جو وسط میں تھا کیونکر یہ قوت قوی ہو گئی - کیا محض قطع کرنے سے اُسکے ذرات کی وضع بدل گئی حالانکہ اُن کی وضع قوی سے قوی خارجی فاعل سے بھی نہیں بدلی جا سکتی یا کوئی دوسری وجہ ہوئی - علاوہ بریں جب لوہے یا فولاد کی سلاخ کے سرے پر مقناطیس لگایا جاتا ہے تو اُس

سلاخ میں مقناطیسی قوت آجاتی ہے پس اس سلاخ کے دوسرے سرے پر پوری قوت کا ہونا ایک لازمی بات ہے اور اُس کے وسط میں وہ قوت قریب قریب معدوم ہونے کے ہوتی ہے اب اس موقع پر آپ کیا کہہ سکتے ہیں کیا یہ حرکت اور ذرات کی وضع کا تغیر دونوں بلا وسط میں گذرنے کے دوسرے سرے پر جا پہونچے یا وسط میں گذرتے وقت کمزور ہو گئے تھے اور اُس سے منتہا دور ہونیکے بعد پھر قوی ہو گئے اگر ایسا ہے تو پھر بتلائیے کہ اس قوت کے کمزور ہو جانیکے بعد کس چیز نے اُسے پھر قوی کر دیا۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ آپ لوگ بھی قائل ہیں کہ زلزلہ آنیکے وقت مقناطیس کی قوت جاذبہ زائل ہو جاتی ہے اور اُس کے گذر جانے کے بعد پھر اس میں یہ قوت آجاتی ہے چنانچہ اسی بنیاد پر ایک آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے زلزلہ کی آمد کچھ پیشتر ہی سے دریافت ہو جاتی ہے پس اُس سے محفوظ رہنے کا سامان کر لیا جاتا ہے پس اب ذرا زلزلہ کیوقت ذرات کی وضع کے متغیر ہو جانے اور حرکت میں تبدیلی واقع ہونے کا سبب تو بتلائیے اور یہ کہ یہ امر کس طور پر واقع ہوا؟ اور کیوں ہوا؟ میرے خیال میں تو آپ لوگ ان سوالوں کے شافی جواب دینے پر ہرگز قادر نہیں ہیں بلکہ غایت سے غایت جہانتک آپ کی نظر پہونچ سکتی ہے آپ یہی کہیں گے کہ مقناطیس کی خاصیت ہی یہی ہے اُسمیں آثار ہی ایسے پائے جاتے ہیں۔ اور میں آپ سے کہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو بھی جب ان چیزوں کو مشاہدہ کر چکے اور اُن کے نزدیک مدلل ہو گیا تو یہی کہتے ہیں کہ بیشک مقناطیس کی یہی خاصیت ہے اور اُس میں ایسے ہی آثار پائے جاتے ہیں لیکن وہ آپ سے پوچھیں گے کہ اُس کو ان خاصیتوں کے ساتھ کس نے مخصوص کر دیا؟ کیا ذرات کی حرکت اسوجہ سے کہ اُس سے اُن کی وضع میں ایک خاص ترتیب آجاتی ہے اتنے بڑے بڑے کام کرتی ہے؟ جنکی صحیح وجہ جسکو کہ عقل بھی مان لے بیان کرنے سے آپ لوگوں کی عقلیں بالکل عاجز ہیں۔ یا وہ جس نے کہ اُسکو ان خاصیتوں کے ساتھ مخصوص کیا اور یہ آثار اُس میں مستحکم کر دئے۔ ذی قدرت اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا صاحب ارادہ اور حکمت والا (خدا) ہے؟ اب بتائیے ان دونوں باتوں میں کونسی بات ماننے کے قابل ہے (ذرا تو انصاف کیجئے) حق تو یہ ہے کہ مقناطیس نہایت ہی عجیب شئے ہے اور اُس کے فائدے بھی بہت خوب اور کامل درجے کے ہیں کیونکہ مقناطیسی سوئیکے ذریعہ سے بڑے بڑے صحرا اور سمندروں کو طے کیا جاتا ہے۔ سفر کرنیوالے خطروں سے محفوظ رہتے ہیں اس لئے کہ یہ سوئی نہایت ہی امانت دار راہبر کا کام دیتی ہے اور صاف صاف راہ بتاتی ہے وہ ذات عجب پاک وذی شان ہے جس نے انسان کو جمادات میں سے ادنی معدن کے ٹکڑے سوا ایسی دریافت کی رہنمائی کی منجملہ کائنات ارض کے ہم نباتات کو دیکھتے ہیں اس نباتی دنیا کے حالات جسمیں کہ حیرت انگیز اور تعجب خیز امور بکثرت موجود ہیں اور اسوجہ سے کہ اُسمیں مستحکم انتظامات۔ اسرار اور حکمتیں رکھی گئی ہیں نہایت ہی عجیب وغریب ہیں۔ اور اُسکے عجائبات میں سے یہ امر ہے کہ زمین پانی اور ہوا کے اجزاء کو اپنے ہی طرح کر لیتی ہے اور انھیں اپنے طور پر بنا لیتی ہے چنانچہ کہاں تو ان اشیاء میں نمو اور حیات کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا پھر دفعتہ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جہاں یہ اشیاء نباتی ترکیب میں داخل ہوئیں اور انھوں نے جسم نامی کی صورت قبول کر لی نمو ہونے لگا غذا حاصل کرنے لگیں نباتی حیات

کے ساتھ موصوف ہو گئیں وہ وہ خواص انھوں نے حاصل کرلئے جو ان میں ... اس سے پہلے نہ تھے پھر ہم اس نباتی جسم کو دیکھتے
ہیں تو ایک جہت سے تو ہم اسے بڑھنے والا اور متفرق والا اور کھانے والا پاتے ہیں اور وہ جماد سے بہت ہی مشابہ معلوم ہوتی ہے اور جب
دوسری حیثیت سے ہم نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ غذا حاصل کرنے کیلئے اس کی جڑیں زمین کے اندر گھس گئی ہیں پس
وہ حیوان کی طرح اپنی غذا طلب کرنے کیلئے اگرچہ قدموں پر نہیں چلتی لیکن وہ زمین کے اندر وہاں تک پہونچ جاتی ہے
جہاں کہ حیوان نہیں پہونچا کرتا اور ہم انکی شاخوں کو دیکھتے ہیں کہ بلند ہو جاتی ہیں یا وہ اپنے خار اور بیلوں کے ساتھ
آفتاب کی روشنی سے نفع حاصل کرنیکے لئے مرتفع مقامات پر قیام کرتی ہے جیسے کہ بیلیں پھلوں کی تلاش میں اونچی چیزوں پر چڑھ جاتی ہیں
کہاں تو ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ نبات سوا اجزاء ارضی، پانی اور ہوا کے اور کسی شے سے غذا حاصل نہیں کرتی اور پھر ہم دیکھتے
ہیں کہ بعض نباتات مفترس یعنی دوسروں کو چیر ڈالنے والی بھی ہوتی ہیں اور ایسی وہ نباتات ہیں جو دوسری نباتات
میں اُگتی ہیں اور اُن کے عرق سے غذا حاصل کرتی ہیں جیسے کہ بعض حیوانات بعض پر بسر کرتے ہیں اور انہیں میں
اس نبات کا بھی شمار ہے جسکے پتوں پر ایک قسم کا عرق ہوتا ہے جس پر مکھیاں نہایت حرص کے ساتھ گرتی ہیں اور جہاں
اس کے کسی پتہ پر کوئی مکھی گری اور فوراً ہی اس نے محسوس کیا اور اس کے ساتھ ہی اُسکو لیکر وہ بند ہو گیا پھر جبتک
وہ اس کا عرق بالکل چوس نہیں لیتا اسکو نہیں چھوڑتا اور اسوقت چھوڑتا ہے کہ جب وہ مردہ ہو کر مثل چھلکے کی رہجاتی ہے
پس یہ نبات اپنی غذا حیوان سے حاصل کرتی ہے گویا اس نے تو نباتی دنیا کا حیوانی دنیا سے انتقام لیلیا کیونکہ حیوان نبات کو
کھاتے ہیں۔ اور گو ہمارا یہ خیال ہے کہ نبات کیلئے اس کی جڑوں کا زمین یا دوسرے درخت سے متعلق ہونا جس میں کہ وہ
چیر کر گھس جائے ضروریات سے ہے لیکن نہیں بعض نبات ہوائی بھی ہوتی ہیں اور وہ ایسی ہیں کہ جو دوسری چیزوں سے متعلق
رہتی ہیں زمین میں اُن کی جڑ نہیں ہوتی وہ اپنی غذا ہوا ہی سے حاصل کرتی ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اُن کے پھول
مکھی کی قسموں میں سے پروانہ، شہد کی مکھی وغیرہ کے مشابہ ہوتے ہیں اور جب ہوا اُن کو حرکت دیتی ہے تو دیکھنے والے
کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ درخت پر پروانے چکر لگا رہے ہیں یا شہد کی مکھیاں ہیں کہ جو پھولوں سے شہد جمع کرتی ہیں اور وہ بعض
کر رہی ہیں اور بعض کی کلیاں بھونرے کے مشابہ ہوتی ہیں۔

اور بعض ایسی بھی ہیں کہ جن کی شکل بالکل انسان کی سی ہوتی ہے اور جسکو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ اگرچہ نبات تھی
ہوائی میں سے نہ تھی بلکہ اس کا شمار اُن نباتات میں تھا جو کہ پیاز کیطرح زمین میں اُگا کرتی ہیں لیکن وہ ایسی نبات تھی
جس کے اوپر ایک پھول لگا ہوا تھا جو کہ زرد چڑیا کی صورت پر تھا اسکے سر آنکھیں، چونچ گردن بھی تھی اس کے بازو
کسی قدر پھیلے ہوئے تھے اور قدمیں اوپر کو اٹھی ہوئی جیسے کہ مرغ کھڑا ہوا کرتا ہے اور اس کے پیٹ کے نیچے ایک سنہری رنگ
کی شہد کی مکھی کی صورت تھی جو کہ اپنے منہ کو اسکے پیٹ پر اس طرح رکھے ہوئے تھی گویا کہ اس میں سے کچھ چوس رہی ہے اس کے
بھی سر دونوں آنکھیں موجود تھیں۔ پیٹھ پر نقش و نگار بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور اس چڑیا کی رانوں کی جڑ سے اس کے

بازو کھلکر نکلے تھے پس گویا کہ وہی اُس مکھی کے بازو نہر سکتے تھے اور وہی اُس چڑیا کی رانیں اور یہ سب اعضا اُس میں بالکل صاف صاف نظر آتے تھے یہ بات نہ تھی کہ ان اعضاء کے ساتھ دیکھنے میں مشابہت ہی مشابہت معلوم ہوتی ہو یہ ایسا تماشا تھا کہ وہاں سے نظر ہٹتی نہ تھی اور اُس کے پیدا کرنے والے کی وحدانیت اُسکی قدرت اور اُس کے استحکام کی کھلی کھلی شہادت دے رہا تھا اور یہ پھول بیرورت کے جنگلوں میں سے اُس مقام پر پایا جاتا ہے جسکو کہ ظہور اشرفیہ کہتے ہیں اور اس اطراف کے بعض لوگ اسے چڑیا کا پھول، بعض شہد کی مکھی کا پھول بھی کہتے ہیں میں نے آپ لوگوں میں سے بعض کو دیکھا ہے کہ حیوانات کی صورت پر اس قسم کے پھولوں کے بننے کی عجیب ایسی تباہی وجہیں بتاتے ہیں۔ میں اُن سے اسی پھول کے بننے کی ایسی وجہ پوچھتا ہوں جس کو عقل مان لے۔ میں تو خیال نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ اسپر قادر ہوں گے اور نہ میرے خیال میں سوائے اس طرح کے اور کسی طور پر عقل کی تسکین ہو سکتی ہے کہ اس کے بننے کو ذی قدرت۔ صاحب ارادہ۔ اعلیٰ درجہ کے علم اور حکمت رکھنے والے (خدا) کے فعل کے حوالہ کیا جائے نہ یہ کہ ذرات مادہ کی حرکت۔ قانون تنا بنات یا اسی کے مثل اور بیہودہ اور اندھادھند باتوں کو اس کا مدار قرار دیا جائے۔

پھر خیال کیجئے کہ کہاں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نبات کو کیسی ہی سختی سے کیوں نہ چھوا جائے لیکن اُسے ذرا بھی احساس نہیں ہوتا اسی بنا پر ہم حکم لگاتے ہیں کہ نبات اور حیوان میں جہاں اور فرق ہیں یہ بھی ہے کہ حیوان میں تو احساس کرنیکی قوت پائی جاتی ہو اور نباتات میں نہیں لیکن یکایک ہم بعض نبات کو ذی حس بھی پاتے ہیں چنانچہ منجملہ اُن کے چھوئی موئی کا درخت ہو کہ جب اسے چھوا جائے یا حرکت دیجائے تو اس کے چھوٹے چھوٹے پتے باہم ملجاتے ہیں اور باقی پتے کھلکر رہجاتے ہیں اور کوئی کوئی نبات حیوان کا شکار کرتی ہے چنانچہ ہم اُسکا پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب اسپر مکھی گرتی ہے تو اُسے محسوس کر کے پکڑ لیتی ہے اور اُسکو بالکل چوس جاتی ہے کہاں تو ہمارا یہ خیال ہے کہ نبات جب تک کہ اُسے کوئی خارجی فاعل مثل ہوا یا حیوان کے حرکت نہ دے تو وہ حرکت نہیں کرتی لیکن ہم دیکھتے کیا ہیں کہ بعض نبات بلا کسی ظاہری قاسر کے خودبخود بھی حرکت کرتی ہے پس یہ نبات خودبخود ایسی حرکتیں کرتی ہے کہ اُنسے ہوا میں ہندسہ کی مخروطی شکلیں بنجاتی ہیں۔ اُس کا پتّا تین چھوٹی چھوٹی پتیوں سے ملکر بنا ہوتا ہے جن میں سب سے بڑی پتی بیچوں بیچ میں اوپر کو ہوتی ہے اور وہ چھوٹی چھوٹی پتیاں اُس کے نیچے دونوں طرف واقع ہوتی ہیں اور وہ دونوں پتیاں جبتک رہتی ہیں اسوقت تک رات دن۔ گرمی میں۔ جاڑے میں۔ دھوپ میں سایہ میں۔ خواہ آسمان صاف ہو یا بارش ہوتی ہو ہر حال میں برابر متحرک رہتی ہیں اُن کی حرکت کبھی رُکتی ہی نہیں۔ لگاتار حرکت مستدیرہ کے ساتھ اُن میں سے ایک اوپر کو اُٹھتی ہے اور دوسری نیچے کو جھکتی ہو اسکے خلاف اوپر کی درمیانی پتی سوائے صبح و شام کے اور کسیوقت نہیں حرکت کرتی۔

اور آپ ہی لوگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے ہند میں دریائے گنگ کے کنارہ پر ایک گھاس دیکھی ہے جسکی پتیاں ایک ایک منٹ میں ساٹھ حرکتیں کرتی ہیں پس وہ تو ایک زندہ اور بڑھنے والی گھڑی ہے جو بند ہی نہیں ہوتی اور نہ اپنے رکھنے والے کو اپنے لئے کسی قسم کے صرف کرنیکی تکلیف دیتی ہے ہند کے مشرک اس گھاس کو مقدس سمجھتے ہیں اور اسکی طرف خداوندی قوت

فرق حس اور حرکت نبات ...

[illegible]

ف سورج مکھی کا عجیب و غریب پھول ۱۲

کی نسبت بتلاتے ہیں حالانکہ وہ تو اپنے پیدا کرنیوالے کی ربوبیت کے ساتھ منفرد ہونے پر شاہد ہے۔

بعض نبات کی یہ حالت ہے کہ اسکا پھول آفتاب کی حرکت کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا اور پھرتا جاتا ہے (جسکو ہند میں سورج مکھی کہتے ہیں) وہ ہمارے طرف کے شہروں میں بکثرت پایا جاتا ہے لوگ اُسکو فلک اور عابدشمس کہا کرتے ہیں کیونکہ اُسکا مستدیر پھول جسمیں کہ عجیب و غریب رنگوں کے دائرے پائے جاتے ہیں جو کہ نہایت مضبوطی کے ساتھ بنے ہوتے ہیں وہ چاروں طرف سے ریشوں سے گھرا ہوتا ہے جو کہ مثل ریشمی ڈوروں کے معلوم ہوتے ہیں اُس کے بعض اقسام میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اُس کے بیچ میں گھڑی کے کانٹے کے مثل ایک شے ہوتی ہے جسوقت آفتاب نکلتا ہے اُسوقت یہ پھول بالکل اسکے آمنے سامنے ہوتا ہے اور جوں جوں آفتاب اپنے مدار پر بلند ہوتا جاتا ہے اتنا ہی یہ پھول بھی اُسی طرف منہ کئے ہوئے اُٹھتا جاتا ہے حتی کہ دوپہر کے وقت یہ پھول مسطح نظر آتا ہے اور پھر آفتاب جتنا کہ غروب کیلئے جھکتا جاتا ہے اتنا ہی یہ پھول بھی جھکتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ غروب ہونیکے وقت اُس سے مفارقت ہو جاتی ہے۔ ایسی نادر اشیاء کے بنانیوالے اور اعلیٰ درجہ کی واقفیت رکھنے والے کی عجیب شان ہے اُسکی پاکی کا کیا کہنا ہے۔

پھر نبات کے اقسام میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اُس سے تو عقول حیرت میں رہ جاتی ہیں اور وہ اختلاف صاف صاف اسبات کی شہادت دیتا ہے کہ اُسکا پیدا کرنیوالا کوئی فاعل مختار ہے کوئی قدرتی قانون اُسپر حکم نہیں چلا سکتا اور نہ اُسکی قدرت کی کچھ حد معلوم ہوتی ہے یہانتک کہ محدود ہونے سے اُس کا مضطر اور بے اختیار ہونا ظاہر ہوتا۔ بیان اسکا یہ ہے کہ بعض درختوں کو ہم اسقدر بڑا اور بلند دیکھتے ہیں جسکی کوئی حد ہی نہیں جیسے کہ کوہ لبنان اور امریکا کی بڑی ترائی میں ایکقسم کا درخت دیکھنے میں آیا ہے اُس درخت کی لمبائی تین سو سے چار سو قدم تک ہوتی ہے اور بعض بعض کا قطر تو زمین کے قریب تیرہ قدم تک پایا گیا ہے اور پوست کی موٹائی اٹھارہ قیراط تک کی ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض بعض درخت تو اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اگر اُسکا تنہ اندر سے خالی کر کے ڈال دیا جائے تو اُس میں سے سوار اپنے گھوڑے کی پشت پر کھڑے ہو کر اس طرح پر نکل جائیگا کہ اُس کا بدن اُس سے چھونے بھی نہ پائے۔ اور اسکاٹلنڈ میں ایک درخت ہے جسکا محیط نوے قدم کا ہے اور اسی نوع کے چھوٹے سے چھوٹے درخت سے مقابلہ کر کے اُس کی عمر کا حساب لگایا گیا ہے اس حساب سے اُس کی عمر پانچ ہزار برس کی معلوم ہوتی ہے اور اور کالیفورنیا میں ایک صنوبر کا درخت ہے جسکا طول تین سو قدم کا اور محیط اُنیس قدم کا ہے عمر چھ ہزار برس کی ہے اور ان عجیب میں سے عجیب و غریب ایک ڈریگن کا درخت ہے جو کہ بحر اوقیانوس (اٹلانٹک اوشن) کے جزائر کناریا میں سے ایک میں موجود ہے اُسکا تنہ اتنا موٹا ہے کہ اگر دس آدمی ہاتھ پھیلا کر اس طرح کھڑے ہوں کہ ایک کی انگلیوں کے سرے دوسرے کی انگلیوں کے سرے سے رہیں جب بھی اُسکو گھیر نہیں سکتے۔ قریب چار سو برس کے زمانہ گزرا ہوگا جبکہ یہ جزیرہ دریافت ہوا ہے آجتک اس درخت میں بظاہر کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ اس قسم کے درخت کا نمو بہت ہی آہستہ آہستہ ہوتا ہے جیسا کہ اس نوع کے چھوٹے چھوٹے درختوں کے مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے اس لئے جانے کتنی صدیاں اُسپر گذر چکی ہونگی اور بعض لوگ تو انھیں

یہاں تک کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تو انسان کی پیدائش سے بیتری صدیوں پیشتر سے وہ درخت بڑھ رہا ہے۔

نباتات میں سے ہم ایک نہایت ہی چھوٹا عالم بھی دیکھتے ہیں جسکا پتہ بذریعہ خوردبین دانی کا مطلب ہے لگتا ہے جیسے کہ کائی جو پانی کی سطح پر تیرتی ہے یا دیواروں وغیرہ پر جم جاتی ہے بذریعہ خوردبین کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ وہ ایک تمام سرسبز دنیا ایک گنجان جنگل ہے جسمیں کہ باوجود اسقدر چھوٹے اور دبے ہوئے ہونیکے پھول اور تخم سب ہی کچھ موجود ہوتا ہے۔ بخلاوہ بخارات کے ہوا میں وہ بھی منتشر ہوتے ہیں دیواروں وغیرہ پر گر پڑتے ہیں پس جب اس کے موافق زمانہ آتا ہے وہ جم کر بڑہنے لگتے ہیں پھر پھول اور تخم پیدا ہوتے ہیں اگرچہ خالی آنکھوں کو تو صرف ایک سبز غبار سا نظر آتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ ہم نباتات میں ایسی صفات دیکھتے ہیں جنکے اعتبار سے وہ باہم ایک دوسرے کے خلاف ہوتی ہیں ان کی اور ان کے پتوں کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ پھول پھل تخم۔ بو اور ذائقہ کے اعتبار سے ان میں نہایت تفاوت پایا جاتا ہے ان کے منافع اور مضرتیں بیشمار ہیں بہرحال یہ امور جن کے لحاظ سے ان میں باہم فرق کیا جاتا ہے بیحد قسم کے ہوتے ہیں پھر بعض نباتات کے تنے دار درخت ہوتے ہیں بعض کی بیلیں پھیلتی ہیں بعض گھاس کی طرح اگا کرتے ہیں۔ فصل کے لحاظ سے کوئی گرمی میں ہوتی ہے کوئی جاڑے میں۔ کوئی ربیع میں کوئی خریف میں۔ بعض نبات نرم زمین میں پیدا ہوتی ہے۔ بعض پہاڑوں ہی پر کسی کیلئے فقط بارش کا پانی کافی ہو جاتا ہے کسیکو اور پانی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ کسیکو کسی ایک ولایت کے ساتھ خصوصیت ہوتی ہے کوئی تمام ولایتوں میں رہ سکتی ہے۔ پتوں کو دیکھئے تو کسی کے گول کسی کے لمبے۔ کسی کے نکیلے کسی کے چوڑے ہوتے ہیں اور باوجودیکہ ان کا رنگ سبز ہوتا ہے لیکن سبزی میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے حتی کہ ایک نوع کی سبزی دوسری نوع کی سبزی کے بالکل مشابہ دیکھی ہی نہیں گئی۔

پھولوں کو لیجئے تو ان میں بھی بڑا اختلاف ہے ان کے رنگ اور شکلوں کے بیان میں بڑا طول ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کوئی پھول گول ہوتا ہے کوئی لمبا۔ کوئی اکہرا کوئی دہرا۔ اسی طرح بیشمار شکلیں ہوتی ہیں۔ رنگوں کو دیکھئے تو سفید۔ سرخ۔ زرد۔ نیلگوں سبز اور رنگ برنگ کے نقش سے منقش نظر آتے ہیں پھر کسی میں دو ہی رنگ ہیں۔ کسی میں بہت مختلف رنگ جمع ملتے ہیں ہر ایک کی خوشبوئیں تو خاصیت ہی جدا ہوتی ہے کوئی خوشبو نہایت پاکیزہ اور دل خوش کن ہوتی ہے کوئی نہایت ہی ناگوار کر جان ہی لیتی ہے۔ خوشبو کے اختلاف کی نسبت اسقدر آگاہ کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نوع کے پھول کی خوشبو کو دوسری نوع کی خوشبو کے ساتھ پورے طور سے ہم ملتے ہوئے پاتے ہی نہیں اور پھلوں میں شکل۔ رنگ۔ بو۔ ذائقہ اور مقدار کے لحاظ سے تو اتنا اختلاف ہے کہ عقل حیران رہجاتی ہے چنانچہ بڑے چھوٹے۔ چوڑے لمبے۔ گول۔ اونچی بیچکے ہوئے نوکدار وغیرہ اقسام کے پائے جاتے ہیں پھر ان کا رنگ بھی سرخ زرد سفید سیاہ۔ نیلگوں منقش وغیرہ دیکھا جاتا ہے۔ بعض پھلوں میں ایسی پاکیزہ خوشبو ہوتی ہے کہ وہ نہ تو اس کے پھولوں میں پائی جاتی ہے نہ پتوں میں۔ اور کسی کے مزوں پر دوسری قسم کی اسی کے قریب قریب خوشبو ہوتی ہے۔ ذائقہ کو لیجئے تو شیریں۔ ترش۔ چاشنی دار۔ تلخ۔ اسی طرح اتنے

ذائقے ہوتے ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ پھلوں میں ایک نہایت عجیب بات یہ ہوتی ہے کہ اُن کے چھلکوں میں جو مزہ۔ رنگ اور بو پائی جاتی ہے وہ اُن کے گودے میں نہیں ہوتی اور اُن میں سے جو ہم گودہ میں دیکھتے ہیں اُسکا پتہ تخم میں نہیں ملتا اور جو تخم میں پایا جاتا ہے وہ درخت کے کامل اجزاء میں نہیں پایا جاتا۔ بعض پھلوں کے اندر مختلف شکلوں کے بیج طرح طرح کی خوشبوئیں مزے اور رنگ پائے جاتے ہیں بعضے بیج سے بالکل خالی ہوتے ہیں پھر کسی پر ایک غلاف چڑھا ہوتا ہے کسی پر زیادہ اور کسی پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کوئی پھل ہوتا تو چھوٹا ہے لیکن اُسکا درخت بہت بڑا ہوتا ہے جیسے کہ انجیر یا برگد بعض پھل بڑے ہوتے ہیں اور پیدا بیلوں سے ہوتے ہیں جیسے کہ خربزہ۔ بعض مہینہ بھر میں بار آور ہوتے ہیں بعض اس سے بھی کم مدت میں بعض کا پھل برسوں کے بعد ہاتھ آتا ہے۔ بعض کے ریشوں۔ جڑوں۔ پتوں۔ پھول۔ پھل۔ تخم۔ پوست۔ یا عرق سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے بعض کی فقط دو ہی چیزیں کام میں آتی ہیں بعض کی زیادہ۔ بعض کی کل چیزیں بعض کی جڑ مفید ہے۔ اور پھل یا پتے۔ یا پھول ضرر رساں۔ بعض کی اس کے خلاف حالت ہو پس ایک ہی نبات میں مرض اور دوا دونوں ہی مجتمع پائے جاتے ہیں مختصر یہ کہ ہم ایک ہی درخت کو دیکھتے ہیں کہ اُس کے ریشہ۔ تنہ۔ پوست پتے۔ پھول۔ پھل اور تخم میں جُدا جُدا خاصیتیں موجود ہوتی ہیں پس ایسا آپ ہرگز نہیں پا سکتے کہ اُن میں سے ایک خاصیت دوسری خاصیت پر پوری پوری منطبق ہو جائے۔ پھر باوجود اسقدر اختلافات کے تعجب یہ ہے کہ تمام اقسام کی نباتات ایک ہی پانی سے سینچی جاتی ہیں ایک ہی مٹی سے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں اور ایکہی ہوا جذب کرتی ہیں جو اُن کیلئے ضروریات سے ہے اُن کے اعضاء دو قسم کے ہوتے ہیں بعض کا شمار تو اعضاء نمو میں ہے جیسے کہ جڑ۔ تنہ۔ پتے اور بعض کا شمار اُن اعضاء میں کیا جاتا ہے جن سے نسل چلتی ہے جیسے کہ پھول پھل بیج۔ پھر انہیں تھوڑے سے اعضاء بسیط سے ہزاروں ہی قسم کے نباتات مرکب ہوتے ہیں جن کا شمار اُس حساب سے جہاں تک کہ علم نباتات کے جاننے والوں کی رسائی ہوئی ہے اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) اقسام سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ انہیں کی بدولت ہمارے پہاڑ ٹیلے۔ ترائیاں۔ باغات سبز نظر آتے ہیں۔ اپنے پھولوں سے یہ انہیں زینت بخشتی ہیں ہمارے خوانوں کو اپنے میوے اور دانوں سے پُر کر دیتی ہیں۔ ہمارے جسموں کیلئے پوشش مہیا کرتی ہیں۔ ہمارے گھروں اور کشتیوں کی تعمیر میں صرف ہوتی ہیں۔ ہمارے مرضوں کے علاج کے کام میں آتی ہیں۔ ہماری آگ کو مشتعل کرتی ہیں۔ ہمارے مال و متاع کی حفاظت کرتی ہیں۔ کہاں تک کوئی بیان کرے انکے فوائد تو اسقدر ہیں کہ قلم اُن کے تحریر کرنے میں روانگی سے عاجز آکر چلتے چلتے کاغذ پر سر رکھ کر رکھ دیتا ہے اور زبان کی گویائی مفقود ہوئی جاتی ہے۔

ف

کیا اُن تمام صورتوں اتنی نوع بنوع کی چیزوں اور پھر اُن پر اس قدر منافع کے مرتب ہونے اور اتنے اسرار ظاہر ہونیکی وجہ باوجودیکہ اُن کا اصل مادہ بھی ایک تمام اسباب جوہر یہ بھی متفق ہیں محض ذرات مادہ کی حرکت قرار پا سکتی ہے اور وہ بھی اندھا دُھند حرکت کے ساتھ یا مجرد اتفاق جو کہ بالکل بے معنی ہے اسکی وجہ ٹھہر سکتا ہے یا وہ قوانین قدرت جو کہ نہ تو کچھ جانتے ہی ہیں اور نہ کچھ ارادہ ہی کر سکتے ہیں۔ اسکا باعث سمجھے جا سکتے ہیں؟ یا یہ بات ہے کہ یہ سب اشیاء کسی ذی قدرت

بیان زینت غذا کی صفات کی پیچیدگی (سفر اول ۱۲)

اور عجیب طور پر پیدا کرنیوالے - غالب - صاحب حکمت - اتنے بڑے جاننے والے کہ پیدا کرنے سے جس کو کہ جتنی چیزیں ہو چکی ہیں یا ہونیوالی ہیں سب کی خبر ہے موجود ہوئی ہیں؟ بیشک یہ سارے عجائب وغرائب پکار پکار کے اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ ضرور عالم کا کوئی بڑا واقف کار خدا اور ذی حکمت بنانیوالا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس امر کا ارادہ کرتا ہے کر گذرتا ہے - پھر ہر چند کہ نباتات کی ہر نوع خداوندی نعمت ہے جسکے ساتھ خالق سبحانہ نے اپنی خلق پر احسان کیا ہے - لیکن بعض کا شمار نہایت عظیم نعمتوں میں کیا جاتا ہے - اور اُن سے خدا کا بڑا احسان ظاہر ہوتا ہے - اس قسم کی جتنی چیزیں ہیں گو سب ہی تعجب انگیز ہیں لیکن ان میں سے کسی کسی کا تعجب کے اعتبار سے نمبر بہت ہی بڑھا ہوا ہے چنانچہ ہم چاہتے ہیں کہ اس کی کچھ تفصیل ذکر کریں -

روٹی کا درخت

پس سنئے کہ نباتی دنیا کی حیرت خیز نعمتوں میں سے روٹی کا درخت ہے جو بحر الکاہل (پیسیفک اوشن) کے جزائر میں پایا جاتا ہے اُسمیں کروی شکل کے پھل لگتے ہیں جنمیں سے چھوٹے سے چھوٹے پھل کا قطر چار قیراط کا اور بڑے سے بڑے کا قطر سات قیراط تک کا ہوتا ہے اُس کا وزن چار سو بیس درہم یعنی ایک ہزار چار سو ستر ماشہ کا ہوتا ہے اور ہر سال آٹھ ماہ تک برابر اُسمیں سے پھل توڑے جاتے ہیں - اُن جزائر کے لوگ اُس قدرتی روٹی پر بسر کرتے ہیں جیسے کہ ہم لوگ مصنوعی روٹی پر گذر کیا کرتے ہیں وہی اُن کی ساری غذا ہوتی ہے - خدا تعالیٰ نے اُن کیلئے بلا کسی مشقت کے جو ہم کو اپنی روٹی کے طیار کرنے میں اٹھانا پڑتی ہے اُسی کو مہیا کر دیا ہے - اس درخت سے اُنکو اور بہت سے منافع حاصل ہوتے ہیں اُن کے خوان اسکی لکڑی کی ہوتے ہیں - اُس کی چھال سے وہ اپنے کپڑے بناتے ہیں - اُسکے تنہ کی اُن کی ڈونگیاں بنتی ہیں -

دودھ کا درخت

اسی قبیل سے دودھ کا درخت ہے اُس کے اقسام میں سے جو قسم ہیّا ہیّا کہلاتی ہے ہند میں بھی پائی جاتی ہے اُس کے تنہ میں شگاف دیتے ہیں پھر اُس سے بہت عمدہ دودھ گائے کے دودھ سے ذرا گاڑھا نکلتا ہے - برازل میں ایک درخت ہوتا ہے جس کا نام (ماساندوبا) ہے وہ ماہ شباط[2] میں پھولتا ہے اور اُس میں پھل لگتے ہیں جنکا ذائقہ شربت لیموں کا ہوتا ہے اور اُس کے تنہ سے سفید رنگ کا دودھ نکلتا ہے جو مرغوب الطبع اور بکری کے دودھ سے اچھا ہوتا ہے وہاں کے باشندے اُسے بطور غذا کے استعمال کرتے ہیں اور اُسی سے اُن کو مادہ حیات حاصل ہوتا ہے -

بالائی کا درخت

اسی قبیل سے بالائی کا درخت ہے جو کہ ہند اور افریقہ میں پیدا ہوتا ہے اُسمیں ایسا پھل لگتا ہے جس کے اندر کا گودا قوام اور ذائقہ میں بالکل بالائی کی طرح ہوتا ہے - گرم ملکوں میں مہینوں برتنوں میں رکھا رہتا ہے نہ اُس کے رنگ میں کچھ فرق آتا ہے اور نہ ذائقہ ہی بگڑتا ہے -

اسی قبیل سے جوز ہندی یعنی نارجیل کا درخت ہوتا ہے اُسمیں اتنے منافع پائے جاتے ہیں کہ وہ سب کسی ایک درخت میں مشکل سے ملیں گے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اُس کے پھل سے پکنے کے قبل شراب بنائی جاتی ہے اور پکنے کے بعد جو اس سے

عـــه شاید تاڑ یا کھجور کا درخت مراد ہے ۱۲ عـــه شباط ایک رومی مہینہ کا نام ہے جو کہ قریب قریب مارچ کے ہوتا ہے ۱۲

بنتا ہے بالکل دودھ کے مشابہ ہوتا ہے مثل ترکاری کے اُس کے پتے پکتے ہیں۔ اُس کے پھول کے عرق سے شکر بنتی ہے اُسکی لکڑی اور اُس کے پھل کے چھلکے سے برتن۔ پیالے۔ کثرت سے تیار ہوتے ہیں گھروں میں اُسکی لکڑی کی دھنیاں بھی لگائی جاتی ہیں۔ اُسکے پتوں کے ٹاٹ اور سایبان بنے جاتے ہیں۔ اُسکی چھال کے ریشوں سے کپڑے۔ چھلنیاں۔ بورے اور رسی تیار کیے جاتے ہیں اُسکے پھولوں کی گری کا تیل نکلتا ہے اُسکی لکڑی کو جلا دینے سے گوند کی روشنائی بنتی ہے اُسکے پتوں سے لکھنے کا کاغذ بنایا جاتا ہے کھجور کا درخت بھی کثرت منافع کے لحاظ سے اس سے کچھ کم نہیں۔ چنانچہ ہم اُسکے پھل کو دیکھتے ہیں کہ کچی سے لیکر گدرا۔ ادھ کچا۔ پکا ہوا۔ اور خشک سب ہی کھایا جاتا ہے وہ میوہ کا میوہ ہے اور غذا کی غذا۔ ذخیرہ و تیار رکھے جب بھی وہ سکتا ہے۔ اُس کی لکڑی ستون۔ ڈالیں۔ چھال یہانتک کہ اس کی گٹھلی بھی کام میں آتی ہے۔ گٹھلی کو پیس کر اونٹوں کو کھلاتے ہیں یہ اُس حکیم حقیقی کی عجب پاک ذات ہے جو اپنے بندوں کو عجیب و غریب نعمتیں عنایت کرتا ہے اُن پر طرح طرح کی احسانات کرتا ہے انواع و اقسام اور قسم قسم کی اشیاء کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

نباتی دنیا کے بیان میں آخری بات ہم ضرور کہیں گے کہ بلا شک نباتات کے عجیب حالات کو دیکھکر ذی حکمت۔ حکیم عالم اور بڑے ہی قادر صانع کے وجود پر استدلال کرنیکا سب سے زیادہ حق علم نباتات کے جاننے والے ہیں جنھوں نے جلدیں کی جلدیں اس کے حالات کے بیان میں بھر دی ہیں آپ انہیں دیکھیں گے کہ اُس کے احوال سے بحث کرنے میں ایسے مستغرق ہیں کہ دانے کے پھوٹ نکلنے اُسکے بڑھنے اور اس کے تمام تغیرات سے جو کہ اُس کے بونے کے وقت سے لیکر انتہا کو پہنچنے تک اُس پر طاری ہوتے ہیں سب سے بحث کرتے ہیں۔ اُس کی نسل کے چلنے اور اُس پیدائشی مادہ سے بار آور ہونیکی کیفیت جو کہ اُس میں زیرہ کی منی کے قائم مقام ہوتا ہے بیان کرتے ہیں۔ اُس کی جڑ۔ تنہ۔ شاخوں۔ پتوں۔ اُس کے پھل کے غلافوں۔ پھولوں۔ پھلوں اور بیجوں کی ساخت کی تشریح کرتے ہیں۔ اور ان سب چیزوں کے اعضاء اور ان انتظامات کو ظاہر کرتے ہیں جو اُن میں قائم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے خواص۔ کام۔ ساخت۔ تغیرات۔ مدت حیات۔ اُن کے انواع کے اختلافات کو ذکر کرتے ہیں۔ اُنکو قطار۔ گروہ۔ خاندان۔ جنس اور افراد وغیرہ کی جانب منقسم کرتے ہیں۔ ان کا باہمی فرق ظاہر کرتے ہیں۔ بہر حال یہ ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں جس سے عقل دنگ رہجاتی ہے اور اُن کے پیدا کرنے والے کی قدرت کی عظمت اور اسکی صورت بنانیوالی کی حکمت معلوم ہوتی ہے یعنی خدا یعنی پروردگار عالم کی عجب بابرکت ذات ہے۔ علم حیوانات کے جاننے والوں میں سے علماء نباتات کی نسبت تو عقل مشکل سے تصدیق کریگی کہ اس فرقہ میں بھی خدا کے منکر موجود ہیں اور کیونکر نہ ہو وہ لوگ تو نباتی دنیا کے بہت سے تفصیلی حالات دریافت کر چکے ہیں اُسکی پیدائش کی ایک سے ایک باریکیاں دیکھ چکے ہیں بجائے کسی ذی قدرت صانع۔ اور کسی صاحب حکمت اعلیٰ درجہ کے علم رکھنے والے مدبر کی بڑی ضرورت ہے بغیر اس کے ایسی باریکیاں ہو ہی نہیں سکتیں۔

پھر اُس سیارہ میں کہ جسے دوسرا ہیں ہم [illegible] دنیا کو دیکھتے ہیں یہ وہ [illegible] ہے کہ [illegible] قریب ہونے کے اعتبار

جس کا درجہ بہت ہی عالی ہے۔ استحکام اور مضبوطی کے لحاظ سے جس کا مرتبہ بہت ہی بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ کہاں تو ہم نے نبات کو دیکھا تھا کہ زمین میں جم کر غذا حاصل کرنے اور نمو پانے کے ذریعہ سے جمادی مادوں کو اُس نے اپنے نباتی ساخت کے شکل بنا لیا پھر دفعۃً ہم دیکھتے کیا ہیں کہ حیوان اُسکو مُنہ میں رکھ گیا اور اُسنے اُسے اپنے منہ کے آلات کے حوالہ کر دیا۔ اُنھوں نے اُسکو چبا کر پیسا اور اس طرح کچھ ہضم کیا پھر اُسنے اپنے لعاب دہن کے ساتھ ملا ڈالا تاکہ کسیقدر اور ہضم حاصل ہو جائے اسکے بعد اُسنے نگلکر اپنے معدہ اور امعاء میں پہونچا لیا وہاں پہونچکر حرارت اور ہاضم عرقوں کے باعث سے وہ بالکل منہضم ہو گیا اور اُس سے ایک غذائی یا پرورش کنندہ مادہ جدا ہوا اور پھر وہ کام وہاں ہونے لگے جن سے عقل کو حیرت سی ہو گئی اس کے بعد یہ پرورش کُن مادہ معدہ اور معاء سے اور اعضاء کی طرف چلا اور اُن اعضاء کے فعل کی وجہ سے طرح طرح پر صورت بدلتا رہا۔ آخر کار وہ خون بنگیا پھر اپنے دوران کی وجہ سے صاف ہو کر بدن حیوان کے حصوں پر منقسم ہونا شروع ہوا اور ہر عضو کی ساخت میں اُسکے ذرے بدل ما یتحلل بننے کے لئے داخل ہونے لگے۔ اُس میں سے ایک حصہ حیوان کی منی اور اُس کے تخم کی شکل میں بھی تبدیل ہو گیا۔ پھر حمل قرار پانے کے بعد اُس کی خون بستہ کی شکل ہوئی پھر گوشت کا لوتھڑا بنا اور اُس میں مختلف شکلیں اور صورتیں پیدا ہونے لگیں۔ اُس کے اعضا میں نمو ہوا اور ہر ایک اپنا اپنا کام دینے لگا یہاں تک کہ وہ مکمل ہو کر اسی حیوان کے مثل ہو گیا جس کے بدن کے اندر یہ سارے تغیرات ہوتے رہتے تھے اور اُس میں حیوانی حیات بھی جو باعث حس ہے حلول کر چکی پھر تو وہ اپنی اصل کے موافق قوت سامعہ۔ باصرہ۔ شامہ۔ ذائقہ۔ لامسہ رکھنے والا حیوان بنگیا اس کے بعد وہ وقت آتا ہے کہ جدا ہوتا ہے اور اپنی نوع کے موافق اپنی روزی حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے اور اپنی زندگی بسر کرنے کی تدبیر کیلئے جسقدر ادراک کی ضرورت ہوتی ہے اُسی قدر اُسمیں قوت ادراک بھی بڑھتی جاتی ہے اور کبھی یہ قوت اسقدر ترقی کرتی ہے کہ وہ حیوان اُس کی بدولت عاقل۔ عالم حکیم اور مدقق بنجاتا ہے ہر شئے میں اپنی عقل دوڑاتا ہے اور کائنات عالم میں سے بہتیری چیزوں میں تصرف کرنے لگتا ہے وہ باعظمت پیدا کرنے والا بڑا بابرکت ہے جو اس مخلوق کو مٹی اور پانی سے پیدا کرتا ہے اور یہ عجیب الخلقت مخلوق باوجودیکہ نبات کے ساتھ بعض خواص جیسے کہ نمو۔ اغتذا اور توالد میں مشارکت رکھتی ہے لیکن اُس سے اور نبات سے اسبات میں کہ ادراک اور حواس ظاہری و باطنی سے احساس کرنیکی قوت ہوتی ہے اور نبات میں نہیں۔ امتیاز بھی ہے اور ان سب سے بڑھکر جو شے اُسکے لئے باعث امتیاز واقع ہوئی ہے اُس کی عقلی قوت ہے جسکے ذریعہ سے وہ استدلال اور استنباط کر سکتا ہے پھر اُس کی مسف اجناس۔ انواع۔ اور اصناف کی جانب تقسیم کیجاتی ہے۔ جنکی صفات میں بہت ہی بڑا تفاوت پایا جاتا ہے چنانچہ اُس میں سے بعض بہت ہی بڑے ہوتے ہیں جیسے کا ہاتھی جسمیں سے بڑے ہاتھی کی بلندی بارہ قدم کی ہوتی ہے۔

اور بعض نہایت ہی چھوٹے ہوتے ہیں حتیٰ کہ بلا مدد خوردبین کے جس کے ذریعہ سے بہت ہی چھوٹے چھوٹے جانداروں کی کائنات کا پتہ لگتا ہے نظر ہی نہیں آسکتے اس مخفی مخلوقات کا نام نقاعی عہ رکھا گیا ہے کیونکہ سب سے پہلے یہ اُس پانی میں پائے گئے

عہ نقاعی عربی لفظ نقاعہ کی جانب منسوب ہے جسکے معنی خیسا ندہ کے ہیں ۲

ہوتے تھے جیسیں کہ بڑا گھاس پھیل رہی تھی اور وہ ہزاروں اور لاکھوں ہی ایک قطرہ پانی میں بلا کسی مزاحمت اور رکاوٹ کے تیرتے رہتے ہیں پھر باوجودیکہ وہ اسقدر چھوٹے ہوتے ہیں تب بھی اُن میں حیات ہوتی ہے تمام حیات کے آلات پائے جاتے ہیں۔ وہ اجناس انواع اور اصناف پر منقسم ہوتے ہیں۔ ان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں اُنکی بعض قسموں میں فاسفورس کا مادہ پایا جاتا ہے جن میں سے بیشمار سمندر کے سطح پر سطح ہوتے ہیں۔ اور اس لئے وہ چمکتے اور روشن ہوتے ہیں جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا سیلاب اُٹھ رہا ہے وہ سب رات دن جاگتے ہی رہتے ہیں کسیوقت سوتے ہی نہیں اور نہ کبھی آپ اُنکو حالت سکون میں دیکھ سکتے ہیں ہاں جب وہ اپنی اصل سے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اسوقت ساکن ہوں تو ہوں۔ اور علماء علم حیوانات کی بحث و تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے کیڑوں میں سے سولہ کروڑ کیڑوں کا وزن بھی ایک رتی بھر کے برابر نہیں پہنچ سکتا اور روئے زمین پر جتنے آدمی بستے ہوں گے اُن سے شمار میں کہیں زیادہ یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے صرف ایک قطرہ پانی میں موجود رہتے ہیں اور ان لوگوں نے دیکھا ہے کہ ذرا سی دیر میں ہزاروں کے ہزاروں ہی بچے انہیں سے ایک ایک کیڑے کے پیدا ہوتے ہیں پھر ان کیڑوں میں تم قسم کے اعضا بکثرت پائے جاتے ہیں اُنھیں اپنی غذا حاصل کرنیکی سمجھ ہوتی ہے انہیں اتنا تمیز ہوتا ہے کہ نافع چیز کی طرف مائل ہوں اور ضرر رساں سے بھاگیں اور اسقدر ہوشیاری انمیں پائی جاتی ہے کہ وہ خطروں سے بچتے ہیں ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں اور نہ کوئی کسی سے مزاحمت کرتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں کروڑوں ہی ایک قطرہ پانی میں تیرا کرتے ہیں جیسا کہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں وہ بڑی تیزی سے حرکت کرتے ہیں وہ ایسا چھوٹے ہوتے ہیں کہ بعض ریکارڈوں کے اعتبار سے اُن میں سے ایک نوع ایسی ہوتی ہے کہ جس سے ایک کیڑا اگر دیکھا جائے تو وہ ایک بال کے حجم کے دو ہزارویں حصہ سے ایک حصہ سے کسی طرح زیادہ نہیں ٹھہر سکتا اور اس پر بھی ہر ایک میں اسکی زندگی کے قائم رکھنے کیلئے کافی اعضاء موجود ہوتے ہیں پس وہ ذی قدرت پیدا کرنے والا بڑا ہی بابرکت ہے۔

اور حیوانات میں سے بعض کی عمر بہت ہی بڑی ہوتی ہے اور بعض کی بہت تھوڑی اس طرح پر اُنکی عمروں میں عجب اختلاف پایا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو ایک مدت کے ساتھ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ عقل اُسکے لئے اُسی خاص مدت کے ہونے کی کوئی قطعی وجہ نہیں بتا سکتی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بے سینگ کے جانوروں کی عمر سینگ والے جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے اسی طرح جرأت والے جانور بزدل جانوروں سے زیادہ مدت تک زندہ رہتے ہیں۔ پانی اور خشکی کے جانور ہوائی جانوروں سے زیادہ عمر والے ہوتے ہیں لیکن گدھ۔ کرگس۔ طوطے اور کوّے اتنے ہی دن زندہ رہتے ہیں جتنے دن کہ انسان اور یہ بات تو مشہور ہے کہ ایک قسم کا کرگس ہوتا ہے جو دو سو برس تک۔ بچھوا دو سو بیس برس تک ہاتھی سو برس سے زائد زندہ رہتا ہے اور خشکی میں رہنے والا اور آبی مینڈک اُن جانوروں سے جو اُنکے برابر ہوتے ہیں زیادہ دن تک جیتا ہے اور کسی نے تو ایک مینڈک کی چھتیس سال تک نگہداشت کی تھی اور اسمیں ضعیفی کی کوئی علامت بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ گھوڑا غالباً تیس سال تک زندہ رہتا ہے اور اب تک تو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ کوئی گھوڑا ساٹھ برس کی عمر

جانوروں کی عمروں کا اختلاف

تک پہونچا ہو۔ بکری کی اوسط عمر پندرہ برس کی اور کتے کی اوسط عمر بیس برس کی ہوتی ہے۔ اسی طرح کیا چھوٹے اور کیا بڑے ہر حیوان کی ایک خاص عمر ہوتی ہے اور اُن کی عمر کی درازی اور کوتاہی اُن کے مسکن اور طریقِ گذران پر یا جسم کے بڑے اور چھوٹے ہونے پر یا اس کے علاوہ کسی اور شے پر موقوف نہیں ہوتی جیسا کہ میں نے دیکھا ہے۔ پس اب ضروری ہے کہ کوئی مخصص پایا جائے جو اُنمیں سے ہر ایک کو ایک عمر کے ساتھ خاص کر دے اور وہ اُن کا پیدا کرنے والا ہی ٹھہر سکتا ہے جس نے اُن کو عدم سے وجود کی طرف نکالا اور پہلے ہی سے اُن کی تخصیص کر دی وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اُسکا حکم کر دیتا ہے۔ حیوانات میں سے بعض ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں بعض پانی میں رہتے ہیں بعض سطحِ زمین پر بعض دونوں میں پھر کوئی اپنے دو پیروں پر چلتا ہے اور اُسکے دونوں ہاتھ غذا کے تناول کرنے اور کام کاج کرنے کے آلات ہوتے ہیں یا وہ اُسکے دونوں بازو قرار پاتے ہیں جن کے ذریعے وہ ہوا پر اُڑ سکتا ہے بعض کے چلنے کیلئے چار پیر ہوتے ہیں اور بعض کے اس سے بھی زیادہ کئی دہائیوں تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ جیسے کہ کھنکھجورا۔ اور بعض اپنے پیٹ کے بل اُن چھلکوں کے ذریعے جو اُس پر لگے ہوتے ہیں چلتے ہیں۔ درختوں اور دیواروں پر چڑھ جاتے ہیں جیسے کہ سانپ۔ بعض اپنی غذا کو اپنے ہاتھوں سے لیتے ہیں۔ بعض اپنے منہ سے۔ بعض چونچ سے۔ بعض ناک سے جیسے کہ ہاتھی۔ بعض اپنی زبان سے لیتے ہیں جیسے کہ گرگٹ۔ وہ اپنی لمبی زبان میں ایک لسدار مادہ لگا کر نکالتا ہے۔ اس طرح وہ مکھی وغیرہ کو ہوا سے پکڑ لیتا ہے۔ بعض حیوانات کے شکم کے اندر ہی بیضہ ٹوٹ کر بچہ نکل آتا ہے اور وہ وہیں تام الخلقت بھی ہو جاتا ہے اسکے بعد پیدا ہوتا ہے جیسا کہ اکثر دودھ پلانے والے حیوانات کا حال ہے اور بعض انڈے دیتے ہیں انڈے کے اندر بچہ کی غذا وغیرہ کا پورا سامان مہیا رہتا ہے اور اُسی کے اندر اُسکی خلقت کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ حالت پرندوں بعض سانپوں اور چھپکلی کی دیکھی جاتی ہے۔ بعض کی یہ حالت ہے کہ جب تک نر کی منی ہوا سے محفوظ رہکر شکم میں نہ پہونچے حمل قرار ہی نہیں پا سکتا کیونکہ ہوا کے لگنے سے اُسمیں خرابی آجاتی ہے۔ بعض کی یہ کیفیت ہے کہ جب مادہ اپنے بیضہ کو اپنے جسم سے نکالکر باہر ڈالدیتی ہے اُسکے بعد نر اپنی منی کو اُس پر گرا دیتا ہے اور اسطرح پر بچہ بنتا ہے جیسے کہ بعض مچھلیوں میں دیکھا گیا ہے۔ کیونکہ اُنکی منی پانی یا ہوا سے خراب نہیں ہوتی۔ بعض حیوانات اپنے بچوں کو اپنے دو یا زیادہ پستانوں سے دودھ پلاتے ہیں جسکو اُنکا پیدا کرنیوالا اُسمیں مہیا کر دیتا ہے۔ بعض اپنے بچوں کو دانہ بھراتے ہیں جیسے کہ کبوتر۔ بعض اپنے بچوں کو اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں اور اُن کی غذا اُنکو بتلاتے ہیں جیسے کہ مرغی۔ بعض حیوانات میں نر اور مادہ دونوں شریک ہوکر بچہ کی پرورش کرتے ہیں اور یہ اُسوقت ہوا کرتا ہے جبکہ بچے ابتدائی پیدائش میں چلنے پر قادر نہیں ہوتے جیسے کہ چڑیوں۔ کبوتروں۔ اور انسان میں دیکھا جاتا ہے کیونکہ صرف ایک ہی کا بچہ کی پرورش میں مشغول ہونا اور اپنی روزی بھی تلاش کرنا اُسکے لئے اُسکی طاقت سے زیادہ تکلیف کا باعث ہوگا اور بعض کی صرف مادہ ہی اپنے بچوں کی پرورش کر لیتی ہے اور یہ اُسوقت ہوتا ہے جبکہ بچے اپنی ماں کے ساتھ چلنے پھرنے پر قادر ہوتے ہیں جیسے کہ مرغی اور چکور۔ بعض اپنے بچوں کیلئے عجب کیفیت کا گھونسلا

بناتے ہیں خواہ درختوں میں کھود کر یا مٹی سے یا کسی اور طور پر۔ بعض اپنے بچوں کو اپنی پیٹھ پر لادے لادے پھرتے ہیں جیسے کہ ایک جانور امریکا میں ہوتا ہے جو چیونٹیوں کا شکار کرتا ہے۔ بعض اپنے بچوں کو ایک تھیلی میں لئے پھرتے ہیں جو کہ اُن کے پیٹ کے پاس ہوتی ہے۔ غذا تلاش کرنے کے وقت اُسمیں سے نکلتے ہیں اور سونے کے وقت پھر اُسی میں رکھ لیتے ہیں وہ آسٹریلیا میں ایک قسم کا جانور ہوتا ہے۔ بعض کے فضلہ اور بیضہ کے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ بعض کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ بعض حیوانات کے جفتی کھانے کا ایک وقت معین ہوتا ہے بعض کی جفتی کا کوئی وقت معین نہیں ہوتا۔ بعض جفتی کے وقت مادہ کے اوپر آجاتے ہیں بعض اپنی مادہ کی دُم سے دم ملاکر جُفتی کھاتے ہیں۔ بعض اپنی مادہ کے پہلو سے پہلو ملاکر رگڑتے ہیں یہانتک کہ وہ انڈے دیدیتی ہے اور اُن کے اوپر نر اپنی منی کو گرادیتا ہے۔ اسطرح پر بچہ بنتا ہے جیسے کہ بعض مچھلیوں کا حال ہے۔ بعض کے انڈوں کے نقوش اُن کے رنگوں کے مشابہ ہوتے ہیں جیسے کہ چکور اور بعض ہندی مرغیاں کیونکہ اُن کے بیضوں میں رنگ برنگ کے خطوط ہوتے ہیں جو کہ اُن کے پروں کے رنگ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ بعض کے انڈے سفید یا کسی اور رنگ کے ہوتے ہیں جنکو اُس کے پروں کے ساتھ ذرا بھی مشابہت نہیں ہوتی۔ پھر یہ انڈے شکل۔ مقدار۔ اور ہیئت کے اعتبار سے مختلف طرح کے ہوتے ہیں چنانچہ بعض گول ہوتے ہیں بعض لمبے بعض بڑے بعض چھوٹے۔ بعض کسی اور طرح کے بعض حیوانات کے ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ بعض کے زیادہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی تعداد نہایت ہی عظیم ہوتی ہے بعض کا بدن پروں سے ڈھکا ہوتا ہے جنکی وجہ سے وہ گرمی اور سردی سے محفوظ رہتے ہیں اور وہ اپنی مضبوط ساخت کے سبب سے اُس کے اُڑنے کیلئے بھی موزوں ہوتے ہیں۔ آئیے ہم کسی طائر کے دونوں بازوؤں کے پروں کو دیکھیں چونکہ پروں کیلئے یہ ضروری امر ہے کہ وہ اُڑنے میں اُن کے بدن کے اُٹھانے کیلئے کافی مقدار پھیلیں۔ اس لئے آگے کے دبیز پر پولے بنائے گئے ہیں تاکہ اُڑنے میں ہلکے معلوم ہوں۔ لیکن باوجودیکہ وہ پولے ہوتے ہیں اُنکا مادہ ایسا مضبوط اور لوچدار ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ صدمات کے متحمل ہوسکتے ہیں اور آسانی سے ٹوٹتے نہیں اور نیز پیچھے پر ایک نہایت ہلکے گودے کے مثل مادہ سے بھرے ہوتے ہیں جن کا اُٹھانا کوئی گراں نہیں گذرتا۔ یہ عجیب حیرت انگیز انتظام کیا گیا ہے جسکو دیکھکر عقل اُسکے بنانیوالے کی حکمت کا یقین کرلیتی ہے۔ علاوہ بریں ایک جانور ایسا بھی ہوتا ہے جسکے باوجودیکہ پر نہیں ہوتے لیکن اُسے بھی اُڑنے کی قوت عنایت ہوئی ہے اس جانور کے بدن پر روئیں ہوتے ہیں اور اُس کے دونوں بازو پتلی جھلی کے بنے ہوتے ہیں جنسے کہ وہ اڑا کرتا ہے۔ تمام پرندوں کے خلاف اُس میں یہ بات بھی دیکھی گئی ہے کہ اُسکے بجائے چونچ کے منہ ہوتا ہے جس میں دانت موجود ہوتے ہیں اور اُسکے دونوں بازوؤں پر ہتیلیاں بھی لگی ہوتی ہیں اس جانور کا نام چمگادڑ ہے جسمیں کہ دودھ پلانے والے جانوروں کے خواص پائے جاتے ہیں چنانچہ اُسکو اُن کے ساتھ شکل اور بنی کے اعتبار سے مشابہت حاصل ہوتی ہے اُنہیں کی طرح بچہ دیتا ہے دودھ پلاتا ہے اور اُن سے فرق اسبات میں ہے کہ وہ اور پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑتا ہے۔ وہ ذات نہایت برتر اور بے مثل ہے جس پر اُسکی مصنوعات کے بارہ میں کوئی قانون حکومت نہیں کرسکتا اور نہ اُس کی قدرت عمل کے

طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے ساتھ محدود ہو سکتی ہے تاکہ اُسے اُسی کی پابندی کرنا پڑتی اور وہ اس کی مخالفت کرنے پر قادر نہ ہو سکتا بلکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنی مخلوقات کو جس طور پر ارادہ کرتا ہے بنا دیتا ہے۔ حیوانات میں سے کسیکا بدن اون سے چھپا ہوتا ہے کسیکا بالوں سے۔ کسیکا روؤں سے۔ کسیکا ہڈی سے۔ جیسے کہ کچھوا۔ کسی کا چھلکوں سے اور کسی کی کھال پر کچھ نہیں ہوتا صاف نظر آتی ہے۔ پھر حیوانات کی شکل اور ہیئت میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اُس سے عقل دنگ ہو کر رہجاتی ہے چنانچہ بعض لمبے ہوتے ہیں بعض گولائی لئے ہوئے۔ بعض کی شکل نصف کرہ کی سی ہوتی ہے۔ بعض کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں اور پیر چھوٹے جیسے کہ زرّافہ[ـه] بعض کی شکل اس کے خلاف ہوتی ہے۔ جیسے کہ خرگوش۔ بعض کی گردن چھوٹی ہے بعض کی لمبی یہانتک کہ کسی کسی کی تو گردن اتنی لمبی ہوتی ہے کہ دوسری کی طرح اپنی گردن کو لپیٹ لیتا ہے اس قسم کا طرابلس کے اطراف میں ایک پرند پایا جاتا ہے جو عصفور سے ذرا بڑا ہوتا ہے۔ بعض کے دو ہی آنکھیں ہوتی ہیں بعض کے بہت زیادہ جیسے کہ بعض بعض مکڑیوں میں پائی جاتی ہیں۔ بعض کے دُم ہوتی ہے بعض کے جلکی۔ بعض کے کان لمبے ہوتے ہیں بعض کے گول۔ پھر حیوانات میں سے بعض کے سُم ہوتے ہیں۔ بعض کے کھر۔ بعض کے خف جیسے کہ اونٹ کے۔ بعض کے قدم بعض کے پنجے بعض حیوانات میں اوجھڑی دیکھی جاتی ہے تاکہ نباتی غذا جسکی زیادہ مقدار میں ضرورت پڑتی ہے اُس میں پرورش کیلئے کافی طور پر رہ سکے یہ بات نبات خور جانوروں میں ہوا کرتی ہے اور بعض کے فقط معدہ ہی ہوتا ہے کیونکہ اُن کی حیوانی غذا اُن کی پرورش کیلئے بہت تھوڑی مقدار میں کافی ہوجاتی ہے۔ بعض حیوانات کے ایسے دانت ہوتے ہیں جن سے وہ گوشت کو جو کہ اُن کی غذا ہوتی ہے پارہ پارہ کرسکیں۔ بعض کے دانت اپنی غذا یعنی نباتات کے چبانے کے لائق ہوتے ہیں پھر دانتوں کی ساخت کو ملاحظہ کیجئے بالخصوص انسان میں اور جس ترتیب سے کہ وہ رکھے گئے ہیں اُنکے دیکھنے سے اہل نظر کو تو ایک حیرت سی ہوجاتی ہے چنانچہ کاٹنے والے دانت منہ میں سامنے کو رکھے گئے ہیں جو اپنی تیزی کی وجہ سے اُن چیزوں کو جنکے کاٹنے کی ضرورت پڑا کرتی ہے بخوبی کاٹ سکتے ہیں اُس کے پاس ہی نوکدار کچلیاں ہوتی ہیں جو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کیلئے نہایت موزوں ہیں چنانچہ ان کی شکل ہی کہے دیتی ہے کیونکہ وہ بالکل کداری کے مثل ہوتے ہیں اور اُنسے ملی ہوئی داڑھیں واقع ہوئی ہیں جو کہ نظر سے پوشیدہ رہتی ہیں اور اس وضع کی بنائی گئی ہیں جن سے باریک کرنے اور پیسنے کا بخوبی کام نکل سکے پس اب دیکھئے کہ اگر اُن کی یہ ترتیب بدل دی جاتی داڑھیں منہ میں سامنے کو ہوتیں اور کاٹنے والے دانت پیچھے کو تو غذا کے کھانے میں کیسی دقت پڑتی اور منہ بھی عجیب بدصورت نظر آتا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انکا بنانے والا بڑا ذی حکمت اور اعلیٰ درجہ کی واقفیت رکھنے والا (خدا) بے مثل ہے۔ اُس میں ذرا بھی نقص نہیں۔ پھر اگر حیوانات کے آلات کے اختلاف پر نظر ڈالئے تو عقل حیرت میں رہ جاتی ہے۔ چنانچہ پنجے۔ دانت۔ سینگ۔ سونڈ۔ ڈنک۔ زہر قاتل۔ نہایت ہی ناگوار بو جیسے

ـه زرّافہ بفتح اول و تشدید ثانی زرافہ دیکھئے بفتح اول جانوریست کہ اُشتر گاو پلنگ نام دارد چہ گردنش بگردن شتر ماند و سرش بگاو و رنگش بہ پلنگ و دُمش بدُم آہو و دندانش بدندان خر و مہرہ دست دراز و مہرہ پا ہا کوتاہ ۱۲ غ

ظربان[عہ] میں دیکھی جاتی ہے پائے گئے ہیں۔ پھر حیوانات کے غذا حاصل کرنے کے مختلف طریقوں اور تدبیروں کو اگر دیکھا جائے تو سمجھنے والے کو عجب حیرت ہوتی ہے چنانچہ بعض تو اپنے بدن سے ایک مادہ نکالتے ہیں اور اُسکو جال کے شکل بناکر مکھی وغیرہ کے پھانسنے کیلئے لگادیتے ہیں۔ اس طرح پر اُسکا شکار کرلیتے ہیں جیسے کہ مکڑی۔ بعض بالوں میں گڑھا کھود کر اُسکے نیچے چھپ رہتے ہیں اور جب اُن کے شکار کے اقسام میں سے کوئی جانور اُس میں گر پڑتا ہے تو وہ فوراً شکار کرلیتے ہیں اور جب اُس میں کوئی ایسی چیز گر پڑتی ہے جو اُن کی غذا کے قابل نہیں تو اُسکو عجیب طرح کی حرکات سے گڑھے کے باہر نکالدیتے ہیں۔ اس قسم کا ایک چھوٹا جانور ہوتا ہے جو ریت میں پایا جاتا ہے اُس کو بعض لوگ اسدالنمل کہتے ہیں بعض مکھی کے شل چھوٹے چھوٹے جانوروں کو جو ہوا میں اڑا کرتے ہیں جھپٹ لیتے ہیں جیسے کہ ابابیل بعض اپنی غذا تک رسائی حاصل کرنیکے لئے زمین کھودتے ہیں بعض درخت پر چڑھ جاتے ہیں بعض پانی میں غوطہ لگاتے ہیں۔ بعض میدانوں میں چکر لگایا کرتے ہیں بعض اپنے شکار کے مسکن کے در پر کھڑے رہتے ہیں اور ایسی سخت بدبو اور ہوا نکالتے ہیں جس سے کہ وہ مرجاتا ہے پھر اُسے کھالیتے ہیں جیسے کہ ظربان کا گوہ کے ساتھ حال ہے پھر حیوانات کی غذا کے اختلاف کھانے اور جمع کرنے کی کیفیت کو دیکھئے تو نہایت ہی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض تو دانے کھاتے ہیں بعض پتے۔ بعض پھل بعض گوشت بعض کیڑے مکوڑے کھاکر اپنا پیٹ بھرتے ہیں بعض کی غذا نہایت ہی نفیس ہوتی ہے۔ بعض کو نہایت ہی خراب گندی اور ناپاک غذا اچھی معلوم ہوتی ہے جیسے کہ سور کو۔ بعض اپنی غذا کو یونہیں نگل جاتے ہیں۔ بعض چباتے ہیں۔ بعض اپنی خوراک کو جمع کرکے نہیں رکھتے بعض جاڑوں کیلئے اپنی غذا گرمیوں میں جمع کرلیتے ہیں اور پھر جمع بھی عجیب تدبیر کے ساتھ کرتے ہیں جیسے کہ شہد کی مکھی اور چیونٹی کا حال ہے چیونٹی کی تو یہ کیفیت ہے کہ جب اسکی ذخیرہ کردہ اشیاء کو زمین کی رطوبت کا اثر پہونچ جاتا ہے تو وہ اُسے آفتاب کی روشنی میں نکال لاتی ہے یہاں تک کہ اُسکی رطوبت خشک ہوجاتی ہے وہ دانہ میں سوراخ کردیتی ہے تاکہ رطوبت کے باعث سے جم کر وہ اُگ نہ آئے اور بعض بعض دانوں میں کئی کئی سوراخ کردیتی ہے کیونکہ اُسے اتنا ادراک حاصل ہے کہ ایک آدھ سوراخ انھیں اُگنے سے روک نہیں سکتا۔ جیسے کہ دھنیئے کا حال ہے۔ بس وہ پیدا کرنیوالا بڑا ہی بے مثل ہے جس نے یہ امر کھلے طور پر سمجھا دیا پھر اُنکے رنگوں کے اختلاف نظر کو بڑے ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں اور اُن سے عقل حیرت میں رہجاتی ہے۔ چنانچہ وہ سفید۔ سرخ۔ زرد۔ نیلگوں۔ سیاہ اور رنگ برنگ کے نقوش سے منقش دیکھے جاتے ہیں پھر اگر ہم ایک نوع کو دیکھتے ہیں کہ اُس کے تمام افراد ایک ہی رنگ یا ایک قسم کے نقش رکھنے کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں جیسے کوا۔ چکور۔ اور عصفور کی ایک مختلف اقسام تو دوسری نوع کو کیا دیکھتے ہیں کہ رنگوں یا نقوش کے لحاظ سے اُسکے افراد مختلف قسم کے ہوتے ہیں جیسے کہ گھوڑا اور مرغی۔ بعض کے نقوش ایک ہی کیفیت پر انتظام کے ساتھ واقع ہوتے ہیں جیسے کہ چیتے اور طاؤس کا حال ہے۔ بعض کی یہ کیفیت نہیں ہوتی جیسے مرغی کبوتر اور بلی میں دیکھا جاتا ہے

عہ ظربان ایک جانور بلی کے برابر ہوتا ہے جس سے سخت بدبو آتی ہے ۱۲

گئے ہیں ایک بات سے دوسری بات پیدا ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی امر میں سائنس میں نے آپ ہی لوگوں میں سے بعض لوگوں کو چیتے کی جلد کے منقش ہونے کی وجہیں بیان کرتے سنا ہے کہ وہ گذشتہ زمانہ میں ہر وقت درختوں کے سایہ میں بیٹھا کرتا تھا اور شاخوں میں سے گذر کر آفتاب کی شعاعیں اسپر پڑا کرتی تھیں اسی نے اسکی جلد پر اس طرح کے نقش بنگئے ہیں ایسے ہی کیا یہ عقل صاحب اسکی بھی کوئی وجہ بیان کر سکیں گے کہ طاؤس کے پروں پر سنہری سبز نیلگوں سیاہ سرخی وغیرہ رنگوں کی باقاعدہ شکلیں اور نہایت پائدار لکیریں کیونکر کھنچیں اور اسکی کیا وجہ ہوئی کہ مرغی کے ہر ہر فرد کا نقش و نگار ایک نئے طرز کا نظر آتا ہے جسکی نظیر اسی نوع کے بکثرت افراد کی دیکھ بھال سے بھی مشکل سے ملے گی۔ اسی طرح اور بہت سی چیزیں ہیں اس شخص نے جو چیتے کی جلد کے منقش ہونے کی وجہ بیان کی ہے میں یقینی طور پر تو نہیں کہہ سکتا کہ غلط ہے کیونکہ شاید خدا تعالی نے اسی سبب سے اُس میں یہ رنگ پیدا کر دیا ہو جیسے کہ اس کی عادت ہی جاری ہو گئی ہے کہ وہ اسباب پر مسببات کو مرتب کر دیتا ہے لیکن میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمام امور کو محض تعیین ہی نہ قرار دے لیا جائے اور پھر اُن کیلئے وہی تباہی وجہیں تراشی جائیں بلکہ ہر علت کو خالق سبحانہ کے فعل کی طرف راجع کر دیا جائے ورنہ پھر میں ان سب کی وجہیں پوچھتے پوچھتے ناک میں دم کر دونگا اور آپ لوگوں کو اپنے عجز کا اقرار کرنا پڑے گا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ حیوانو کے بھی نباتات میں سے اُس کی آواز اور صورت کا مختلف ہونا ہے چنانچہ بعض کی آواز تو ایسی طرب انگیز ہوتی ہے جس کو سنکر دل بھر آتا ہے اور بعض کی ایسی ناگوار آواز ہوتی ہے جسکے سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ کان بہرے ہوئے جاتے ہیں بعض ایسے خوبصورت ہوتے ہیں کہ ان پر نظر پڑتے ہی جم کر رہجاتی ہے۔ ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتی جیسے کہ طاؤس، تذرو اور بعض بعض مرغ اور کبک۔ پوچھئے تو نوع انسان میں سے جو حسین ہیں وہ ان سبکے خوبصورت اور خوشنمائی میں بینظیر ہوتے ہیں کیونکر بیان تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ نظر پڑے وہیں حیرت رہجاتی ہے۔ ہوش جدا اڑ جاتے۔ دل قابو میں نہیں رہتے۔ بڑے بڑے عقلاء کی عقلیں جواب دیدیتی ہیں۔ بڑے بڑے زبردست اور حکومت والوں کی شان و شوکت بھی کام نہیں آتی۔ اُنپر بھی حسینوں کا رعب اپنا قبضہ کر ہی لیتا ہے۔ بھلا بتلائیے تو سہی کہ بندروں میں بھی اس کا نام ونشان کہیں پایا جاتا ہے ؟ قسم اُس خالق کی جس نے آنکھوں کو ایسا جادو بھرا بنایا اور پیشانی کو گیسوؤں سے زینت بخشی۔ ہرگز نہیں اب ان لوگوں کی عقلوں کو آفرین کیجئے جو انسان اور بندر دونوں کو ایک ہی اصل سے بتلاتے ہیں اور بعض حیوان تو ایسے ہوتے ہیں جنکو دیکھکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کانپ جاتے ہیں جیسے کہ بھیڑیا، اژدہا، جنگلی سور وغیرہ۔ بعض کو مادہ کے ساتھ خصوصیت ہوتی ہے بعض کو نہیں۔ بعض اپنی غذا تنہا ہر جگہ تلاش کر لیتے ہیں بعض کے گروہ کے گروہ مل کر جستجو کیا کرتے ہیں۔ بعض کا مجتمع ہونا جمہوری انتظام کی حیثیت رکھتا ہے بعض کا تمام حالت میں شاہانہ انتظام ہوا کرتا ہے۔ ان میں سے کچھ پہرے پر مقرر ہوتے ہیں۔ کچھ راہبر اور جستجو کرنے والے۔ پانی اور گھاس کی تلاش میں آگے آگے جاتے ہیں۔ حیوانات کے اخلاق اور عادات میں بھی عجب اختلاف پایا جاتا ہے اس بارہ

ہیں تو متعدد شکلیں بھی یہی کیفیت ہوتی ہیں۔ چنانچہ کوئی تو بڑا دیر پا ہوتا ہے کوئی بودا۔ بعض انسان سے جلد مانوس ہو جاتے ہیں بعضوں کیلئے مدتیں درکار ہوتی ہیں۔ ایسی ہی اور بہتیری سی باتیں ہیں۔ اسی طرح اُن میں قوت اور ضعف کے لحاظ سے اختلاف ہوا کرتا ہے بعض کو اگر کاٹ دو تو اسکو بھی برداشت کر سکتے ہیں بعض ایسے نہیں ہوتے بعض خارجی صدمات کو بآسانی اٹھا سکتے ہیں بعض کے تحمل نہیں سکتے چنانچہ بعض کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ان کے دماغ میں ذرا سی سوئی بھی چبھو دی جائے تو وہ فوراً مر جائیں اور زندگی رخصت ہو جائے جیسا کہ انسان کی نسبت کہا جاتا ہے اور کسی کی یہ حالت ہے کہ اگر اسکے تین ٹکڑے بھی کر دئے جائیں۔ سر الگ دھڑ الگ۔ دم الگ اور پھر چند روز تک انہیں چھوڑ دیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ سر میں دھڑ اور دم نکل آئی ہے۔ دھڑ میں سر اور دم لگ گئے ہیں اور دُم میں سر اور دھڑ دونوں کے دونوں لگ گئے ہیں اور اب ہر ایک ٹکڑا پورا جانور بنگیا ہے اور جیسے پہلے سر میں باقی چیزیں لگ کر پورا جانور بنا کرتا ہے اس قسم کا چھوٹے چھوٹے جانوروں میں ایک جانور ہوتا ہے جس کا نام ہیڈرا ہے۔

پس یہ سارے اختلافات اس بات کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں کہ اس حیوانی دنیا کے بنانیوالے پر کوئی قدرتی قانون حکومت نہیں چلا سکتا اور نہ کوئی ضرورت اس بات پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنی ایجاد میں کسی ایک طریقہ کا پابند ہو جائے بلکہ وہ قادر ہی وسیع القدرت اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا اور بڑا ہی مدبر اور منتظم ہے وہ اگر ایک نوع کو کسی کیفیت پر پیدا کرتا ہے جو اسکی زندگی اور نظام حیات کے قائم رکھنے کیلئے کافی ہو اور اس سے اسکی صورت کی پوری زینت ہو گئی ہو تو وہ دوسری نوع کو ایسی کیفیت پر بناتا ہے جو پہلی کیفیت سے بالکل مخالف ہو اور پھر وہ اس کی زندگی کے قائم رکھنے اور اسکے کمال بخشنے سے ویسی ہی کافی ہوتی ہے۔ اور مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ عقلیں متحیر ہو جائیں اور لوگوں کے اوہام کو چونکا دیا جائے کہ یہ سمجھ لو کہ عالم کا بنانے والا فاعل مختار ہے اُسے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی اور نہ اسکے کامل علم سے کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ بات چھپی رہ سکتی ہے۔ وہ تمام اُن بیہودہ باتوں سے جنہیں جاہل لوگ بکا کرتے ہیں بالکل پاک اور منزہ ہے۔

پھر حیوانوں کی جو چیز دیکھئے اُس کی عجیب و غریب ترکیب اُنکے ظاہری اور باطنی حواس اور اعضاء کی ساخت ہر عضو کا ایک خاص فعل اُنکے بناوٹ کے اختلافات۔ اُن کی باریکیاں اور پھر اُن کا بیشمار فوائد اور مصلحتوں پر مشتمل ہونا جو بالکل حکمت پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ المختصر یہ ایسے امور ہیں جنسے عقل کو ایک حیرت سی ہو جاتی ہے۔ افہام حیران و پریشان رہجاتے ہیں اور ہر عاقل کو یہ بات واضح طور پر معلوم ہونے لگتی ہے کہ اس عالم کا ضرور کوئی ایسا بنانے والا ہے جو اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا بڑی حکمت اور صاحب قدرت ہے جو چاہتا ہے کر سکتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اُسے ایجاد کر دیتا ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ انہیں سے بعض چیزوں کا ذکر کروں جن پر کہ علم تشریح اور علم فزیالوجی جاننے والوں کو آگاہی ہوئی ہے جنکا کام یہ ہے کہ اعضاء حیوانات کی حقیقت اُن کی ساخت اُنکے افعال اور اُنکے فوائد و خواص سے بحث کریں

پس میں کہتا ہوں کہ جب تمام حیوانات خصوصاً انسان کے اس جسم پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مضبوطی اور استحکام کے اعلیٰ درجوں پر پہنچے ہوئے ہیں جس وضع پر کہ وہ موجود ہیں اُس کے اعتبار سے وہ سراسر حکمتوں اور مصلحتوں کیلئے

فائدوں پر مشتمل معلوم ہوتے ہیں کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ اتفاقی طور پر بغیر کسی وجہ اور ضرورت بن گئے ہوں بلکہ وہ اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ جس نے حیوانات کو وہ حواس دئے ہیں اُسنے اپنی مخلوق پر بہت بڑا احسان کیا چنانچہ بصر ایک قوت ہے جو آنکھ کے ایک جوف پٹھے میں رکھی ہوئی ہے اور وہ دماغ سے جاکر لگا ہے تاکہ جو چیزیں دیکھی جائیں اُن کی صورت وہاں تک پہونچا دے اور پھر نفس انکا ادراک کرے۔ پھر آنکھ کو دیکھئے وہ اسباب کا آلہ ہے جنمیں روشنی کے ذریعہ صورتیں مرتسم ہوں وہ تمام آلات بصری سے مضبوطی اور صحیح ہونیں زیادہ کامل ہے کیونکہ وہ غلطیاں جو تمام آلات بصری میں واقع ہوا کرتی ہیں اسمیں نہایت ندرت اور مشکل سے واقع ہو سکتی ہیں کسی چیز کے صاف طور پر دیکھے جانے کا فیصلہ خود اُسی سے ہو جاتا ہے وہ اس ہڈی کے جوف میں رکھا ہوتا ہے جس کو حلقۂ چشم کہتے ہیں۔ اُسکی ترکیب میں تین طبقے اور تین رطوبتیں شامل ہیں لیکن رباط ورید اور شریان کی رگیں پٹھے اور طبقے جنکی اسکو ضرورت ہو وہ اُنکے علاوہ ہیں۔

اب طبقات کا حال سنئے پہلے کا نام صلبیہ ہے وہ ایک چمکدار مضبوط اور دھندلا پردہ ہے جسکے آرپار روشنی نہیں جا سکتی اور نہ باہر کی کوئی چیز نظر آسکتی ہے۔ وہ باقی طبقوں اور ساری رطوبتوں پر اسلئے محیط ہوتا ہے تاکہ وہ محفوظ رہیں۔ اُن کی اوضاع اور ترتیب کے نظام کی حفاظت ہوتی رہے۔ ہاں اُسکے آگے کے حصہ میں ایک شفاف قطعہ ہوا کرتا ہے جس کی شکل اس اعتبار سے کہ وہ باہر سے محدب اور اندر سے مقعر ہوتا ہے بالکل گھڑی کے شیشہ کی سی ہوتی ہے اور وہ اس پردہ میں اس طرح اترا ہوا ہوتا ہے جس طرح کہ گھڑی کا شیشہ اُسکی چوڑی میں اترا رہتا ہے اس قطعہ کا نام قرنیہ ہے۔

دوسرے طبقہ کا نام مشیمیہ ہے۔ وہ سیاہ رنگ کا مخمل کی طرح نرم پردہ ہوتا ہے۔ صلبیہ اور شبکیہ کے بیچ میں رہتا ہے۔

تیسرا طبقہ شبکیہ کہلاتا ہے اُسکی ساخت آنکھ کے اس پٹھے کے پھیل جانے سے حاصل ہوتی ہے جو کہ دماغ سے نکلکر آنکھ کے پچھلے حصے سے اُسمیں داخل ہو جاتا ہے۔ اب رطوبتوں کو سنئے پہلی رطوبت کو رطوبت مائیہ کہتے ہیں وہ پتلی صاف اور شفاف ہوتی ہے اور قرنیہ کے اُوپر ایک گڑھے میں بھری ہوئی ہوتی ہے اور اس گڑھے کو ادھر اُدھر سے ایک پردہ گھیرے ہوئے ہوتا ہے جسکے بیچ میں ایک سوراخ پایا جاتا ہے۔ اور اس پردہ کا نام قزحیہ ہے اُسکا رنگ سیاہ یا نیلا یا سیاہ مائل بسرخی یا کسی اور طرح کا ہوتا ہے اور اس سوراخ کو عربی میں بوبو کہتے ہیں۔ دوسری کا نام رطوبت بلوریہ ہے وہ ایک چمکدار چکنا اور مسور کی طرح دونوں طرف سے محدب جسم ہوتا ہے وہ کناروں کی بہ نسبت بیچ میں زیادہ کثیف ہوتا ہے اور قزحیہ کے اُوپر رکھا رہتا ہے۔ تیسری رطوبت کو رطوبت زجاجیہ کہتے ہیں وہ ایک انڈے کی سفیدی کی طرح شفاف اور سیال جسم ہوتا ہے اور آنکھ کے اندر رطوبت بلوریہ کے اُوپر جسقدر خالی جگہ بچتی ہے اُسکو بھرتا ہوا شبکیہ تک پہونچ جاتا ہے پھر جس چیز کی وجہ سے دیکھی ہوئی چیزوں کی صورتیں آنکھ میں مرتسم ہوتی ہیں وہ روشنی ہے جو کہ اُن چیزوں پر جنہیں ہم دیکھتے ہیں گرتی ہے اور ان سے منعکس ہوکر آنکھوں کے اندر پہونچتی ہے۔ روشنی میں فطرتی طور پر چند قوانین پائے جاتے ہیں جنکی وجہ سے روشنی صورتوں کو بناتی ہیں اور پھر انہیں مرتسم کر دیتی ہے لیکن آنکھ

نکت آنکھ کے ترتیب دینے میں مختلف ہیں اس سے کام نہ لیتی تو روشنی کے بعض قوانین کے مقتضا کے موافق ہم پورے طور سے نہ دیکھ سکتے اور دیکھی ہوئی چیزوں کی صورتیں آنکھ پر پھیل کے رہ جاتیں بیان اسکا یہ ہے کہ روشنی جب کسی کثیف اور کھردرے جسم پر گرتی ہے تو اُس سے منعکس ہوجاتی ہے اور اس کی صورت مقابل کی شے پر مرتسم کردیتی ہے خصوصًا جبکہ وہ مقابل کا جسم جلا کردہ بھی ہو لیکن روشنی جب خطوط مستقیمہ میں حرکت کرکے مقابل کے جسم تک پہونچتی ہے تو صورت کو اُسپر غیر واضح طور پر مرتسم کرتی ہے کیونکہ روشنی کی شعاعیں جسقدر دراز ہوتی جاتی ہیں اُسیقدر وہ پھیل جاتی ہیں اور خطوط شعاعیہ میں اتنی ہی دوری بڑھتی جاتی ہے اس لئے مقابل کے جلا کردہ جسم پر اسکی صورت کا واضح طور پر مرتسم کرنے کیلئے اس امر کی ضرورت ہے کہ خطوط شعاعیہ وہاں تک پہونچنے کے وقت مجتمع رہیں پھر یہ سمجھئے کہ یہ نوری خطوط اسیوقت مجتمع [illegible] کی شکل کے شفاف جسم سے گذریں یعنی مسور کی طرح جسکی دونوں جانب محدب اور [illegible] یا ایک جانب محدب اور دوسرا مقعر ہو پھر ایسی شعاعیں گذرنے کی وجہ سے [illegible] اجتماع آجاتا ہے وہ زیادہ تر وسط میں پایا جاتا ہے۔ ان کناروں کے [illegible] ہوتا خصوصًا جبکہ وسط کناروں سے زیادہ دبیز بھی ہو اسی طرح یہ نوری خطوط اسوقت ایک نقطہ پر جمع ہوجاتے ہیں جبکہ وہ کسی لطیف جسم میں سے گذرنے کے بعد کسی کثیف اور شفاف جسم سے گذریں اور یہ بات اُسوقت نہیں پائی جاتی جبکہ وہ کسی کثیف جسم سے گذر کر پھر ایسے جسم سے گذر جائیں جسمیں پہلے سے کسیقدر کم کثافت پائی جاتی ہو کیونکہ اسوقت یہ نوری خطوط پھیلنے لگتے ہیں اور باطنی دوری آجاتی ہے۔ پھر یہ دیکھئے کہ سیاہ رنگ کے علاوہ جتنے رنگ ہیں سب سے نور منعکس ہوتا ہے ہاں سیاہ رنگ سے منعکس نہیں ہوتا کیونکہ وہ اسکو پی جاتا ہے اور جذب کرلیتا ہے اس لئے اُس سے انعکاس نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ وہ جسم جو سیاہ یا اُسکے قریب قریب کوئی رنگ رکھتا ہو تو اُسکے آر پار نور نہیں جاسکتا ہے لیکن یہ سارے رنگ نور کو چوستے اور اُس کو جلا کر دیتے ہیں جنمیں سے سیاہ رنگ نور کے جذب کرنے اور چوسنے میں سب سے بڑھا ہوا ہے پھر نوری خطوط کے مجتمع ہونے سے واضح طور پر اُسوقت صورت مرتسم ہوسکتی ہے جبکہ وہ جسم جس پر صورت مرتسم ہوتی ہے اُس جسم سے کہ نور منعکس ہو رہا ہے یا جسکے اندر سے وہ نفوذ کر رہا ہے ایک خاص دوری پر واقع ہو۔

دیکھنے کی کیفیت کی تشریح

جب یہ جملہ امور قرار پاچکے اور آپنے روشنی کے قوانین مذکورہ سے واقفیت حاصل کرلی تو اب آئیے ہم دیکھنے کی کیفیت کی تشریح بیان کریں پس ہم کہتے ہیں کہ جب روشنی اُن چیزوں پر پڑتی ہے جو کہ نظر آتی ہیں تو اُن سے منعکس ہوتی ہے اور اُسکے خطوط آنکھ میں جاکر طبقہ شبکیہ پر اُن کی صورتوں کو مرتسم کردیتے ہیں اور وہ ان کو احساس کی دماغ تک پہونچا دیتا ہے لیکن شئے مرئی سے منعکس ہونیکی وجہ سے نوری خطوط مستقیم ہوا کرتے ہیں پس اگر بغیر اجتماع اسکا اس طرح پر شبکیہ تک پہونچتے تو ضرور وہاں پہونچنے کے وقت منتشر اور پھیلے ہوئے ہوتے اور واضح طور پر اُسکی

صورت کو مرتسم نہ کر سکتے اس لئے خداوندی حکمت نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ نور آنکھوں میں داخل ہوتے وقت سب سے
پہلے قرنیہ سے ملتا ہے اور اُس سے نفوذ کر کے آگے جاتا ہے اور چونکہ اسکا بیرونی رخ محدب اور اندرونی مقعر
ہوتا ہے اس لئے نوری خطوط میں کسیقدر اجتماع حاصل ہو جاتا ہے اسکے بعد وہ نور رطوبت مائیہ سے نفوذ کرتا ہے
اس میں بھی چونکہ کثافت پائی جاتی ہے اس لئے اس میں نفوذ کرتے وقت بھی نوری خطوط میں زیادہ اجتماع آجاتا ہے
اور وہ باہم ملجاتے ہیں تاکہ صورت مرتسم کرنیکی اُنمیں قابلیت آجائے لیکن جبکہ طبقہ شبکیہ جس پر صورت مرتسم ہوا
کرتی ہے مقعر ہوتا ہے پس وہ سارے خطوط جو رطوبت مائیہ سے گذرتے ہیں اگر اسیقدر اجتماع کے ساتھ شبکیہ تک پہونچتے تو
ضرور تھا کہ وہ اُسکے وسط اور دونوں جانب صورت کو مرتسم کرتے پس اُسوقت وہ پھیلی ہوئی اور منتشر ہوتی خصوصًا اس حالت میں
جبکہ نور بکثرت ہوتا اور اپنی کثرت کی وجہ سے نگاہ میں چکا چوند ڈالدیتا۔ اسلئے باحکمت خدائے پاک نے اس بات کا انتظام کیا اور رطوبت
مائیہ کے پیچھے پردہ قزحیہ کو رکھدیا جسکے وسط میں حلقہ کے مثل ایک سوراخ پایا جاتا ہے جس کو عربی اصطلاح میں بُوبُو کہتے ہیں اور
اُسکے وسیع اور تنگ ہونے کو ان عضلات کے سبب جنکے ساتھ یہ پردہ لگا ہوا ہے دیکھنے والے کے ارادہ کے تحت میں کردیا ہے تاکہ
دیکھنے والا اُس نور میں سے جو کہ رطوبت مائیہ سے نفوذ کرتا ہے جس مقدار کی ضرورت ہو داخل کر سکے چنانچہ جب نور کم ہو تو اُسے وسیع
کرے اور پھیلائے تاکہ کافی مقدار نور کی داخل ہو سکے اور جب نور بکثرت پایا جائے تو وہ اُسے تنگ کرے تاکہ صورت پراگندہ نہونے
پائے پھر اطراف قزحیہ کا رنگ کبھی سیاہ ہوتا ہے کبھی نیلگوں کبھی سیاہ مائل بسرخی یا اسکے علاوہ بہرحال وہ ایسا ہوا کرتا ہے
جو نور کے نافذ ہونے کو روکے اور اسکو جذب کر کے خفیف بنادے تاکہ وہ نوری خطوط جو بُوبُو کے گرد اطراف قزحیہ پر واقع ہوں
وہ نفوذ نہ کر سکیں کیونکہ اگر وہ اطراف شبکیہ تک پہونچ جائیں گے تو صورت پریشان ہو جائیگی جیساکہ ہم کہہ چکے ہیں پھر یہ خطوط
رطوبت بلوریہ میں سے جسکی دونوں جانب محدب ہوتی ہیں نفوذ کرتے ہیں اسکی وجہ سے بھی اُنمیں پہلے سے اور زیادہ اجتماع آجاتا
ہے خصوصًا وسط میں کیونکہ بلوریہ کا وسط اُسکے اطراف سے زیادہ کثیف ہوتا ہے اور ذی حکمت اور خبیر خدا نے اس بلوریہ کو بھی
دیکھنے والے کے ارادہ کے تابع بنایا ہے تاکہ اُسکے تحدب یعنی اُبھار کو بڑھا گھٹا سکے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس جسم سے کہ یہ خطوط نفوذ
کرتے ہیں اُسکا تحدب جسقدر بڑھتا جاتا ہے اُسیقدر ان نوری خطوط میں اجتماع آتا جاتا ہے اور جتنی کہ اُسکے تحدب میں کمی ہوتی
جاتی ہے اُتنی ہی انکے اجتماع میں بھی کمی واقع ہوتی جاتی ہے پس دیکھنے والے کو جسقدر ضرورت پڑتی ہے اُتنا ہی اُسمیں تصرف
کرلیتا ہے کبھی اُسکے تحدب کو بڑھا لیتا ہے کبھی کم کرلیتا ہے اسکے بعد یہ خطوط رطوبت زجاجیہ میں سے ہو کر گذرتے ہیں اسکی
وجہ سے اُن میں اتنا زیادہ اجتماع آجاتا ہے جو کہ صورت کے واضح طور پر مرتسم کرنے کیلئے کافی ووافی ہے اور اس رطوبت
کی دبازت کی مقدار اُس مسافت کیلئے جنہیں کہ نور قزحیہ میں داخل ہوئے اور اُس سے اور اُسکے بعد والی رطوبت وغیرہ سے
لے کر شبکیہ تک پہونچنے کے وقت تک ممتد ہوتا ہے بالکل کافی ہوتی ہے۔ پھر جب یہ خطوط ان اجتماعات کے بعد شبکیہ تک
پہونچتے ہیں اور اس پر صورت کو مرتسم کرتے ہیں تو بباعث اُسکی شفافیت کے اُسمیں سے ان خطوں کی ایک مقدار نفوذ کرکے

صلبیہ پر جا کر واقع ہوتی ہے اور اس خوف سے کہ وہ خطوط اُس سے منعکس ہو کر کہیں ان شعاعوں سے متصادم نہ ہو جائیں کہ باہر سے آ رہی ہیں اور اس طرح پر صورت پراگندہ ہو جائے خدائے حکیم نے جسکی قدرت بہت بڑی ہے صلبیہ کے اندر کا رنگ سیاہ بنایا ہے تاکہ مشیمیہ کے اندر سے نفوذ کرنے والے خطوں کی اس مقدار کو وہ جذب کرے اور اُنھیں منعکس نہ ہونے دے پھر ان ساتھ وسائل کا متعدد ہونا بعضوں نے کہا کہ اپنے کثیف ہونے اپنی شکل کے محدب ہونے شبکیہ اور اس جسم کے درمیان کی مسافت معین کرنے جس سے کہ نور نفوذ کرتا ہے اور شعاعوں کے گذرنے کے راستہ کو کشادہ اور تنگ کرنے پر اور نیز تحدب کے زیادہ و کم کرنے پر ارادہ کے مسلط ہونے کے سبب نوری خطوط کو رفتہ رفتہ اجتماع کے لیے درجہ بدرجہ پہونچا دیا جو کہ صورت کے واضح طور پر مرتسم کرنے کیلئے بالکل کافی ہو اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہو کہ بذریعہ مختلف رنگوں کے پراگندگی بھی نہیں ہونے پائی اور یہ سب کچھ ایک نہایت عظیم حکمت پر مبنی ہے چنانچہ بعض لوگ اس کے قائل بھی ہیں اور وہ حکمت یہ ہے کہ نور جب کسی محدب اور شفاف جسم سے نفوذ کرتا ہے تو وہ اپنے مختلف رنگوں میں جو کہ ان طبیعیات میں مشہور ہیں منحل ہو جاتا ہے اور وہ قوس قزح کے رنگ ہیں۔ پس وہ صورت جسکو کہ نور محدب جسم کے اندر سے نفوذ کر کے لیجاتا ہے انھیں رنگوں میں رنگی ہوئی معلوم ہونے لگتی ہے اسکو خطاء لونی یعنی رنگ کی غلطی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اور آلات بصری کے صناع پہلے جسم کے ساتھ ایک شفاف اور محدب جسم کو ملا کر جو نور کو پہلے جسم کے خلاف منحل کر دیتا ہے اس غلطی کو رفع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح پر وہ نور اپنے سفید رنگ کی طرف لوٹ آتا ہے اور صورت کو بغیر رنگے ہوئے پہونچا دیتا ہے اور خطاء لونی اٹھ جاتی ہے۔ پس ان بعض لوگوں کے قول کی بناء پر حجاب میں کہ وسائط و وسائل مذکورہ متعدد بنائے گئے ہیں اور ایک چیز پر اکتفا نہیں کیا گیا جو کہ نوری شعاعوں کو دفعتاً مجتمع کر دیتی۔ منجملہ باری تعالیٰ کی اور حکمتوں کے ایک یہ بھی حکمت ہے کہ خطاء لونی اٹھ جائے پس جب نور مثلاً قرنیہ سے نافذ ہوا اور اپنے مختلف رنگوں میں منحل ہو گیا تو باقی اور وسائط یعنی رطوبت بیضیہ جلیدیہ اور زجاجیہ جو کہ نوری خطوط کو مجتمع کرتے ہیں قرنیہ کے خلاف اسکو اسکے ہی رنگ کی طرف منحل کر دیتے ہیں اس طرح پر کہ وہ پھر اسکی رنگ کی طرف لوٹ جاتا ہے اور جو چیز سفید ہوتی ہے وہ سفید ہی نظر آتی ہے اور یہ غلطی اٹھ جاتی ہے ایسا ہی بعض لوگ خیال کرتے ہیں اور یہ صحت کے قریب بھی معلوم ہوتا ہے۔

اب میں کہتا ہوں کہ حکماء اس بات کے قائل ہیں کہ ان اجتماعات کا جو کہ نوری خطوط میں بذریعہ وسائط مذکورہ یعنی قرنیہ بیضیہ۔ اور زجاجیہ کے حاصل ہوتے ہیں یہ مقتضا ہے کہ شعاعیں شبکیہ تک اسوقت تک پہونچیں جبکہ اُنہیں تقاطع ہو چکا ہو اور جو شے کہ نظر آتی ہے اُسکے اوپر کی جانب سے جو شعاعیں منعکس ہوتی ہیں وہ شبکیہ کے نیچے کے کنارہ پر واقع ہوں اور جو شعاعیں انکے نیچے کی رو سے منعکس ہوں وہ شبکیہ کے اوپر کے کنارہ پر پڑیں اور اسوقت جو شے نظر آئیگی اسکی صورت الٹی ہوگی لوگ اسکی وجہ بیان کرنے میں بڑے جھگڑتے ہیں کہ باوجودیکہ شبکیہ میں صورت الٹی مرتسم ہوتی ہے لیکن پھر بھی جو چیز ہم کو نظر آتی ہے اُسکی صورت سیدھی ہی معلوم ہوتی ہے اور جتنی وجہیں کہ لوگوں نے بیان کی ہیں ان سب میں مشہور وجہ یہ ہے کہ عقل کو

تمام چیزوں کے سیدھے ہی دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے کیونکہ جتنی چیزیں نظر آتی ہیں اس اُلٹے ہوئے ہونے میں سب کی سب یکساں ہیں اور اسوجہ کے بیان کرنیں جو تقریر اُنھوں نے کی وہ بالکل ہیچ ہے۔

میرے خیال میں جواس کی وجہ آئی ہے وہ یہ ہے کہ نوری شعاعیں ہوا سے ہو کر قرینہ۔ مائیہ۔ بلوریہ میں سے جو کہ وسط میں غلظت کے ساتھ دبیز ہیں نفوذ کرنے کے بعد صورت کے واضح طور پر مرتسم کرنے کیلئے متقاطع ہونے سے پہلے ہی کافی طور پر مجتمع ہو جاتی ہیں پھر جب زجاجیہ سے نفوذ کرتی ہیں تو شاید اسوجہ سے کہ وہ بلوریہ سے کسیقدر کم دبیز ہے تو یہ شعاعیں اُس مسافت میں جسمیں کہ انھیں زجاجیہ کے اندر چلنا پڑتا ہے پھیلنے لگتی ہیں جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ نور جب کسی لطیف جسم میں سے گذرنے کے بعد کسی دوسرے جسم سے جو کہ اُس سے زیادہ لطیف ہو نفوذ کرتا ہے تو اُسکی شعاعیں پھیل جاتی ہیں۔ یہانتک کہ وہ اسی طرح شبکیہ تک جا پہونچتی ہیں پس اُس پر سیدھی ہی صورت مرتسم کر دیتی ہیں اس لئے کہ وہ شبکیہ تک اُسی کیفیت کے ساتھ پہونچی ہیں جس کیفیت سے کہ وہ قرینہ میں پہلے پہل داخل ہونیکے وقت تھیں یعنی جو چیز نظر آتی ہے اُسکے اوپر کیجانب جو شعاعیں منعکس ہوئی تھیں وہ شبکیہ کے بھی اوپر کے کنارہ پر واقع ہوتی ہیں اور جو اُسکے نیچے کی جانب سے منعکس ہوتی ہیں وہ شبکیہ کے نیچے کے کنارے پر پڑتی ہیں اور چونکہ شعاعوں میں تقاطع نہیں واقع ہوا اسلئے ضروری ہے کہ اسوقت شبکیہ پر سیدھی ہی صورت مرتسم ہو۔ میں احتمالی طور پر ایسا خیال کرتا ہوں اور اس طرح پر اعتراض بھی اُٹھ جاتا ہے اور زجاجیہ کا فائدہ بھی معلوم ہوتا ہے جو کہ اس سے پہلے کسی کے خیال میں بھی نہ آیا ہوگا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض لوگوں نے آنکھ کے پچھلے حصہ کو چیر کر دیکھا تو شبکیہ پر الٹی ہوئی صورت مرتسم پائی گئی یہ ایسی بات ہے کہ جس کا صحیح ہونا میرے نزدیک اب تک محقق نہیں ہوا اور اگر یہ امر میرے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہونچگیا تو اُسوقت میں اُس میں گفتگو کرونگا۔ پس یہیں تک دیکھنے کی کیفیت سے بحث کرنے والوں کی رسائی ہوئی ہے اور اسمیں انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ وہ لوگ نظر آنیوالی چیزوں کی صورت کا شبکیہ تک مرتسم ہونا دریافت کر سکے اور یہانتک اُنھوں نے بحث کو پہونچا دیا اور پھر اسبات کے قائل ہوگئے کہ وہ شبکیہ صورتوں کو دماغ تک پہونچا دیتا ہے لیکن رہی یہ بات کہ نفس ان صورتوں کا کیونکر ادراک کرتا ہے یا ان لوگوں کی رائے کے موافق جو نفس کے منکر ہیں عقل یا دماغ کو ان صورتوں کا کس طرح پر ادراک ہو جاتا ہے اس امر کی نسبت ہمیں اُن کی جانب سے کوئی شافی کلام نہیں ملا بلکہ ہم نے اہل سائنس میں سے بہتیروں کو دیکھا ہے کہ جب اس کی حقیقت کی تحقیق میں گفتگو کیگئی ہے تو وہ متحیر ہو کر رہ گئے۔

پس جب ہم آنکھ کی ترکیبات عجیبہ اور تدابیر مختلفہ میں جنکی وجہ سے اُسکی بینائی اور بصارت کی تکمیل ہوتی ہے غور کریں تو کیا ادنے سے ادنی عقل کیلئے بھی اسبات کے یقین کرلینے کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے کہ آنکھ کی ایسی عجیب وغریب ساخت بغیر ارادہ اور بلا کسی حکمت اور تدبیر کے خود بخود ہو گئی ہے یا محض ضرورت اُسکو مقتضی ہو گئی اور اتفاق نے اُسکو ایجاد کر دیا اور انتخاب طبعی نے اُسکو ضائع اور ہلاک ہونیسے روک رکھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس بات کو کوئی ذی عقل تسلیم نہیں کر سکتا ہاں جنکی عقل کمزور ہو وہ جو چاہیں یقین کریں اور میرا تو یہ خیال ہے کہ جو شخص ذرا بھی غور کرنے کی قابلیت رکھتا ہوگا اور اُسے کچھ

بھی سمجھ ہوگی تو وہ آنکھ کی اس عجیب غریب ساخت کو دریافت کرنے کے وقت فوراً اسی بات کا یقین کریگا کہ بے شک اس کا بنانے والا کوئی ذی ارادہ ۔ صاحب علم و حکمت اور بہت ہی بڑا مدبر ہے جو کہ استحکام اور مضبوطی کا پورا انتظام کر سکتا ہے اور وہ خدا ہے ۔ اُسکے منکر جن بیہودہ باتوں کے قائل ہیں اُنسے بالکل مُنزّہ اور مُبرّا ہے اور پھر ہم اگر اس امر کیطرف نظر ڈالیں کہ باوجودیکہ آنکھ کا قطر ایک قیراط سے بھی کم ہے لیکن پھر بھی اُسکے شبکیہ پر اتنی بڑی زمین کی صورت سخت و نرم زمین ۔ پہاڑوں وادیوں چٹانوں ۔ دریاؤں ۔ درختوں ۔ مکانات اور حیوانات کی جملہ اقسام کے ساتھ مرتسم ہو جاتی ہے پس گویا شبکیہ ایک دریا کا کنارہ ہے جسکی طرف نوری موجیں چاروں طرف سے چلی آتی ہیں اور کروڑوں کے کروڑوں ہی اُسکے پاس آکر ٹوٹتے جاتے ہیں اور اپنا اپنا نقش بناتے جاتے ہیں تو اس صورت کی باریکی کے سمجھنے میں جو کہ شبکیہ پر مرتسم ہوتی ہے ہماری عقلیں چکرا جاتی ہیں اور خوبی یہ کہ باوجود اسکے حجم کے اسقدر چھوٹے ہونے کے بھی اتنی بڑی زمین اور اُن تمام اشیاء کے ساتھ جو اُس میں پائی جاتی ہیں پوری مشابہت موجود ہے حتی کہ ذرا سی شئے بھی اُس میں سے چھوٹنے نہیں پائی اب اس موقع پر سمجھئے کہ اُسکی کتنی بڑی قدرت ہے جس نے کہ اُسکو ایجاد کیا اور اپنی حکمت سے اسکی تدبیر کی ۔ بیشک اس خدا کی بہت بڑی شان ہے اور وہ تمام نقائص سے بالکل مبرا ہے اور جب ہم آنکھ کی تشریح کی طرف متوجہ ہوں اور اُن کے عضلات و اعصاب کو دیکھیں جو کہ اپنا اپنا کام کرتے ہیں اور اُسکی شرائیں اور وریدوں سے واقف ہوں جنسے کہ اسکی پرورش ہوتی ہے اور اسکے علاوہ رباطات اور رطوبات وغیرہ سے آگاہی حاصل کریں تو ان سب سے ہمارا تعجب اور ہماری حیرت اور بڑھ جاتی ہے ۔ پھر جب ہم آنکھ کے باہر تک پہونچتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ نے آنکھ کی حفاظت اور اُسکے کام کے بآسانی انجام پانے کیلئے جو تدبیریں کی ہیں وہ نہایت ہی مضبوط اور اعلیٰ درجہ کی صناعی پر مبنی ہیں ۔

مژگاں اور ابرو ... کے فائدے

بیان اس کا یہ ہے کہ آنکھ جبکہ لطیف شئے تھی اور خارجی اجسام سے اگرچہ وہ چھوٹے ہی کیوں نہوں اسکو صدمہ پہونچ جانیکا بہت اندیشہ تھا اسلئے اسکے بنانیوالے نے سوائے اُس جہت کے جدھر سے کہ اسمیں صورت کے مرتسم کرنے کیلئے نور داخل ہوتا ہے اور تمام اطراف سے محفوظ رکھنے کیلئے اُسکو استخوانی حلقہ کے اندر رکھدیا ہے اور اُسکا پہلا طبقہ جسے کہ صلبہ کہتے ہیں مع قرنیہ کے لوچدار بنایا ہے تاکہ صدمات خارجیہ کا تھوڑا بہت مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکے ۔ علاوہ بریں اُسکو پپوٹوں سے بھی چھپا دیا ہے تاکہ وہ تمام اوقات خصوصاً سونے کے وقت محفوظ رہ سکے اور اُس سے زینت بھی حاصل ہو پھر پپوٹوں کے کنارے پر اُس نے مژگاں کو اُگا دیا ہے اور وہ سیاہ رنگ کے کسیقدر دبیز لوچدار اور کھڑے ہوئے بال ہوتے ہیں جنمیں سے اوپر والے ذرا اوپر کیطرف مائل ہوتے ہیں اور نیچے والے نیچے کی جانب کو اور اُن کے رنگ کے سیاہ ہونے میں یہ حکمت ہے کہ وہ اُس نور میں سے جو کہ باہر سے آنکھ پر آکر پڑتا ہے کسی قدر چوس لیں خصوصاً جبکہ نور میں زیادہ قوت بھی پائی جائے دونوں بھویں دونوں آنکھوں کے اوپر سیاہ یا اُسکے مشابہ رنگ کی بغرض زینت رکھی گئی ہیں اور نیز اسلئے کہ جو نور باہر سے آنکھ پر آکر پڑے اسمیں سے کسیقدر چوس لیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جسکی بھوؤں اور مژگاں کے بالوں کا رنگ سفید ہوتا ہے اُسکی آنکھ چوندھیا جاتی ہے اور وہ اپنی آنکھوں کو ذرا بند کرکے دیکھتا ہے

رہی یہ بات کہ نور کی مقدار کے کم کرنے اور ہلکا کرنے کا کام صرف سوراخ قرحیہ کے تنگ رکھنے ہی سے کیوں نہیں لیا گیا تو اُس کی یہ وجہ ہے کہ اگر وہ ہمیشہ تنگ ہی رہتا تو ضرور دونوں آنکھیں ہمیشہ چندھی رہا کرتیں اور دیکھنے میں بھی بدنما معلوم ہوتیں اور پلک کے بالوں کے دبیز اور باوجود لوچدار ہونے کے قائم رکھے جانے میں یہ حکمت ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے اجسام کا جو آنکھ پر گریں مقابلہ کر سکیں کیونکہ شلاً آنکھ پر جب کوئی مٹی کا ریزہ گرتا ہے تو اکثر وہ مژگاں پر واقع ہوتا ہے اور وہ بال جو کہ تیروں کے مثل بلند رہتے ہیں اُسکو اندر جانے سے روکتے ہیں بلکہ اپنی لچک سے اُسکو دور پھینکدیتے ہیں۔ اب یہ امر کہ اوپر کی پلکوں کے بال اوپر کی طرف اور نیچے کی پلکوں کے نیچے کی طرف کیوں مائل رکھے گئے' اسکی یہ وجہ ہے تاکہ جب پلکوں کا کھولنا منظور ہو تو آسانی سے کھل سکیں کیونکہ بالفرض اگر مژگاں کے بال بالکل سیدھے ہوتے تو پلکوں کے بند کرنے کے وقت ایک دوسرے پر منطبق ہو جایا کرتے اور آنسو کی تری سے چپٹ کر رہجاتے تو پھر اُنکے جدا ہونے میں بڑی دقت پڑتی اور اگر کہیں وہ اسطرح پر قائم ہوتے کہ اوپر اور نیچے کے پلکوں کے بال ایک دوسرے میں داخل ہو جایا کرتے تب تو آنسوؤں کی رطوبت سے چپٹ جانے کی وجہ سے اُن کے جدا کرنے میں اور بھی زیادہ دقت پڑا کرتی علاوہ بریں اس طرح پر ہونے سے وہ نور کے طریق میں حائل ہو جاتے پس شبکیہ تک اُنکی بھی صورت منتقل ہوتی۔ اور اسلئے جو چیزیں نظر آتیں اُن کی صورتوں میں پراگندگی واقع ہو جاتی۔ پس اُن دونوں کا اس طرح پر ہونا کہ کسی قدر اوپر اور نیچے کے جانب اُن میں میلان پایا جاتا ہو عین حکمت اور غایت درجہ استحکام پر مبنی ہے اسکے سوا اور کوئی صورت مناسب ہی نہیں ہو سکتی ان سب فوائد سے اگر قطع نظر بھی کیا جائے تو مژگاں سے زینت حاصل ہونا ایک ایسا امر ہے کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہاں کسی کو ذوق سلیم ہی نصیب نہو تو بات ہی دوسری ہے پھر جب آنکھ سے غبار نہ تو حلقۂ چشم کی وجہ سے دفع ہو سکتا تھا اور نہ پپوٹوں ہی سے کیونکہ دیکھنے کے وقت اُنکے کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ مژگاں ہی اسکی دافع ہو سکتی تھیں اور غبار پڑنیکی وجہ سے قرنیہ کی شفافیت میں فتور پڑتا تھا اور جو غرض اسکے شفاف رکھنے سے ہے وہ باطل ہوئی جاتی تھی علاوہ بریں آنکھ میں غبار کے جم جانے سے اُس کا ضرر بھی متصور تھا اسلئے خدائے حکیم نے اُسکے صاف کرنے کا یہ انتظام کر رکھا ہے کہ آنسو کی گلٹیوں سے جو کہ پلکوں کے اندر آنکھ کے ڈھیلے کے چاروں طرف پائی جاتی ہیں کسی قدر آنسو نکلا کرے اور اُسکی وجہ سے آنکھ میں تراوٹ باقی رہے اور پلکوں کو کھلنے اور بند ہونے کے اعتبار سے تو خدا نے ایسا سریع بنایا ہے کہ اُن کی سرعت ضرب المثل ہو رہی ہے اور اس سے غرض یہ ہے کہ دیکھنے میں حرج واقع نہو اور پراگندگی نہ آنے پائے پس آنسو تو اُس غبار کو جو تپلی پر واقع ہوتا ہے دھو دیتا ہے اور پلکیں اپنی حرکت سے اُسکو صاف کرتی ہیں اور غبار آلود آنسو کو دفع کر دیتی ہیں۔ پھر یہ آنسو جو کہ غبار سے ملکر میلا ہو گیا ہے اُس کا آنکھ سے کسی مناسب طریقہ سے نکلنا بھی ضروری ہے پس اگر وہ پلکوں کے باہر نکلکر گالوں پر بہا کرتا تو چہرہ نہایت بدنما معلوم ہوتا اور گویا کہ چہرے پر دو گندے نالے ہر وقت بہا کرتے اس سے خدائے حکیم نے ایسے گرد آمیز آنسوؤں کے تپلی سے دور کرنے کیلئے یہ انتظام کیا کہ اس نے اندر سے پلکوں کے کنارے اس ڈھب سے بنائے ہیں جن سے یہ آنسو اس گوشۂ چشم کی طرف جو ناک سے ملا ہوا ہے بآسانی

besturdubooks.wordpress.com

برعکس پھر اُس نے اس مقام پر ذرا اوپر کو سوراخ بنایا ہے جو کہ ناک کے اندر آرپار واقع ہے۔ اُسکو **قناتِ دمعیہ** یا آنسو کے بہنے کی نالی کہتے ہیں۔ یہ آنسو اُسکی راہ سے ہوکر ناک کے اندر پہونچتے ہیں اور اسکی رطوبت سے ملکر وہاں جم جاتے ہیں پھر حیوانات اسکو ناک جھنک کر یا کسی اور طریقہ سے نکال ڈالتے ہیں۔

اب میں کہتا ہوں ان ساری تدابیر سے اگر قطع نظر بھی کیجائے تو فقط قناۃ دمعیہ یعنی آنسو کے بہنے کی نالی ایک ایسی چیز ہے جسکی نسبت میری عقل تو اس امر کو کسی طرح نہیں تسلیم کرسکتی کہ یہ اتفاقی طور پر یا بلا وجہ الضرورت بنگئی ہو بھلا کوئی تبلائے تو سہی کہ کونسی ضرورت اسکو مقتضی ہوگئی تھی اس موقع پر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے کہ وہ ذی حکمت اور پوری واقفیت رکھنے والا خدا نہایت منزہ ہے جسکی قدرت کے یہ سارے کارخانے نظر آتے ہیں۔

اگر ہم ان منافع کی طرف نظر ڈالیں جو حیوان کو آنکھ سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ اُسکے ذریعہ سے اپنے معاش کے طریقے دریافت کرتا ہے خوفناک چیزوں سے نجات پاتا ہے خوش آیند چیزوں کو دیکھتا ہے اُسکے ذریعے اُس کو لاکھوں میل کی دوری کی چیزیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کہ قریب کی اور ایسے ہی اور فوائد کو سمجھ لیجئے پس ان سب باتوں سے ہمیں یقین ہوجاتا ہے کہ جس نے آنکھ عنایت کی ہے اُس نے بہت ہی بڑا احسان کیا اور بہت کچھ بخشدیا اور اپنی مخلوقات کے ساتھ اعلیٰ درجے کے سلوک سے پیش آیا وہ نہایت ہی مقدس ذی شان اور بڑی قدرت والا ہے۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو جب ان اوضاع اور ان قوانین قدرت کے ساتھ نظر آنیکی کیفیت کے انتظام کو دیکھتے ہیں تو وہ یہ کہتے ہیں اور اسی بات کا اُنھیں یقین ہوتا ہے کہ نظر آنا تو محض خدا کے پیدا کرنے سے ہوا کرتا ہے۔

ہاں یہ اوضاع اور یہ قوانین قدرت جن پر کہ دکھلائی دینا مشروط سمجھا جاتا ہے وہ صرف عادی شروط ہیں یعنی خدا نے یہ اپنی عادت جاری کر رکھی ہے کہ ان شرطوں کے پائے جانے کے وقت وہ نظر کو پیدا کردیتا ہے جسکی وجہ سے چیزیں دکھلائی دینے لگتی ہیں اور اگر وہ اُسکو بغیر ان شرطوں کے پیدا کرنا چاہے تو بھی پیدا کرسکتا ہے جیسا کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ باوجود ان ساری شرطوں کے پائے جانے اور موانع کے مرتفع ہونے کے بھی اگر وہ اُس کا پیدا کرنا نہ چاہے تو ہرگز اسکا وجود نہ ہو اور کوئی چیز بھی نظر نہ آئے اور اس امر کی ان کے پاس بہت سی قاطع اور یقینی دلیلیں موجود ہیں جو کہ اُنکی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کا اس موقع پر ذکر کرنا طوالت سے خالی نہیں اور خدائے عالم کی صفات کے ثابت کرنے کے مقام پر پیشتر ہمارا بیان گذر چکا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم میں کوئی اثر بغیر خدائے پاک کے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے کے ہرگز نہیں پایا جاسکتا اور ظاہر ہے کہ نظر آنا بھی منجملہ آثار کے ہے تو اسکی بھی یہی حالت ہونا چاہئے اور اے اہل سائنس اور اے مادہ کے قدیم ماننے والو تمھارے طرز استدلال کے موافق وہ دلیل جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ساری شرطیں عادی ہیں اور یہ کہ نظر آنیکی تمام شرائط کی اصل اصول اور سب سے قوی شرط یعنی روشنی کے معدوم ہونیکی حالت میں بھی نظر آنا ممکن ہے وہ مشہور واقعہ ہے جو تمھارے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہونچا ہوا ہے اور جسکو کہ بڑے بڑے فلاسفروں کی جماعت کثیر نے ذکر کیا ہے چنانچہ اس زمانہ کے مصنفوں میں سے بھی

بعض بعض نے اُسکو نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ امریکا میں ایک جوان عورت کو کوئی مرض ہو گیا تھا جسکی وجہ سے وہ سوتے یا جاگنے والوں کی طرح سے کام کیا کرتی تھی۔ اُٹھتی تھی اور باتیں کرتی رہتی تھی۔ پھر جب رفتہ رفتہ مرض کی یہاں تک شدت پہونچی کہ دن و رات وہ اُسمیں مبتلا رہا کرتی تھی جب مرض کا اُسکو دورہ ہوتا تھا تو اُسکی آنکھ شب چشم کی ہو جاتی تھی کہ اُس طرح عجیب تر کبھی دیکھنے میں نہیں آئی اسوقت وہ بڑی شدید تاریکی میں نہایت ہی باریک حرفوں کو پڑھ لیتی تھی اور خوبی یہ کہ اُسکی دونوں آنکھیں اس حالت میں بند رہا کرتی تھیں۔ یہ واقعہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعتقاد کا باعل مؤید ہے کہ نظر آنا محض خدا کے پیدا کرنے ہی سے ہوا کرتا ہے جیساکہ دیگر احساسات کا بھی یہی حال ہے اور نظر آنے یا کسی دوسرے احساس کیلیے جتنی شرطیں کہ مقرر ہیں وہ سب عادی ہیں جیساکہ ہم اسکا ذکر کر چکے ہیں۔ اور اگر ہم سننے۔ سونگھنے۔ چکھنے۔ اور چھونے کو دریافت کرنے کے اعضا سے بحث کرنے والوں کے تمام بیانات اس موقع پر ذکر کریں اور اُن عجیب و غریب ترکیب و انتظامات کو جو قوانین قدرت کے موافق ہر ایک کے مکمل ہونے کیلیے کئے گئے ہیں بیان کریں اور اُن کے ذریعے ادراک کرنے کی کیفیت سے بحث کریں اور یہ دکھائیں کہ اُن حواس سے حیوان کو کیا منافع حاصل ہوتے ہیں اور یہ کہ ہر ایک کو اُتنے ہی حواس دئے گئے ہیں جن سے کہ اُسے اپنے محفوظ رہنے اور اپنی زندگی کے ضروریات دریافت کرنے کیلیے ضرورت پڑتی ہے تو ہمیں صاف طور سے معلوم ہونے لگے کہ مصنوعات میں کس کمال ترتیب برتا ہوا ہے اور بلا تامل خلوص قلب سے ہم اس امر کی شہادت دینے لگیں کہ جس نے یہ حواس عنایت کئے ہیں وہ بیشک پوری قدرت۔ نہایت وسیع علم اور اعلیٰ درجہ کی حکمت والا ہے۔ اُسکی معلومات بکثرت ہیں اور اُس کی نسبت جو کچھ ناواقف کہا کرتے ہیں وہ ان تمام خرافات سے بالکل مبرا اور منزہ ہے لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان سب مباحث کے ذکر کرنے سے کلام میں نہایت طوالت ہو جائیگی۔ اور عجب نہیں کہ ناظرین اکتا جائیں اور اصل مقصود ہاتھ سے جاتا رہے اسلیے میں اپنے قلم کو روکتا ہوں نمونہ کے طور پر میں نے کچھ بیان کر ہی دیا ہے۔

اگر ہم ساخت انسانی اور اُسکے بدن کے باقی اعضا پر کریں اور اُن میں سے ہر ایک کے کام کو دیکھیں اور جتنی چیزیں کہ حیوانی بدن میں پائی جاتی ہیں خواہ وہ بہنے والی ہوں خواہ وابستہ ہوں اور اُنکے منافع کو لحاظ کریں تو ہمیں یہ امر کھلی آنکھوں سے نظر آنے لگے گا کہ ان سب چیزوں کیلیے ضرور کوئی ذی حکمت منتظم اور اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا خالق ہے۔ اب مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں سے بعض کو اشارۃً ذکر کر دوں پس میں کہتا ہوں کہ کیا دیکھنے والوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور کیا بحث کرنے والے غور و فکر سے ذرا بھی کام نہیں لیتے اور اُنھیں عالم کے پیدا کرنے والے کے وجود کا یقین نہیں ہوتا جب وہ اُن چیزوں کو جو انسانی جسم میں پائی جاتی ہیں جیسے کہ گودا۔ گودے دار ہڈی۔ پٹھے۔ دل و پھیپھڑے۔ جگر۔ طحال۔ دو گردے۔ معدہ۔ آنتیں ورید۔ شرائین۔ اوتار۔ عضلے۔ غدود۔ کری ہڈیاں۔ سخت ہڈیاں۔ جالی دار ہڈیاں۔ سائل اشیا جیسے کہ خون۔ صفرا۔ لعاب معدہ آنتوں اور جگر یا اس گلٹی[1] کے عرق۔ مختلف گیسیں وغیرہ دیکھتے ہیں اور ان چیزوں کے افعال۔ تحریکات۔ اور وہ اعمال جو کہ

[1] جگر یا اس معدہ سے متصل ایک گلٹی ہوتی ہے جس سے عرق یا اسم نکلتا ہے جسکو لبلبہ کہتے ہیں ۱۲

بدن میں مثل ہضم کرنے پرورش کرنے - سانس لینے اور اشیا کو باہم جدا کرنے کے انجام پاتے ہیں اُنپر مطلع ہوتے ہیں اور اعضا کو اُن کے افعال اُنکا استحکام اور توالد و تناسل اور ان انتظامات کی کیفیت سے آگاہی حاصل کرتے ہیں جو کہ امر توالد کے انجام پانے بچے کے محفوظ رکھنے - اُسکے نشو و نما و غیرہ کے لئے ضروری ہیں اور اسکے علاوہ اور بھی بہتیرے امور ہیں جن کی تفصیل سے جلدیں کی جلدیں بھری جا سکتی ہیں -

اور وہ علماء جو ان مباحث پر تفصیل کے ساتھ واقفیت حاصل کرتے ہیں اور اُن پر ان سب کی باریکیاں - اسرار اور حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں اس بات کے مستحق ہیں کہ عالم کیلئے ذی علم مدبر با حکمت پیدا کرنے والے خدا کا تمام لوگوں سے اور بھی زیادہ قوی یقین کریں اور اگر ہم کہیں کہ یہ لوگ اُن علماء علم کلام سے بھی جو خدا کے وجود پر اجمالی دلیلیں قائم کرتے ہیں بڑھکر خدا پر ایمان لانے اور اُسکے وجود کو ماننے کے مستحق ہیں تو کچھ مستبعد نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یہ لوگ تو عالم کے پیدا کرنے والے کی مصنوعات میں سے عجیب سے عجیب اشیاء کے تفصیلی حالات پر واقف ہوتے ہیں اور کیا کوئی جا سکتا ہے کہ خدائے پاک کے وجود پر سوائے اسکے کہ اُس کی مصنوعات اور عجائبات قدرت سے اُسپر استدلال کیا جائے اور بھی کوئی عقلی دلیل ہو سکتی ہے پس جب کوئی انھیں مصنوعات میں غور کرے گا - اور اُن کی تفصیلی حالت پر اُسے اطلاع ہوگی اُنکا استحکام اور یہ امر کہ اُن کے بنانے میں ضرور ارادہ اور حکمت کام لیا گیا ہے اس پر ظاہر ہوگا اور ضرورت اور اتفاق اُسکے نزدیک ساقط الاعتبار قرار پائیں گے تو اُسوقت آپ دیکھیں گے کہ ایسے شخص کے دل میں ایمان نے پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ اپنا قدم جمالیا ہے اور آپ کو نظر آئیگا کہ ضلالت گمراہی کی دست درازیوں سے وہ کوسوں دور جا پڑا ہے اُس پر اُس کا جادو ہرگز نہیں چل سکتا -

اور اگر کوئی یہ کہے کہ جو لوگ اُن کالجوں میں داخل ہوتے ہیں جن میں کہ علوم کائنات کی تعلیم ہوتی ہے خصوصاً جن میں کہ علم طب وغیرہ میں کام آنے کی غرض سے علم نباتات یا علم حیوانات پڑھایا جاتا ہے تو اُن میں سے اکثر کی ہم یہ حالت دیکھتے ہیں کہ ان علوم کے حاصل کرنے کے بعد وہ کالج سے کیا نکلتے ہیں بلکہ اُسکے ساتھ ہی دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو جاتے ہیں اُنکے عقائد اسلامی عقائد سے کوسوں دور معلوم ہوتے ہیں - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ موجد عالم کے اعتقاد کو چھوڑ بیٹھتے ہیں وجود کائنات اور تمام موجودات کے آثار کو مادہ اجزاء مادہ کی حرکت طبیعت - قوانین قدرت فطرت وغیرہ اشیاء کے حوالہ کرتے ہیں اُن کے نزدیک خدا کوئی چیز ہی نہیں ہوتا اگر کچھ ہے تو نیچر ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی بے شعور نا سمجھ نیچر سے ہو جاتا ہے پس جب اُنھوں نے اتنا بڑا اسلامی رکن منہدم کر دیا تو اُنھوں نے دین اسلام میں سے اعتقاد ہی کس بات کا کیا ہے ؟ اب اُن سے کس عبادت کی امید ہو سکتی ہے ؟ اور اُن کی کونسی خصلت کو نسا ادب قابل ستائش ٹہر سکتا ہے خصوصاً جب وہ فن طبیعیات بھی پڑھ لیتے ہیں جب انھیں کائنات کے قوانین قدرت پر اطلاع حاصل ہو جاتی ہے اور جب وہ ان کے اثر کرنیکی کیفیت سے واقف ہو جاتے ہیں تب تو اُن کے ملحدانہ خیالات کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہوتا پس جب ایسی کیفیت ہو تو یہ کہنا کہاں رہا کہ جو لوگ ان علوم کو تفصیل کے ساتھ حاصل کرتے ہیں وہ خالق کائنات کے وجود کے یقین کرنے اور اُسکے وجود کے نہایت ہی قوی اعتقاد

رکھنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس اشکال کا جواب مجھ سے سُنئے انشاء اللہ میں اس اعتراض کا شافی و کافی جواب دونگا اور میں اپنے
جواب سے اپنے اسلامی بھائیوں کو متنبہ کرکے اس امر کی طرف متوجہ کردونگا کہ وہ اس بلائے بے درمان کے دور کرنے کی جانب
راغب ہوجائیں جو کہ اُنکی نسل کے نوجوانوں میں سرایت کرتی چلی جاتی ہے ورنہ آیندہ نسلوں میں جاکر اس کا علاج قریب قریب
ناممکن کے ہوجائیگا اس لئے بہتر ہے کہ اس بادقعت اور قابل قدر دین کی حمایت کرنے میں کوتاہی نہ کریں اور اسکے تدارک کی
طرف ابھی سے نہایت سرگرمی کے ساتھ متوجہ ہوجائیں پس سُنئے کہ یہ علوم مذکورہ یعنی علم نباتات و علم حیوانات اور اسیطرح
علم فلکیات۔ علم کائنات جو ایسے ہی اور علوم طبیعیہ جنمیں کہ کائنات کے قوانین قدرت سے بحث کیجاتی ہے جنمیں کہ روشنی پانی
ہوا۔ قوت کہربائی وغیرہ کے خواص بیان کئے جاتے ہیں اس میں تو ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ ان علوم کے مباحث خالق کائنات
کے وجود پر جنکے احوال سے ان علوم میں بحث کیجاتی ہے نہایت قوی دلیلوں کے ساتھ دلالت کرتے ہیں اور اُن سے معلوم ہوتا ہے
کہ ان کا بنانے والا بہت ہی بڑا صاحب قدرت اور اعلیٰ درجہ کی حکمت رکھنے والا ہے کیونکہ ساری کائنات اُسی خالق کے
آثار ہیں اور موثر پر اُسکے آثار ہی کو دیکھکر استدلال کیا جاتا ہے اور پھر چونکہ ان علوم کے مباحث میں عقل پر کائنات کے
اسرار اور حکمتیں منکشف ہوجاتی ہیں اور اُسکے نزدیک یہ امر ظاہر ہوجاتا ہے کہ ضرور یہ چیزیں کسی ذی اختیار نے اپنے
قصد اور ارادہ سے بنائی ہیں اور اُنکے بنانے میں اعلیٰ درجہ کی تدبیر اور انتظام سے کام لیا گیا ہے اسلئے ان مباحث سے
خدا پر بخوبی استدلال ہوسکتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ مؤثر پر استدلال کرنا بالکل آسان امر نہیں ہے اس استدلال کے
طریقہ میں بسا اوقات بڑی دشواری درپیش ہوجایا کرتی ہے یہاں قدم ذرا مشکل سے جمنے پاتے ہیں اسی موقع پر عقل کا
لغزش سے بچا رہنا بڑا کام رکھتا ہے اسلئے کہ انسانی عقل جب آثار کو دیکھتی ہے اور اُنکے اسباب کے دریافت کرنیکے درپے
ہوتی ہے اُسوقت اگر اُسنے باریک بینی سے کام نہیں لیا ہے تو وہ ظاہری سبب تک پہونچکر رہجاتی ہے اور اُسی کو مؤثر
حقیقی اور سبب واقعی گمان کرنے لگتی ہے اور پھر اپنی رفتار کو وہیں ختم کردیتی ہے سو جو لوگ علوم طبیعیہ میں مشغول ہوتے
ہیں اُن میں سے بعضوں کو جب ان آثار پر جنکے کہ ان علوم میں بحث کیجاتی ہے اطلاع حاصل ہوئی اور وہ بغیر اسکے کہ باریک بینی
سے کام لیتے اور بحث میں غور و فکر کرتے اُن آثار کے اسباب کے بحث کرنے لگے اور چونکہ انھیں کسی سچے دین کا اعتقاد یا ایسا کوئی
امر جو اُن کی فکروں کو متنبہ کرتا اور مؤثر حقیقی اور سبب واقعی تک اُنکی رہنمائی کرتا حاصل نہ تھا اسلئے اُنکی عقلیں مادہ اور قوانین
قدرت تک کہ جو اُن آثار کے ظاہری اسباب تھے پہونچکر رہ گئیں اور انھوں نے فرض کرلیا کہ مادہ کے اجزاء بسیطہ کی حرکتیں ہی
سب کچھ کرتی ہیں وہ اُسی کے وجود کے معتقد ہوکر رہگئے اور چونکہ انکی نظریں باریک بینی سے قاصر تھیں اسلئے انکی عقلیں اس
امر سے متنبہ نہو سکیں اور اُنھوں نے اس بات میں غور نہیں کیا کہ آیا مادہ اور ان قوانین قدرت میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے
کہ ان تمام عجائبات عالم کے حقیقی سبب قرار پائیں یا ایسا نہیں ہے اور نہ انھوں نے اسی کو سوچا کہ دیکھیں مادہ میں یہ قابلیت
موجود بھی ہے کہ اُسی سے ساری چیزیں صادر ہوں وہ مادہ کسی سے صادر نہ ہوا ہو یا اسکو اسوجہ سے کہ اسکا حدوث لازمی

امر ہے کسی دوسری شے کی بھی ضرورت ہے جس سے کہ وہ صادر ہوا ہو اس سبب یہیں پر وہ ٹھیر کر رہ گئے اور انھوں نے اپنی عقلوں سے اس سے آگے کچھ کام نہ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اس امر کا تو اعتقاد کر لیا کہ تمام کائنات کے صادر ہونیکا حقیقی سبب مادہ۔ قوانین قدرت اور اُسکے ذرات بسیطہ کی حرکت ہی ہے اور خدائے عالم کے وجود کے منکر ہو گئے اور اس انکار کے ایسے عادی ہوئے کہ عالم میں جس اثر کو انھوں نے دیکھا مادہ اُسکی حرکت اور ان قوانین قدرت کیجانب جو اُس میں پائے جاتے ہیں منسوب کرنے لگے پھر اُسکو انھوں نے مختلف عنوانات سے تعبیر کرنا اختیار کیا جس سے وہ صرف اپنی من سمجھوتی کر لیتے ہیں پس کبھی تو کہتے ہیں کہ یہ اثر طبیعت کے فعل سے ہوا کبھی کہتے ہیں قوانین قدرت کا فعل ہے اسی طرح پر اور مختلف عنوانات بھی ہیں خلاصہ یہ کہ وہ اپنی اس ناتمام تحقیقات کے بڑے شد ومد سے معتقد بنگئے پھر بعض کی یہانتک نوبت پہونچی کہ انھیں علوم کی رنگ آمیزیوں کیوجہ سے اُن مدارس میں سے جنمیں کہ ان علوم کی تعلیم ہوتی ہے کسی قدر کے نیچیر ہو گئے اور اُن کے پاس نوجوان ناواقف طالبعلم ان علوم کے حاصل کرنے کیلئے آئے جنھیں اسلام کے سچے عقائد کی اطلاع تک نہیں اور نہ اُنھوں نے اسی سے واقفیت حاصل کی کہ کائنات کے بننے اور ان آثار کے حادث ہونیکی کیفیت کی نسبت مسلمانوں کو کیا اعتقاد کرنا چاہیے اور نہ اُنھوں نے اسیکو سمجھا کہ ساری کائنات زمین و آسمان کے موجد کے پیدا کرنیسے موجود ہوئی ہے اب ان علوم کے پڑھانیوالوں کو موقع ملا کہ اپنے ان ناواقف شاگردوں میں اپنے باطل خیالات اور غلط اعتقادات جو اُنکے دلوں میں ناتمام تحقیقات کیوجہ سے جگہ پکڑ گئے تھے علمی تحقیقات کے پیرایہ میں پھیلائیں۔ پس جب کبھی اُنھیں عجائبات میں سے کسی عجیب چیز پر اطلاع ہوئی یا اسرار کائنات میں کوئی راز انکو معلوم ہوا یا مصنوعات کی حکمتوں میں سے کسی حکمت پر انکو واقفیت حاصل ہوئی تو بجائے اسکے کہ اپنے شاگردوں سے یہ کہتے کہ اس عجیب اثر کے ایجاد کرنیمیں خدا کی حیرت انگیز صنعت کو دیکھو اور اُس کی اعلیٰ درجہ کی حکمت میں غور کرو اُنھوں نے اُن سے یہ کہا کہ تم نے دیکھا طبیعت کا کیسا تعجب خیز فعل ظاہر ہوا اور فلاں قدرتی قانون کا کیسا عجیب وغریب اثر ہے علیٰ ہذا القیاس ایسی ہی اور مخرب عقائد باتیں کہنا شروع کیں کاش اس موقع پر وہ یوں کہتے کہ تم نے فلاں قدرتی قانون کو دیکھا کیسا عجیب وغریب ہے اب سچ سمجھو کہ جسنے عالم میں ایسے قدرتی آئین[عه]

عـــه اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی امر کو ظاہر کر دوں کہ قدرتی قانون ہم کس چیز کو کہتے ہیں۔ میرے نزدیک قانون قدرت کسی حکیم کام کرنے والے کے طرز عمل کا نام ہو اور اسکی مثال ریل کی پٹری کی سی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ریل جب چلتی ہے وہ اسی طرف کو جاتی ہے جدھر کہ اسکی پٹری بچھی ہوتی ہے اسی طرح عالم میں جو اثر ظاہر ہوتا ہے وہ قانون قدرت کے موافق ظاہر ہوتا ہے اور جیسے کہ ریل کے چلنے کیلئے محض پٹری کا ہونا کافی نہیں بلکہ کسی ذریعہ کی ضرورت ہے جو اسکو آگے کھینچے اسی طرح یہاں بھی کوئی ذی اختیار ہونا چاہیے جو اپنے افعال قانون قدرت کے موافق کرے اور جیسے کہ ریل کی پٹری بچھانیوالے کو اختیار ہو کہ وہ جدھر چاہے اسکا رخ بدل دے اسی طرح خالق کائنات کو بھی اختیار ہے کہ جیسے کہ اسنے اپنا طرز عمل ایک طور پر مقرر کر لیا تھا جسکو کہ قانون قدرت کہتے ہیں اسکے بجائے کوئی دوسرا قانون مقرر کر دے پس جیسے کہ ریل کے چلنے میں موثر انجن یا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور پٹری کو کوئی موثر نہیں کہتا اسی طرح اہل اسلام کے نزدیک حقیقت میں خدا موثر ہے اور قانون قدرت اسکا طرز عمل ہے جسکو کہ اسنے اپنے اختیار سے مقرر کر رکھا ہے واسطے قوانین قدرت حقیقی موثر نہیں ہو سکتے اہل اسلام کے نزدیک قانون قدرت کا نام عادت اللہ ہے

جاری کئے ہیں وہ کیسا باحکمت اور قادر مطلق ہوگا؟ لیکن انھوں نے یہ تو کیا نہیں بلکہ قوانین فطرت تک پہونچکر رہ گئے اور اُسی کی طرف تمام چیزوں کو مستند کیا کئے اور برابر اسی طریقہ کا اُن کے ساتھ برتاؤ کرتے رہے یہاں تک کہ یہی کیفیت اُن کے دلوں میں بخوبی جاگزین ہوائی اور اسی قسم کے خیالات اُن کی عقلوں میں بھی منقوش ہوتے رہے خلاصہ یہ کہ مدارس میں ابھی کا زمانہ ختم بھی نہیں ہونے پاتا کہ اُس سے پہلے ہی اُن کے دلوں میں یہ خیال جم جاتا ہے کہ عالم میں سوائے طبیعت مادہ کی ذرات بسیطہ کی حرکت اور قوانین قدرت کے کوئی فاعل ہے ہی نہیں اور اُنکا یہ اعتقاد کہ عالم کا پیدا کرنیوالا کوئی خدا ہو بالکل زائل ہو جاتا ہے پس جسوقت وہ مدرسہ کو چھوڑتے ہیں تو اُنکی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اُس کے ساتھ ہی بلکہ اُس سے پہلے ہی اپنے آبائی دین کو بھی خیرباد کہہ چکتے ہیں اور اہل اسلام کو اُن سے یہ امید ہوتی ہے کہ جماعت اسلام میں تعلیم یافتہ اشخاص کی تعداد میں ترقی ہوئی یہ لوگ دین سے واقف ہونگے ان سے اسلام کو نفع پہونچیگا شریعت محمدیہ کی حمایت کرینگے اپنے ہم وطنوں کے کام آئیں گے اُن کے کامیاب ہونے کی تدابیر بتلائیں گے لیکن حقیقت میں اُن کی یہ ساری امید خاک میں ملجاتی ہیں اُن کی کوشش بے سود ثابت ہوتی ہیں اور اُنکو ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت کے نقصان اُٹھانا پڑتا ہے جنکی نسبت وہ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی ہمیں لوگوں میں سے ہیں ہمارے تعلیم یافتہ دینی بھائی ہیں اور واقع میں دیکھئے تو وہ دین سلطنت اور وطن سب کے پکے دشمن ہوتے ہیں معتقد اُن کے اہل اسلام کے خلاف ہوتے ہیں اُنکے طرز رفتار گفتار برتاؤ وغیرہ جہیں دیکھئے کہیں دین اسلامی بو تک نہیں پائی جاتی اُنکے مقاصد اور ارادے اسلامی شان کے بالکل خلاف ہوتے ہیں اُنکی حالت دیکھکر تو بڑا ہی دکھتا ہے اور بے ساختہ منہ سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلجاتا ہے خدا اُنکو ہدایت کرے پس ہی خواہان اسلام کے ذمہ یہ امر ضروری ہے کہ اس مصیبت عظیم کا تدارک کریں خصوصاً ان لوگوں کو تو اسکا پورا انتظام کرنا چاہئے جو حامیان اسلام میں سے صاحب حکومت اور ذی اختیار بھی ہیں اُن کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ان مدارس کیلئے حتی المقدور صرف ایسے ہی اشخاص معلم قرار دئے جائیں جن کے عقیدے اسلام کے موافق صحیح صحیح ہوں طبیعت میں سلامت روی پائی جائے اسلامی تعلیمات کے صدق دل سے معتقد ہوں صرف نام ہی کے مسلمان نہوں بلکہ باوجود درستی عقائد کے شریعت محمدیہ کے آداب و اخلاق سے بھی آراستہ ہوں اور حتی الامکان شریعت کے پورے پابند ہوں اسلئے کہ شاگرد کی مثال اپنے اُستاد کے اعتبار سے بالکل آئینہ کی سی ہے پس جیسے کہ آئینہ کے سامنے جو چیز آتی ہے اُسکی صورت اُسمیں منقش ہو جاتی ہے اور نظر آنے لگتی ہے اسیطرح جو استاد کی حالت ہوتی ہے وہی شاگردوں میں بھی سرایت کر جاتی ہے اُستاد کے خیالات کا شاگردوں پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے اور دوسرا امر یہ ضروری ہے کہ طالب علم ان مدارس، علوم جدیدہ کے مدارس میں اُسوقت تک ہرگز داخل نہ کئے جائیں جب تک کہ وہ پہلے ایک کافی تک دینی مدارس میں قیام نہ کرچکے ہوں اور وہاں رہکر اُنھوں نے اپنے اسلامی عقیدے پورے طور سے صحیح نہ کرلئے ہوں تاکہ بعد شبہات کا بھی سے اُنہیں تزلزل نہ آنے پائے اور لوگوں کی بے سروپا باتیں اور رنگ آمیزیاں اُنکو پس و پیش میں نہ ڈال سکیں اور ادب حسنہ سے اُن کی اصلاح ہو جائے اور عبادتوں کی بجا آوری کے عادی ہو جائیں اور اگر یہ خیال ہو کہ اس امر کے التزام کرنے سے وہ

besturdubooks.wordpress.com

وقت جوان دینی علوم کی تحصیل کرنے کیلئے زیادہ مناسب ہاتھ سے جاتا رہیگا تو پھر یہ امر ضروری بلکہ نہایت ضروری ہے کہ انہیں مدارس میں ایسے علماء رکھے جائیں کہ انکو اسلامی عقائد اور احکام کی تعلیم دیا کریں اور اس ضرر کا مقابلہ کرسکیں ان مدارس میں داخل ہونیکے وقت سے لیکر انکے چھوڑنے کے وقت تک دینی عقائد اور احکام کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رکھا جائے چاہے تھوڑی ہی دیر کیوں نہو لیکن بلا ناغہ اور جب تک اُن کا ان مدارس میں قیام رہے اُس زمانہ تک برابر یہ علماء انکے عقائد، ادب عبادات وغیرہ کے نگراں رہیں اور انکی اصلاح کرتے رہیں اور جہاں کہیں دینی احکام بظاہر ان عقلی علوم کے مخالف معلوم ہوں انمیں باہم تطبیق دیں اور دینی امور کو عقلی دلائل سے طلبہ کو ثابت کر دکھائیں پس اگر ان دونوں شرطوں کی رعایت کیجائیگی جنمیں اول تو یہ کہ جو اساتذہ ان مدارس کیلئے انتخاب کئے جائیں وہ اسلام کے پابند ہوں اور انکے عقائد اسلامی تعلیم کے موافق صحیح صحیح ہوں اور دوسرے یہ کہ ان طالب علموں کی اسلامی احکام کی عموماً اور عقائد اسلام کی خصوصاً کافی نگرانی کیساتھ تعلیم دیجائے عام ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں داخل ہونیسے پہلے ہی اسکا انتظام کیا جائے یا عقلی علوم کے تحصیل کی ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی جاری رکھی جائے تو پھر یہ تعلیم یافتہ اشخاص بگڑنے سے ضرور محفوظ رہیں گے انکے دینی خصائل و آداب میں فتور نہ آنے پائیگا عبادات میں اُنسے بے پروائی ظاہر نہوگی بلکہ انکے عقیدے پکے اور نہایت ہی پختہ ہونگے خصوصاً اسوجہ سے کہ ان عقلی علوم کی تحصیل کے زمانہ میں انکو خداوندی مصنوعات کے حیرت انگیز افعال اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ بھی حاصل ہوتا جائیگا کیونکہ اس تقدیر پر جب کبھی وہ کوئی عجیب صنعت یا عجائبِ قدرت میں سے کوئی راز مشاہدہ کرینگے تو اپنے مسلمان اساتذہ کو یہ کہتے ہوئے سنیں گے کہ خداوندی صنعت کو دیکھو اور اس عجیب و غریب مصنوعات میں جو اُس نے اپنی اعلیٰ درجہ کی پائدار اور محکم حکمت سے کام لیا ہے اُسمیں غور کرو پس اسوقت بلا تامل اُن کی زبان سے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا نکلیگی اُسکی تسبیح اور تنزیہ میں مشغول ہوجائیں گے اسطرح خداوندی عظمت اُن کے دلونمیں روز افزوں ترقی کرتی رہیگی اور اُسکی قدرت اُنکی نظروں میں نہایت ہی عظیم معلوم ہوگی پس ان مدارس میں اُنکے قیام کا زمانہ گذرنے بھی نہ پائیگا اس سے قبل ہی اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور موحدین میں سربرآوردہ اور افضل شمار کئے جانیکے مستحق ہوجائینگے اُسوقت بیشک مسلمانوں میں ایسے تعلیم یافتہ اشخاص پیدا ہوسکیں گے کہ اسلامی دین کی حمایت کریں اور اپنی قوم ملک، اور سلطنت کے کام آویں۔ اور جب تک یہ کیفیت نہوگی اسوقت تک ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو لوگ علوم عقلیہ حاصل کرکے تعلیم یافتہ اشخاص میں شمار کئے جانے لگے اُنسے اسلام یا مسلمانوں کو کچھ بھی نفع پہونچ سکتا ہے کیونکہ جب انکے عقائد جو اسلام کا رکن اعظم ہے وہ ہی درست نہوں گے تو اہل اسلام کو اُنسے کیا امید ہوسکتی ہے جب وہ خود ہی اسلامی تعلیم سے ناآشنا ہو رہے ہیں تو اہل اسلام کو بحیثیت اسلام کے کیا نفع پہونچا سکتے ہیں رہے دنیاوی فوائد تو دین کے مقابل میں دنیاوی فوائد کی اُس شخص کی نظروں میں جو مسلمان ہے ہرگز وقعت نہیں ہوسکتی یہ امر اسلامی مقتضیٰ کے بالکل خلاف ہو۔ بفرض محال اگر اُن سے اس حالت میں دنیاوی نفع کی امید بھی کیجاوے تو دینی ضرر کے مقابلہ میں جو اُن سے پہونچیگا اُسکی کوئی قدر نہیں کیجاسکتی علاوہ بریں اسلام میں ان کی خصوصیت ہی کیا ہوئی دنیاوی نفع کے پہونچانے میں انسانی ہمدردی کے موافق تو غیر قومیں بھی برابر ہیں۔ میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھا جائے

کو میرا مقصود اعتراض کرنا ہے میری اسلامی ہمدردی مجھکو مجبور کرتی ہے کہ اپنے بھائیوں کو ذرا متنبہ کر دوں) اب میں خدائے پاک سے اس امر کی التجا کرتا ہوں کہ ہمارے حکام کو ایسے امور کی توفیق دے جنمیں امت محمدیہ کی بہتری ہو اور اُن کو اپنے فضل و کرم کی برکت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اسکا اجر جزیل عنایت فرمائے۔ آمین۔

اے اہل سائنس اور مادہ کے قدیم ماننے والو اب میں تم سے کہتا ہوں کہ محسوسات کے احوال میں تو ہم نظر کر چکے اس سے تو سابق میں بحث ہو چکی اب اگر حیات۔ روح۔ عقل۔ قوت۔ متذکرہ وغیرہ نفس کی قوتوں میں ہم غور کریں تو ہمکو ایک بہت وسیع میدان نظر آئیگا جسکو دیکھکر ہر چیز متحیر رہجائے گی اور کچھ نہ ہو سکے گا اور بجائے اسکے کہ ان حقائق کی حقیقت اور اس امر سے ہم واقف ہوجائیں یعنی یہ کہ اشیاء کی صورتیں انسان کے نزدیک کیونکر محفوظ رہتی ہیں بھولنے کے بعد اُسے کیونکر یاد آجایا کرتی ہیں اُسکے صفحۂ فکر سے کس طرح پر چیزیں بالکل زائل ہو جایا کرتی ہیں اور کس طور پر وہ معقولات کا تصور کرتا ہے کلی اور جزئی کے احکام کیونکر اسکے ذہن میں قائم رہتے ہیں تو ہم ایک بحر عمیق میں غوطہ کھاتے رہیں گے اور اس قسم کے جس مسئلہ کو آپ لیجئے گا اُسکی نسبت یہی دریافت ہوگا کہ علما اور حکما کی عقلیں اسکو حل نہ کرسکیں اسکا راز کسی کی سمجھ میں پورے طور سے نہ آیا یہ معما کسی پر نہ کھلا اور حقیقت حال تک شاید کسی کی بھی رسائی نہیں ہوئی نہایت سے نہایت یہ ہوا کہ جو لوگ ان چیزوں کی حقائق کے دریافت کرنیکے مدعی ہیں وہ بعض ایسی دقیق اور مبہم باتیں کرتے ہیں کہ جس سے سننے والے کی ذرا بھی تسکین نہیں ہوتی اور نہ وہ کچھ سمجھ ہی سکتا ہے پس انسانی عقلوں سے ان حقائق کے مخفی رکھنے میں عجب نہیں کہ خداوند تعالی کو انکا عجز ظاہر کرنا مقصود ہو تاکہ اپنے کو ان اشیاء کی حقائق کے دریافت کرنیسے عاجز پاکر اس امر پر متنبہ ہو جائیں کہ جب فکر انسانی اپنی اور اپنی عقل اور اپنی قوتوں کی حقیقت پورے طور دریافت نہ کرسکے تو وہ اُسکی حقیقت کے دریافت کرنیپر کیونکر قدرت رکھ سکتی ہے کہ جس نے ان حقائق کو پیدا اور ایجاد کیا ہے اس موقع پر تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ انسان کہ جس نے اپنی عقل سے زمین و آسمان کے قلابے ملا دئے۔ افلاک۔ اور سیارات کو دریافت کیا۔ جمادی۔ نباتی اور حیوانی دنیا پر اطلاع حاصل کی وہی اپنے نفس اور اپنی اور ان قوتوں کی حقیقت دریافت کرنیسے عاجز رہا اور تمام عقلا سر ٹپک کر مر گئے اور آجتک اس بات کا فیصلہ نہ ہوا کہ ان چیزوں کی حقیقت کیا ہے ہر فلاسفر نے اپنی ایک نئی فلاسفی قائم کی جس سے کہ دوسروں نے انکار کیا بہر حال قطعی فیصلہ ان امور میں سے کسی میں بھی نہ ہو سکا اب اُس عزیز اور برتر خدا کی قدرت کو دیکھئے کہ جس نے بتلانے کو تو انسان کو عقل دیکر وہ وہ چیزیں بتلائیں کہ جنسے وہ بالکل ناواقف تھا لیکن پھر بھی اسکو اُسکے نفس اور اُسکی قوتوں کی حقیقت پر آگاہی نہیں بخشی اس موقع پر پہونچکر تو انسان کا ناطقہ بالکل بند ہو گیا اور تحیر کیوجہ سے ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا اسکو چشم و گوش سے کچھ بہرہ ہی نہیں ملا ہے۔

پس اے مادہ کے قدیم ماننے والو اور اے میرے انسانی بھائیو کیا جب میں تمام کائنات کا حادث ہونے اور زمین و آسمان کے پیدا کرنیوالے کے واجب الوجود ہونے پر ثابت دلائل آپ لوگوں کے سامنے قائم کر چکا تو کیا اس کے بعد بھی آپ مادہ کے قدیم ہونے پر اصرار کرینگے اور یہی کہے جائیں گے کہ مادہ کے ذرات بسیطہ کی حرکت ہی تمام کائنات کو بنانے والی ہے اور خدائے عالم کا نتیجہ کہ اپنے وجود

روز روشن کے مثل کھلی کھلی دلیلیں قائم کردی ہیں انکار ہی کرتے رہیں گے میں آپ کیلئے اس امر کی دعا کرتا ہوں کہ آپکی عقلیں مختل ہونیسے محفوظ رہیں اور آپ تمام اشیاء کو انصاف کی نگاہ سے دیکھیں میں بمقتضائے انسانی ہمدردی کے آپ لوگوں سے اس امر کی درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے فکروں سے آزادانہ طور پر غور کریں اور سوچیں اور ان مغالطہ آمیز باتوں اور واہی تباہی شبہوں سے دہوکا نہ کھائیں جنکی وجہ سے خدا نخواستہ آپ کو سخت مصیبت اٹھانا پڑے کیونکہ زندگی کی مدت بہت ہی تھوڑی ہے چند روز میں گذر جائیگی اور جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کہتے ہیں اُسکے صحیح ہونیکی صورت میں آپ کو اس زندگی کے ختم ہونیکے بعد سخت ہولناک چیزوں سے سامنا پڑیگا اسوقت پشیمانی کچھ کام نہ آئیگی اور اپنی اس غلطی پر ہمیشہ افسوس کرنا پڑیگا اور عاقل کو تو چاہئے کہ ایسا طریق اختیار کرے کہ جو زیادہ تر احتیاط پر مبنی ہو اور اس امر کا بھی لحاظ رکھے کہ جس کا واقع ہونا ذرا مشکل ہے کیوں نہ ہو چہ جائیکہ اگر کسی شی کا وقوع بالکل آسان بھی ہو اور اُسکے وجود میں آجانیکی امید بھی پائی جاتی ہو۔

غرضکہ اپنے اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں غور تو کیجئے اگر آپ ذرا بھی غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ آپ کی مثال اُنکے ساتھ اُن دو شخصوں کی سی ہے کہ جو کسی نہایت رفیع الشان اور مضبوط کوٹھی میں داخل ہوئے ہوں جسمیں کہ متعدد مستحکم کمرے اور نشستگاہیں پائی جاتی ہوں وہ دروازوں اور جنگلوں سے آراستہ ہو اسکے برآمدے اور زینے بہت اہتمام اور استحکام کے ساتھ بنائی گئی ہوں اور ان کمروں میں اعلیٰ درجہ کے فرش بچھے ہوں بڑے بڑے بلند تخت لگے ہوں۔ نہایت بیش قیمت برتن انکے چاروں طرف قرینے سے رکھے ہوں مختلف گھڑیوں۔ متعدد مقیاس الحرارت اور مقیاس الہوا کے ذریعہ اُسکی دیواروں کی پیمائش کی گئی ہو اسمیں بود و باش کرنے کیلئے جتنے ساز و سامان ضروری ہوں سب ہی کچھ موجود ہوں اُسکے چاروں طرف نہایت خوبصورت سیرگاہیں نظر آتی ہوں گردا گرد ایسی چمن بندی کی گئی ہو جسمیں درختوں کا صف باندھکر ایستادہ ہونا ایسا ہو کہ بہت خوشنما معلوم ہوتا ہو قسم قسم کے پھولوں کی کیاریاں موقع موقع سے بنائی گئی ہوں اُسکی نہروں اور حوضوں میں پانی خوشی سے بہ رہا ہو۔ اُسکی مستحکم بنی ہوئی حوضیں لبالب بھری ہوں خلاصہ یہ کہ عیش و آرام کے سارے سامان مہیا ہوں کہ جو انھیں دیکھے یہی کہے کہ فلاں چیز فلاں حکمت پر مبنی ہے۔ اس چیز سے یہ فائدہ ہے اسکا بنانیوالا کیسا ذی اختیار اور مدبر تھا جس نے کہ جو چیز بنائی ایک قرینے سے بنائی اور جس شے کیلئے جو مقام تجویز کیا اُسکے لئے وہی مناسب تھا اب ایسے مقام پر پہونچکر ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو یہ کہنے لگا کہ ساری صناعی خود بخود تو ہو نہیں سکتی ضرور کسی بڑے صناع نے اُسکو بنایا اور اسکی تمام اشیاء کو مستحکم کیا ہے صاحب اسمیں تو ذرا بھی شک نہیں کہ اسکا بنانیوالا ان ساری صناعیوں پر خوب ہی قادر تھا اُنکے تالیف و ترتیب کے طریقوں سے بھی بڑی واقفیت رکھتا تھا جب تو اُس نے انتہا درجہ کی حکمت کے موافق اس کو اسقدر مضبوط و مستحکم بنایا اور خوبی یہ کہ اُسکے تمام ہی لوازمات کامل طور پر اُسنے مہیا کر دئے کہ یہاں رہنا اور کماحقہ عیش و آرام سے بسر کرنا ممکن ہو کوئی امر آسائش میں مخل ہونے نہ پائے اسکا بنانے والا اگرچہ ہماری نظروں سے غائب ہے ہمنے اُسکو دیکھا نہیں اور نہ ہماری عقل کی یہانتک رسائی ہوئی کہ ہم اُسکی حقیقت دریافت کر لیتے لیکن تاہم اسبات میں تو ذرا بھی شک نہیں کہ وہ ہے ضرور اور اسمیں علم۔ قدرت۔ تدبیر۔ حکمت

وغیرہ ایسے اوصاف جنکی کہ اس کوٹھی کے بنانے میں ضرورت پڑسکتی ہے سب موجود ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ جس شے کے وجود کا اور اُسکے اوصاف کا ہم یقین کرتے ہوں اُسکو بچشم اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا ہو کیونکہ اگر کسی شے کا کوئی اثر ہمکو معلوم ہو جائے تو ہم یقیناً سمجھ لیں گے کہ وہ شے بھی ضرور موجود ہے۔ چنانچہ اس موقع پر اس کوٹھی کے بنانیوالے کے اثر کا دیکھنی یہی کوٹھی اور جو جو صناعیاں اسمیں پائی جاتی ہیں) دیکھ لینا اُسکے بنانیوالے اور اُسکے خاص خاص اوصاف کے اعتقاد کیلئے بالکل کافی ہے اور عقل کی اس سے بخوبی تسکین ہو جاتی ہے پھر وہی شخص کہنے لگا کہ اس کوٹھی کے سازوسامان میں اگرچہ بعض ایسی چیزیں بھی پائی جاتی ہیں جنکی حکمت میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن اُنمیں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی اگرچہ میں اسکو دریافت نہیں کرسکا کیونکہ جن اشیاء کی حکمت میری سمجھ میں آگئی میں نے اسی سے اس امر کو نہایت اطمینان کے ساتھ سمجھ لیا ہے کہ اسکا بنانیوالا بڑا حکمت والا ہے تو اُس نے بلا کسی حکمت کے اُسکو نہ بنایا ہوگا اور دوسرا شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اسکے بنانیوالے کا تو نے جو اعتقاد کرلیا ہے تو اُسکو اپنی آنکھ سے اس کوٹھی کو بناتے ہوئے دیکھا نہیں پس میں تو اُسکے وجود کا ہرگز اعتقاد نہ کرونگا اور نہ اُن صفات ہی کو مانونگا جن کا کہ تو نے اس کوٹھی کو دیکھکر اُسکی نسبت اعتقاد کرلیا ہے لیکن ہاں اس کوٹھی کے اس استحکام کیساتھ موجود ہونیکے لئے ضرور کوئی ایسی چیز ہونا چاہئے کہ جس سے یہ تیار ہوئی ہو یہ کہکر وہ اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا اور اس کی نظر ایک پہاڑ پر جا پڑی جو اُس کوٹھی کے پاس ہی ایستادہ تھا اور اُسکی جڑ سے پانی کا ایک چشمہ جاری تھا جس کا پانی اُس کوٹھی کی نہروں میں آتا تھا یہ دیکھکر وہ شخص کہنے لگا کہ میری عقل نے اُس شے کو دریافت کرلیا جس سے کہ یہ کوٹھی واقع میں بنی ہے اور جو اسکی اور جتنی اشیاء کہ اسمیں پائی جاتی ہیں اُن سب کی حقیقی علت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس پہاڑ کی چوٹی سے اس قطعہ زمین کی جانب جسمیں یہ کوٹھی واقع ہے ہمیشہ زمانہ قدیم سے ہوا چلا کرتی ہے پس لاکھوں ہی برس کا زمانہ گذرا ہے کہ یہ ہوا مٹی پتھروں کو پہاڑ سے منتقل کرتی رہی اور وہ سب چیزیں اُسکی وجہ سے مختلف شکلوں پر اس قطعہ زمین میں جمع ہوتی رہیں اور بارش کا پانی ہمیشہ اُسمیں کچھ تصرف کرتا رہا کبھی اسکی شکل کچھ ہوگئی اور کبھی کچھ اس طرح کبھی وہ سب چیزیں مجتمع ہوگئیں اور کبھی پراگندہ اور اُن کی اوضاع اور شکلوں میں ہوا اور بارش کیوجہ سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی گو کبھی یہ تبدیلی بدانتظامی کے ساتھ ہوئی اور کبھی انتظام کے ساتھ یہانتک کہ کروڑوں ہی برس کے زمانے کے گذرنے کے بعد اس کوٹھی کی باقاعدہ صورت بنگئی جسمیں کہ کمرے نشست گاہیں۔ دروازے۔ بنگلے۔ برآمدے۔ راستے۔ حوضیں اور نہریں سبھی کچھ پائی جاتی ہیں مٹی کے ڈھیلے اور پتھر بارش کے پانی سے جو مٹی گیلی ہوگئی تھی اُسکی خاصیت کیوجہ سے جم گئے ہیں اسطرح پر اسقدر مستحکم اور مضبوط کوٹھی مع تمام صناعیوں کے تیار ہوگئی رہا نہروں کا جاری ہونا اُس کی یہ صورت ہوئی کہ اسی چشمہ سے جو کہ اس پہاڑ کی جڑ میں واقع ہے ہمیشہ پانی بہہ کر اس قطعہ کے صحن میں مختلف طریقوں سے جاری ہوا کیا کبھی بدانتظامی کے ساتھ اور کبھی باقاعدہ اسلئے کہ پانی سے اسکی مٹی کٹتی رہی ہوا کا بارش کا اُسکے راستہ میں اثر ہوتا رہا شدہ شدہ لاکھوں ہی برس کے زمانے کے گذرنے کے بعد باقاعدہ نہریں اور حوضیں بنگئیں اور اُسمیں پانی اس موجودہ انتظام کے ساتھ بہنے لگا۔ اب اُسکے برتن۔ فرش۔ گھڑیوں اور مختلف قسم کے مقیاسوں کو لیجئے

اُن کی یہ صورت ہوئی کہ مسافروں کا قافلہ جو کبھی اس پہاڑ پر یا اس زمین میں اترا تو قافلہ والوں کی یہ چیزیں اتفاق کر چھوٹ گئیں اور ہوا انکو مختلف طرح پر ادہر اودہر منتقل کرتی رہی کبھی کوئی چیز نزدیک آگئی کبھی دور چلی گئی کبھی کوئی شے کمرہ کے اندر چلی آئی کبھی باہر ہو گئی خلاصہ یہ کہ کروڑوں برس کے زمانہ کے بعد یہانتک نوبت پہونچی کہ فرش باقاعدہ بچھ گئے برتن قطاروں میں آراستہ ہوگئے گھڑیاں اور مختلف قسم کے مقیاس دیوار پر آویزاں ہوگئے یہی حالت اُن درختوں اور پھولوں کی ہوئی جو یہاں کی سیرگاہوں میں باقاعدہ لگے ہوئے ہیں اُنکے بیج ہوا میں اُڑکر یہانتک پہونچے اور اس زمین پر جابجا اُگ آئے اور ہوا کی وجہ سے اِدہر اُدہر منتقل ہوتے ہوتے باقاعدہ طور پر آراستہ ہوگئے تھے کہ وہ موجودہ حالت پر نظر آنے لگے خلاصہ یہ کہ ہوا کی آمد ورفت اور بارش کے اثر سے کبھی کوئی چیز ادہر ہوئی کبھی اُدہر کبھی اُس کی صورت مناسب وضع پر ہوئی کبھی اُسکے خلاف اس طرح پر مختلف صورتیں بدلیں یہانتک کہ ان اسباب نے اسکو موجودہ ساخت پر پہونچا دیا اور جب وہ (کوٹھی) استحکام اور باقاعدگی کے اس مرتبہ کو پہونچگئی تو اب اسمیں ہوا اور بارش کے مقابلہ کرنیکی پوری قوت آگئی اسکی وجہ سے ان سب چیزوں میں جو تبدیلیاں اس سے پہلے واقع ہوا کرتی تھیں اب نہیں ہوتیں اور اُسکی وجہ یہی ہے کہ پہلے کی شکلوں میں اسقدر استحکام نہیں آیا تھا جتنا کہ اب موجود ہے اور میرے نزدیک اس کوٹھی کا مع سارے ساز و سامان کے انھیں اسباب مذکورہ کیوجہ سے موجود اور مرتب ہو جانا کچھ مستبعد نہیں ہے کیونکہ ہوا اور بارش میں اگرچہ نہ کچھ عقل ہے اور نہ علم اور نہ وہ دونوں کوئی کام اپنے قصد وارادہ سے کرتے ہیں لیکن اُنکی حرکات اور تصرفات کا بکثرت واقع ہونا اور اُن میں فرق کا لگاتار پایا جانا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنھوں نے کہ اس کوٹھی اور اسکے سارے ساز و سامان کو حالت موجودہ پر پہونچا دیا اور اسمیں اسقدر استحکام آگیا اور میرے نزدیک اس بات کی دلیل کہ یہ کوٹھی کسی نے اپنے قصد سے نہیں بنائی اور نہ کسی حکمت کی اُسمیں رعایت کیگئی یہ ہے کہ اُسمیں بعض ایسی چیزیں بھی پائی جاتی ہیں جنمیں ارادہ اور حکمت کا نام ونشان بھی نہیں معلوم ہوتا پس اے اہل سائنس در مادہ کے قدیم ماننے والو ان دونوں شخصوں میں سے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو پہلے شخص کی سی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جسنے یہ تمام کائنات ایجاد کی ہے وہ صاحب ارادہ۔ ذی قدرت۔ علم اور حکمت رکھنے والا خدا ہے اگرچہ یہانتک اُن کی رسائی نہیں ہوئی کہ خدا کو وہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیتے لیکن اُسکے مصنوعات کو دیکھکر اُنھوں نے اُسکے وجود اور اُسکے صفات پر استدلال کیا اور اگر کہیں اس کی کسی مصنوعات کی حکمت اُن کی سمجھ میں نہیں آئی تب بھی اُنھوں نے اس امر کو تسلیم کیا کہ اسمیں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے جو ہم پر پوشیدہ رہی ہے اور کیونکر نہ تسلیم کرتے وہ اسکی باقی مصنوعات میں بے انتہا حکمتیں مشاہدہ کر ہی چکے تھے اور دوسرے شخص کی مثال آپ لوگوں کی سی ہے جو اسباب کے قائل ہیں کہ مادہ کی حرکت ہی نے تمام کائنات کو زمانہ دراز میں اس طرح پر بنایا ہے کہ وہ حرکت اجزاء مادہ کی طرح طرح کی صورتیں بدلتی رہی حتی کہ تمام کائنات موجودہ حالت پر پہونچگئی اور انتخاب طبعی کے قانون کے موافق وہ ایسے درجہ پر جا پہونچی جسپر کہ اُسکو قرار ہو سکے اور یہی قانون کائنات کے نظام کا حافظ ہے اور یہی نہایت عمدہ اشیاء کو باقی رکھتا ہے اس عالم میں حکمت اور قصد کے نہ پائے جانے پر آپ کا استدلال یہ ہے کہ بعض چیزیں عالم میں ایسی پائی جاتی ہیں کہ جنمیں

حکمت اور قصد کا نام و نشان بھی نہیں معلوم ہوتا اور آپ لوگ ہزاروں لاکھوں حکمتوں سے جو اس امر کی کھلی کھلی شہادت دے رہی ہیں کہ اس کائنات کا بنانے والا بڑا ہی ذی حکمت ہے غافل رہتے ہیں ذرا غور تو کرو کہ ان دونوں شخصوں میں سے کون اس امر کا مستحق ٹھہر سکتا ہے کہ عقول سلیمہ اسکی بات مانیں اور نفسانی تعصبات اور شیطانی خواہشات سے آزاد عقلیں اُسے تسلیم کریں اے عقلمند والیسا اندھیر کہ حق کے واضح ہو جانیکے بعد بھی اُسکے ساتھ روگردانی سے کام لیا جائے اور امر محسوس کے ظاہر ہو جانے کے بعد بھی اپنی ہٹ کیجائے۔ شرم! شرم! ہم سبکی ہدایت کا خدا ہی مالک ہے جسے چاہے وہ ہدایت کرے۔

اب جبکہ میں صانع عالم کے وجود پر اُسکے تمام صفات کمال کی ساتھ متصف ہونے پر تمام نقائص سے منزہ ہونے پر اور اس امر پر کہ تمام مادیات اور جمیع کائنات کا پیدا کرنیوالا وہی خدا ہے آپ لوگوں کیلئے ایسی دلائل قائم کر چکا ہوں جنسے مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ آپ کی عقلوں کی تسکین ہو جائیگی اور وہ دلائل آپ لوگوں کیلئے راہ ہدایت میں چلنے کا باعث ہو جائینگی تو اسکے بعد مجھے آپ لوگوں سے کچھ اور عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ میں نے آپ لوگوں کی کتابوں میں چند شبہے دیکھے ہیں کہ اگر آپ لوگ انکو قطعی دلائل سے دفع نہ کریں تو وہ آپکے ایمان میں ضرور رخنہ اندازی کا باعث واقع ہوں اور انکا نتیجہ نہایت برا ہو لیکن ہاں اگر آپ لوگ اہتمام کیساتھ حق تک پہونچنے کے طالب ہو جائیں اُن دلائل کو جو میں نے آپ لوگوں کیلئے قائم کی ہیں اپنے دلوں میں جگہ دیں۔ اس خدا کی حکمت کو پیش نظر کریں طریق معرفت میں اپنے عجز کا اعتراف کریں اور تسلیم کریں کہ خدائے پاک اور اسکے تمام افعال کے احاطہ کرنیسے ہم لوگ قاصر ہیں تو پھر یہ سارے شبہے ساقط ہو جائیں اور اس امر کا اعتقاد کر لینا کہ خدا موجود ہے اور اسی نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے آپ لوگوں پر بالکل آسان ہو جائے اور ذرا بھی دقت نہ پڑے۔ اب اُن شبہوں میں سے جو آپ لوگوں کی دلیل بنتے ہیں کی الجھن کو نہیں خوار میں نہایت ہی مشہور شبہوں کو ذکر کرتا ہوں اور انشاء اللہ ثابت کردونگا کہ وہ بالکل ہی ہیچ ہیں۔ پہلا شبہ۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری عقلوں میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شے موجود تو ہو لیکن نہ وہ جسم ہو نہ جسم کا مادہ ہو نہ جسم کی صورت ہو نہ کوئی ایسا مادہ ہو کہ کسی معقول صورت میں سمجھ میں آسکے نہ اسکی مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے حصے ہو سکتے ہوں۔ اسکا فعل تو اسی سے صادر ہوتا ہو لیکن اُسکے ساتھ متصل نہ ہو اور اس سے آپکا مقصود خدائے پاک کی ذات ہے۔ دوسرا شبہ۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں آئے یعنی پہلے نہ ہو اور پھر موجود ہو جائے اور اس سے آپکا مطلب یہ ہے کہ مادہ کا عدم سے وجود میں آجانا ہماری عقل نہیں سمجھ سکتی۔ تیسرا شبہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ اگر انتظام کائنات میں قصد اور حکمت کی رعایت ہوتی تو ہر شے میں قصد اور حکمت کے پورے پورے آثار موجود ہونا ضروری امر تھا حالانکہ عالم میں ایسی اشیاء بھی ہم دیکھتے ہیں کہ قصد اور حکمت پر وہ منطبق نہیں ہوتیں بلکہ قصد اور حکمت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں اسلئے علی وجہ الضرورت ہی انکا انقلاب ہو گا یعنی تمام اشیاء میں جب قصد اور حکمت کے آثار ہماری سمجھ میں نہیں آئے تو بس یہی کہنا چاہیے کہ تمام چیزیں علی وجہ الضرورت ہو گئیں۔ اب میں کہتا ہوں کہ سابق کی تمام بحث سے آپ اسبات کو جان چکے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو خدائے عالم اور اسکی تمام صفات پر اسی کائنات سے استدلال کرتے ہیں اسواسطے کہ کائنات کے حادث ہونے پر دلائل قائم ہو چکی ہے اور اسکا فور کر دیا

جانا محال ہے۔ اور یہ کائنات عظمت عجیب صنعت، استحکام اور مضبوطی کے اعتبار سے ایسے بڑے مرتبہ پر پہونچی ہے کہ ان سب کا حاوی ہو جانا اور سب کو احاطہ کر لینا انسانی عقل کا کام نہیں وہ اس سے بالکل عاجز ہے۔ پس اسوقت یہ کائنات اپنے پیدا کرنیوالے کی صفات اور خود اسکی ذات کی عظمت پر اور اسکی حکمت کے نہایت ہی عالی ہونے پر کہ جسکا حصر کر لینا ممکن ہی نہیں اور نہ افکار اسکو حاوی ہو سکتی ہیں بہت اچھی طرح سے دلالت کرتی ہے اور انسانی عقل کا یہی خاصہ ہے کہ آثار کی عظمت سے موثر کی عظمت پر استدلال کیا کرتی ہے اور جسقدر کہ آثار عظیم ہوا کرتے ہیں اسیقدر موثر کی عظمت معلوم ہوتی ہے چنانچہ ہم اور آپ گذشتہ قوموں کی قدر و منزلت پر انکے آثار کی عظمت ہی دیکھکر استدلال کیا کرتے ہیں۔

پھر اگر آپ علمی تحقیقات میں غور کریں اور جتنی چیزیں کہ آپکو دریافت ہو چکی ہیں ان اشیاء سے انکا مقابلہ کریں کہ جو ابتک معلوم نہیں ہوئیں اور جنپر کہ ابتک پردہ پڑا ہوا ہے تو آپکو معلوم ہو جائیگا کہ کائنات میں آپکی معلومات بہت ہی کم ہیں حتی کہ جو نسبت ایک قطرہ کو سمندر کے ساتھ یا ایک ذرہ کو ریگستان کی ساتھ ہوتی ہے وہ بھی مشکل سے نکل سکیگی اور یہ ایسا دعوی ہے کہ جسکا آپ ہرگز انکار نہیں کر سکتے ورنہ علم طب، علم کیمیا، علم تشریح، علم فزیالوجی (وہ علم جسمیں اعضاء حیوانات وغیرہ کے افعال و منافع سے بحث ہوتی ہے) علم باٹنی، علم جیالوجی (علم طبقات الارض) علم فلکیات، علم کائنات جو اور جو انکے علاوہ اور علوم ہیں یعنی کہ آپ لوگوں کو خوب مہارت ہے اور جنکی کہ بڑی بڑی ضخیم جلدیں کی جلدیں آپ لوگوں نے تالیف کر ڈالی ہیں اور ان کے بیان میں آپ نے بڑی طوالت سے کام لیا ہے ان سب علوم کو لیجئے انکی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے قریب قریب کوئی صفحہ ایسا نہ ہوگا کہ جسمیں آپ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے نہ پاتے ہوں کہ فلاں امر کی حقیقت ہمیشہ نامعلوم رہی یا اس شے کی حقیقت کے کافی طور پر بیان کرنے تک علماء کی رسائی نہ ہو سکی اسمیں انھوں نے بڑا اختلاف کیا فلاں شے کے بارہ میں کوئی قطعی رائے قائم نہ ہو سکی۔ فلاں شے کا نفس ہمیشہ مخفی رہا۔ فلاں شے کے ذات کی اطلاع ہی نہ ہوئی علاوہ اس کے اسی طرح کی اور عبارتیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ کائنات میں بکثرت ایسی چیزیں موجود ہیں جنکی حقیقت سے ناواقفیت کے آپ لوگ خود قائل ہیں اور آپ لوگ تو ہمیشہ ہی اسی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں کہ کسی طرح اشیاء عالم کی حقیقتوں کو دریافت کریں چنانچہ آپ علمی مجالس میں برابر اشیاء کائنات کی نسبت اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں اور بہتیروں کو اپنی رائے کی غلطی بھی جو انھوں نے ایک زمانہ صرف کرکے حقائق اشیاء کی نسبت قائم کی تھی واضح ہو جایا کرتی ہے اور یہ ایک ایسی ظاہر بات ہے جس سے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا کیا آپ اور کیا علماء جو اس زمانہ میں تحقیقات علمیہ کے درپے رہتے ہیں اس امر سے خوب واقف ہیں۔ اسکی اتنی مثالیں موجود ہیں کہ جنکا کوئی شمار ہی نہیں۔ اگر شاید آپ لوگ اس امر سے انکار کریں اور بکثرت اشیاء سے اپنی ناواقفی اور اپنے علم کی کمی کا باعث دہریت سے اقرار نہ کریں تو میں آپ سے کہوں گا کہ اسبات کی بہت ہی بڑی دلیل ہے کہ آپ لوگ مادہ کی حقیقت سے کہ آپ رات دن دیکھتے اور چھوتے رہتے ہیں ابتک ناواقف ہیں اور آجتک فلسفی دنیا میں مادہ کی حقیقت کی نسبت کوئی قطعی رائے قائم نہیں ہوئی حالانکہ مادہ ہی آپ لوگوں کے نزدیک تمام کائنات کی اصل ہے۔ اسیطرح دیکھئے سننے چکھنے، چھونے اور سونگھنے سے ان اشیاء کا علم کو اور الگ ہوا کرتا ہے جبکہ انکی حقیقت دریافت نہ ہو سکی کہ دماغ ان چیزوں کا کیونکر ادراک کر لیتا ہے۔ غایت سے غایت

آپ اس بارہ میں دیکھیں گے کہ اشیا کی صورتوں کو دماغ تک پہونچا دیا کرتا ہے اور وہ ادراک کر لیتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس ادراک کی حقیقت کیا ہے اور اس کا کافی و وافی بیان تو دماغ تک پہونچ کر آپ لوگوں سے نہیں ہو سکا اور نہ کبھی ہوگا اسی طرح حیات یعنی زندگی کی حقیقت کو لیجئے اسکی نسبت آپ اپنے خیال کے موافق یہی کہتے ہیں کہ ذرات مادہ میں باہم جو فعل واقع ہوتا ہے اور اس سے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں انہیں میں سے یہ بھی ایک اثر کا ظہور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس عقل کی بھی یہی کیفیت ہے وہ بھی آپکے نزدیک مجموعہ آثار کے ایک اثر کا ظہور ہے۔ رہا اس ظہور کی حقیقت کا شافی و کافی بیان کرنا تو سائنس کی رسائی وہاں تک نہیں ہوئی اور نہ شاید کبھی ہوگی۔ منجملہ اور مسائل کے ایک بڑی مسئلہ کو دیکھئے وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کی تحقیق کے موافق روشنی اپنی رفتار اور آنکھ کے مختلف طبقوں میں نفوذ کرنے کے لحاظ سے قوانین فطرت کے موافق دیکھی ہوئی چیزوں کی شبیہ پر انکی صورت مرتسم کرتی ہے۔ اب آپ لوگ اس امر کی تحقیق کریں کہ عقل اسکو سیدھا کیوں دیکھتی ہے اس مسئلہ کی نسبت پیشتر میں ایک مثال بیان کر چکا ہوں شاید اس سے یہ امر واضح ہو جائے۔ اور جس امر میں کہ میں گفتگو کر رہا ہوں اسمیں بہت بڑی گنجایش ہے اگر میں ان تمام اشیاء کو جنکے کہ آپ اپنے علمی مباحث میں ناواقفی کا اظہار کیا کرتے ہیں شمار کرنا شروع کروں تو کلام میں ضرورت سے زیادہ طوالت ہو جائے میں اتنے مختصر بیان کو بھی منصف کیلئے کافی خیال کرتا ہوں اور ٹھکانے کی بات تو یہی ہے کہ موجودات عالم کی نسبت آپ لوگوں کی ناواقفی اعلیٰ درجہ کی اور بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ جب یہ حالت ہو اور پھر اسوقت آپ خدائے عالم کی خلقت کا انکے آثار قدرت سے استدلال کر کے خیال باندھیں اور حقائق اشیاء کی نسبت اپنی ناواقفی کے مرتبہ کو بھی پیش نظر رکھیں تو اسوقت حق اور انصاف کی بات تو یہی ہے کہ اس خدائے عظیم کی حقیقت دریافت کرنے کی ڈینگ سے اپنے آپ کو باز رکھیں۔ اگر انصاف اور شرم بھی کوئی چیز ہے تو کس منہ سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہم خداوند عالم کی حقیقت دریافت کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں جبکہ اسکی مصنوعات میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ چیزوں کی حقیقت سے آپ ناواقف ہیں بقول شخصیکہ تو کار زمین را نکو ساختی۔ کہ با آسمان نیز پرداختی اور وجہ یہ ہے کہ جو شخص فرض کیجئے کہ ایک گھڑی کی تمام چیزوں کی حقیقت کے دریافت کرنے سے بھی عاجز ہے اور اس کا عجز ظاہر ہو گیا ہو تو اس کو کس طرح سزاوار ہو سکتا ہے کہ وہ محض اس گھڑی کو دیکھکر جس سے کہ صرف یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اسکا کوئی بنانیوالا ہے اسکے بنانے والے کی حقیقت دریافت کرنے کی ڈینگ مارنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ میں گھڑی ہی کو دیکھکر بتلا سکتا ہوں کہ اسکے بنانیوالے کی کیسی شکل و صورت ہے وہ سفید ہے یا سیاہ دراز قد ہے یا پستہ قد۔ موٹا ہے یا دبلا۔ اسی طرح اور چیزیں بھی۔ جو کوئی ایسے شخص کو محض گھڑی دیکھکر اسکے بنانیوالے کی حقیقت دریافت کرنے کی ڈینگ مارتے ہوئے سنیگا یہی کہے گا کہ کیا تیری عقل جاتی رہی ہے جو ایسی بیہودہ باتیں بکتا ہے۔ عقل کے پورے ذرا سمجھ تو سہی کہ اس گھڑی کے دیکھنے سے صرف یہ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اسکو کسی ایسے بنانے والے نے بنایا ہے جو اسکا بنانا جانتا ہے اور اسکے بنانے پر اسکو قدرت بھی حاصل ہے۔ رہی یہ بات کہ اس گھڑی کے دیکھنے سے یہ معلوم ہو جائے کہ اسکے بنانیوالے کی حقیقت کیا ہے اور اسکی شکل و صورت کیسی ہے محض گھڑی کے دیکھنے کا تو ہرگز یہ مقتضا نہیں ہو سکتا کہ اس سے یہ سب کچھ بھی معلوم ہو جائے اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ تو انکے تمام پرزوں کی بھی پورے

ہوسے حقیقت نہ جان سکا۔ حالانکہ وہ تیرے سامنے موجود ہیں تو پھر انکے بنانیوالے کی حقیقت دریافت کرنیکے لیے جو کہ تیری نظروں سے غائب ہے ناحق اپنے نفس کو تکلیف دیتا ہے۔ یہ امر نہایت بیجا اور سراسر بے انصافی پر مبنی ہے۔ اور اگر آپ لوگ یہ کہیں کہ ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم محض کائنات کو دیکھ کر انکے بنانے والے خدا کی حقیقت دریافت کریں گے بلکہ اسبات کو تو ہم بھی جانتے ہیں کہ محض کائنات کا دیکھ لینا اُس خدا کی حقیقت پر دلالت نہیں کر سکتا اور نہ اُس سے اسکی حقیقت ہمیں معلوم ہو سکتی ہے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو خواص آپنے ذکر کئے ہماری عقلوں میں یہ نہیں آتا کہ کوئی چیز ایسی بھی ہو سکے جو ان کے ساتھ موصوف ہو کر پائی جائے بلکہ ہماری عقلوں کو تو اسبات کا یقین ہے کہ ایسی کوئی شے نہیں پائی جا سکتی کہ جو اُن خواص مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو یعنی نہ وہ جسم ہو نہ مادہ جسم ہو۔ علی ہذا القیاس اور خواص بھی کیونکہ جتنی چیزیں موجودات عالم میں سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں انمیں سے کوئی بھی ایسی نہیں جسمیں خواص مذکورہ پائے گئے ہوں۔ تو اسکے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ اگر آپ کی عقلوں کو اسکے خیال کرنیکی قدرت نہ ہو تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ شے واقع میں بھی موجود نہ ہو کیونکہ بکثرت ایسے حقائق ہیں کہ جنکو آپ پورے طور سے خیال نہیں کر سکتے اور پھر بھی وہ نفس الامر میں موجود ہیں اور صرف اسلئے کہ ان کے وجود پر دلیل قائم ہے اُن کا وجود مانا جاتا ہے اور آپ لوگوں کا یہ یقین کر لینا کہ ایسی شے کا جو ان خواص کیساتھ موصوف ہو پایا جانا ممکن ہی نہیں۔ قیاس تمثیلی عـه سے ناشی اور اُسی پر مبنی ہے جیسا کہ آپ کے اس قول سے کیونکہ جتنی چیزیں موجودات عالم میں سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس میں خواص مذکورہ پائے گئے ہوں ظاہر ہوتا ہے۔ پس آپ لوگوں نے جتنی اشیا کا مشاہدہ کیں اُنپر قیاس کر کے یہ گمان کر لیا کہ ہر شے موجود کا ان خواص مذکورہ کے اضداد کے ساتھ موصوف ہونا لازمی ہے۔ اور یہ قیاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے بلکہ محض ظنی ہونے کی دلیل ہوتی ہے کیونکہ بسا اوقات یہ دلیل انسان کو دھوکا دیکر غلطی میں ڈالدیتی ہے یہانتک کہ وہ ایک شے کے احکام کو دوسری شے پر جاری کرنے لگتا ہے حالانکہ وہ احکام اُس دوسری شے پر بوجہ کسی امر فارق کے کہ جس کی اطلاع مستدل کو نہیں ہوئی جاری نہیں ہو سکتے اسوقت آپ لوگوں سے پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا خدا جو نہ جسم ہو نہ جسم کا مادہ ہو یہانتک کہ تمام مادی خواص سے منزہ ہو اگر موجود مانا جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے اور اُسکے ماننے سے کونسا امر مانع ہے۔ آپ لوگوں کا اسکی حقیقت کے تصور کرنے پر قادر نہ ہونا یہ کوئی استحالہ کی دلیل نہیں بن سکتی اسی طرح ان چیزوں پر جو مادی عالم میں آپ لوگوں نے مشاہدہ کیں اُس خدا کو قیاس کرنا کہ جسکی وجہ سے آپ نے یہ یقین کر لیا کہ ایسے خدا کا وجود ناممکن ہے محض مغالطی قیاس ہے کیونکہ ان دونوں میں فرق کیوجہ موجود ہونے کے دونوں ہرگز یکساں نہیں ہیں یہانتک کہ ایک کے احکام دوسرے پر جاری کرنا صحیح ہو سکے۔ اور اگر آپ کہیں کہ ہمیں اسکی ضرورت کیا ہے اور کونسی شے ہمارے ذمہ اس امر کو لازم کرتی ہے کہ ہم اُس خدا کے وجود کو مان ہی لیں تو اسکا جواب ہم سے سنئے کہ وہ شے اُسکے آثار قدرت ہیں کہ جو اُسکے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اگر آپ کہیں کہ اچھا

عـه ایک جزئی پر دوسری جزئی کو قیاس کر کے اُسکا حکم دریافت کرنا قیاس تمثیل کہلاتا ہے ۱۲ مترجم

اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہم اس خدا کو جسم مادہ جسم اور مادہ کے تمامی خواص سے منزہ مانیں تو ہم کہیں گے کہ اسکی اسلئے ضرورت کہ ہمارے پاس اسبات پر دلائل قائم ہوچکے ہیں کہ مادہ اور مادہ کے آثار و خواص سب کے سب حادث ہیں قدیم نہیں ہوسکتے اور خدا سبحانہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ قدیم ہو کیونکہ اگر وہ مادہ یا مادی ہوگا یا اس میں مادہ کے خواص پائے جائینگے تو وہ بھی مادہ ہی کی طرح حادث ہوجائیگا اور یہ محال ہے چنانچہ شروع بحث میں پیشتر اسکا بیان آچکا ہے۔

اور اگر آپ کہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمکو کوئی ایسی دلیل مل جائے جسکے ذریعہ سے ہم اس خدا کی حقیقت تک پہونچ جائیں تو ہم آپ سے کہیں گے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نہایت درجہ کی بحث و تدقیق سے یہ بات ظاہر ہوچکی ہے کہ خدا کی حقیقت تک پہونچ جانا اور اسکو دریافت کرلینا انسانی عقل کی طاقت سے باہر ہے چنانچہ شریعت محمدیہ کی تصریحات سے بھی صاف صاف یہی ظاہر ہوتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ خدائے سبحانہ نہایت درجہ کی عظمت والا ہے اور انسانی عقلوں کا ادراک اسکی عظمت کی کمالات سے انتہا درجہ کی پستی میں واقع ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ جو ادراک کی حیثیت سے پستی میں پڑا ہوا ایسی حقیقت کے دریافت کرنے تک کہ جو انتہا درجہ عالی اور باعظمت ہو اسکی رسائی ہونا ناممکن ہے اور اسکی شریعت نے انکو سمجھا دیا ہے کہ اس خدا کی جانب سے ان کو اسیقدر اسکی معرفت کی تکلیف دی گئی ہے جہانتک کہ اسکے آثار قدرت سے پتہ چل سکتا ہے اور وہ اس امر کا یقین کرلینا ہے کہ وہ موجود ہے۔ زندہ ہے۔ ذی قدرت ہے۔ صاحب ارادہ ہے اسی طرح تمام ان صفات کے ساتھ موصوف ہے جنکا کہ پیشتر ہم ثبوت دے چکے ہیں اور ان کی نسبت سابق میں ہم سے اور آپ سے گفتگو ہوچکی ہے اور اسکی شریعت نے خدا تعالیٰ کیلئے بعض ایسی صفات کے اعتقاد کرنیکی بھی تکلیف دی ہے کہ جنکے ثبوت پر کوئی دلیل عقلی قائم ہے اور نہ انکی نفی پر اسلئے شریعت محمدیہ نے خود وہ صفات انکو بتلا دی ہیں پس انھوں نے اس کا اعتقاد کرلیا اور ذات خدا کی حقیقت میں خوض و بحث کرنے سے شریعت نے ان کو منع کردیا ہے اسلئے کہ وہ اسکے ادراک سے عاجز ہیں اور نیز اس خوف سے کہ کہیں اسکو وہ اپنی عقلوں میں جیسا کہ وہ واقع میں ہے اسکے خلاف نہ خیال کریں اور پھر قابل مذمت جہل میں جا پڑیں اور خلاف واقع کا اعتقاد کرنے لگیں چنانچہ بعض پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کاوش و تفتیش سے بچانے کو یوں کہا ہے (کہ جو چیز تیرے ذہن انسانی دل میں آئے وہ ضرور ہلاک ہونیوالی ہے اور اللہ اسکے خلاف ہے) پھر سمجھنے جیسے کہ یہ خدا انتہا درجہ کی عظمت رکھنے والا ہے اسی طرح اسکے اعمال بھی نہایت درجہ کے عظیم ہوتے ہیں اور یہ بات اسی کائنات اور ان عجائب و غرائب میں جو اسمیں پائے جاتے ہیں غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے چنانچہ ان عجائب میں سے قدرے قلیل ہم بھی پیشتر بیان کرچکے ہیں اور ہمیں تو کچھ شک نہیں کہ آپ لوگ اسکی مصنوعات میں سے بکثرت اشیاء کے سمجھنے اور انکی حقیقت دریافت کرلینے سے عاجز ہیں گو اسکو پہلے بھی ہم نے بیان کیا ہے لیکن یہاں پر کچھ اور بھی بیان کئے دیتے ہیں چنانچہ آپ لوگ اپنی تحقیقات جدیدہ میں یہ کہتے ہیں کہ حرکت قوت کہربائی کیجانب منتقل ہوجاتی ہے اور قوت کہربائی حرارت کیجانب اور حرارت روشنی کیجانب۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ تصور کرلینا اور سمجھنا آپ کی وسعت میں ہے کہ اشیاء مذکورہ بعض بعض کیجانب کیونکر منتقل ہوجاتی ہیں اور پھر بھلا کیا آپ کسی عبارت سے جس کو آپ نے سمجھا ہے بیان کرسکتے ہیں کہ انتقالات کی حقیقت

عـه کل ما خطر ببالک فهو هالک والله بخلاف ذلک

بلکہ جو بھی معلوم ہو جاتے ہیں تو کسی طرح خیال نہیں کر سکتا کہ انہیں سے کچھ بھی آپ کی وسعت میں ہو نہایت سے نہایت آپ یہ کہیں گے کہ یہ انتقالات ذرات مادہ کی حرکات اور اوضاع کے تغیر سے پیدا ہوتے ہیں لیکن اس تغیر کا واضح کر دینا اور اذہان کو اس کی حقیقت کو دریافت کرا دینا پھر پہلے اور دوسرے انتقال میں اسی طرح دوسرے اور تیسرے وغیرہ انتقالات میں فرق بیان کر دینا ذرا کام رکھتا ہے کچھ آسان نہیں ہے۔ اسی طرح بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ اُنکے تصور کرنے اور حقیقت بیان کرنے سے آپ بالکل عاجز ہیں پس جب اس خدا کی مصنوعات میں بکثرت ایسی چیزیں موجود ہوں کہ جنکی نسبت آپ لوگوں کا عجز ظاہر ہو چکا ہے تو پھر انہیں آپ کو تعجب ہی کیا ہوتا ہے اگر آپ اسبات کو تصور نہ کر سکیں کہ اس خدا نے عالم کو عدم محض سے کیونکر پیدا کر دیا۔ حالانکہ آپ لوگوں کا کسی واقعی شے کو تصور نہ کر سکنا اس شے کے فی نفسہ معدوم ہونے پر دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے اور اگر آپ کہیں کہ ہماری عقلیں اس امر کو محال سمجھتی ہیں کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں آجائے یعنی یہ ہماری عقل میں نہیں آ سکتا کہ کوئی شے پہلے تو بالکل نیست و نابود ہو پھر وہ کیسے ہست موجود ہو جائے کیونکہ جتنی چیزیں ہمنے مشاہدہ کیں انہیں سے کوئی بھی ایسی نہیں دیکھی جو عدم محض سے پیدا ہو گئی ہو اور نہ کوئی ہم میں سے کسی شے کو عدم محض سے پیدا کر سکا اسیواسطے ہم اسکے محال ہونیکا حکم کرتے ہیں تو میں کہونگا کہ آپ لوگوں کے کسی شے کو عدم محض سے پیدا ہوتے ہوئے مشاہدہ نہ کرنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ محال ہو اسی طرح آپ لوگوں میں سے اگر کسی کو عدم محض سے کسی شے کے پیدا کرنے پر قدرت نہ ہو تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ خدا بھی اسکی قدرت نہ رکھتا ہو پس آپ لوگوں کا اس امر کے محال ہونے کی نسبت حکم لگانا بھی قیاس تمثیلی ہی پر مبنی ہے جو قطعی الدلالت نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات کثرت غلطی میں ڈالدیا کرتا ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے اور آپ لوگوں نے تو خدا کی قدرت کو اپنی قدرت پر خدا کے علم کو اپنے علم پر۔ خدا کے افعال کو اپنے افعال پر قیاس کر لیا ہے۔ اس قیاس کا ضعیف ہونا تو جدا رہا یہ تو دیکھ لیجئے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں کیسا ظاہر فرق پایا جاتا ہے۔ بھلا کہاں آپ لوگ اور کہاں وہ خدا جس نے تمام کائنات کو اس استحکام کے ساتھ بنایا ہے اس فرق کا کچھ ٹھکانا ہے اگر کچھ انصاف ہو تو زمین و آسمان کا فرق صاف صاف نظر آتا ہے۔ آپ لوگوں کی کیا بات ہے آپ لوگ باوجودیکہ علم کیمیا میں بڑے فضل و کمال کی ہانکتے ہیں لیکن آجتک انکو یہ قدرت نہ ہوئی کہ عناصر[عه] کی تحلیل کر لیتے۔ یا کسی جسم کو ترکیب دیکر جاندار بنا لیتے جسمیں کہ زندگی کے تمام خواص پائے جاتے اور جانداروں کی سی اُسکی صورت ہوتی۔ ان دونوں بسیط امروں کے بنانے سے آپ لوگوں کا عاجز رہنا اسیطرح اور خداوندی افعال میں کے بکثرت افعال پر آپ کا قدرت نہ رکھنا ایسا امر ہے جسکی دلیل بیان کرنے میں کلام کو طوالت دینے کی حاجت نہیں تو کیا اسکے بعد بھی آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ آپ اپنے نفسوں کو اس خدائے قادر کی ذات پاک پر اور اپنے افعال کو اُسکے افعال پر قیاس کرنیکی جرات کرتے ہیں علاوہ بریں اگر آپ غور سے کام لیں اور اپنے افعال کو سوچیں تو آپ لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ جو افعال آپ کرتے ہیں انمیں بھی آپ کا حقیقی فعل نہیں پایا جاتا جتنا کہ آپ مثلاً فلاں معدن کی جو اُسکے عناصر کیجانب تحلیل کرتے ہیں یا فلاں مرکب کو دیا

عه یعنی ہر عنصر کی تحلیل کرکے اسکے ذرات بسیط نکال لیتے ہیں مثلاً آکسیجن کو تحلیل کرکے اسکے ذرات بسیط نکالتے ۱۲

عنصروں سے ترکیب دیتے ہیں تو اسکو دیکھئے آپ کو یہ بات ظاہر ہو جائیگی کہ آپ نے تحلیل یا ترکیب میں انہیں اسباب سے کام لیا جو خدا کے پیدا کردہ ہیں اور انہیں کو جاری کر دیا۔ جن پر کہ آپ کو اطلاع حاصل ہو گئی کہ فلاں چیز کیلئے فلاں شے سبب ہے مثلاً ایک شے کو دوسرے میں ملا دینا یا گرم کرنا یا بجھا دینا وغیرہ وغیرہ یہانتک کہ اس طرح پر تحلیل یا ترکیب حاصل ہو گئی۔ باقی رہی عناصر کے متمیز ہونیکی حقیقت اور یہ کہ کیونکر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں یا ذرات مادہ کے خاص طور پر جمع ہو جائینگے کیا حقیقت ہے کہ جس سے شئے مطلوبہ حاصل ہوتی ہے واقعی بات تو یہ ہے کہ آپ لوگ ان سب باتوں کو پورے طور پر تصور کرنے سے عاجز ہیں اور نہ انکا صاف صاف بیان ہی کر سکتے ہیں چہ جائیکہ آپ ان سب کے عمل کرنے پر بھی قادر ہوں اور یہ کر سکیں کہ دوسرے عناصر کے ذرات بسیطہ سے ہر عنصر کے ذرات بسیطہ کو تحلیل کر کے بالکل جدا کر لیں یا ہر عنصر کے ذرات بسیطہ کو دوسرے کے ذرات بسیطہ کے ساتھ خاص اختلاط پر کہ جو لازمی ہیں ملا کر ترکیب دے لیں۔ اور اس سے آپ لوگوں کا صناعت اور عمل میں بھی عجز ظاہر ہو گیا جیسے کہ ادراک و معرفت میں ظاہر ہو چکا ہے۔ پس اے عقلمندو! کیا اسکے بعد بھی اس خدا کے اعمال کو اپنے اعمال پر اور اسکی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرنے کی ڈینگ مارتے رہوگے اور یہی حکم لگاتے جاؤگے کہ جب تم کسی شے کو عدم محض سے پیدا نہ کر سکے تو وہ خدا بھی اس سے عاجز رہیگا۔ آپ لوگوں کی غلط فہمی سے خدا کی پناہ! باوجودیکہ علم اور عمل دونوں میں آپ کا عجز ظاہر ہو چکا پھر بھی آپ دعوے کے میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنی زبردستی سے باز نہیں آتے اگر دنیا میں انصاف بھی کوئی چیز ہے تو آپ لوگوں کو تو لازمی طور پر وہ طرز و روش اختیار کرنا چاہئے تھا جس پر کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے ہیں کیونکہ یہ طریق بالکل بیجا بے انصافی سے خالی اور سراسر انصاف پر مبنی ہے اس طرز کے اختیار کرنے میں انہوں نے دور اندیشی بیدار مغزی اور اعتدال دین کی احتیاطات سے کام لیا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ انکے نزدیک خدائے عالم کے وجود پر اس کی قدرت کے عجیب و غریب اور باعظمت آثار کے مشاہدہ کرنے سے قطعی دلیل قائم ہو چکی۔ اور انہیں بحث و تدقیق سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اس خدائے پاک کی عظمت کے مقابلہ میں انکے قوائے ادراکیہ بالکل قاصر ہیں اسوجہ سے اسکی حقیقت کا سمجھنا اور تصور کر لینا انکے امکان سے باہر ہے اور اس سے وہ سراسر عاجز ہیں اور اس عاجز ہونے سے خدا کا وجود جو آثار قدرت کی دلالت سے انکے نزدیک ثابت ہو چکا ہے منتفی نہیں ہو سکتا اور نہ یہ خدا کے وجود پر جو قطعی دلیل سے ثابت ہو چکا ہے ایمان لانے کے منافی ٹھہر سکتا ہے۔

پھر انکے نزدیک دلائل سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ عالم پہلے بالکل نیست تھا اور اسکے بعد حادث ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم سے اسکو حادث کرنے کیلئے کسی نہ کسی محدث کا ہونا لازمی ہے اور اسی کو وہ خدا کہتے ہیں لیکن وہ اس احداث اور پیدا کرنے کی کیفیت کے تصور کرنے سے عاجز ہیں اور اس عاجز ہونے سے اسکا محال ہونا لازم نہیں آتا اور نہ یہ عاجز رہنا عالم کے اسی طور پر پیدا ہونیکے یقین کے منافی ہے کہ جو قطعی دلیل سے انکے نزدیک ثابت ہو چکا ہے۔

پھر اس موقع سے آپ لوگوں میں سے بعض کا وہ قول بھی ساقط ہو گیا کہ جو ایسے موقع پر وہ کہا کرتے ہیں جبکہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے خدا کے وجود کا اعتقاد ذکر کیا جاتا ہے کہ جو نہ جسم ہے اور نہ اس کیلئے اجسام کی صفات ہی ثابت ہیں تو

اور نیز یہ اعتقاد کہ اس خدائے عالم کو عدم محض سے پیدا کیا ہے اور وہ قول ہے جو (کہ صاحب رسالہ اعتقاد دیں) تو بہت ہی قوی ایمان
کی ضرورت ہے اس میں علم کو کوئی بھی دخل نہیں)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کے کہنے والوں نے شاید یہ سمجھ رکھا ہے کہ ایمان کسی شے کے محض سیدھے سادے طور پر یقین کر لینے اور بلا کسی قطعی دلیل کے اندھا دھند کسی بات کے مان لینے کا نام ہے اور ان بھولے بھالے عقلمندوں کو یہ پتہ نہ لگا کہ شریعت محمدیہ میں ایمان جب تک کہ کسی قطعی دلیل سے نہ ہو کامل ہو ہی نہیں سکتا اور اس شریعت میں ایمان کامل کے یہ معنی ہیں کہ قطعی دلیل کے ذریعے اُن ساری چیزوں کا یقینی علم حاصل ہو جنکی نسبت یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ انھیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور اُسکے ساتھ ہی شریعت کا اپنے آپ کو مطیع اور منقاد بھی بنا دیا جائے۔ پس ان لوگوں کا خدائے عالم کے وجود کے ساتھ اور اس بات کے ساتھ کہ اُس نے عالم کو عدم محض سے پیدا کیا ہے اسی قسم کا ایمان ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے لیکن وہ ذات خداوندی کی حقیقت اور نیز اس امر کے ادراک سے کہ اُسنے عدم محض سے عالم کو کیونکر پیدا کیا عجز کا اقرار کرتے ہیں اور کسی شے کی حقیقت کے تصور کرنے سے عاجز رہنا جبکہ کہ نفس الامری وجہ پر دلیل قائم ہو چکی ہے اُس شے کے وجود کے اعتقاد جازم کے منافی نہیں ہو سکتا پس اُن بعض لوگوں کا کیسا لچر خیال ہے۔ حق بات کے بیان کرنے میں انھوں نے کیسی اپنی جہالت ظاہر کی ہے اور علم اور ایمان کے درمیان فرق کرنے میں کیسی غلطی کھائی ہے۔ یہ نہ سمجھ سکے کہ علم کی تمام انواع میں سے سب سے کامل نوع کو ایمان کہتے ہیں ناواقفی بھی کیا بُری چیز ہے۔ خدا اس ناواقفی اور جہل کا ستیاناس کرے۔

اور دیکھئے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعات خداوندی میں طرح طرح کے اسرار اور ایک سے ایک بڑھکر بیشمار حکمتیں مشاہدہ کیں اور روز بروز وہ حکمتیں برسوں تک اُنپر مخفی رہی تھیں یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی رہیں اس سے اُن کے نزدیک یہ بات اور بھی پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی کہ یہ خدائے پاک بہت ہی بڑی حکمت والا ہے لوگوں کی عقلیں اس کی حکمتوں کو ہرگز حاوی نہیں ہو سکتیں اس کے بعد کائنات میں سے جب انھوں نے کسی شے کو مشاہدہ کیا کہ جسکی حکمت اُن کو ظاہر نہ ہوئی تو انھوں نے اُسکی نسبت یہ اعتقاد نہیں کیا کہ وہ شے محض عبث اور بلا کسی حکمت کے پائی گئی بلکہ یہی کہنے لگے کہ اسکا پیدا کرنے والا حکمت والا ہے اس دلیل سے کہ ہم نے اُسکی کائنات میں اتنی حکمتیں مشاہدہ کی ہیں کہ جنکا شمار نہیں ہو سکتا۔ اور انھیں سے بہت سی ایسی حکمتیں ہیں کہ جو ہم پر مدتوں تک مخفی رہیں اور پھر اس کے بعد ظاہر ہوئیں پس اس شے کی نسبت بھی جسکی کہ حکمت ہمارے نزدیک ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہے ہمیں یہی کہنا چاہئے کہ ضرور اس میں کوئی حکمت ہے جو ہم پر مخفی رہ گئی ہے نہ یہ کہ وہ شے بلا کسی حکمت کے پائی گئی اور اس بارہ میں اس امر سے کہ ہماری عقلوں کی تسکین ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ خالق نہایت ہی عظمت والا ہے چنانچہ ہم اُسکے مصنوعات اسرار اور حکمتوں کی عظمت اُسکی خلق میں دیکھتے ہی ہیں اور انسانی عقلوں میں کتنی ہی وسعت کیوں نہ ہو جائے لیکن وہ اُسکی نسبت نہایت ہی حقیر ہیں اور اُسکی عظمت پر قیاس کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی ادراک کی اُسکے مقابل میں کوئی ہستی نہیں پس اے اہل سائنس آپ لوگوں کے حق میں امر صواب یہی ہے کہ آپ بھی اسی امر کا منصفانہ طریق پر جس پر کہ پیروان محمد صلی اللہ

علیہ وسلم چاہتے ہیں چلنا اختیار کریں پس آپ لوگوں کی عقلیں ان بے شمار حکمتوں کی وجہ سے کہ جناب کے نزدیک ظاہر ہو چکی ہیں اور نیز ان کی وجہ سے کہ جو برسوں تک آپ لوگوں پر کھلتی رہینگی بعد وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہیں گی اس بات کو مان لیں گی کہ تمام کائنات حکمت پر مبنی ہے اور کوئی شے بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اور یہیں سے آپ لوگ یہاں تک پہونچ جائیں گے اور سمجھنے لگیں گے کہ عالم کیلئے ضرور کوئی ذی حکمت صانع ہے اور عالم میں کوئی شے اتفاقاً بلا ضرورت کی وجہ سے بلا ارادہ موجود نہیں ہوئی اور جب آپ کسی ایسی چیز کو دیکھیں گے کہ جسکی حکمت آپکو ظاہر نہ ہو تو بجائے اسکے کہ آپ اسکو تمام کائنات کی بلا حکمت اور بغیر کسی ارادہ کے پیدا ہونیکی دلیل ٹھہرائیں اور اسکو خالق عالم کے وجود سے انکار کرنے کا ذریعہ بنانے کے درپے ہوں آپ یہ کہیں گے کہ اتنی بے شمار حکمتیں جو ہم کو معلوم ہو چکی ہیں ان پر قیاس کرکے ہم کو یہی حکم لگانا چاہئے کہ اس شے میں بھی ضرور کوئی حکمت ہے گو ہم سے مخفی رہ گئی۔ اور اسیطرح یہی وہ شے ہے جو آپ لوگوں کی عقلوں کو تسکین بخش سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ اس خدا کی عظمت اور کائنات میں جو اسکے بڑے بڑے افعال ہیں ان کی عظمت کا تصور کریں اور ان بے شمار حکمتوں کے علو قدر کو دیکھیں کہ جن پر آپ کو اطلاع حاصل ہو چکی ہو اسکے بعد یہ بھی ملاحظہ کریں کہ انسانی عقلیں خدا تعالیٰ کی ذات کے افعال اور حکمتوں کے احاطہ سے نہایت ہی قاصر ہیں اور ان کا ادراک اسکے افعال کی کسی شمار میں نہیں اور نہ کچھ ہستی رکھتا ہے۔

اب بعد اسکے کہ میں آپ لوگوں کے ان تینوں شبہوں کو زائل کر چکا ہوں چاہتا ہوں کہ ایک مثال ذکر کروں جس سے کہ ان شبہوں کی طرف ذہن منتقل ہو نہیں جناب کو دھوکا ہو گیا ہے وہ بھی ظاہر ہو جائے۔

پس اے اہل سائنس میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ذرا تکلیف فرما کر ان کیڑوں میں جو کہ بذریعہ [illegible] خوردبین پانی کے ایک قطرہ میں ہزاروں اور لاکھوں ہی نظر آتے ہیں غور کریں کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ یہ کیڑے باوجودیکہ ان کو اپنی زندگی قائم رکھنے کیلئے جسقدر ادراک کی ضرورت پڑ سکتی ہے حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی حقیقت کا تصور کر سکتے ہیں؟ اور کیا اس ساری تفصیل کو سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کے اعضا کیسے ہوتے ہیں انکے کیا افعال ہیں۔ اسکے سننے، دیکھنے، سونگھنے چکھنے، اور چھونے اور ریاضت کرنیکی کیا کیفیت ہے۔ وہ غذا کیونکر حاصل کرتا ہے اسکے اعضا رئیسہ کیسے اپنا کام کرتے ہیں اور دوران خون کیونکر انجام پاتا ہے۔ اسکے خیالات اور ادراکات کے بارہ میں وہ دماغ سے کیا افعال سرزد ہوتے ہیں اسی طرح یہ کیڑے کیا انسانی مصنوعات اور افعال کو جان سکتے ہیں یعنی یہ کہ دخانی کلیں کن اصول پر مبنی ہیں کیونکر اپنا کام انجام دیتی ہیں۔ مختلف قسم کے کپڑے انسان کس طرح بناکرتا ہے اسکی اشیا خورد و نوش اور ادویہ کیسی ہوتی ہیں۔ اسی طرح اسکی تالیفات اور مطبوعات میں کیا ہے۔ ٹیلیگراف۔ فوٹوگراف۔ ٹیلیفون فونوگراف وغیرہ آلات کس قسم کے ہوا کرتے ہیں اسنے انکو کیونکر ایجاد کیا کس چیز سے بنایا۔ لوہے اور باقی معدنیات کو اسنے زمین کے اندر سے کیسے نکال لیا اور اس سے ایسے عجیب وغریب آلات کیونکر بنا اور یہ کہ انسان کے بنائے ہوئے آلات اور کلوں کے ہر ہر پرزہ میں کیا حکمت منظور کی گئی ہے اور وہ اسی طرح کیوں بنایا گیا مثلاً جب یہ کیڑے ٹیلیگراف کی بیلوں کو دیکھیں جن پر کہ تار لگا ہوا ہے تو کیا اب وہ اس کی حکمت کے جان لینے پر قادر ہو سکتے

ہیں اور اسپر کہ وہ اسی طرح کیوں لگایا گیا ہے اور کیا وہ ٹیلیگراف کی اور دوسری کلوں کو سمجھ سکتے ہیں جس حالت میں کہ انہوں نے سوائے اُن بلیوں اور لوہے کے تاروں کے جو اُنپر لگے ہوئے ہیں اور کچھ نہیں دیکھا پس جب فرض کر لیا جائے کہ خدا کے اعمال عظیمہ پر اُنکو اطلاع ہو گئی اور یہ کہ اس سے انھوں نے انسان کے وجود اور اُس کی عظمت پر استدلال کر لیا اور انسان کے بکثرت اعمال اور اُسکے عمل کرنیکی کیفیت اُن پر مخفی رہی اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ انھوں نے اُسکی مصنوعات کی بہت سی حکمتیں بھی دریافت کریں اور اس سے انھوں نے صاحب مصنوعات پر استدلال کر لیا کہ وہ نہایت کامل حکمت والا ہے۔ پس کیا ان کیڑوں میں سے ہر ایک کو یہ کہنا ضروری نہ ہوگا کہ میں اتنے سے ادراک کو بلکہ جسکا انسان اور اُسکے اعمال کی عظمت اور اُسکی حکمت کی وسعت کے مقابل میں ذکر کرنا بھی نامناسب ہے اُسکی حقیقت کے ادراک کرنیکے دعوے کر سکتا ہوں مجھے اسکی حقیقت کے دریافت کرنے سے سراسر عجز کا اقرار ہے نہایت سے نہایت مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ میں اُسکے وجود اُسکی قدرت اُسکی حکمت کا یقین کروں اسلئے کہ میں نے اُسکے اعمال مشاہدہ کئے ہیں اور اُسکی مصنوعات کے بنانیکی جو کیفیت ہو اُسکے ایک بہت بڑے حصہ کے سمجھنے سے اپنے عجز کا اقرار کروں اور محض اسوجہ سے کہ میری عاجز عقل اُسکا تمام ادراک نہ کر سکی اُسکے وجود سے انکار نہ کروں اور جب میں اُسکی مصنوعات میں سے کسی ایسی شے کا مشاہدہ کروں جسکی حکمت مجھپر ظاہر نہ ہو تو میرے اوپر یہ بات لازم ہے کہ اُسکی حکمت دریافت کرنے سے اپنے عاجز رہنے کا اقرار کروں کیونکہ اُسکے اعمال کی بکثرت حکمتوں سے اُسکا ذی حکمت ہونا ثابت ہو چکا ہے اسلئے میں یہ کہتا ہوں کہ ضرور اسمیں کوئی حکمت ہے لیکن وہ میری فہم قاصر پر مخفی رہ گئی ہے پس یہ کیڑے جب مثلاً ٹیلیگراف کی بلیوں کو دیکھیں گے اور نیز یہ کہ اُنکے اوپر تار لگے ہوئے ہیں تو وہ یہ نہ کہیں گے کہ یہ سب راستوں میں بغیر کسی حکمت اور فائدے کے بارش اور آفتاب کی گرمی سے تلف ہو جانے کیلئے لگے ہیں بلکہ کہیں گے کہ ضرور ان میں کوئی حکمت مدنظر رکھی گئی ہوگی اگرچہ وہ ہمپر مخفی ہے۔

پس اے اہل سائنس آپ لوگوں کے علوم اور ادراکات اس خدا کی عظمت اُسکے اعمال کی عظمت اور اُسکے علم اور حکمت کی وسعت کے سامنے ایسے ہی ہیں جیسے کہ ان مذکورہ سکولی کیڑوں کے ادراکات کو انسانی عظمت کے ساتھ اور نیز اُسکے اعمال میں جو قدرت علم اور حکمت پائی جاتی ہے اُسکے ساتھ نسبت ہے بلکہ انصاف تو یہ ہے کہ اس سے بھی کہیں زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے انسانی ادراک کی خداوندی عظمت کے سامنے کوئی ہستی ہی نہیں جب یہ حالت ہو تو آپ لوگوں کا اپنے آپ کو نہایت عظیم خیال کرنا اور اپنے معلومات اور معارف کی کثرت پر ناز کرنا کیا حقیقت رکھ سکتا ہے۔

میں اپنے خیال میں آپ لوگونکو اسلامی گروہوں میں سے ایک گمراہ اور مبتدع فرقہ (معتزلہ) کے بالکل مشابہ پاتا ہوں انھوں نے خدائے تعالیٰ کے سامنے بھی اپنے آپ کو بہت کچھ عظیم سمجھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا پر بھی اُسکے خلق کے بارہ میں اپنی جانب سے طرح طرح کی شرطیں لگانے لگے اور اُسپر بھی مکلف احکام کی تعمیل کو واجب ٹھہرانے لگے۔ چنانچہ وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ انسان کے حق میں جو امر بہتر ہو خدا کے ذمہ اسکا کرنا واجب ہے اور اس سے وہ بالکل غافل ہے کہ خدا کے سامنے وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ وہ کیڑے اسکے

یہ سب خدا کے سامنے کل اس سے بھی اعتبار سے حقیر و ذلیل ہیں۔ اس امر سے بھی ہم مخلوقات کی نسبت گمان کر سکتے ہیں کہ خدا کی ملکیت ہیں جس نے انہیں عدم سے پیدا کیا ہے وہ انکا اور انکی جانوں کا مطلق العنان مالک ہے اور وہ عادل حاکم ہے اپنی ملک کی چیزوں میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے وہ اپنی ملک میں کیسا ہی کیوں نہ تصرف کرے لیکن اس کی طرف ظلم کی ہرگز نسبت نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی بہت بڑا بادشاہ پانی میں سے جس کا وہ مالک ہے ایک قطرہ لیلے حالانکہ اس میں ان ماہروں کے قول کے مطابق کیڑوں میں سے ہزاروں ایسی موجود ہوں اور پھر وہ اسے آگ میں ڈالدے جس سے کہ وہ قطرہ اور سارے کیڑے جو کہ ایک قطرہ میں سما کر بستے ہوتے ہیں جتنے کہ تمام روئے زمین پر آدمی آباد ہونگے سب کے سب بالکل نیست و نابود اور ہلاک ہو جائیں گے کیا اس موقع پر کسی کے دل میں یہ بات گذر سکتی ہے کہ اس بادشاہ نے کسی امر ممنوع کا ارتکاب کیا اور اپنے اس فعل سے ان بیچارے حیوانات پر ظلم کیا اور کیا کوئی اس بادشاہ سے اس بارہ میں منازعت کر سکتا ہے حالانکہ وہ بادشاہ اس قطرہ کا اور نیز ان تمام جانداروں کا جو کہ اس قطرہ میں تھے مالک تھا میرے نزدیک تو اس بارہ میں بادشاہ سے سوائے اس شخص کے جو کہ جاہل اور ایسی بے ہودہ باتوں پر اعتراض کرنیکا عادی ہو جس میں کہ اس طرح کوئی بھی ساتھ نہ ہو اور کوئی منازعت نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اس خدا نے محض اپنی رحمت اور فضل سے اپنی تمام مخلوق کو بیشمار نعمتیں دیکر مالا مال کر دیا ہے لیکن خدا کا یہ نعمتیں دینا بطور وجوب کے نہیں ہے بلکہ محض اسکی مہربانی اور احسان ہے یہانتک کہ اگر وہ یہ نعمتیں نہ دیتا اور بجائے انکے طرح طرح کی مصیبتیں ان پر مسلط کر دیتا تو یہ فعل بھی اسکی جانب سے مستحسن ہی شمار ہوتا اسلئے کہ وہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے اس سے منازعت کرنے کا کسیکو حق نہیں وہ جو چاہے سو کرے اور جو اسکا ارادہ ہو حکم کرے

پس اے اہل سائنس بعد اسکے کہ حق آپ پر ظاہر ہو گیا اور آپکے واہی تباہی شبہے ساقط ہو گئے تو آپکو چاہیے کہ جب آپکے نفوس آپ سے خدا کی حقیقت دریافت کرنے کیلئے منازعت کریں آپ انسے کہدیجئے کہ ہماری انسانی عقلیں اس امر سے بالکل قاصر ہیں۔ ہمکو اسکی اسی قدر معرفت کافی ہے جسپر کہ اسکے آثار قدرت دلالت کرتے ہیں یعنی یہ کہ وہ موجود ہے اور نیز تمام ان صفات کے ساتھ موصوف ہے جو کہ اسکے آثار قدرت سے معلوم ہوتی ہیں اسیطرح جب آپ کے نفوس اسباب کو دریافت کرنا چاہیں کہ اسنے عالم کو عدم سے کیسے پیدا کر دیا تو آپ ان سے کہدیجئے کہ ہم نے خدا کے تمام اعمال کو تو جانا نہیں اور نہ یہ کہ وہ ان اعمال کو کیونکر کرتا ہے تو جہاں اور بہت سی چیزوں کو ہم نہیں سمجھ سکے وہاں یہ بھی سہی اور ہم لوگوں کا اسکو تصور نہ کر سکنا اسکا مقتضی نہیں ہے کہ ہم اسکا انکار کر دیں اور جب آپکے سامنے کوئی ایسی چیز آئے کہ جسکی حکمت آپ نہ سمجھ سکیں تو آپکو یہ کہدینا چاہیے کہ عالم کا بنانیوالا حکیم ہے کیونکہ اسکی مصنوعات میں بکثرت حکمتیں ہم دیکھ چکے ہیں پس اگر اس شے کی حکمت کو ہم نہیں سمجھ سکے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسمیں کوئی حکمت ہی نہ پائی جاتی ہو کیونکہ ہمارا نہ سمجھ سکنا حکمت کے نہ ہونیکی دلیل نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے یہی لازم آتا ہے کہ ہم عالم میں حکمتوں کے پائے جانے سے یکسر انکار کر دیں اور مادہ یا محض ضرورت کو مان لیں کہ اسی سے سب چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ خدا ہمکو اور آپکو ایسے طریق کی رہنمائی کرے جس سے آخرت میں نجات ملے آمین۔

اے اہل سائنس یہانتک تو میں نے آپ کے ساتھ عالم اور اس کے تمام متنوعات کے حدوث ثابت کرنے میں گفتگو کی اور

اس پر دلیل قائم کہ کوئی خدا بھی ہے کہ جس نے عالم کو عدم سے ایجاد کیا اور یہ کہ وہ تمام ان صفات کے ساتھ جو اسکی ذات کے شایاں ہیں موصوف ہے اور نیز آپکے بہت سے مشہور شبہوں کا جواب دیا جائے آپکے بیان کردہ مذہب میں سے چند چیزیں وہ ہیں اور گفتگو طلب ہے اور وہ گفتگو چار قسم مسئلوں پر مشتمل ہوگی۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عالم میں سے خواہ سماوی ہوں یا ارضی تمام اشیاء کے حادث ہونیکا طریقہ نشو ہے یعنی پہلے تمام کائنات کے اجزاء ایک بہت چھوٹے چھوٹے غیر قابل قسمت ذرے ہے پھر ان سے آفتاب بنگیا اسکے بعد آفتاب سے تمام ستارے جدا ہونے لگے جن میں مثلاً ایک ہماری زمین بھی ہے پھر اس زمین میں عناصر بنے اسکے بعد معدنیات پیدا ہوئیں اور کون اول یعنی پروٹوپلازم بنا پھر وہ ترقی کرنے لگا اور اسمیں توالد و تناسل شروع ہوا یہانتک کہ ہوتے ہوتے ادنیٰ درجہ کی نباتات یا حیوان بنگیا پھر حیوانات اور نباتات ان چار قوانین قدرت یعنی قانون تباینات ۔ قانون وراثت ۔ قانون تنازع البقاء (جسکے موافق قوی ضعیف کو ہلاک کرڈالتا ہے وغیرہ) اور قانون انتخاب طبعی کے موافق برابر ترقی کرنے لگے اور طرح طرح کی انواع میں منقسم ہوتے ہے پھر ان انواع سے اور انواع نکلے اور پیدا ہونے لگیں یہانتک کہ وہ دونوں (یعنی نباتات و حیوان) حالت موجودہ تک پہونچے اور یہ سب کچھ ذرات مادہ کی اضطراری حرکت اور انہیں قوانین قدرت کیوجہ سے ہوتا رہا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ انسان بھی منجملہ دیگر حیوانات کے ایک قسم کا حیوان ہے بطریق نشو کے پیدا ہوا ہے خوبی در زندگی میں قانون انتخاب طبعی کے موافق ترقی کرکے حالت موجودہ تک پہونچگیا۔ اور چونکہ وہ بندر کے ساتھ بہت کچھ مشابہت رکھتا ہے اسلئے کچھ بعید نہیں کہ انسان اور بندر دونوں ایک ہی اصل سے نکلے ہوں اور پھر ترقی کرکے اپنی اصل پر فوقیت لیگیا ہو۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حیات اور انسانی عقل صرف مادہ کے ذرات متحرکہ اور انکے عناصر مرکبہ کے باہم تاثیر اور تاثر کے آثار میں سے ایک خاص قسم کے ظہور کا نام ہے اگرچہ اصل مادہ حیات اور ادراک دونوں سے خالی تھا اور یہ کہ انسانی عقل باقی حیوانات کی عقلوں کے ساتھ صرف مقدار میں مخالفت رکھتی ہے حقیقت کے اعتبار سے اسمیں اور دیگر حیوانات کی عقل میں کوئی فرق نہیں ہے۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ آپ لوگ شریعت کے باقی مسئلوں سے جیسے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا۔ آسمانوں کا موجود ہونا وغیرہ انکار کرتے ہیں اور آپ لوگوں کا یہ گمان ہے کہ آپ کے علوم میں اس قسم کے مسائل کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی بلکہ بعض کو تو آپکے علوم رد کرتے ہیں اور انکے محال ہونے پر دال ہیں۔

اب انشاء اللہ میں آپ کے ساتھ ان مسائل میں بتوفیق خداوندی گفتگو کرتا ہوں۔ لیکن ان مسائل میں آپکے گفتگو کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے میں دو مقدمے بیان کروں۔

عــه یعنی ۔ دیکھو الحیہ ۔ عــه ۔ یہ ایک قسم کا زندہ مادہ ہے جو منجمد دودھ کے مشابہ ہے اسمیں غذا حاصل کرنے منقسم ہونے اور توالد و تناسل کی قوت موجود ہوتی ہے اسی سے وہ خلیے تیار ہوتے ہیں جنسے کہ عضوی اجسام کی ساخت حاصل ہوتی ہے فلسفہ قدیمہ کی اصطلاح میں اسکو نفس نباتی کے نیچے کا محل قابل کہ سکتے ہیں ۔

فصل

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ جو نصوص اور اقوال شریعت میں وارد ہوئے ہیں اور جن پر کہ اعتقاد کے بارہ میں بھروسہ کیا جاتا ہے بلکہ اُنپر اعمال اور احکام کے بارہ میں بھی بھروسہ ہوتا ہے وہ دو قسموں پر منقسم ہیں ایک متواتر۔ دوسرے مشہور۔ متواتر اُسکو کہتے ہیں جس کا شریعت میں وارد ہونا ایسے اسباب کے بکثرت پائے جانے کی وجہ سے جنسے کہ اُسکے شریعت میں وارد ہونے کا یقینی طور پر علم حاصل ہوتا ہو قطعی طور پر ثابت ہو۔

اور مشہور وہ ہے جس کا شریعت میں وارد ہونا ایسے اسباب کے بکثرت پائے جانیکی وجہ سے جنسے کہ قلب کو اُسکے وارد ہونے کا اطمینان حاصل ہوتا ہو قریب قریب یقینی کے ہو اور اسکا مرتبہ گمان غالب سے بڑھا ہوا اور یقین سے کچھ گھٹا ہوا ہے۔ پھر متواتر اور مشہور میں سے ہر ایک یا تو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہوگا جس کے سوا کسی اور معنی پر دلالت کرنے کا اُسمیں احتمال ہی نہ ہو پس وہ کسی دوسرے معنی کی طرف نہیں پھیرا جا سکتا اور اُسمیں تاویل نہیں ہو سکتی یہ قسم شریعت میں جتنے مقامات پر کہ وارد ہوئی ہے اُنمیں سے کہیں بھی کوئی قطعی دلیل عقلی اُسکے معنی کی مناقض نہیں واقع ہوئی اس قسم کا نام ہم متعین المعنی رکھتے ہیں اور یا مشہور اور متواتر ایسا ہو کہ اول نظر میں گو ایک خاص معنی پر اسکی دلالت ہو لیکن اُسمیں کسی دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو سکتا ہو گو وہ کسی قدر بعید ہی ہو۔ یہ قسم شریعت محمدیہ میں کہیں کہیں اس طور پر بھی واقع ہوئی ہے کہ قطعی دلیل عقلی اُسکے ظاہری معنی کی مناقض ہے اُنکا نام ہم ظاہر المعنی رکھتے ہیں۔ پھر سمجھنا چاہئے کہ شریعت محمدیہ میں نص متعین المعنی کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ متواتر ہو تو اُسکے وارد ہونے اور اُسکے معنی متعین کی تصدیق کرنا ضروری ہے اور اُسکے وارد ہونیکا انکار کرنا یا اُسکے معنی کی تکذیب کرنا موجب کفر ہے یعنی اسلامی دین سے خارج ہو جانیکو مستلزم ہے۔ اسکی تاویل کرنا اور کسی دوسرے معنی کی طرف پھیر دینا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ اُسمیں تاویل کا احتمال ہی نہیں اور نہ کوئی قطعی دلیل عقلی اسکی مناقض ہے یہاں تک کہ اُسکی تاویل کرنے کی ضرورت پڑے اور اگر وہ نص متعین المعنی مشہور ہے تب بھی اُسکے وارد ہونے اور اُسکے معنی کی تصدیق کرنا ضروری ہے اُسکے وارد ہونے سے انکار کرنا یا اُسکے معنی کی تکذیب کرنے کا گمراہی اور نافرمانی میں شمار ہوتا ہے اسکی تاویل کرنا اور اسکو کسی دوسرے معنی کی طرف پھیر دینا اُسی دلیل سے ناجائز ہے جس سے کہ متواتر متعین المعنی کا تاویل کرنا ناجائز ہے۔ اور نص ظاہر المعنی کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ متواتر ہو تو اُسکے وارد ہونے اور اُسکے ظاہری معنی کی تصدیق کرنا ضروری ہے اُسکے وارد ہونیسے انکار کرنا یا اُسکے معنی کی بلا کسی تاویل کے تکذیب کرنا بھی کفر ہے اور جب تک کہ کوئی قطعی عقلی دلیل اُسکے ظاہری معنی کے خلاف پر دلالت نہ کرتی ہو اُس کی تاویل کرنا بھی جائز نہیں اور کسی قطعی دلیل کے مناقض ہونیکی صورت میں اُسکے ظاہری معنی سے دوسرے معنی کی جانب احتمالی ہم پھیرینگے اور اسکی تاویل کرینگے اس طرح پر کہ اُسمیں اور اُس امر میں جسپر کہ قطعی دلیل عقلی دال ہے موافقت ہو جائے اور اگر نص ظاہر المعنی مشہور ہے تو اُسکا حکم بھی نص ظاہر المعنی متواتر کا سا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اُسکے وارد ہونے سے انکار کرنے سے یا اُسکے معنی کی تکذیب کرنے سے کفر نہیں لازم آتا بلکہ گمراہی اور نافرمانی ہی سمجھی جاتی ہے خلاصہ یہ کہ نص متعین المعنی متواتر اور مشہور دونوں میں سے شریعت میں کوئی بھی ایسی نہیں جسکے مناقض عقل میں کوئی امر پایا جائے اور نہ اسکی تاویل ہی جائز ہے

اور نص ظاہر المعنی خواہ متواتر ہو یا مشہور ان میں سے بھی کسیکی تاویل کرنا اور اُسکے ظاہری اور متبادر معنی سے کسی دوسرے معنی کیطرف پھیرنا جائز نہیں البتہ جس حالت میں کہ عقل کے نزدیک کوئی قطعی دلیل اسکے ظاہری معنی کے خلاف قائم ہوجائے اُسوقت بیشک اسکی تاویل جائز ہے کیونکہ اسکے متبادر معنی کے اعتقاد پر بے رہنا اور اُس امر کو جسپر کہ قطعی عقلی دلیل دلالت کرتی ہے چھوڑ دینا اصل اور بنیاد ہی کو گرا دینا ہے اور وہ اصل عقل ہے جس سے کہ اس رسول کی سچائی کہ یہ تمام نصوص شرعیہ بتلائی ہیں رسالت ثابت ہوئی ہے کیونکہ اگر عقل نہ ہوتی تو ہم اُس رسُول کے دعوے رسالت میں صادق ہونے پر استدلال نہ کر سکتے پس جب یہ اصل ہی منہدم ہو جائیگی تو فرع کا بھی لامحالہ انہدام ہو جائیگا پس عقلی دلیل کو چھوڑ دینا نقلی دلائل کو بالکل برہم کرنا ہے اور یہ خلاف مقصود ہے اسلئے ہر نص ظاہر المعنی کا جبکہ کوئی قطعی عقلی دلیل اُسکے مناقض ہو یہی حکم ہے یعنی اسمیں تاویل کیجائیگی اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ کلیہ قاعدہ ہو ایسا ہی بکثرت اسلامی کتب میں موجود ہے جیسے کہ تفسیر رازی میں آیت لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا کی تفسیر میں مذکور ہے اسی طرح مقاصد اور مواقف میں بھی

مثلاً قرآن مجید میں سکندر ذوالقرنین کے قصہ میں واقع ہوا ہے حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدہا تغرب فی عین حمئۃ یعنی یہانتک کہ جب سکندر ذوالقرنین آفتاب کے غروب ہونیکے مقام پر پہونچا تو اُسے ایک دلدل والے چشمے میں ڈوبتا پایا پس اس نص متواتر کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ آفتاب زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں ڈوبا کرتا ہے پس اگر عقلی قطعی دلیل اس ظاہری معنی کے خلاف اور مناقض نہ قائم ہوتی تو شریعت محمدیہ میں اسی متبادر اور ظاہری معنی کا اعتقاد کرنا ضروری ہوتا اور اُسکی تاویل جائز نہوتی اور اُسوقت یہ کہا جاتا کہ ایک سچے شخص کی خبر نے اپنے ظاہری معنی سے اسبات پر دلالت کی کہ آفتاب زمین کے چشموں سے کسی چشمہ میں غروب ہوا کرتا ہے اسلئے اسکا اعتقاد کرنا ضروری ہے لیکن چونکہ عقلی قطعی دلیل اسبات پر قائم ہو چکی ہو کہ آفتاب زمین سے بہت بڑا ہے اور بڑے جسم کا چھوٹے جسم میں سما جانا باوجودیکہ وہ دونوں اپنی مقداروں پر باقی بھی رہیں محال ہے اور علاوہ اسکے اسبات پر بھی عقلی قطعی دلیل قائم ہو چکی ہے کہ آفتاب خود زمین ہی میں نہیں ڈوبتا پس اسوقت اس نص کی احتمالی طور پر تاویل کرنا اور اُسکو اُسکے ظاہری معنے سے پھیر دینا واجب ہے یوں تو اللہ ہی اپنی مراد کو خوب جانتا ہے لیکن مثلاً یوں کہا جائیگا کہ ہوسکتا ہو کہ خدا تعالیٰ کا یہ مطلب ہو کہ ذوالقرنین جب مغرب کے شہروں میں سے اُس مقام پر پہونچا تو اُسے دیکھنے میں ایسا معلوم ہوا جیسے آفتاب ایک دلدل والے چشمے میں غروب ہو رہا ہے کیونکہ جو شخص مغربی بلاد کے سواحل پر آفتاب کیجانب نظر کریگا تو اُسکے خیال میں یہی آئیگا کہ آفتاب مغربی سمندر میں جو اُن بلاد کو گھیرے ہوئے ہے ڈوب رہا ہے اور اس سمندر میں سیاہ رنگ کی کیچڑ اور تاریکی بھی بکثرت پائی جاتی ہے اور وہاں گرمی بھی بہت ہے اور یہ اُس جانب اشارہ ہے کہ زمین کے مغربی کنارے کو سیاہ سمندر گھیرے ہوئے ہے خواہ ہم اسکو مغربی افریقہ کا کنارہ کہیں یا مغربی امریکہ کا اور یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ آفتاب حقیقۃً زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں غروب ہوتا ہے یہ تاویل تفسیر رازی. جلالین. اور تفسیر کواشی سے ماخوذ ہے جیساکہ اسکو شیخ مرعی الحنبلی نے کتاب بہجۃ الناظرین میں نقل کیا ہے اور بعض اہل تعصب نے جو یہ کہدیا ہے کہ آفتاب حقیقۃً چشمہ ہی میں غروب ہوتا ہے یہ بالکل بیہودہ اور ہنسانے کی بات ہے اور امر یقینی کے بالکل خلاف اور خدا کا کلام ایسی سستیوں سے بالکل بری ہے پس سوائے تاویل کی طرف رجوع کرنے کے اور کوئی مفر

ف حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدها تغرب فی عین حمئة [illegible]

باقی نہیں رہتی جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے) اور اسی طرح پر تو لوگ بول چال میں کہا ہی کرتے ہیں کہ میں نے فلاں مقام پر آفتاب کو دریا میں ڈوبتے ہوئے پایا اور فلاں مقام پر آفتاب ہم کو پہاڑ کے پیچھے یا فلاں وادی میں ڈوبتے ہوئے دکھا حالانکہ قائل کا یہ ہرگز اعتقاد نہیں ہوتا کہ ان مواقع مذکورہ میں سے کسی میں بھی آفتاب ڈوبتا ہو بلکہ مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے میں جیسا معلوم ہوتا ہو اسکو بیان کر دیا جائے لیکن جب کوئی عقلی غیر قطعی یعنی ظنی دلیل شریعت کی کسی نص کے تبادر معنی کے مناقض واقع ہو تو اُس نص کی تاویل کرنا اور اسکو تبادر معنی کے علاوہ کسی دوسرے معنی کی طرف راجع کر دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ اُسکے ظاہری معنی کا اعتقاد کرنا اور اسکو اپنی حالت ہی پر باقی رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ دلیل خود ضعیف ہے اُسکی وجہ سے ہمکو کوئی مجبوری نہیں ہے اور یہ امر تو واضح ہے کہ قطعی دلیل عقلی وہی ہوسکتی ہے جو اپنے مدلول پر یقینی طور پر دلالت کرے اور اُسمیں اپنے مدلول کی نقیض کا احتمال بھی نہ ہو اور ظنی دلیل عقلی اُسے کہتے ہیں جو اپنے مدلول پر رجحان کے ساتھ دال ہو اور اسمیں مدلول کی نقیض کا بھی احتمال پایا جاتا ہو اگرچہ وہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو پس وہ اسی احتمال کے باعث سے یقین کے درجہ سے گھٹ جاتی ہے اور اسلامی اعتقادات میں اُسپر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اسی لئے ظنی دلیل شریعت کی کسی متواتر یا مشہور نص کے ظاہری معنی کو معارض بھی نہیں ٹھہر سکتی اور نہ اس دلیل ظنی کی وجہ سے نص کو اسکے ظاہری معنی سے پھیر سکتے ہیں پھر شریعت محمدیہ میں بعض ایسی نص بھی موجود ہیں جنکے وہ شرائط جنسے کہ وہ متواتر یا مشہور کے درجہ کو پہنچ جاتی کامل طور پر نہیں پائی جاتیں اسلئے اُن کے وارد ہونے کا ثبوت یقینی نہیں ہے اور اس قسم کا نام آحاد ہے یہ بھی تعیین المعنی اور ظاہر المعنی کی طرف منقسم ہوتی ہے اور اسلامی شریعت میں اسکا یہ حکم ہے کہ فرعی اعمال میں اُسپر وجوباً اعتماد کر لیا جائے کیونکہ اعمال کے حق میں ظن کافی ہوتا ہے لیکن اسلامی معتقدات کے بارے میں اُسپر استقلالاً اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اُنکے وارد ہونے کا ثبوت ظنی ہے یقینی تو ہے ہی نہیں اسلئے اُنکے شریعت میں وارد ہونے یا انکے معنی کا منکر کافر نہیں سمجھا جاتا عـه (چنانچہ اصول کی کتابوں میں اسکی تصریح موجود ہے) لیکن ہاں آحاد کو جب قابل اعتماد اشخاص نقل کریں اور مجتہدین نے عبادات کے بارے میں اُنپر اعتماد کر لیا ہو تو پھر جب تک کہ کوئی قطعی دلیل عقلی اس کے معارض نہ ہو اسکا انکار کرنا ہرگز جائز نہیں (مگر کہیں اس طرح پر متواتر اور مشہور کے انکار کرنے تک نوبت نہ پہونچ جائے خدا پناہ میں رکھے) ہاں جب خبر آحاد کے ساتھ بھی ایسے ہی امور پائے جائیں جنسے اُسکی تقویت ہو جائے اور یقینی علم اُس سے حاصل ہو سکے اسوقت البتہ اسلامی معتقدات میں بھی اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اعتقادات کے بارے میں متواتر اور مشہور پر اعتماد کیا جاتا تھا

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ شریعت محمدیہ بلکہ تمام شریعتوں کا مقصود ایسے امور کا بیان کرنا ہوا کرتا ہے جنسے کہ خلق خدا کو خدا کی معرفت کیجانب ہدایت ہو۔ اُسکے موجود ہونے اُسکے صفات کمال کے ساتھ متصف ہونے کا اعتقاد حاصل ہو اُسکی عبادت کرنیکا طریق معلوم ہو اُسکے شکر ادا کرنے کی کیفیت سے آگاہی ہو اور ایسے احکام پر واقفیت حاصل ہو جائے جنسے کہ معاش کا انتظام درست ہو معاد اور عاقبت کی خوبی حاصل ہو جائے۔ یہ علوم کائنات (طبعیات وغیرہ) کے مباحث اور انکا بتلانا جنسے کہ عالم کے پیدا ہونیکی کیفیت اور وہ قوانین قدرت جو ارضی یا سماوی اشیاء میں قائم ہیں اور اسی طرح کے اور امور جنمیں اس قسم کی چیزیں شریعتوں کے

عـه البتہ بلا دلیل شرعی یہ انکار ہو جو ترک واجب کے موجب معصیت ہوگا۔

مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ مباحث اس قسم کے امور ہیں جنکو سمجھدار لوگ اپنی عقلوں سے دریافت کر سکتے ہیں پس کبھی تو اُنہوں نے اپنے دنیاوی مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کبھی بعض اُن کا دریافت کرنا ہی اپنی خوشی سمجھ لیتے ہیں اور شریعتیں ان امور کیجانب اون کی مقصودیت کی حیثیت سے التفات ہی نہیں کرتیں اور اُنکی تفاصیل ہی کا کچھ بیان کرتی ہیں ہاں کبھی کبھی اجمالی طور پر ان میں سے بعض چیزوں کو مقدار ذکر کر دیا کرتی ہیں جیسے کہ اُنکے مقاصد میں دخل ہوتا ہے جیسے مختلف آسمان زمین کی پیدائش کا اُن کو عدم سے وجود میں لانے کا تو امت کے لحاظ سے اور مخلوقات کے مختلف انواع کی تدبیر کا اُنکے انتظام کی کیفیت کا اجمالی طور پر ذکر موجود ہے تاکہ لوگوں کیلئے خدائے عالم کے وجود پر اُسکے علم قدرت حکمت وغیرہ صفات کے ساتھ متصف ہونے پر عقلی دلیل بنجائے اور کبھی کسی مقتضا کیوجہ سے بعض مباحث اُنکے مقاصد میں داخل ہوتا ہے بعض مباحث کی تفصیل بھی بیان کر دیا کرتے ہیں۔

جب تم نے ان دونوں مقدموں کو سمجھ لیا تو اب سنئے کہ شریعت محمدیہ میں جو نصوص متواترہ یا مشہورہ اس قسم کی وارد ہوئی ہیں جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں خصوصا کائنات کی پیدائش اور اُنکے انواع انواع میں متنوع ہونے کے بارہ میں اعتماد کیا جاتا ہے وہ صرف ایسی نصوص ہیں کہ پیدائش اور اُسکی کیفیات کے تفصیلی حالات کا بیان نہیں اور وجہ اسکی وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ اس قسم کی بحثیں شریعتوں کے مقاصد میں سے نہیں ہوا کرتیں لیکن ان مباحث میں سے شریعت میں اسیقدر مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کیجانب اُس حالت میں متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں تھا پس اُسنے اُسکے سات آسمان بنا دئے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان کیجانب بحالت میں قصد کیا جبکہ وہ پانی کا بخار تھا جیسے کہ تفسیر جلالین میں مذکور ہے اب رہا دن تو سلف صالحین نے ان چھ دنوں کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے اور ہر شخص شرعی دلائل میں سے کسی نہ کسی دلیل کے ساتھ تمسک کرتا ہے بہت سے علماء اسلام نے تو یہی کہا ہے کہ یہ دن ہمارے ہی دنوں کی طرح ہیں یعنی وہ مدت زمانی مقدار میں ہمارے چھ ایام کے برابر تھی کیونکہ اسوقت تو نہ آفتاب ہی تھا اور نہ آسمان اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان دنوں سے آخرت کے دن مراد ہیں کیونکہ شریعت کی اصطلاح میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ آخرت کا ایک دن ہمارے یہاں کے ہزار برس کے برابر ہوتا ہے ایک دن کے ہزار برس کے ساتھ تفسیر ابن عباس سے بھی مروی ہے جیسا کہ وراق کی سبائح الفکر میں موجود ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ دن کا اطلاق شرعی اصطلاح میں پچاس ہزار برس پر بھی آتا ہے اور یہاں سب باتوں سے وہ مطلب سب کو مسلم ہے حق میں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین اور اُنکے اندر کی تمام چیزوں کو ایک لحظہ بھی کم میں پیدا کر سکتا ہے کیونکہ اُسکے نزدیک اُسکی قدرت کے عظیم ہونے کے دلائل قائم ہو چکے ہیں اور اُسنے جو صرف چھ دن میں تمام عالم کو پیدا کیا کسی بھی فرد کوں میں معلوم ہے وہی خوب جانتا ہے اور بعضوں نے اپنی سمجھ کے موافق اسکی حکمت کی ہے وہ یہ ہے کہ عالم کی پیدائش کی کیفیت سے لوگوں کے ذریعہ سے اپنے بندوں کو یہ تعلیم ہو کہ انہیں سکھا دے کہ جلدی کرنے سے کام کرنا بہتر ہوتا ہے اگر یہ کام کرنیوالے کو بھی کیوں نہ معلوم ہو کہ جلدی کرنے سے بھی وہ غلطی سے محفوظ رہیگا۔

ف: [illegible]

انھیں نصوص میں سے ایک نص میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آسمان اور زمین چپٹے ہوئے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کو شگافتہ کر دیا پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض نے اس نص کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ دونوں بالکل ایک شے [illegible] کی طرح تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کو جدا جدا کر دیا اور آسمانوں کو وہاں تک بلند کیا جہاں کہ وہ اب ہیں اور زمین کو اس کی جگہ پہ رہنے دیا اس کو [illegible] ابن عباس سے روایت کیا ہے ایسے ہی [illegible] ضحاک اور حسن سے بھی منقول ہے اور یہی سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے جیسے کہ جلالین کے حاشیہ جمل اور تفسیر رازی سے [illegible] ہوتا ہے اور [illegible] اول قرار دیا ہے [illegible] اور بعضوں نے اسکی دوسری طرح بھی تفسیر کی ہے۔

اور بعض پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نصوص شریعت سے یہ سمجھے ہیں کہ زمین آسمانوں سے پہلے پیدا ہوئی لیکن وہ بچھی ہوئی نہ تھی [illegible] پھر اللہ تعالیٰ آسمان کی جانب متوجہ ہوا اور وہ اس وقت [illegible] کی صورت میں تھا [illegible] پیدا ہو چکی تھی پھر اس کے ساتھ آسمان بنا دئے اس کے بعد زمین کو بچھا دیا یعنی پھیلا کر [illegible] کے قابل بنا دیا اور [illegible] اس نص کی [illegible] خلاف [illegible] کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے اور [illegible] تفسیر [illegible] ایسا [illegible] شریعت محمدیہ کے اصول کے موافق ہے۔ شریعت کی نصوص [illegible] ستاروں کو پیدا کیا اور [illegible] آسمان [illegible] زمین [illegible] دیا [illegible] مفسرین کا قول ہے [illegible] منقول ہے [illegible] آسمان سے [illegible] زمین [illegible] قاضی [illegible] تفسیر [illegible] معنی [illegible] کتاب [illegible] مفسرین [illegible] کتاب الملکوت [illegible] سورۃ [illegible] آسمان دنیا سے نیچے [illegible] ستاروں کا آسمان دنیا [illegible] آسمان میں [illegible] ہوئے ہوں [illegible] کہتا ہوں [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] قول [illegible]

[illegible]

[illegible]

غلط نہیں کہ وہ چھتے ہیں (یہ ضحاک کا قول ہے جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے) اور نصوص اس امر پر دال ہیں کہ آسمان موجود ہیں اور بلکہ وہ ستاروں کے علاوہ ہیں جیسا کہ گذشتہ نصوص سے سمجھا جاتا ہے اور آگے بھی اس موقع پر جہاں کہ آپکے ان چیزوں کے بارے میں گفتگو ہوگی جو شریعت محمدیہ میں وارد ہوئی ہیں اور آپ اُن سے انکار کرتے ہیں۔ اسکا بیان آتا ہے۔ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جمہور تو اسی بات پر ہیں کہ آسمان ہمکو نظر آتے ہیں۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ نہیں دکھلائی دیتے اور جو کچھ کہ نظر آتا ہے وہ ہوا ہے (عجائب المخلوقات میں قاضی ابو بکر بن عربی سے یہی نقل کیا ہے اور شاید وہ اس نص کی جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نظر آتے ہیں کوئی مناسب تاویل کریں)

آسمان و زمین اور ستاروں کی پیدائش کے اعتقاد کے بارے میں جن نصوص شرعی پر کہ اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نیز ان نصوص کے معانی کے سمجھنے میں جو علماء کے اقوال ہیں ان سب کا یہ خلاصہ ہے۔ باقی رہی اُنکی پیدائش کی تفصیل یا آفتاب۔ ستاروں اور زمین کے رفتہ رفتہ بننے کی کیفیات جیسا کہ آپ لوگوں کا گمان ہے کہ سب کی اصل مادہ کے غیر منقسم ذرات ہیں پھر اُنسے آفتاب بنا اُسکے بعد اُس سے ستارے جدا ہونے شروع ہوئے چنانچہ اُنھیں میں سے ہماری زمین ہے جسمیں کہ متعدد قوانین قدرت پائے جاتے ہیں جنکا آپ لوگ اپنی کتابوں میں ذکر کیا کرتے ہیں یا کسی دوسرے طریق پر اُنکی پیدائش ہوئی۔ اسکی نسبت شریعت محمدیہ نے کچھ تصریح نہیں کی۔ اور نہ اس کی نصوص میں سے کسی نص سے آپ کی تحقیق کا نفیاً یا اثباتاً پتہ چلتا ہے لیکن ہاں قرآن شریف کی عبارت سے اشارۃً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے بحث کرنا کچھ اچھا نہیں کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں نے آسمان و زمین کو پیدا کرنے کے وقت اُنکو حاضر نہیں کر لیا تھا۔

اور جب ہم اُن تفصیلوں میں جنھیں آپ لوگ آفتاب۔ ستاروں۔ اور زمین کے تدریجی طور پر بننے کے بارے میں ذکر کیا کرتے ہیں انصاف کی نظر سے غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں فرضی اور تخمینی ہیں جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں ان کے بیانات کو تامل کی نگاہ سے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے پس ممکن ہے کہ خدا تعالی نے اسی طریق سے جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں عالم کو پیدا کیا ہو اور اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے طریقے سے پیدا کر دیا ہو۔ کیونکہ جب تک یہ تخمینی باتیں گمانی وجہ پر ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے اعتقاد میں انکا ہرگز یقین نہیں کر سکتے اور اُنکے لئے یہی عقیدہ کافی ہے جتنا کہ اُن کی شریعت میں اسکے بارے میں وارد ہوا ہے اور اُس سے جو کچھ ان کی شریعت کے علماء سمجھے ہیں ہاں جب تخمینی امور قطعی دلیلوں سے ثابت ہو جائیں جنمیں کہ نقیض کا احتمال نہ ہو اور عقل کو اُنکے ترک کرنے کی گنجایش نہ رہے (لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے) اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عقلیں اُن کو مان لیں تو اُسوقت بیشک یہ لوگ اس کے قائل ہو جائیں گے یعنی اس اعتقاد کے کہ

حـ۔ ان لوگوں نے افلاک کو سموات کا مغایر مانا ہے کہ سموات کا وجود تو جسمانی ہے اور افلاک کا وجود ذہنی یا کلی جو صرف خلائیہ تاویل کر سکتے اور نظر آنے سے مراد غور کرنا لیا جاوے یعنی جہاں یہ وارد ہوا ہے۔ کیا تم آسمانوں کو دیکھتے نہیں اسکے معنی یہ کئے جائیں کہ کیا تم آسمانوں پر غور نہیں کرتے ۱۲ مترجم ۔ وہ آیت یہ ہے۔ ما اشهدتهم خلق السموات والارض الخ

اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو ایجاد کیا پھر اُس سے ستاروں اور زمین کو اُسی کیفیت سے جسکو آپ بیان کیا کرتے ہیں جدا کیا اور قوانین قدرت جنکے کہ آپ لوگ عالم کی پیدایش کے بارے میں قائل ہیں وہ مثل اُن کے نزدیک اسباب عادی ہیں ذاتی طور پر انہیں کوئی بھی تاثیر نہیں جیساکہ وہ قوانین قدرت جنہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر کائنات کی پیدایش کیلئے مقرر کیا ہے پس نبات مثلاً بذریعہ پانی اور روشنی - اور مٹی کے نکلتی ہے اور نبات کے پیدا کردینے میں انکو ذاتی طور پر کوئی تاثیر نہیں بلکہ موثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ہاں اُسکی عادت جاری ہو گئی ہے کہ اسباب کے پائے جانے کے وقت اُنکے مسببات کو بھی پیدا کردیا کرتا ہے اور اسوقت یہ امر بخوبی واضح ہے کہ سابق میں جو نصوص مذکور ہوئی ہیں اُن میں سے کوئی بھی اُس طریقۂ پیدایش کے منافی نہیں جسکے کہ آپ لوگ قائل ہیں جیساکہ غور کرنے والے پر مخفی نہیں - بہرحال ہر تقدیر پر ہمارا مقصود حاصل ہے اور وہ آثار کو جو کہ انکے موثر پر استدلال کرنا ہے -

اے اہل سائنس جب آپ اسلامی دین کو قبول کرلیں اور اس امر کے معتقد ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے عالم حادث ہوا ہے جیساکہ میں نے بیان سابق میں آپ لوگوں کیلئے اس امر پر دلیل قائم کردی ہے اور نیز اس امر کا اعتقاد کرلیں کہ سات آسمان موجود ہیں جیساکہ آپ لوگوں کیلئے اسکا بیان آیندہ آتا ہے اور آپ لوگوں کے نزدیک آفتاب کا بننا اور پھر اُس سے ستاروں اور زمین کا جدا ہونا اُس طریقہ پر جسکے کہ آپ لوگ قائل ہیں قطعی دلیلوں سے ثابت ہو جائے تب بھی آپ لوگوں کو ممکن ہے کہ شریعت محمدیہ کی اُن نصوص کے موافق جن پر کہ اعتقاد کے بارہ میں اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نیز اُنکے موافق جیساکہ اُسے شریعت کے بعض علماء سمجھے ہیں اپنے اعتقاد کی تقریر کریں تب اُسوقت آپ لوگ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے عالم کا مادہ پیدا کیا اُسی کو مادۂ آسمان کے ذکر کرنے کے وقت اُسنے دخان یعنی دھوئیں سے موسوم کیا ہے جسکی تفسیر علماء نے پانی کے بخار کے ساتھ کی اور یہ وہی چھوٹے چھوٹے غیر منقسم ذرے ہیں جو خلا میں منتشر ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو علحدہ کیا یعنی مادۂ آسمان کو اُس مادہ سے تمیز کرلیا جس سے کہ اسکا ارادہ آفتاب بنانے اور زمین بنانے کا تھا رتق اور فتق کی تفسیر میں ابن عباس اور اُنکے ساتھیوں سے جو کچھ منقول ہے اُسی کے موافق یہ تقریر چل سکتی ہے جیساکہ ابھی گذر چکا ہے اسکے بعد مادۂ آسمان کو اُس نے اشیاء مذکورہ کے مادہ کے اوپر اُٹھایا پھر اُسنے آفتاب بنایا اُس سے ستاروں اور زمین کو جدا کیا (یہ تقریر اُن کے قول کے موافق ہو سکتی ہے جو فلک کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ وہ کواکب کے مدار کا نام ہے یعنی اُس خلاء کا جس میں کہ وہ کواکب دستاری دورہ کرتے ہیں) لیکن زمین جسوقت جدا ہوئی تھی وہ اُسوقت پھیلی ہوئی نہ تھی یعنی اس طرح پر نہ تھی کہ بود و باش کے قابل ہوتی پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی جانب قصد کیا اور ابھی وہ دھواں ہی تھا یعنی پانی کا بخار تھا اور یہ وہی چھوٹے چھوٹے ذرے ہیں جو تمام خلا میں منتشر پائے گئے ہیں پھر اُس سے اُسکے سات آسمان بنا دئے اور آسمان کو کوئی نہیں دیکھتا اور جو کچھ نظر آتا ہے یہ کرہ ہوا ہے (یہ تقریر ابوبکر بن عربی کے قول کے موافق ہے جیساکہ پیشتر بیان ہو چکا ہے) پھر اُسکے بعد اُسنے زمین کو پھیلا دیا یعنی اُسکو بود و باش کے قابل بنا دیا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے خاص خاص قوانین

قدرت کے موافق کیا اور وہ سب عادی اسباب ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ان کے ساتھ موصوف کیا ہے حالانکہ وہ خود قادر ہے کہ بغیر ان قوانین قدرت کے بھی ایک لحظہ بھی کم میں تمام چیزیں پیدا کر دے پس اس تقریر پر آفتاب ستارے اور زمین آسمان سب اپنے قدرتی قانون کشش کے ذریعہ سے جسکو اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھا ہے قائم ہیں اور یہ بھی عادی سبب ہے اور فاعل حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہے پس اس تقریر سے آپ لوگوں کا مذہب شریعت محمدی کی نصوص سے مطابق ہو اور نیز بعض علماء شریعت کے اقوال پر جو کہ آفتاب ستارے اور زمین کی پیدائش کے بارے میں وارد ہوئے ہیں پورے طور سے منطبق ہوگیا اور اس طرح پر آپ کے مذہب اور اسلامی دین کے درمیان کوئی ایسی مخالفت باقی نہ رہی جسکی وجہ سے آپ لوگوں کا اس اسلام دین کو قبول کرنا دشوار ہو سکے اور اسلامی دین سے آپ لوگوں کا انکار بھی [illegible] کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو بھی سب کے سب یہی کہتے ہیں جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ ستاروں اور زمین کے جدا ہونے کے بارے میں تو کوئی یقینی دلیل ثابت نہیں ہے جنکے نزدیک ثابت ہو [illegible] نہیں کرتے۔

ہاں اگر قطعی ثبوت ملے تو بے شک اس کا ہم اعتراف کریں گے اور اسکے بارے میں انہیں نصوص سابقہ پر جو شریعت محمدیہ میں وارد ہوئے ہیں اتفاق کریں گے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس امر کی تحقیق کرنا اور اس تفصیل کو خدا تعالیٰ کے حوالہ کریں گے کیونکہ ہمیں اس سے بحث کرنے کی تکلیف نہیں دی گئی ہے اور جب ان سے ایسے امر یا اس کے مثل دیگر امور کی نسبت جنکی کہ شریعت میں تصریح نہ وارد ہوئی ہو اور نہ پھر قطعی یقینی ہوں بلکہ ان کے دلائل ظنی ہوں سوال کیا جائیگا تو وہ دیکھیں گے کہ وہ امور ان کی شریعت کے منافی ہیں یا نہیں اگر وہ منافی ہوئے تو وہ ان کو ترک کر دینگے اور اگر ان کے قائل نہ ہونگے اور اگر وہ منافی نہ ہوئے تو وہ کہیں گے کہ ہاں ممکن ہے کہ صحیح ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسکے خلاف ہوں کیونکہ یہ امر ظنی ہے۔

پھر کائنات کے بارے میں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یقینی اعتقاد و مقصود یہ ہے کہ تمام کائنات حادث ہے اور اسکے واسطے ضرور کسی محدث کی ضرورت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے حادث کیا اور عدم سے ایجاد کیا اور اسکو اس وضع پر منتظم کر دیا جو کہ بالفعل مشاہدہ کیجاتی ہیں اور یہ سب کچھ طبیعت یا کسی قدرتی قانون کی ذاتی تاثیر سے نہیں ہوا بلکہ جو قوانین قدرت کائنات میں سے بعض کے بعض میں مشاہدہ کیے جاتے ہیں وہ صرف عادی اسباب ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کیلئے مقرر کیا ہے تاہم خدا ان قوانین قدرت سے بالکل بے نیاز ہے وہ بغیر ان قوانین قدرت کے بھی کائنات کے پیدا کرنے پر پورے طور سے قادر ہے اور اسی تقریر پر یقینی طور سے اسکے وجود پر اسکی قدرت علم اور تمام ان صفات کے ساتھ موصوف ہونے پر جن پر کہ یہ آثار دلالت کرتے ہیں استدلال کرنیکے کافی وافی ہے پس اس طریق کے مقتضا کے موافق جب وہ خطۂ زمین کے تین عالم یعنی معدنیات نباتات اور حیوانات کے بارے میں گفتگو کرینگے تو اگرچہ ان کے نزدیک یہ دونوں صورتیں تحت قدرت ہونے میں برابر ہیں۔ ایک صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عالم کو

بطریق خلق کے ایجاد کیا ہے یعنی اُس نے ان میں سے ہر نوع کو دوسرے سے جداگانہ اور مستقل طور پر ایجاد کیا کوئی نوع دوسری سے مشتق اور نکلی ہوئی نہیں معلوم ہے۔ کہ اُسنے اسکو دفعتہً ایجاد کیا ہو یا رفتہ رفتہ اس طرح پر بنایا ہو کہ اُس نے مادہ کو اُسکی ابسط حالت سے ترقی دیتے دیتے حالت موجودہ تک پہنچا دیا ہو اور دفعتاً بنانا یا رفتہ رفتہ پیدا کرنا ان میں سے ہر ایک عقلی ممکنات میں سے ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت میں داخل ہیں اور وہ خدائے پاک فاعل مختار ہے جو طریق چاہے اختیار کر سکتا ہے اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور دوسری صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عالم کے انواع کو بطریق نشو کے ایجاد کیا ہو یعنی اُس نے بسیط مادہ کو ایجاد کر دیا ہو پھر اُسکو حد معین تک ترقی دی ہو پھر معادن یا بسیط ذی حیات جسم (پروٹوپلازم) تک پھر ادنیٰ درجہ کی نبات یا حیوان تک ترقی دیکر پہونچا دیا ہو پھر اُس پر باقی انواع کو متفرع کیا ہو اور ایک کو دوسرے سے نکالا ہو اور بعض کو باقی رکھا ہو اور بعض کو نیست و نابود کر دیا ہو اور یہ سب ان قوانین قدرت کے موافق انجام پایا ہو جنھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مادہ میں رکھ دیا ہے اور انھیں کی وجہ سے ترقی ہوئی گی اور مختلف انواع بنتی گئیں حتی کہ یہ تینوں عالم موجودہ انواع تک پہونچ گئے پس یہ دونوں صورتیں یعنی طریق خلق اور طریق نشو جس حالت میں کہ انکو اللہ تعالیٰ کی تاثیر قدرت کی جانب نسبت کیا جاوے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے وجود و صفات کمال پر استدلال کرنے کیلئے کافی ہیں اسی کو دوسری عبارت میں یوں کہئے کہ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت مانی جاوے یعنی خواہ انواع ہی کو ابتدائی مخلوق مانا جاوے جیسیں جنس کا وجود محض ذہنی و انتزاعی ہوگا اور خواہ جنس کے مادہ کو اولاً موجود مانا جاوے اور انواع کو انھیں سے متفرع ہوتا ہوا کہا جاوے اور ترقی کرتے کرتے حالت موجودہ تک پہونچا ہوا کہا جاوے دونوں صورتیں اللہ تعالیٰ کے وجود و صفات کمال پر استدلال کرنے کیلئے کافی و وافی ہیں لیکن وہ نصوص جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ کائنات ارض کی پیدائش کے بارے میں جو شریعت محمدیہ میں وارد ہوئی ہیں انکا خلاصہ یہی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حیات شے کو پانی سے بنایا۔ اور یہ کہ اُسنے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ اور یہ کہ اُسنے پراگندہ کیا یعنی اُسنے زمین میں جانداروں کو پھیلا دیا۔ اور یہ کہ اُسنے ہر ایک سے جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ اور یہ کہ اُسنے چوپایوں سے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں (یعنی نر و مادہ جیسا کہ تفسیر میں ہے) اور یہ کہ اُس نے جوڑوں کو پیدا کیا ہے (یعنی تمام اصناف و اقسام کو جیسا کہ تفسیر میں ہے) اور یہ کہ اُسنے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں (یعنی دو صنف یا دو قسمیں جیسا کہ تفسیر میں ہے) نر و مادہ۔ اور یہ کہ اُسنے زمین میں ہر ایک ثمرات جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ (یعنی ہر قسم کے جیسا کہ تفسیر میں ہے) پس اول کی تینوں نصوص میں فی نفسہ یہ احتمال ہے کہ ان کی تفسیر طریقہ خلق کے موافق کیجائے یا طریقہ نشو کے۔ اور اے اہل سائنس پہلی کی دونوں نصوص کے تو آپ لوگوں کا جدید قول کہ ذی حیات مادہ پانی سے حاصل ہوا ہے بالکل موافق ہے۔ اب رہیں باقی نصوص مذکورہ انکے متبادر اور ظاہری معانی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عالموں (معدنیات۔ نباتات۔ حیوانات) کی انواع کو بطریق خلق کے ایجاد کیا یعنی اُس نے ہر نوع کو جداگانہ

اور مستقل طور پر ایجاد کیا ہے دوسرے سے نہیں نکالا ہے۔ عام ہے کہ اُسے دفعتاً ایجاد کیا ہو یا رفتہ رفتہ جیسا کہ یہ امر کسی شخص پر مخفی نہیں جو عربی کلام کے طرز سے واقف ہے کیونکہ مثلاً جب کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے مہمانوں کے سامنے کھانے کی مختلف انواع کو پیش کیا تو اُسکے کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے ہر نوع کو مستقل طور پر طیار کیا اور اُسے اپنے مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔ رہا یہ امر کہ اُسنے پہلے سارا کھانا ایک ہی جنس کا طیار کیا ہو پھر طباخی کی صنعت کے موافق اُسکو ترقی دیکر اُس سے اور انواع کو نکال لیا ہو یہ معنی ارادہ سے دور ہیں اسکا دل میں خیال بھی نہیں گذرتا اگرچہ یہ ممکن الوقوع ہے اور بعض آحادی نصوص کہ جو مدار اعتقاد نہیں قرار پا سکتیں ان نصوص کے ظاہری معانی کی تائید کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے کوئی ایسی نص نہیں وارد ہوئی جس سے یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کو مستقل طور پر ایجاد کیا ہے خواہ دفعتاً ایجاد کیا ہو یا رفتہ رفتہ بلکہ بعض آحادی نصوص میں (مسلم کی حدیث میں) یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے چھ دنوں میں سے جنمیں کہ اُسنے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ درخت کو فلاں دن پیدا کیا پھر اُسکے بعد حیوانات کو فلاں دن پیدا کیا لیکن اس سے سوائے اسکے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ حیوان کی پیدائش درخت کے بعد ہے۔ رہا یہ امر کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نوع کو دفعتاً ایجاد کیا یا رفتہ رفتہ اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا پس بنا بر نصوص مذکورہ کے بوجہ اُس قاعدہ سابق الذکر کے کہ بدون ضرورت معارضہ دلیل عقلی قطعی کے نصوص مشہورہ و متواترہ کے معانی حقیقیہ و معانی ظاہرہ کو چھوڑنا جائز نہیں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ یہی اعتقاد رکھنا ضروری ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات ارض کے تینوں عالموں (معدنیات۔ نباتات۔ حیوانات) میں سے ہر نوع کو مستقل طور پر پیدا کیا ہے بطریق نشو کے نہیں پیدا کیا اور نہ ایک نوع کو دوسرے سے نکالا اگرچہ وہ دونوں صورتوں کو بخوبی گاوہ ہے۔ رہا یہ امر کہ ہر نوع کو اُسنے دفعتاً پیدا کیا ہے یا رفتہ رفتہ موافق اُن قوانین قدرت کے جنہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مقرر کیا ہے تو ان دونوں امروں میں سے وہ کسی کی نسبت قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ توقف کرینگے کیونکہ ان کی شریعت میں کوئی ایسی نص نہیں وارد ہوئی جس سے ان دونوں طریقوں میں سے کسی ایک خاص طریقہ کا یقین ہو جائے اور حکم شریعت کے مقتضا کے موافق اُنکو یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اس ظاہری معنی (طریق خلق) کے اعتقاد سے عدول کرکے اُسکے خلاف ایک نوع کے دوسرے نوع سے نکلنے اور بطریق نشو کے پیدا ہونے کا اعتقاد کریں جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں کیونکہ یہ امر نصوص سابق الذکر کے ظاہری اور متبادر معنی کے خلاف ہے اور کوئی قطعی دلیل جو اُن کو اُنکی تاویل کرنے پر مضطر کرے قائم نہیں ہوئی اور جو دلیلیں آپ لوگ طریق نشو پر اپنی کتابوں میں ذکر کیا کرتے ہیں وہ محض ظنی اور فرضی ہیں احتمال کے دائرے سے جس سے کہ استدلال (یقینی) ساقط ہو جایا کرتا ہے ہنوز نہیں نکلی ہیں جیسا کہ خود غرضی کو چھوڑکر ان دلیلوں کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے اور جب تک یہ کیفیت رہیگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروان نصوص کو اُنکے ظاہری معانی سے ہرگز نہیں پھیرینگے۔ اگرچہ یہی اعتقاد رکھیں نہ رکھنا پڑے کہ طریق نشو بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے سے ہے بلکہ جب تک یہ حالت رہے اُنکو تاویل کرنا جائز بھی نہیں ہے ہاں اگر عقلی قطعی دلیل ان نصوص کے ظاہری معانی کے خلاف قائم ہو جاتی اُسوقت اُنکے (سابق الذکر

قاعدہ کی بنا پر ان نصوص کو عقلی قطعی دلیل کے ساتھ تطبیق دیئے اور دونوں میں موافقت ثابت کرنے کیلئے تاویل کر دینا واجب ہوتا اور میرے خیال میں یہ امر نا ممکن ہے پس اے اہل سائنس اگر فرض کر لیا جاوے کہ آپ لوگوں نے جو طریق نشو پر دلیلیں بیان کی ہیں وہ یقین کے درجہ کو پہونچ گئیں اور آپ لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے اعتقاد کی بھی جسکی بنیاد اسپر ہے کہ کسی شے کیلئے سوائے اللہ تعالے کے کوئی خالق نہیں ہے ہدایت ہو جائے تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں کہ آپ لوگ ان نصوص کی تاویل کریں اور انکو انکے ظاہری معانی سے پھیر دیں اور اس طرح انکو طریق نشو کے جسپر کہ قطعی دلیلیں (بالفرض) قائم ہو چکی ہیں موافق بنا لیں اور اسکے ساتھ یہ بھی اعتقاد رہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور جب یہ حالت ہو تو اسمیں کوئی منافات نہیں کہ آپ کا شمار بھی اہل اسلام میں کیا جائے اور اس طرح پر اس کائنات کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے وجود اور اسکی قدرت، علم اور حکمت کے کامل ہونے پر استدلال کرنے میں آپ لوگوں سے کوئی چیز روک بھی نہیں سکتی لیکن میں آپکو اس غلطی سے ڈرائے دیتا ہوں کہ آپ کسی دلیل کو جو آپکے نزدیک قائم ہو کہیں یقینی نہ گمان کرنے لگیں بلکہ آپکو اسباب میں بڑی باریک بینی سے کام لینا چاہئے خدا ہی ہم سب کا ہادی ہے۔ کائنات ارضی کی پیدائش کی نسبت جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ انسان سے قطع نظر کر کے تحریر کیا ہے اسکی پیدائش کی نسبت میں مستقل طور پر گفتگو کرتا ہوں۔

پس میں کہتا ہوں کہ شریعت محمدیہ کی ان نصوص میں سے جن پر کہ انسان کی پیدائش کی نسبت اعتقاد کے بارے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالی نے اسکی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا اور یہ کہ اسکو اسی مٹی سے چپکتے ہوئے گارے سے، متغیر ہوئے گارے سے، سڑی ہوئی سیاہ مٹی سے، ٹھیکرے کے مثل مٹی سے پیدا کیا۔ اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اسنے اسے پانی سے پیدا کیا۔ پس پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء (امام رازی) نے یہ کہا ہے کہ انسان کی اصل مٹی اور پانی ہے یعنی خدا نے اسکو مٹی اور پانی سے پیدا کیا ہے۔ اسی لئے نصوص میں کہیں پانی کا ذکر ہے کہیں مٹی کا اور وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالے نے انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ یہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کی پیدائش تمام کائنات سے ایک ممتاز صورت پر ہوئی ہے اور وارد ہوا ہے کہ خدائے پاک نے آدمی کو نفس واحد سے پیدا کیا اور اس سے اسکی زوجہ (حوا) کو بنایا اور ان دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ ان نصوص سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو ایک مستقل نوع بنایا ہے بطریق نشو کے نہیں پیدا کیا اور نہ اسکو کسی دوسری نوع سے نکالا جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں خصوصاً وہ نص جسکا یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی ہے۔ اور بقول مادی نصوص میں تو اسکی بخوبی تصریح موجود ہے کہ انسان کی پیدائش مستقل طور پر ہوئی وہ کسی دوسری نوع سے

ملاحظہ آیات ... بدأ خلق الانسان من طين ... هو الذي خلقكم من تراب ... [illegible] ... ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ... ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حمأ مسنون ... خلق الانسان من صلصال كالفخار ... والله خلق كل دابة من ماء ... ما منعك ان تسجد لما خلقت بيدي ... يا ايها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء ... [illegible]

نہیں نکلا۔ یہیں کوئی شک نہیں کہ یہ آحادی نصوص گو بانفرادہا مدار اعتقاد نہیں ہیں لیکن اس سے بھی کچھ گنجائش نہیں کہ ان نصوص کے ظاہری معانی کی جو کہ مدار اعتقاد ہیں تائید و تقویت کر دیں۔ علاوہ بریں یہ امر نہایت درجہ مستبعد ہے کہ انسان کی اصل مادہ بسیط ہو پھر اُسنے عناصر تک ترقی کی ہو پھر جاندار مادہ تک اور دو بر تو بالم ہے پھر ادنی حیوان تک پھر اسکے بعد ترقی کرکے بندر تک پہونچا ہو پھر بندر سے انسانی بندر تک اور پھر اُس سے ترقی کرکے انسان بنگیا ہو جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں اور پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان سب کا بیان چھوڑ دیا ہو اور صرف انتہا ہی کہنے پر اکتفا کیا ہو کہ انسان کی پیدائش کو اُس نے مٹی سے شروع کیا ہے بلکہ اسکی حکمت کا تو مقتضا یہ تھا کہ ان تطورات اور ترقیات کی تشریح کرتا اور اسکی تفصیل بیان کرتا جیسے کہ اُس نے نسل انسان کی پیدائش کی تفصیل بیان کی ہے چنانچہ نصوص شرعیہ میں اُس نے اس تفصیل کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مٹی سے پیدا کیا ہے یعنی اس لئے کہ اُن کے باپوں کی غذا میں سے منی بنتی ہے اُس کی اصل مٹی ہی ہے ایسا ہی تفسیر ابن کثیر سے معلوم ہوتا ہے اور دوسری تفسیر میں خدا کے اس قول کے معنی کہ اُس نے (خلقکم) انھیں مٹی سے پیدا کیا یہ لکھے ہیں کہ انکے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اوروں کو اُن کے نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے پھر اُنکے بعد اُنکو پیدا کر کے نکالا پس بیشک نفس کے بارے میں یہ تفصیل خالق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے کیلئے عقل کے نزدیک بات باوقعت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسمیں مادہ کے طرح طرح کے انتقالات پائے جاتے ہیں پس نصوص مذکورہ کا طریق نشو و ارتقاء انسان کے دوسری نوع سے نکلنے کے بیان سے ساکت رہنا اور محض بیان سابق پر اکتفا کرنا اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان مستقل نوع بنا کر پیدا کیا گیا ہے کسی دوسری نوع سے نہیں نکلا جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں اگرچہ دونوں امر عقلاً ممکن ہیں اسپر کہ خدا کو دونوں کی قدرت حاصل ہے ہاں ان نصوص میں یہ امر صراحتاً مذکور نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے دفعتاً پیدا کیا یا رفتہ رفتہ بنایا اسلئے ان نصوص کے موافق جو کہ مدار اعتقاد قرار پا سکتی ہیں ان دونوں امروں میں سے کسی کے ساتھ یقین نہیں کیا جاسکتا بلکہ توقف لازم ہے اگرچہ بعض آحادی نصوص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پہلے انسان (آدم) کی رفتہ رفتہ پیدائش ہوئی ہے اور اسپر ایک طویل زمانہ گذرا۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت ہے اور بعض علماء اسلام (امام رازی) نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں کہ تم کو اُس نے مٹی سے پیدا کیا پھر ناگاہ تم آدمی ہو کر پھیلنا شروع ہوئے۔ یہ تصریح کی ہے کہ انسان کی پیدائش مستقل طور پر ہوئی اور اولی حالت سے حالت موجودہ تک ترقی کر کے نہیں پہونچا ہے اور اس بارہ میں وہ کہتے ہیں کہ عربی میں کلمہ (اذا) جسکا ترجمہ ناگاہ اور فوراً ہے کسی امر کے اچانک اور دفعتاً واقع ہو جانے پر دلالت کرتا ہے چنانچہ عرب کہا کرتے ہیں خرجت فاذا الاسد بالباب یعنی میں نکلا پس ناگاہ شیر دروازہ پر تھا اور یہ اس امر کیطرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قالب انسانی کو مٹی سے بنانیکے بعد منتقل کئے دفعتاً کہ انسان ہی بنا دیا اور وہ فوراً پیدا ہوگیا یہ نہیں ہوا کہ وہ معدن بنا۔ پھر نباتات ہوا۔ پھر حیوان پھر اسکے بعد انسان بنا اور یہ ایک مستقل مسئلہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اول ہی سے انسان بنایا ہے

اور وہ انسان بننے کے ساتھ ہی حیوان اور نامی سب کچھ بنگیا یہ نہیں کہ اول اسکو نامی بنایا ہو پھر حیوان بنایا ہو پھر انسان بنایا ہو پھر انسان بنایا ہو سو حقیقتاً مقصود داول نوع کا پیدا ہے پھر اُن انواع میں اُسی کیفیت کے لحاظ سے اجناس بھی ہو جاتی ہیں سو اللہ تعالی نے مرتبہ اخیرہ ہی کو مقصود ٹھیرایا ہے جو حس عقل سے نہایت ہی بعید ہے یہ نہیں کیا کہ اوپر سے درجہ بدرجہ منتقل کرتے ہوئے اخیر مرتبہ (نوع حقیقی) پر لائے ہوں (ختم ہوئی تقریر علامہ رازی کی) پس یہ امام کی تصریح ہے کہ اس نص سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش بطریق خلق کے مستقل طور پر ہے بطریق نشو کے نہیں ہوئی جیسا کہ آپ لوگوں کا گمان ہے اور باقی نصوص سے بھی بظاہر طریق خلق ہی کا پتہ چلتا ہے پس پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد کے بارے میں طریق خلق ہی پر اعتماد ہے طریق نشو پر نہیں اور نہ انکو ان نصوص کی تاویل کرنا اور انکو انکے ظاہری معانی سے پھیرنا ہی جائز ہے مگر ہاں جب کوئی عقلی قطعی دلیل قائم ہو جائے جو اس بات پر دال ہو کہ اللہ تعالے نے انسان کو بطریق نشو ہی کے پیدا کیا ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا گمان ہے (اور یہ امر کوسوں دور ہے) تو اسوقت البتہ وہ ان نصوص کے ظاہری معانی کی تاویل کرنے پر مضطر ہو جائیں گے جیسا کہ انکے نزدیک عقلی اور نقلی دلیل میں تعارض کی حالت میں تطبیق دینے کا قاعدہ ہے اور اسکے بعد بھی اس امر میں خفا نہیں کہ طریق نشو اگر انکے نزدیک ثابت بھی ہو جائے تو وہ نشو وہ نہیں ہو سکتا جسکے کہ آپ لوگ قائل ہیں اسلئے کہ اگر انکے نزدیک نشو ثابت ہوگا تو وہ یہی کہیں گے کہ نشو اللہ تعالی ہی کے پیدا کرنے سے ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اثبات پر دلیل قائم ہو چکی ہے کہ سوائے خدا کے نہ کوئی خالق ہے اور نہ موثر ہے قوانین قدرت جنسے کہ وہ کام لیتا ہے وہ محض عادی اسباب ہیں۔ اُن میں کوئی ذاتی تاثیر نہیں اور جو نشو آپ مانتے ہیں وہ آپ کے زعم کے اعتبار سے انھیں قوانین قدرت کی ذاتی تاثیر سے ہوتا ہے پس ان دونوں نشوؤں میں زمین آسمان کا فرق ہے یہ بھی سن لیجئے کہ جو دلیلیں آپ اپنی کتابوں میں نشو پر ذکر کیا کرتے ہیں اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو وہ ایسی دلیلیں نہیں ہیں جنکی وجہ سے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان ظاہری نصوص کی تاویل کرنے پر مضطر ہوں اور انھیں نشو کا قائل ہونا پڑے کیونکہ وہ سب ظنی دلیلیں ہیں جنکی بنیاد چند تخمینی چیزوں پر ہے۔ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب تک کہ کوئی یقینی دلیل معارض نہو تاویل کرنے پر مضطر نہیں ہوتے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ پس اگر فرض کر لیا جائے کہ انسان کے بطریق نشو پیدا ہونے پر یقینی و قطعی دلیلوں تک آپ لوگوں کی رسائی ہو گئی اور آپ نے اسلامی دین کا بھی اعتقاد کر لیا جسکی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالی ہی تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اسکے سوا کسی کی کچھ ذاتی تاثیر نہیں۔ تو آپ لوگوں کیلئے بغرض تطبیق ان نصوص کی تاویل کرنے اور انکو انکے ظاہری معانی سے پھیر دینے سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا اور اس طریقہ کو اختیار کرنے سے آپ اسلامی دین سے بھی خارج نہ رہیں گے۔ لیکن میں آپ کو اس غلطی میں پڑنے سے ڈرائے دیتا ہوں کہ کہیں آپ ظنی دلیلوں کو یقینی نہ سمجھ لیجئے گا بلکہ چاہیئے کہ غور و فکر کرکے دلیلوں کو خوب جانچ لیجئے اور پھر آگے قدم

عه نامی سے مراد وہ جسم ہے جس میں نشو و نما ہوتا ہو [illegible] جسم

جز ہے لیکن اس وقت پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جمہور کا یہ قول کہ پہلا انسان (آدم) جنت عدن میں کہ وہ ہماری زمین کے علاوہ ہے پیدا کیا گیا ہے یا بعضوں کا (اور وہ معتزلی ہیں جیسا کہ کنز الاسرار میں ہے) یہ قول کہ وہ ہماری دنیا میں پیدا کیا گیا ہے آپ کے خیال کے معارض واقع ہوگا اسلئے کہ یہ دونوں قول طریق نشو کے موافق نہیں ہیں جنکی بنیاد اسپر ہے کہ وہ اسی زمین میں ہوا ہے پس آپ اُن میں سے بعض علماء (اور وہ منذر بن سعید بلوطی اور ایک بڑی جماعت ہے لوگوں میں جیسا کہ کنز الاسرار میں ہے) کے قول کے موافق اس سے نجات حاصل کرسکتے ہیں اور وہ قول یہ ہے کہ وہ دنیا کی جنتوں میں سے کسی جنت (باغ) میں پیدا کیا گیا ہے اور اس طور پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کے موافق تو آپ ہو جائیں گے جسکی وجہ سے اسلامی دین کی مخالفت آپ سے دور ہو جائیگی اور آپکے خیال کے یہ قول بھی معارض ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان (آدم) کو پیدا کرنے کے بعد اُس سے اُس کی زوجہ کو پیدا کیا اور اُنہی دونوں کو جنت میں ٹھہرایا اور یہ جنت وہی مقام ہے جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو مرنے اور پھر زندہ ہونے کے بعد جزا دینے کا وعدہ کیا ہے اور وہ ہماری زمین کے علاوہ ہے اور یہی جمہور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے پس آپ اُن میں سے بعض (اور وہ ابو القاسم بلخی اور ایک بہت بڑے مفسر ابو مسلم اصفہانی ہیں جیسا کہ امام رازی نے نقل کیا ہے) کے قول کو اختیار کرکے اس سے بھی خلاصی حاصل کر سکتے ہیں اور وہ قول یہ ہے کہ یہ جنت زمین ہی میں تھی اور ان دونوں کا اُس سے اہباط (یعنی اُتارنا) ایک حصہ زمین سے دوسرے حصہ کیطرف منتقل ہونے پر محمول کیا جائیگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں دوسرے مقام پر بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہیں) واقع ہوا ہے کہ تم سب شہر میں اتر جاؤ (یعنی شہر میں چلے جاؤ) اور اگر آپ کو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اکثر کا یہ قول مشکل معلوم ہو تو حالانکہ وہ کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ عقلاً ممکن ہے جو کہ خداوندی قدرت کے تحت میں داخل ہوتا ہے چنانچہ اسی حیوان ہیدرا کو دیکھئے اُسکے تین حصے کردئے جاتے ہیں اور اُنمیں سے ہر حصہ ایک مستقل حیوان بنجاتا ہے جیسا کہ پیشتر گذر چکا ہے لیکن ہم اپنے مقابل کی آسانی کی غرض سے اُسی کے خیال کے موافق گفتگو کرتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان (آدم) کو پیدا کرنے کے بعد اُس سے اُسکی زوجہ (حوا) کو پیدا کیا یعنی اُسکی بائیں جانب کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے کیونکہ اُنکی شریعت کی بعض احادیث صحیحہ میں یہ وارد ہوا ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور نیز بعض جلیل القدر صحابہ نے اس امر کی تصریح بھی کی ہے (اور وہ ابن مسعود اور ابن عباس اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں جیسا کہ تفسیر ابی السعود میں ہے) پس آپ اس سے بھی خلاصی حاصل کرنے کیلئے اس قول کو مان سکتے ہیں جیسے کہ اُن میں سے بعض نے (ابو مسلم اصفہانی نے جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے) اختیار کیا ہے اور اس نص کی تاویل کردی ہے جسمیں یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان اول سے اسکی زوجہ کو پیدا کیا اور وہ تاویل یہ ہے کہ اُسکی زوجہ کو اُس سے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اُسکی جنس سے پیدا کیا جیسا کہ اُنہے (خدا نے) دوسری نص میں کہا ہے (خدا نے) تمہارے[a] نفسوں سے تمہاری ازواج

---

[a] وہ آیت یہ ہے ہو الذی انشأکم ... جعل لکم من انفسکم ازواجا

کو بنایا اور اس مسلک سے آپ ایک قسم کی تاویل کر کے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علما کے ساتھ ہو لئے ہونگے ہیں اور اس سے آپ کی اسلامی دین کے ساتھ ایسی مخالفت نہ ہوگی جس سے آپ انکے پیروی کرنے والوں کی شمار سے خارج کر دئے جاویں اسلئے کہ آپنے کسی ایسی نص کی تکذیب نہیں کی جو مدار اعتقاد ہو اور نہ آپ نے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اجماع کی مخالفت کی جو کسی ایسے امر پر جسکا دین میں بالضرورت ہونا معلوم ہو چکا ہو منعقد ہوا تھا غایت سے غایت آپکے جو روش اختیار کی اسمیں آپ نے اکثروں کی مخالفت کی اور بعض کے موافق ہوئے اور عقلی و نقلی دلیل میں تطبیق دینے کیلئے آپ نے نصوص میں تاویل کی ہم سب کو خدا ہی سیدھا راستہ دکھلانیوالا ہے ۔

پھر سنئے کہ ہماری تقریر سابق کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعتقاد کے بارہ میں اپنی شریعت کی ان نصوص کے ظاہری معانی پر جو کہ مدار اعتقاد قرار پا سکتی ہیں اعتقاد کرتے ہیں کیونکہ شریعت میں ان کا وارد ہونا قطعی ہے اور اگر عقلی ظنی دلیل انکے معارض واقع ہو تو ان کی تاویل نہیں کرتے اور نہ انکو انکے ظاہری معانی سے پھیرتے ہیں لیکن جب عقلی قطعی دلیل انکے معارض واقع ہوتی ہے اسوقت ان کی تاویل کرنے پر مضطر ہوتے ہیں۔ اس تقریر سے دل میں یہ شبہ گذرتا ہے اگر آپ کو کلام اسلامی سامنے پیشکے کی شاید گنجائش نکلے کہ ہم مانتے ہیں کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نصوص قطعی المعنی کے معانی کے اعتقاد کا ترک کرنا جائز نہیں لیکن نصوص ظاہر المعنی جبتک کہ ان میں غیر ظاہر مراد کا احتمال پایا جاتا ہو اگرچہ یہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو اپنے ظاہری معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے ظنی ہیں گو شریعت میں ان کا وارد ہونا قطعی ہو پس یہ نصوص دلالت کے اعتبار سے ان ظنی دلیلوں کے مساوی ہو گئیں کہ جو ہمارے نزدیک قائم ہو چکی ہیں پس کیا وجہ ہے کہ وہ ان نصوص کے ظاہری معانی کو ہماری دلیلوں پر ترجیح دیتے ہیں انکا جواب یہ ہے کہ ہم یوں کہیں گے کہ اگرچہ نصوص ظاہر المعنی کی اپنے ظاہری معنی پر دلالت ظنی ہے کیونکہ ان میں بعید اور غیر ظاہری معنی مراد لینے کا احتمال پایا جاتا ہے لیکن تخاطب اور بول چال میں اصل یہی ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی ہی مراد لئے جاویں نہ کہ غیر ظاہری سوائے اس حالت کے جبکہ کوئی ضرورت اس کی جانب داعی ہو ورنہ بلا کسی ضرورت کے بعید معنی کے ارادہ کرنے سے بول چال میں فساد اور اعتقاد کے اعتبار سے خلل لازم آئیگا اور اصل کو چھوڑنا پڑیگا اور اسمیں جو کچھ خرابیاں ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں پس اسی وجہ سے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر اجماع کر لیا ہے کہ ظاہری معنی ہی پر اعتقاد کرنا فرض ہے اور غیر ظاہری معنی کی طرف التفات کرنا جائز نہیں سوائے اس صورت کے جب کوئی ضرورت اسکی طرف داعی ہو اور وہ ضرورت یہی قطعی دلیل کا معارض واقع ہونا ہے اور اسوا اس کے الفاظ کے غیر ظاہر معنی مراد لینے کیلئے کسی قرینہ کا ہونا ہے اور اسی داعی کی وجہ سے یہی دو صورتیں معنی ظاہر کے ہیں اسی طرح ان کو ان کی شریعت کیجانب سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ظاہری معنی ہی پر اعتقاد کریں اور اسکے خلاف سوائے اس صورت کے کہ کوئی داعی مقتضی موجود ہو التفات نہ کریں پس اگر فرض کیا جائے کہ قبول حق کیلئے ایسی کوئی ضرورت ہے کہ ان کو ظاہری معنی کو چھوڑنا ہی پڑے کسی لفظ کے ظاہری معنی ہی کے معتقد ہیں تو وہ اسی امر کو بجالانے میں کامیاب

گی تھا اور اُنپر کوئی گناہ نہیں ہوا اسی طرح اگر فرض کیا جائے کہ انکے بعد ظاہری معنی سے عدول کرنیکے لئے کوئی مقتضی وداعی ظاہر ہو گیا اور اُنھوں نے اُس نص کو اُسکے ظاہری معنی سے پھیر دیا تب بھی وہ اس امر کے بجا لانے والے ہوئے جسکی اُنھیں تکلیف دی گئی تھی اور اُنپر کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہی اُن کی شریعت کا حکم ہے باقی رہی یہ بات کہ ظاہری معنی سے عدول کرنے کیلئے مقتضی وداعی کا انحصار صرف عقلی قطعی دلیل ہی میں کیوں ہو گیا اُسکی یہ وجہ ہے کہ اس دلیل کے چھوڑدینے سے اس اصل کا چھوڑنا لازم آتا ہے جسکے ذریعہ سے اُنکے رسول کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے اور وہ دلیل عقل ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور عقل کا چھوڑنا شرع کے چھوڑنے کو مستلزم ہے، یا دلیل ظنی کا معارضہ وہ ظاہری معنی کے چھوڑنے کیلئے اسوجہ سے مقتضی وداعی نہیں قرار پا سکتا کہ دلیل ظنی کے چھوڑنے سے عقل کا چھوڑنا نہیں لازم آتا جیسا کہ ظاہر ہے کیونکہ اسمیں غلطی کا بھی احتمال موجود ہے۔ پس اگر وہ ظاہری معنے کو چھوڑدیں اور اُسکے معتقد ہو جائیں جسپر کو دلیل ظنی دلالت کرتی ہے۔ اس صورت میں اُنکے اعتقاد کے غلط ہونے کا احتمال ہے اور اسوقت اُنکو شریعت اس امر میں معذور نہیں رکھ سکتی کیونکہ اسوقت اُنکو ظاہری معنی سے عدول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ اُسوقت اُن کو ضرورت درپیش تھی جبکہ عقلی قطعی دلیل معارض واقع ہوئی تھی علاوہ بریں اگر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم دلیل ظنی کا اتباع کرکے اپنی نصوص کے ظاہری معانی کو چھوڑنے لگیں تو اعتقاد میں بے انتہا خبط لازم آئے اور بڑی گڑبڑ مچ جائے کیونکہ لوگوں کے ظنون اور گمان بکثرت ہیں ہر شخص کچھ نہ کچھ ظن اور تخمین کرتا ہے اور اعتقاد کے بارے میں یقین پر اعتماد کیا جاتا ہے پس امر صواب یہی ٹھہرا کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت کی اُن نصوص کے (جنکا وارد ہونا یقینی ہے) ظاہری معنی کے ساتھ تمسک کریں اور بعض ظنی اور تخمینی باتوں کی وجہ سے اُنکو ظاہری معانی سے نہ پھیریں۔ خدا ہی ہدایت کرنیوالا ہے

اب اسبات کا وقت آپہونچا کہ میں آپ کیلئے اس امر کو بیان کردوں کہ جو دلیلیں اور توجیہات آپ نے طریق نشوء پر اپنی بحث میں بیان کی ہیں وہ سب کی سب ظنی ہیں اُنکی وجہ سے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت کی نصوص کی جنکے ظاہری معنی یہ ہیں کہ تمام کائنات بطریق خلق کے پیدا ہوئی۔ تاویل کرنے پر مضطر نہیں ہو سکتے۔ میرا یہ ارادہ ہرگز نہیں کہ آپنے اپنے اس دعوے کے ثابت کرنے میں جو تقریریں کی ہیں اُن سبکے باطل کرنے اور رد کرنے کے درپے ہو جاؤں کیونکہ اس طرح بات بہت بڑھ جائیگی اور ہمیں اپنی بحث کے موضوع سے جسکے درپے ہم ہو رہے ہیں نکلنا پڑے گا اور اسکے لئے تو ایک بڑی کتاب بننا چاہئے خدا اسکے تصنیف کرنے میں میری مدد کرے۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کیلئے اس امر کو بیان کردوں کہ نشوء کے بارہ میں دلیلوں اور توجیہوں کا جس امر پر مدار ہے تو ظن و تخمین اور احتمال سے اس کا درجہ نہیں بڑھا اور صرف اسی سے ہماری غرض حاصل ہو جائیگی۔ پس میں کہتا ہوں کہ طریق نشوء یعنی انواع کے ایک اصل سے نکل کر ترقی کرنے پر استدلال کے بارہ میں سب سے بڑی چیز جس پر آپ لوگوں کا اعتماد اور آپ کے استدلال کا مدار ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں نے کچھ اعضا کے نشانات بعض حیوانات میں مشاہدہ کئے کل یا اکثر میں بھی نہیں۔ اور وہ ایسے اعضا کے آثار تھے جو کہ حیوانات میں پائے

جاتے ہیں شناپیروں کے غیر مکمل نشانات پس آپ لوگ کہتے ہیں کہ اگر یہ مانا جائیگا کہ ہر نوع مستقل طور پر پیدا ہوئی جیساکہ طریق خلق کے ماننے والوں کا مذہب ہے تو لازم آئیگا کہ ان آثار کا کوئی فائدہ ہی نہ ہو۔ کیونکہ مذہب خلق کا یہ مقتضا ہے کہ ہر نوع کیلئے جتنے اعضا کی ضرورت ہے اسمیں اتنے ہی اعضا موجود ہوں کچھ کمی و بیشی نہ ہو اور سب کے سب کام کے ہوں اور ان ناتمام آثار میں حالت موجودہ کے اعتبار سے کوئی بھی فائدہ نہیں پس معلوم ہوا کہ یہ ان اعضا کے آثار رہگئے جو اس سے پیشتر کی نوع میں تھے اور انکے ضروری تھے پھر جب اس نوع پر ایسے تغیرات طاری ہوئے جنکا یہ مقتضا تھا کہ ان اعضاء کی ضرورت نہ ہو تو وہ نابود ہونے لگے یہاں تک کہ اب انکا صرف نشان باقی رہگیا یا یہ نوع ان اعضا سے خالی تھی پھر اس پر ایسے تغیرات طاری ہوئے کہ جو اسکو اس قابل بنا دیں کہ وہ دوسری نوع بنجائے جسمیں ان اعضاء کی جگہ کہ یہ نشانات ہیں ضرورت ہو پس اسمیں یہ آثار ظاہر ہونا شروع ہوگئے ہیں خلاصہ یہ کہ یہ آثار یا تو ان اعضاء کے آثار ہیں جو کہ پیشتر تھے اور اب معدوم ہونے لگے ہیں۔ اور یا ان اعضاء کے مبادی ہیں جو آئندہ مکمل ہوجائیں گے بہرحال دونوں صورتوں میں انواع میں تبدیلی واقع ہوتا اور ایک نوع کا دوسری نوع کیجانب منتقل ہونا ثابت ہوجائیگا اور یہی امر اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ طریق نشو اور انواع کا ترقی کرنا صحیح ہے ورنہ پھر یہ آثار کس کام کے۔ طریق نشو و ارتقا کے صحیح ہونے پر استدلال کرنے کے بارے میں جس پر کہ آپ نے اعتماد کیا ہے اسمیں سے ایک یہ دلیل بھی ہے کہ آپنے علم جیالوجی کی تحقیقات میں طبقات ارض میں سے سب سے پہلے اور نیچے کے طبقہ میں ادنیٰ درجہ کے نبات اور ادنیٰ درجہ کے حیوان کے آثار پائے پھر انکے بعد کچھ ترقی یافتہ پھر اور ترقی یافتہ یہانتک کہ سب سے بڑھکر ترقی یافتہ وہ نبات اور حیوان ہوگا جسکا وجود سب کے بعد ہوا اور طبقات ارض میں سے سب سے اوپر کا طبقہ اسکی پیدائش کی جگہ ہے اور ادنیٰ درجہ کے نبات ورنیا اپنی ترقی یافتہ نوع کے وجود کے بعد نابود ہوگئے پس اگر مذہب خلق ہی صحیح ہوتا تو چاہئے تھا کہ ہر نوع خواہ ادنیٰ درجہ کی ہوتی یا ترقی یافتہ جیالوجی کے پہلے درمیانی۔ اور آخری سب زمانوں میں پائی جاتی اور زمین کے طبقوں میں سے خواہ نیچے کا ہوتا۔ یا درمیانی یا اوپر کا سب میں انکے آثار پائے جاتے لیکن ایسا نہیں ہے۔ پس اگر یہ مانا جائے کہ موجودہ انواع ایک دوسرے سے ترقی کرکے بنی ہیں جس بنا پر اصل موجودات ادنیٰ طبقہ کی انواع قرار پاوینگی پھر وہی ترقی کرتے کرتے حالت موجودہ تک پہنچیں اور ترقی یافتہ انواع ادنیٰ درجہ کی انواع کو تنازع بقا کے قانون کے موافق نابود کرتی ہیں تو یہ حالت ہرگز نہ ہوتی جیساکہ ہماری تحقیق ہے پھر آپنے اس ترقی کرنے۔ انواع کے ایک دوسرے کیجانب منقلب ہونے اور ادنیٰ درجہ کی انواع کو ترقی یافتہ انواع کو نیست و نابود کرنے کو چار قدرتی قوانین کے حوالہ کیا ہے۔ پہلا قانون وراثت ہے یعنی نوع اپنی اصل کی صفات کو وراثتاً حاصل کرتی ہے دوسرا قانون تناقضات ہے یعنی ہر نوع کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی اصل کی صفات وراثتاً حاصل کرنے کے ساتھ ہی اپنی اصل سے دوسری صفات میں مختلف اور مبائن بھی ہو۔ تیسرا قانون تنازع بقا ہے یعنی انواع میں باہم زندگی بسر کرنیکے اسباب میں حفاظت حاصل کرنے کیلئے منازعت واقع ہوتی ہے اور انپر خارجی صدمات جیسے کہ گرمی و سردی طاری ہوتے

ہیں اور ضعیف بباعث قوی کے غالب ہونے کے یا بسبب صدمات کے ہلاک ہو جاتا ہے اور قوی جو ان صدمات کو برداشت کر سکتا ہے باقی رہتا ہے۔ چوتھا قانون انتخاب طبعی ہے یعنی قوی اور زیادہ مناسب ہی باقی رہتا ہے ضعیف اور غیر مناسب نابود ہو جاتا ہے پس اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ طبیعت نے انواع موجودہ کو انتخاب کیا ہے اور آپ انھیں قوانین کے موافق نشو و ارتقاء کی تقریر کرتے ہیں چنانچہ آپ کہتے ہیں کہ جاندار اجسام میں سے جو شے سب سے پہلے موجود ہوئی وہ طحون اول یعنی پروٹوپلازم ہے جو ذرات مادہ کی حرکت کے باعث سے بعض عناصر کے اجتماع سے بنا پھر اس میں توالد ہونے لگا پس اس کے فروع وراثتاً اس کے صفات حاصل کرنے لگے اور دوسری صفات میں اس سے مباین اور مختلف ہونے لگے اور اسی طرح سے فروع کا یہ حال اصل کے ساتھ جاری رہا اور اس سبب سے ترقی ہوتی رہی یہاں تک کہ ادنیٰ درجہ کی نبات اور حیوان تک نوبت پہونچی اور یہی حالت ہمیشہ رہی یعنی مادہ اور اس کی فروع کی صفات اصول کو وراثتاً حاصل کرنے اور دوسری صفات میں ان سے مختلف ہونے اور ان تباینات کے جو کہ وراثتاً حاصل کئے گئے کثرت پانے کی وجہ سے یہاں تک نوبت پہونچی کہ انواع بنے اور ایک دوسرے سے نکلنے لگیں اور تنازع بقا کے ذریعہ سے ضعیف ہلاک ہوتا رہا اور قوی باقی رہا اور طویل زمانہ گذرنے پر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انتخاب طبعی حاصل ہو گیا اور ان سب امور سے انواع حالت موجودہ تک پہونچ گئیں حالانکہ سب کی اصل ایک ہی ہے۔ اور جب آپ نے دیکھا کہ انسان بندر کے مشابہ ہے بصورت اور بعض اعمال کے اعتبار سے اسی کے قریب قریب ہے تو آپ اس کے قائل ہوگئے کہ اس سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا کہ وہ دونوں ایک ہی اصل کے ہوں اور انسان ترقی کرکے حالت موجودہ تک پہونچ گیا ہو اور میں نے آپ کے بعض مقابلین کو جو اس مذہب کو نہیں مانتے دیکھا ہے کہ انھوں نے بڑی لمبی چوڑی تقریروں سے ان امور کو باطل کیا ہے جن پر کہ آپ کی دلیلوں کا اس بارہ میں مدار ہے اور آپ حیلہ اور حوالہ کرکے ان سے جان بچاتے ہیں اور اپنے مذہب کے ثابت کرنے کیلئے دلائل بیان کرتے ہیں۔ اس بارہ میں آپ کا ان سے بہت ہی طول طویل مناظرہ ہوا ہے اور اس بارہ میں بہت سی کتابیں اور رسالے تالیف ہوئے ہیں اور میں بخوف طوالت اس امر کے درپے نہیں ہونا چاہتا جس کے درپے آپ کے یہ مقابلین ہوئے لیکن میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ کیلئے اس امر کو بیان کروں کہ طریق نشو اور انواع کے ترقی کرنے کے بارہ میں جن امور پر آپ کے استدلال کا مدار ہے وہ محض ظنی امور ہیں جن پر کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اعتقاد کے بارے میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور نہ یہ امور ان کی شریعت کے ظاہری نصوص کے مقابل قرار پا سکتے ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ ان کی تاویل کرنے پر مضطر ہوں کیونکہ تاویل کرنے پر ان کو سوائے امر یقینی کے معارضہ کی اور کوئی چیز مضطر نہیں کر سکتی جیسا کہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں۔

پس میں کہتا ہوں کہ جب دلیل میں احتمال نکل سکتا ہو خواہ وہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو تو اس دلیل سے استدلال یقینی ساقط ہو جاتا ہے اور یہ ایسی بات ہے جس میں سے کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ اور نہ میں آپ کی نسبت ایسا گمان کرتا ہوں کہ آپ اس سے انکار کریں گے۔ پس جب یہ امر قرار پا چکا تو اب سنئے کہ آپ کا نشو و ارتقاء کے نشانات سے یہ استدلال کرنا کہ وہ انواع کے تغیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ مذہب نشو کے موافق اور مذہب خلق کے مخالف ہے یہ ایسا استدلال ہے کہ جس کا نتیجہ

سوائے ظن کے اور کچھ نہیں نکلتا اور یقین تو کسی طرح پر ہو ہی نہیں سکتا اسلئے کہ انہیں اور بھی احتمال پایا جاتا ہے کیونکہ کوئی کہہ دیگا
کہہ سکتا ہے کہ ان اعضا کے نشانات میں ممکن ہے کہ کوئی فائدہ اور کوئی ایسی حکمت ہو جو آپ پر مخفی ہو جیسے کہ اجسام نباتات
اور حیوانات میں بکثرت چیزوں کے ایسے فوائد ہیں جو آپ پر مخفی رہے ہیں جیسا کہ فزیالوجی کی کتابوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے
مثلاً حیوان کے بدن میں ایک رنگین مادہ کو دیکھئے اسکا فائدہ اکثر اجزاء بدن میں کچھ بھی نہیں معلوم ہوا ہاں صرف آنکھ کی تپلی میں
اسکے فائدہ کا پتہ لگا ہے چنانچہ رنگین مادہ کی آنکھ کی تپلی میں یہ حکمت ہے کہ جو نوری شعاعیں زائد ہوں انھیں وہ چوس لے
اور ایسے ہی اور بہت سی اشیاء ہیں پس آپ کائنات میں سے ہر شے کے فائدہ پر حاوی نہیں ہیں یہاں تک کہ آپ یہ یقین
کرلیں کہ ان اعضاء کے نشانات میں کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اچھا مانا کہ اُن میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ کہ وہ نوع کے متغیر
ہونے پر دلالت کرتے ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تو صرف بعض انواع میں موجود ہیں کُل میں تو یہ آثار نہیں پائے جاتے یہاں تک
کہ آپ کُلی حکم لگا سکیں۔ بلکہ کیا معنی اکثر انواع میں بھی تو انکا وجود نہیں پس اس سے کونسا امر مانع ہوسکتا ہے کہ یہ تغیر صرف
بعض انواع میں ہوا ہو اور یہ وہی انواع ہونگی جنمیں ان اعضاء کے نشانات دیکھے گئے پس اُن میں سے بعض انواع بعض
کیجانب خدا کے مقرر کردہ اسباب کیوجہ سے بدل گئے ہوں باقی رہیں وہ انواع کہ جنمیں یہ اعضاء نہیں پائے گئے وہ مستقل طور
پر پیدا ہوئی ہوں اور اُنپر یہ تغیر طاری نہ ہوا ہو پس مذہب نشو جس کے آپ لوگ عموماً ہر نوع میں قائل ہیں وہ ثابت
نہ ہوا۔ مثلاً ممکن ہے کہ اس قسم کا تغیر سانپوں کی نوع میں جنمیں آپنے اعضاء کے نشانات پائے ہیں واقع ہوا ہو۔ پس شاید اجداد
میں حرذون[عہ] کی طرح پیروں والا ہو پھر جب انسان یا کسی اور حیوان کو اس سے تکلیف پہونچی ہو تو وہ اسکے قتل پر مسلط ہوگیا
ہو پس اس وجہ سے وہ زمین کے سوراخوں میں اس سے ڈر کر ادھر اتر رہا ہو اور زمین میں گھسا کرتا ہو اور اس حالت میں
ضرورت نہ پڑنے کی وجہ سے اُس نے پیروں کا استعمال بالکل چھوڑ دیا ہو پس زمانہ دراز گذرنے کے بعد خدا نے اس عادی
سبب سے اُس کی خلقت کو بدل دیا ہو اور یہ تبدیلی اُس کی ذریت میں منتقل ہونے لگی اور اُس کے پیر بالکل معدوم ہونے لگے
ہوں یہاں تک کہ حالت موجودہ تک نوبت پہونچ گیا ہو اور صرف پیروں کے نشانات باقی رہگئے ہوں و یہاں پر کچھ گنجائش
معلوم ہوتی ہے کیونکہ بعض حادی اخبار میں ابن عباس ابن وہب اور انکے علاوہ اور مفسرین سے یہ منقول ہے کہ سانپ
جنت کے حیوانات میں سے تھا لیکن چونکہ شیطان کے جنت میں داخل ہونیکا یہ ذریعہ بنا تاکہ وہ آدم علیہ السلام کے دل میں
وسوسہ ڈالے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُسکو زمین پر اتار دیا اور اُسکی صورت بگاڑ دی ورنہ وہ بڑا خوبصورت چار پیروں والا جانور تھا
(اسکو کنز الاسرار میں نقل کیا ہے) اسی طرح باقی جانوروں کی نسبت بھی کہا جا سکتا ہے جنمیں کہ اعضاء کے یہ نشانات پائے جاتے
ہیں۔ باقی رہیں اور انواع اور وہی تعداد میں زیادہ ہیں ہم کہتے ہیں کہ اُن میں اس قسم کی ذرا بھی تبدیلی نہ واقع ہوئی ہو بلکہ وہ
جیسی پیدا ہوئی تھیں ویسی ہی ہوں پس اس تقریر کی بنا پر آپ لوگوں کا جملہ انواع پر تغیر اور نشو سے پیدا ہونیکا حکم لگانا غلط

عہ حرذون سوسمار نما جانور است مشابہ بحرباوان در نواحی مصر خیزد ۱۲ منتہی الارب

نوٹ: علم جیالوجی کی ترقی نشو پر استدلال مبنی دو مسئلے

ظن پر مبنی ہے گا جو کہ استقراء ناقص کا نتیجہ ہے (اور ظاہر ہے کہ استقراء ناقص سے یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ اگر کچھ آدمی سمندروں اور دریاؤں سے دور کے میدانوں میں رہنے والے مانے جائیں اور انھوں نے سوائے خشکی کے جانوروں کے جو کہ پانی میں نہیں رہتے اور جانور نہ دیکھے ہوں اور وہ انھیں جانوروں کو دیکھکر اور اپنے اسی استقراء سے یہ حکم لگانے لگیں کہ کوئی جاندار پانی میں رہتا ہی نہیں تو انکا یہ استقراء بھی ناقص ہوگا اور انکا یہ حکم لگانا غلط ٹھہریگا چنانچہ جب وہ سمندروں اور دریاؤں کے کنارے پر آکر دریائی جانوروں کو دیکھیں گے تو انکو اپنے پہلے حکم کی غلطی بخوبی معلوم ہو جائیگی)

یہ تو ہو چکا پھر علم جیالوجی کی تحقیقات میں آپ کا یہ مشاہدہ کہ طبقات ارض میں سے سب سے پہلے طبقہ میں ادنیٰ درجہ کی نبات اور ادنیٰ درجہ کے حیوان کے آثار پائے جاتے ہیں پھر اس کے بعد اس سے ترقی یافتہ پھر اور ترقی یافتہ حتی کہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ حیوان و نبات طبقات ارض میں سے سب سے آخری طبقہ میں ہے اور انکے وجود کا زمانہ بھی سب سے متاخر ہے اور یہ کہ سب سے ادنیٰ درجہ والا پہلے معدوم ہوا پھر انکے بعد اب جو ادنیٰ درجہ کا تھا۔ اسی طرح آپ کی کل سابق الذکر تقریر اور اس سے آپ کا ترقی اور نشو پر استدلال کرنا اور یہ کہ یہ تحقیق مذہب خلق کے موافق نہیں ہو سکتی ان سب امور کی نسبت میں کہتا ہوں کہ جیالوجی کی تحقیقات میں اس کیفیت کی دلالت اگر نشو اور ترقی انواع پر تسلیم بھی کیجائے تو بھی وہ ظنی ہوگی کیونکہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ طبقات ارض میں سے سب سے پہلے طبقہ میں ادنیٰ درجہ کی نبات اور ادنیٰ درجہ کا حیوان پایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے اعلیٰ درجہ کی نبات اور حیوان کو مستقل طور پر پیدا کر دیا۔ اور اپنے سے ادنیٰ درجہ کی کسی نوع سے کوئی نوع نہیں بنی پھر ادنیٰ درجہ والی نوع کو دنیاوی اسباب کیوجہ سے ہلاک کر دیا مثلاً اسوجہ سے کہ زمانہ کا وہ دور اس نوع کے مناسب نہیں باقی رہا بلکہ صرف انکے بعد والی نوع کے مناسب ہو گیا یا اعلیٰ درجہ کی نوع کو اس ادنیٰ درجہ کی نوع پر غلبہ حاصل ہو گیا یا اس کے سوا اور کچھ اسباب پائے گئے پھر زمانہ کے دوسرے دور میں اس نوع سے اعلیٰ درجہ کی نوع کو مستقل طور پر پیدا کیا وہ بھی اپنے سے ادنیٰ درجہ کی نوع سے نہیں بنی پھر اسکو بھی اور دنیاوی اسباب کیوجہ سے نابود کر دیا جیسا کہ پیشتر گذرا پھر انکے بعد والے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ اعلیٰ درجہ کی نوع کو مستقل طور پر پیدا کیا پھر اسکو بھی ہلاک کر دیا اسی طرح سلسلہ جاری رہا یہانتک کہ یہ نوبت پہونچی کہ نبات اور حیوان کی موجودہ انواع مستقل طور پر بن گئیں اپنے سے کم درجہ کی نوع سے کوئی نوع نہیں بنی اور خدا نے موجودہ انواع سے پیشتر کی انواع کو اسی قسم کے دنیاوی اسباب سے نابود کر دیا۔ صرف طبقات ارض میں انکے نشانات اور آثار باقی بچ گئے تھے جب تک یہ احتمال قائم ہے تو تحقیقات جیالوجی سے ترقی اور نشو پر آپ لوگوں کا استدلال کیونکر یقینی ہو سکتا ہے اور اس احتمال کی رو سے علم جیالوجی کی تحقیقات مذہب خلق کے مخالف بھی نہیں رہتیں اور اس بات کی نظیر کہ جیالوجی کے زمانوں میں انواع حیوانات اور نباتات کا مستقل طور پر وجود ہوا ایک دوسرے سے نہیں بنیں بلکہ ہر درجہ کی انواع اپنے زمانہ کے مناسب پائی گئیں یہ امر ہے جسکا کہ ہم ہر سال مشاہدہ کرتے ہیں کہ نباتات اور حیوانات میں سے بہتیرے جبکہ جاڑے کی فصل ختم ہوتی ہے اور

فصل ربیع اور گرمی کی آمد آمد ہوتی ہے پیدا ہو جاتے ہیں چنانچہ اس وقت جو سب سے پہلے پیدا ہوتی ہے وہ ادنی درجہ کی نباتات
جیسے کہ کائی اور گھاس ہیں پھر جوں جوں گرمی (ایک درجہ خاص تک) زیادہ ہوتی جاتی ہے اُتنی ہی زیادہ اعلی درجہ کی
نباتات پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ اسی طرح حیوانات میں سے جو سب سے پہلے پیدا ہوتا ہے یا انڈے سے اسکا بچہ نکلتا ہے وہ ادنی
درجہ کا حیوان ہے جیسے کہ وہ حیوانات جو بدبو سے پیدا ہوتے ہیں اور مچھر اور مکھی وغیرہ۔ پھر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ ترقی کرتا جاتا ہے
یہاں تک کہ اعلی درجہ کی نباتات اور حیوانات کی پیدائش کا زمانہ آجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان انواع میں سے کوئی
ایک دوسرے سے نہیں بنی ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس مدت میں جو انواع پہلے خلق ہیں جوں جوں گرمی اُس خاص
درجہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے اُن میں سے بہت سی انواع دنیاوی اسباب سے ہلاک ہوتی جاتی ہیں جیسے کہ اُن میں گرمی کا
تاثیر کرنا یا اُن انواع کا اُنپر غلبہ حاصل کرنا جو بعد میں ہونے والی ہیں اور جب گرمی کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو غالباً سوائے
اُن اعلی درجہ کی انواع کے کہ جو اس مدت کی پیدا شدہ انواع میں منتخب شمار ہوتی ہیں اور سب ہلاک ہو جاتی ہیں اور
جو ہلاک ہوتی ہیں زمین میں اُنکے آثار باقی رہجاتے ہیں پس یہ سالانہ کیفیت علم جیالوجی کی اُس حالت کے مشابہ اور مماثل
ہے جسے کہ آپ نے اپنی تحقیقات سے دریافت کیا ہے یعنی پہلے ادنی درجہ والی نوع کا وجود ہوا پھر اُس سے اعلی درجہ
کی نوع کا پھر اُس سے بھی اعلی کا یہاں تک کہ یہ سلسلہ انواع موجودہ تک پہونچگیا اور اُنکے پیشتر کی ساری انواع ہلاک
ہوگئیں پس نشو پر علم جیالوجی کی تحقیقات سے آپ لوگوں کا استدلال بالکل ساقط ہوگیا جیسا کہ منصف کے نزدیک واضح ہے
پھر چاروں قدرتی قوانین جنپر آپ نے اس ترقی اور نشو کو حوالہ کیا ہے دلیلیں نہیں ہیں جو ان دونوں امر پر قائم کی گئی
ہوں بلکہ عالم نبات اور حیوان میں جس ترقی اور نشو کا واقع ہونا مانا گیا ہے اُس کی توجیہ کیلئے آپ لوگوں نے ان قوانین
کو ذریعہ ٹھیرایا ہے اسلئے میں آپ کے ساتھ گفتگو کرنیمیں اس روش کو نہیں اختیار کرتا جسے کہ آپ کے مخالفوں نے اختیار
کیا ہے اور اُن قوانین کے ابطال کے درپے ہوگئے وہ آپ اُن کے مقابلہ میں اُنکو ثابت کرنیمیں مصروف ہوئے بلکہ میں آپ کے
سامنے صرف یہ بیان کرونگا کہ دیکھئے یہ قوانین کس درجہ تک پایۂ ثبوت کو پہونچے ہیں اور بر تقدیر ثابت ہونے کے اُن سے
کس مرتبہ کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے پس میں کہتا ہوں کہ اصول کی صفات کو فروع کا ورثتاً حاصل کرنا تو ایک کھلی ہوئی بات ہے
جس کا پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز انکار نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے پیدا کرنے سے اسکا حاصل ہونا ہر طرح ممکن ہے
خواہ بذریعہ اسباب عادیہ کے ہو یا نہ ہو۔ علی ہذا القیاس تنازع البقا کا قانون وہ بھی ایسا ہے جسکے ہونے سے کوئی امر مانع نہیں ہے
اور نہ اسکا اس نتیجہ سے انکار ہو سکتا ہے کہ بعض انواع باقی رہتی ہیں اور بعض ہلاک ہو جاتی ہیں گو ہر حالت میں اسکا
مرجع اللہ تعالی ہی کی طرف ہے علاوہ بریں ہم اس قانون کو مخلوقات میں حتی کہ انسان کے اصناف میں بھی آج تک مشاہدہ
کرتے چلے آتے ہیں لیکن یہ دونوں قانون تو ایسے ہیں کہ خواہ نشو کے ساتھ پائے جائیں یا خلق کے ساتھ کوئی خرابی نہیں
لازم آتی دونوں امر ممکن ہیں۔ اور جب یہ بات ٹھیر چکی اس سے کوئی بھی مانع نہیں ہوسکتی ہے کہ تمام انواع مستقل طور پر پیدا ہوں

اور باوجود اسکے فرع اپنے اصول کی صفات کو وراثتًا حاصل کریں اور باقی رہنے کیلئے باہم انواع میں منازعت واقع ہو پس قوی باقی رہے اور ضعیف ہلاک ہو جائے اور پھر بھی ہر نوع انہیں سے مستقل طور پر پیدا ہوئی ہو کسی دوسری نوع سے نہ بنی ہو اب رہا قانون تباینات اور وہ یہ ہے کہ ہر فرع گو اپنی اصل کی صفات وراثتًا حاصل کریگی لیکن تاہم اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ کچھ دوسری صفات میں اپنی اصل کے ساتھ مبائن بھی ہو یہ وہ قانون ہے جسمیں آپ کے مخالفوں نے آپسے یہ حجت کی ہے کہ جو تباینات فرع میں پیدا ہو جاتے ہیں وہ عرضی ہیں جوہری نہیں ہیں یہاں تک کہ وہ نوع بدل جائے اور اور دوسری نوع بنجائے اور آپنے یہ جواب دیا ہے کہ لاکھوں برس کے گذر جانے کے بعد یہ تباینات بار بار اور پے در پے ہوتے ہوتے جوہری بنجاتے ہیں اور پھر اُن سے نوع کا بدل جانا اور دوسری نوع بنجانا لازم ہو جاتا ہے اور آپ اُسکے اس بحث میں بہت کچھ الجھے ہیں اور محض تطویل لاطائل کر کے رائی کا پہاڑ بنا دکھایا ہے اب میں کہتا ہوں کہ قانون تباینات یعنی یہ کہ فرع اُن صفات کے اعتبار سے جو اُس کی اصل میں نہیں ہیں اپنی اصل سے مبائن ہوتی ہے نباتات اور حیوان میں مشاہدہ کیا گیا ہے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اللہ تعالی نے اس قانون کو مخلوقات میں مقرر کیا ہے تاکہ باہم اُن میں تمیز پایا جائے کیونکہ اگر تمام انواع کے افراد میں سے ہر نوع کے تمام افراد ایک ہی صورت پر ہوتے تو باہم ان میں بڑا اشتباہ پڑتا اور نظام عالم میں خلل عظیم واقع ہو جاتا کہ جس کی انتہا ہی نہیں کوئی شخص نہ اپنے بیٹے کو پہچانتا نہ اپنی زوجہ کو اور نہ وہ دونوں اس کی شناخت کر سکتے اسی طرح کے اپنے اور غیر کے گھوڑے میں بھی تمیز نہ ہوتی اور اسکی وجہ سے معاملات میں جو خرابی آتی اور لوگوں کے جو حقوق تلف ہوتے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اور یہ قانون تو نباتات یا حیوان کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ اسکو اصول و فروع کے ساتھ کوئی خصوصیت حاصل ہے بلکہ دنیا کی تمام موجودات میں یہ قانون عام طور پر پایا جاتا ہے چنانچہ آپ کوئی ایسی شے نہ دیکھیں گے جو دوسری شے کے ساتھ پوری پوری مشابہت رکھتی ہو چاہے وہ اسکی نوع ہو یا نہ ہو۔ یہاں تک کہ انسانی مصنوعات میں بھی اس قانون کا وجود ہے چنانچہ آپ کسی کتاب کو دوسری کتاب کے ساتھ پورا پورا مشابہ ہرگز نہ پائیں گے اگرچہ اُن دونوں کے بنانے والے اُنکے پورے طور سے مشابہ بنانے میں کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی ہو ایک ہی طرح کے ورق لگائے ہوں ایک ہی مطبع میں چھاپا ہو۔ اسی طرح آپ کسی پیالہ کو دوسرے پیالہ کا بالکل مشابہ نہ دیکھیں گے بلکہ ضرور کچھ نہ کچھ فرق و تباین موجود ہوگا گو وہ کتنا ہی مخفی کیوں نہ ہو اور بغیر باریک بینی سے کام لئے ہوئے نہ معلوم ہو سکتا ہو اور یہ امر محض لطف خداوندی ہے جو اُسنے باہم تمیز کرنے کیلئے مقرر کر دیا ہے جیسا کہ ہم نے کہا پس تمام موجودات میں تباین کا ہونا اور فرق کا پایا جانا پیدا کرنیوالے کی جانب سے عطا کیا ہوا ایک دینی قانون ہے طبعی قانون نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں کیونکہ اگر فرع اور اصول کو طبعی نظر سے دیکھا جاوے تو فرع کا یہی حق اور اُسکے لئے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصل کے پوری پوری موافق ہو اور اسکی ساری صفات کو وراثتًا حاصل کرے اور کسی شے میں بھی اُس کے ساتھ مبائن نہ ہو ہاں جب اسکا کوئی عارضی سبب پایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب تباین

اتفاق ہو کہ مشابہت پیدا کرنے کے تمام اسباب متحد ہوں تو اسوقت دو چیزوں کے درمیان تباین کا پایا جانا ذرا بھی بُرا نہیں انتہا نہ اصل اور فرع کے مابین اور نہ اُن دونوں فرزند کے درمیان جنکے بننے کے تمام اسباب متحد ہوں جیسے کہ دو جُڑواں بچے جو کہ ایک ہی تھیلی اور ایک ہی جھلی میں پیدا ہوئے ہوں پھر اُن کی پرورش کرنے کے تمام اسباب بھی یکساں رکھنے میں انتہا درجہ کی باریک بینی سے کام لیا گیا ہو تا ہم ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ اُن دونوں میں ضرور فرق وتباین پایا ہی جاتا ہے اور اسوقت تباین اور فرق کیلئے وہی اسباب ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالنا جیساکہ میں نے آپ لوگوں میں سے بعض کو سُنا ہے وہ نرا تکلف ہی تکلف ہے اور انصاف کے دائرہ سے بالکل خارج ہے ۔

جب آپ یہ جان چکے تو ہم کہتے ہیں کہ اس سے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے کہ فرع کا اپنے اصول سے متباین ہونا جسپر کہ آپ لوگوں نے زمانہ دراز میں نوع کے بدل جانے اور بدل کر دوسری نوع بنجانے کے بارہ میں اعتماد کیا ہے ایسے تین حد تک ہو جس سے کہ ایک نوع دوسری نوع کی جانب نہ نکل سکے اور اتنی مقدار سے باہم افراد میں تمایز قایم رہنے کا فایدہ بھی پورا ہو جاتا ہے پس ممکن ہے کہ اللہ تعالی نے کسی نوع کے پہلے فرد کی فرع کو اس سے چند صفات میں متباین بنایا ہو ۔ اور علی ہذا القیاس ان فرع کی فرع کو بھی اسی طرح یہ تباین سلسلہ نسبی میں لاکھوں ہی افراد اور صورتوں میں جاری ہوتا ہوا ایسی حد تک چلا جائے جس سے ایک نوع دوسری نوع کیجانب نہ نکلے اور پھر خدا تعالی فرعوں میں اس سلسلہ کو از سرنو شروع کرے اور ان کے اجداد و پیشین کی صورتیں اُن کو عطا کرنے لگے ۔ اسی طرح اسوجہ سے کہ فروع نے اپنے اجداد کی صورتیں آخر کار دوبارہ حاصل کریں دوسرا دور بھی ختم ہو جائے پھر اسکے بعد آنیوالی فرعوں میں بھی یہی کار روائی ہوتی رہے یہانتک کہ اس نوع کا یا اس عالم کا خاتمہ ہو جائے اور کیا عجب کہ یہ امر ہمارے بعد کی آیندہ نسلوں کے نزدیک بالکل مدلل ہو جاتا کیونکہ زمانہ حال کے لوگوں کی عکسی تصاویر انکے ہاتھ لگ جائیں پھر جب وہ ان تصویروں کا اُن نوع کے ساتھ مقابلہ کرینگے جو انکے زمانہ میں ہوں تو انپر ظاہر ہو جائے کہ ان کے اجداد و پیشین کی صورتیں انکے زمانہ کی موجودہ نسل میں پائی جاتی ہیں ۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ اصول اور فروع میں ادنی سے تغیر کیوجہ سے صورتیں اور شکلیں متعدد کثرت سے ہو جاتی ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کیفیت کی صورتیں جنکو ہم نے بیان کیا تھا نہایت کثیر تعداد میں ہو سکتی ہیں اور پھر بھی اُن کی وجہ سے ایک نوع کا دوسری نوع کیجانب نکل جانا ضروری نہیں ہوتا کیونکہ وہ تعداد محدود ہے جیساکہ ہمنے فرض کیا ہے اسی نوع انسانی کو دیکھئے کہ روئے زمین پر انکے لاکھوں ہی افراد پائے جاتے ہیں اور پھر انمیں کیسا وسیع فرق اور تباین پایا جاتا ہے جیسے درمیان زنگی اور رومی کے ۔ کیا اس تباین اور فرق نے کسی صنف کو انکی نوع سے خارج کر دیا اور خارج کرکے اُسے دوسری نوع بنا دیا؟ ہرگز نہیں ۔ اور آپ لوگ اس سے تعجب نہ کریں کہ فروع اپنے اجداد پیشین کی صورتیں کیسے پھر حاصل کریں گی کیونکہ آپ ایسے ہی قدرتی قانون کے قائل ہو چکے ہیں اور وہ قانون (اتانیسم) ہے یعنی دادا کیجانب راجع ہونا ۔ اور بعض اہل سائنس اسکا نام دورہ رائی یا رجعت رکھتے ہیں یہ آپکا

سکتے ہیں کہ بعض صفات کبھی بعض اقوام میں مخفی رہتی ہیں پھر انکے بعد اُن کی اولاد میں ظاہر ہو پڑتی ہیں مثلاً جب کوئی حبشی کسی روسی عورت سے شادی کرے تو بعض اوقات اُس کی اولاد عورت کیطرح گوری ہوتی ہے۔ پھر کچھ نسلیں گذرنے کے بعد کبھی کبھی بعض اولاد میں اُن کے اس حبشی دادا کی صفات اور ساخت ظاہر ہو پڑتی ہیں اور اسی طرح یہ قانون عادات۔ اخلاق اور امراض میں بھی جاری ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ فروع اور اصول میں تباینات کا محدود ہو کر پایا جانا اور پھر انھیں کا مکرر ہونا ہم نے جو فرض کیا ہے ایک ممکن الوقوع امر ہے جسکو عقول جائز رکھتی ہیں قابل ترک نہیں خیال کرتیں اور شریعت محمدیہ میں بھی ایسا مضمون وارد ہوا ہے جس سے اس امر کیجانب اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اجداد کی صورتیں فروع کیجانب رجوع کرتی ہیں چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو مخاطب کر کے یہ قول فی ای صورۃ ماشاء رکبک (یعنی جس صورت میں چاہا خدا نے تجھے ترکیب دیدیا) ارشاد فرمایا ہے اس کی تفسیر میں صاحب شریعت (رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام) سے منقول ہے کہ نطفہ جب جسم میں قرار پاتا ہے تو اُس کے اور آدم کے مابین جتنے لوگ سلسلہ نسب میں ہیں خدا سب کی صورتوں کو حاضر کر دیتا ہے اور جس شبیہ میں چاہتا ہے اسکی صورت بنا دیتا ہے (ایسا ہی تفسیر روح البیان میں ہے) پس جب تک قانون تباین میں بھی یہ احتمال قایم ہے کہ وہ تباینات ہر نوع میں ایسے درجہ تک محدود ہوں کہ وہ نوع کو دوسری نوع کیجانب خارج ہونے دیں اور اصول کے تباینات فروعات میں پھر دوسری نوع میں پہنچ جائیں اور اسی طرح سلسلہ جاری رہے اُسوقت تک نوع کا ایسے درجہ تک جا پہونچنا کہ اُس کا تغیر جوہری بنجائے اور اسکو وہ ایک دوسری نوع بنا دے محض ایک ظنی امر ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا پس آپ نے اس قانون کی تقریر میں جو زور و شور دکھایا ہے اور نیز لاکھوں برس کے گذرنے پر جو آپ نے انواع کی تبدیلی کو اس قانون کے حوالہ کیا ہے یہ سب باطل ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ یہ قانون یعنی تباین آپ لوگوں کے زعم کے موافق غیر محدود ہے اور یہ امر اگرچہ عقلاً ممکن ہے اور اس سے تبدیلی کا واقع ہونا بھی جائز ہے اور یہ سب کچھ خداوندی قدرت کے تحت تصرف میں داخل ہے لیکن اس قانون کا وقوع محض ایک ظنی امر ہے اسکا کوئی یقینی ثبوت نہیں پس اسکا نتیجہ بھی (اور وہ انواع کا بجز دوسری نوع بنجانا ہے) ظنی ہوگا اور جب یہ حالت ہے تو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قانون کی کچھ پروا نہیں کرتے اور نہ اسکو وہ نشو کا نتیجہ اعتبار کر سکتے ہیں اسلئے وہ اپنی شریعت کی ظاہری نصوص کی جو طریق خلق اور انواع کے مستقل طور بننے پر دلالت کرتی ہیں تاویل کرنے پر مضطر نہیں ہو سکتے بلکہ وہ اپنے اسی اعتقاد پر کہ تمام کائنات بطریق خلق کے پیدا ہوئی ہے برابر قایم رہیں گے ہاں جب یہ بات مان لیجائیگی کہ یقینی قطعی دلیل اسکے خلاف پر قایم ہو گئی (اور یہ امر کوسوں دور ہے) تو اسوقت وہ اپنے سابق الذکر قاعدہ پر عمل درآمد کر کے دلیل عقلی اور نقلی میں تطبیق دینے کی غرض سے تاویل کرینگے

ف اب رہا قانون انتخاب طبیعی وہ تو آپ لوگوں کے نزدیک تینوں قوانین مذکورۃ الصدر کیلئے بمنزلہ نتیجہ کے ہے اسلئے وہ بھی ظنی ہی ہوگا اور اگر اسکا واقع ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں ممکن ہے کہ یہ قانون انواع کے بطریق خلق پائے جانیکے ساتھ بھی پایا جائے اس طرح پر کہ ان میں سے پہلے ادنی درجہ کی نوع موجود ہوئی پھر اس سے اعلی درجہ کی بغیر اسکے کہ اپنے

ف قانون انتخاب طبیعی [illegible]

ادنی سے بھی مستقل طور پر پیدا ہوئی ہو اُنکے بعد انہے اپنے سے ادنی کے ساتھ باقی رہنے میں منازعت کر کے اسے ہلاک کر دیا
ہو پھر اس دوسری نوع سے بھی اعلیٰ درجہ کی نوع مستقل طور پر موجود ہوئی ہو اور اس نے بھی اپنے سے ادنی نوع کو منازعت
کر کے ہلاک کر دیا ہو پھر اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا ہو یہانتک کہ انواع موجودہ تک نوبت پہونچگئی ہو اور کوئی نوع بھی دوسری
نوع سے نہ بنی ہو اور سب کی سب مستقل طور پر پائی گئی ہوں پس یہ بات ظاہر ہو گئی کہ زمانہ موجودہ میں جیسے عمدہ اور انسب انواع
کا پایا جانا ثبوت نشو کو مستلزم نہیں بلکہ ممکن ہے کہ خلق اور انواع کے مستقل طور پر پیدا ہونے کے ساتھ بھی پایا جائے پس
اس قانون کا پایا جانا نشو پر نہیں دلالت کرتا خلاصہ یہ کہ خلق اور انواع کے مستقل طور پر پیدا ہونے کو مان کر بھی ان
قوانین اربعہ کی تقریر کرنا ممکن یوں کہ جائے کہ ممکن ہو کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ادنی درجہ کی انواع کو پیدا کیا ہو پھر انسے اعلیٰ درجہ کی
انواع کو بغیر اسکے کہ وہ اپنے سے ادنے درجے میں مستقل طور پر پیدا کر دیا ہو پھر انسے پہلی انواع کو دنیا و ملی سبا اور دوسری انواع کو باقی
رہنے میں منازعت کرنے کی وجہ سے یعنی تنازع بقا کے قاعدہ کے موافق ہلاک کر دیا ہو پھر اسی طرح ہوتا رہا ہو یہانتک
کہ انواع موجودہ تک نوبت پہونچگئی ہو اور یہی وہ انواع ہیں جو اپنے سے سابق کی تمام انواع سے بہتر اور انسب ہیں پس یہ
کیفیت قانون تنازع اور قانون بقاء احسن پر مشتمل ہے اور باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے فروع کی صفات اصول کو وراثۃً حاصل
کرنے اور نیز فروع کے کچھ دوسری صفات میں اپنے اصول سے جدا ہونے کے قانون کو بھی جاری کیا ہے لیکن یہ تباین ایک معین
حد تک ہے جس سے کہ ایک نوع دوسری نوع نہ بننے پائے اور اسمیں حکمت یہ ہے کہ باہم تمیز قائم رہے جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے
ہیں اور اس کیفیت نے دونوں باقی قانون کو شامل کر لیا اور وہ قانون ارث اور قانون تباین ہیں جن کا مشاہدہ کیا بھی
جاتا ہے باوجودیکہ انواع کا بطریق خلق اور مستقل طور پر بننا مانا گیا ہے اور آپ لوگوں کے علم جیالوجی کی تحقیقات بھی اس
توجیہ کے ذرا بھی منافی نہیں ہیں کیا آپ اس توجیہ کے محال ہونے پر کوئی دلیل بیان کر سکتے ہیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ اور جب
ساری سابق الذکر تقریر کے عقلی نظر میں طریق نشو طریق خلق پر راجح بھی نہیں معلوم ہوتا بلکہ دونوں امر برابر نظر آتے ہیں
پس ان دونوں میں سے ہر ایک کا احتمال ہے اور ہر ایک ممکن اور خداوندی قدرت کے تحت میں داخل ہے۔ اب ظاہر ہو گیا
کہ عقلی نظر میں نشو کو خلق پر ترجیح بھی نہیں اور نشو کا احتمال عقل کے نزدیک قطعی بھی نہیں قرار پا سکتا بلکہ نشو اور خلق دونوں
میں عقلی طور پر شک اور مساوات ہی کا درجہ پایا جاتا ہے لیکن پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم خلق اور انواع کے مستقل طور پر
پیدا ہونیکے احتمال کو ترجیح دیتے ہیں اور چونکہ ان کی شریعت کی ظاہری نصوص سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اسلئے وہ اسی کو مانتے
ہیں اور آپ لوگوں کے پاس نشو کو ترجیح دینے اور اسکو ماننے کی جگہ میں نے اس کلام میں جس مرتبہ کا ثبوت تھا ظاہر کر دیا کوئی وجہ موجود
نہیں ہے۔ یہ تو ہو چکا اب سابق الذکر تقریر کے بعد جب نشو ہی پورے طور سے ثابت نہ ہو سکا تو اسپر انسان اور بندر کا
ایک ہی اصل سے نکلنا بھی جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں ثابت نہیں ہو سکتا اور آپ لوگوں کا یہ قول کہ انسان کے بندر کیساتھ
مشابہت رکھنے کے مقتضا کے موافق کچھ بعید نہیں ہے کہ انسان اور بندر ایک ہی اصل سے نکلے ہوں محض ایک استبعاد ہے کا

ساقط الاعتبار رشبہ ہے کیونکہ محض صوری مشابہت کا یہ مقتضا نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے یہ امر لازم آتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر آپ کہیں کہ ہاں اس سے لازم تو نہیں آتا لیکن کم سے کم اتنا تو ہے کہ اس سے اس کا ظن اور گمان غالب پیدا ہو جاتا ہے تو میں کہوں گا کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعتقاد کے بارہ میں ظن پر اعتماد نہیں کر سکتے اور نہ اسکو اپنی شریعت کی ظاہری نصوص کیلئے مدار حق اعتبار کر سکتے ہیں۔ علاوہ بریں اس مشابہت سے جو آپ کے نزدیک ظن پیدا ہوا تھا اُسکے لئے ایک امر دافع بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی ابتدائے پیدائش میں عقل اور بدن دونوں میں کمزور ہوتا ہے چلنے اور اپنے بیٹھنے پر بھی قادر نہیں ہوتا اور نہ ذرا سی حرکت ہی کر سکتا ہے جو باقاعدہ ہو اور باوجود اسکے وہ نہایت کند ذہن نادان بھی ہوتا ہے کہ اپنے ارد گرد کی اشیا کو بھی نہیں پہچانتا اور نہ اُسے زمین اور آسمان کی تمیز ہوتی ہے نہ آگ اور پانی میں فرق کر سکتا ہے اسی لئے نہ وہ کسی ایذا رساں چیز سے بچتا ہے نہ کسی نافع چیز کو اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ اُسے اتنا بھی تمیز نہیں ہوتا کہ اپنی ماں کی چھاتی کیسے منہ میں لے چنانچہ دائی روز تک اسکو سکھلانے کی کوشش کرتی ہے جب اُسے دودھ پینا آتا ہے پھر اس ساری کمزوری اور نادانی کے بعد ہم اُسے دیکھتے ہیں کہ قوت اور ادراک میں ترقی کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ ایسے درجہ پر پہونچ جاتا ہے کہ اگر بقیہ حیوانات پر قیاس کیا جائے کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت اس سے کہیں توانا اور سمجھدار ہوتے ہیں تو اُس درجہ تک اُنکے پہونچنے کی امید نہیں ہو سکتی اور انسان کی یہ حالت خداوندی اعمال میں سے نہایت عجیب تر اور اُسکی قدرت کی عظمت پر دلیل روشن ہے کہ اُسنے اتنے کمزور اور اسقدر نادان حیوان کو ایسے درجہ تک کیسے پہونچا دیا جہاں تک کہ اور حیوانات نہ پہونچ سکے چنانچہ وہ نہایت قوی اور صاحب غلبہ بنجاتا ہے کہ پتھروں کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے۔ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں تعمیر کرتا ہے حالانکہ پہلے وہ نہایت ہی کمزور اور عاجز تھا۔ اسی طرح وہ مدقق عالم اور محقق فلاسفر بنجاتا ہے بعد اسکے کہ وہ نری نادانی میں غرق تھا اپنی قوت اور عقل کے ذریعہ سے بحر و بر کے حیوانات پر تسلط حاصل کرتا ہے پرندوں کو اپنے قبضہ میں لاتا ہے نظام شمسی و قمری کا انکشاف کرتا ہے اور پھر بھی یا تو اپنے پیدا کرنے والے خدائے واحد کا اقرار کرتا ہے یا اُس سے پرے درجہ کا منکر بنجاتا ہے۔ رہا بندر وہ اور اکثر حیوانات کی طرح ایکقسم کی قوت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ اسوقت کافی حرکت کرنے پر قادر ہوتا ہے تاکہ اُسکی ماں جو پرورش کرنا چاہے اُسمیں وہ اسکی کچھ مدد کر سکے اور اُسوقت اسکو اسقدر سمجھ ہوتی ہے کہ انسان کے بچے کے پاس اُسکا نشان بھی نہیں پایا جاتا چنانچہ جو غذا اسکے لئے مہیا ہوتی ہے اُسے جان لیتا ہے اور بغیر اُس کوشش و تدبیر کے جو انسان کی ماں کو اپنے بچہ کیلئے کرنا پڑتی ہے وہ (بندر کا بچہ) اپنی ماں کی چھاتی منہ میں لے لیتا ہے ایذا رساں چیزوں سے بچتا ہے نافع چیز کو اختیار کرتا ہے اور نہایت ہی تھوڑی مدت میں جس میں کہ انسان کا بچہ اپنے سُرین پر بیٹھنے کے بھی قابل نہیں ہوتا وہ اپنا رزق تلاش کرنے کیلئے دوڑنے لگتا ہے اور اسکو اسقدر سمجھ بھی جو اُسکے امور زندگی کی انجام دہی کیلئے کافی ہو حاصل ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ اپنی نوع کے بڑے بڑوں کے قائم مقام بنجاتا ہے اور حالانکہ وہ دیکھنے میں بچہ ہی دکھتا ہے پس بندر اور انسان میں کہیں فرق موجود ہے سو اگر انسان اور بندر ایک ہی اصل سے

نکلے ہوتے اور انسان اُس سے ترقی کر گیا ہوتا تو اُسکا یہ مقتضا تھا کہ وہ اس حالت میں نہ ہوتا جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا بلکہ اپنی پیدائش کے وقت بندر سے تو کم نہ ہوتا جس سے وہ ترقی کر کے بنگیا تھا کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ انسان کا بچہ قوت اور سمجھ میں اتنی پستی کی حالت میں ہو باوجودیکہ اُسکا ساتھی جو اُسکے ساتھ ایک ہی اصل سے نکلنے میں شریک ہے اور جس سے کہ وہ ترقی کر کے بنگیا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں اُس سے کہیں کامل ہوتا ہے اور اگر کہا جائے کہ انسان اپنے شریک یعنی بندر سے صورت کی عمدگی میں تو ترقی کر گیا ہے لیکن بعض اسباب کی وجہ سے قوت اور سمجھ میں اُس سے گھٹتا ہوا رہگیا تو ہم کہیں گے تو پھر کیا وجہ ہے کہ بڑے ہونے پر یہ دونوں باتیں اُسمیں کامل ہو جاتی ہیں اور وہ بندر ہمیشہ اِن دونوں (یعنی) قوت اور سمجھ میں کہیں زیادہ ترقی کر جاتا ہے پس حق اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ امر آپ کے اس قول کو کہ انسان اور بندر ایک ہی اصل سے نکلے ہیں بالکل بیہودہ اور مردود ثابت کرتا ہے اگرچہ ہم اپنی زبان سے اسکو باطل نہ بھی کہیں. اور اے اہل سائنس اگر آپ نظر انصاف سے غور کریں تو آپ کو یہ امر بخوبی ظاہر ہو جائے کہ انسان اور بندر کی صرف صوری مشابہت سے بڑے عظیم فرق کا جو اُن دونوں میں پایا جاتا ہے جس کا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتی خدا تعالی ہمیں اور آپ دونوں کو امر صواب کی ہدایت کرے یہ وہ تقریر تھی جس کو میں نے اس موقع پر آپ کے سامنے بیان کرنیکا ارادہ کیا تھا اور میرے نزدیک اگر آپ انصاف کرینگے تو یہ تقریر اثبات کیلئے کہ نشو کے بارہ میں آپکے دلائل اور معتقدات محض ظنی ہیں اور کسی طرح شرعی نصوص کا معارضہ نہیں کر سکتیں کافی ثابت ہوگی اور میں نے دیکھا ہے کہ آپکے مخالف آپکے ساتھ مختلف بحثوں میں اُلجھے ہیں جنکی میں کچھ ضرورت نہیں سمجھتا چنانچہ انھوں نے انواع کے بدل جانے کا آپکے مقابلہ میں انکار کیا اور آپ اُسپر دلائل قایم کرنے کے درپے ہوگئے اور اسکا ثبوت دینے لگے یہاں تک کہ مصنوعی تبدیلی سے بھی. اور انھوں نے مابین ایک اور دوسری نوع کے جس سے کہ وہ آپ کے خیال کے موافق بنی ہے حلقوں کے وجود سے قطعی انکار کیا اور آپ نے اُنکو یہ جواب دیکر چلتے کیا کہ بعض میں تو پائے گئے ہیں اور اپنے جی کو یوں خوش کر لیا کہ جیالوجی کی تحقیقات میں عنقریب باقی انواع میں بھی حلقے دریافت ہو جائیں گے یہ ساری باتیں جملہ خبریہ ہیں جنمیں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہو جو دے بھلا بتلائیے تو ہم میں سے اسوقت کون بیٹھا رہیگا جو آپکے دعوے کی تصدیق اور مشاہدہ کریگا حقیقت حال کو خدا ہی جانے علاوہ بریں اگر ثابت بھی ہو جائے تو یہ احتمال برابر قایم رہیگا کہ انواع مستقل طور پر پیدا ہوئی ہوں جیسا کہ ہم نے پیشتر ذکر کیا پس آپکی دلیلیں اتنی ہی ہیں مختصر کہ ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم آپ لوگوں سے آپکے مخالفوں کی طرح اُلجھیں اور چونکہ ہمارا اعتقاد شریعت کی ظاہری نصوص پر ہے اسلئے ہمارے لئے تقریر سابق ہی کافی ہے ورنہ اگر ہم آپ سے اس بحث میں تفصیلی گفتگو کرنا چاہیں تو آپکے دکھلا دیں کہ آپکی دلیلوں کی جن پر اعتقاد کئے بیٹھے ہیں کیا قدر و قیمت ہے اور آپکے سامنے اسباب کو ظاہر کر دیں کہ اُنکی بنیاد وہم اور محض تخمینی اور فرضی باتوں پر ہے اگر خدا نے توفیق دی تو میں اس بحث میں ضرور کچھ تحریر کروں گا جس سے طالبین تحقیق کی تشفی ہو جائیگی یہ بحث تو ہو چکی پھر آپ لوگوں کا یہ قول کہ حیات اور عقل انسانی دونوں محض مادہ کے اجزا متحرکہ اور اُسکے عناصر ممتزجہ

کی باہمی تاثیرات کے ظہوروں میں سے ایک قسم کے ظہور کا نام ہیں اگرچہ اصل مادہ حیات اور ادراک دونوں سے بالکل خالی تھا اور پھر انسان کی عقل باقی حیوانات کی عقلوں سے صرف مقدار میں اختلاف رکھتی ہے حقیقت اور ذات میں اُن سے مختلف نہیں یہ سب بھی باتیں ہیں جنکا اسلامی شریعت پر انطباق ممکن ہے۔ چنانچہ حیات کی تو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعریف کی ہے کہ وہ وہ ایک ایسی وجودی صفت ہے جو نفس ذات پر زائد اور علم و قدرت کے مغایر ہے جسکی وجہ سے ذات کا ان دونوں کے ساتھ موصوف ہونا صحیح ہو جاتا ہے (ایسا ہی تفسیر روح البیان میں ہے اور اسی کے مثل تفسیر رازی میں بھی موجود ہے) پس جب اُنکے سامنے حیات کے بارہ میں آپ کا یہ قول پیش کیا جائے کہ وہ اجزاء مادہ کے باہمی تاثیرات کے ظہوروں میں سے ایک ظہور کا نام ہے تو وہ یہ کہدینگے کہ ہمارے نزدیک حیات ایک عرضی صفت ہے مادہ نہیں ہے اور یہ ظہور جس کو آپ حیات کہتے ہیں وہ بھی عرضی صفت ہے اس لئے اس سے کوئی مانع نہیں کہ حیات بھی ظہور ہو لیکن پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیوان میں خدا کے پیدا کرنے سے اُسکے حدوث کے قائل ہیں نہ جیسے کہ آپ لوگ اجزاء مادہ کی حرکت سے اُنکے حدوث کا بلا دلیل گمان کرتے ہیں جیسا کہ پیشتر گذرا اگرچہ ممکن ہے کہ یہ حرکت بھی محض خدا کے پیدا کرنے ہی سے موجود ہوئی ہو اور اس ظہور کا جسے آپ حیات کہتے ہیں سبب بنگئی ہو ٹھیک اسی طرح سے جیسے کہ اسباب کے مسببات کو پیدا کر دینے کی خدا کی عادت جاری ہو گئی ہے۔ باقی رہی عقل اُسکے بارہ میں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف کیا ہے۔ بعضوں نے تو اسکی حقیقت کے بیان کرنے سے رُککر توقف ہی اختیار کر لیا کہ وہ منجملہ غیبیات میں سے ہے جسے شریعت نے ہمارے لئے نہیں بیان کیا پس انسب اور ادب کی بات یہی ہے کہ اسمیں گفتگو نہ کیجائے پس اس بنا پر جب آپ لوگ اُنکے سامنے عقل کی ایسی تفسیر بیان کرینگے جو اُنکی شریعت کے خلاف نہ ہو تو وہ آپسے یہی کہدینگے کہ ہاں آپ کی تفسیر میں صحت کا احتمال ہے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ یہی تفسیر صحیح ہو لیکن یہ ظہور خدا کے پیدا کرنے سے حادث ہوا نہ جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ محض اسی حرکت سے حادث ہو گیا ہے اور بعض پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عقل کی تفسیر میں خوض کیا ہے اور جتنے اقوال ہیں سب اسبات میں متفق ہیں کہ وہ عرض ہے اور سب کا ماحصل یہی ہے کہ وہ علوم کے قبیل سے ہے یعنی وہ ایک قسم کا ملکہ ہے جس کے ذریعہ سے نظری علوم ادراک کئے جاتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک قسم کا نور ہے اور ایسا ہی بعض آثار میں بھی وارد ہوا ہے (جیسا کہ ماوردی کی کتاب ادب الدین میں ہے) اور مراد اس سے یہ ہے کہ وہ ایک باطنی نور ہے پس اس امر کے اعتبار کو کوئی مخالفت نہیں کہ وہ علوم کی جنس سے ہو اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جوہر ہے لیکن یہ قول رد کر دیا گیا ہے (عبد السلام اور اسکے حاشیہ امیر سے ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) یہ سب کچھ غریزی یا طبعی عقل کی نسبت کہا گیا ہے۔ رہی عقل مکتسب جو اسی غریزی عقل کا نتیجہ ہے پس وہ کامل تمیز صحیح سیاسات اور رائے کے صائب ہونے کا نام ہے (ماوردی کی کتاب ادب الدین میں بھی ایسا ہی ہے) پس اس بنا پر یہ امر واضح ہے کہ آپکے اور ان لوگوں کے قول میں جنھوں نے عقل غریزی کی تفسیر میں خوض کیا ہے کوئی منافات نہیں کیونکہ دونوں قول اسبات میں متفق ہیں کہ وہ عرض ہے تو پھر اس بنا پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ کہا جائیگا کہ یہ عرض اجزاء مادہ کی باہمی

عقل کی دو قسمیں غریزی اور مکتسب کا ذکر

تاثیرات کے ظہوروں میں سے ایک ظہور ہے تو یہ کہنے سے انھیں کوئی چیز نہیں روک سکتی کہ ہاں ممکن ہے کہ یہی ہو اور اسی ظہور سے علوم کا ادراک حاصل ہوتا ہو لیکن اسکا اور ادراک دونوں کا وجود محض خدا کے پیدا کرنے ہی سے ہے اس طرح پر یہ قول ہمارے عقائد کے خلاف بھی نہیں ہوتا اب اُن میں اور آپ لوگوں میں صرف اسی بات پر فیصلہ کا دار ومدار رہے گا کہ آپ اس کے قائل ہو جائیں کہ یہ ظہور خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہے۔ باقی رہا آپ کا یہ قول کہ انسانی عقل باقی حیوانات کی عقلوں سے صرف مقدار میں اختلاف رکھتی ہے حقیقت اور ذات میں اُن سے مختلف نہیں تو یہ قول بھی شرعی نصوص میں سے جن پر کہ اعتقاد کے بارہ میں اعتماد کیا جاتا ہے کسی کے بھی خلاف نہیں کیونکہ ان نصوص سے غایت جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ اسیقدر ہے کہ خدا نے انسان کو عقل دیکر باقی حیوانات سے ممتاز کیا ہے اور اسیوجہ سے بخلاف اور حیوانات کے اُسکو شرایع کی تکلیف دی گئی ہے۔ رہا ادراک حیوانی سے حقیقت اور ذات میں اُسکا متغائر ہونا یا نہ ہونا تو شرعی نصوص میں ان دونوں میں سے کسی کی بھی تصریح نہیں کی گئی اس لئے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اسکے بارہ میں سوال کیا جائیگا تو وہ کہدینگے اس سے کوئی امر مانع نہیں کہ ضروریات زندگی کی تدبیر کرنے کیلئے حیوانات کو جو ادراک ملا ہے وہ اور انسانی عقل دونوں ایک ہی مقولہ سے ہوں جو کہ منجملہ اعراض کے ایک عرض ہو اور خدا کے پیدا کرنے سے حاصل ہو گیا ہو لیکن وہ انسان میں زیادہ ہو کر ایسے مرتبہ پر پہونچگیا جسنے اُسے اس قابل بنا دیا کہ وہ طرح طرح کے علوم استنباط کرنے کا افعال حمیدہ اور غیر حمیدہ میں اُسے تمیز ہو گئی اور وہ وہ چیزیں حاصل کرلینے کے لائق ہو گیا جنکی وجہ سے وہ اور حیوانات سے ممتاز ہے اور ادراک کے اسی مرتبہ پر پہونچکر وہ شرعی تکلیف کے قابل بنجاتا ہے اسی کو ہم عقل کہتے ہیں اسلئے کہ لغت میں عقل باندھنے کو روکنے کو کہتے ہیں اور وہ بھی اُسکو امر ناصواب کے ارتکاب سے روکتی ہے پس اسکا قائل ہونا کہ عقل انسانی حیوانات کے ادراک سے صرف مقدار کا اختلاف رکھتی ہے اسلامی دین کے منافی نہیں بلکہ یہ قول اُسپر منطبق ہو سکتا ہے اس بنا پر انسانی عقل کی نسبت شریعت میں جو تعظیمی الفاظ جیسے کہ وہ نور ہے۔ مدار تکلیف ہے وغیرہ واقع ہوئے ہیں وہ صرف ادراک کے اسی اعلیٰ مرتبہ کی تعظیم کیلئے ہیں کسی دوسری شے کے لئے جو ادراک حیوانات سے اصل حقیقت میں مغائر ہو نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

باقی رہا آپ لوگوں کا باقی مسائل سے انکار کرنا جنکو آپنے شریعت محمدیہ میں تو پایا لیکن آپ کے علوم میں انکی کوئی دلیل موجود نہیں یا اُن کی رو سے وہ قابل ترک ہیں اُن کی نسبت سُنئے: ہم سے اور آپ سے جو گفتگو ہو چکی ہے بعض مسائل کی تو پوری تحقیق ہو چکی تاہم آیندہ موقع بموقع ہم تنبیہ کرتے جائیں گے اور جو مسائل باقی ہیں بعون اللہ تعالیٰ ان کی تحقیق کیلئے میں ابھی گفتگو کرتا ہوں اور آپ لوگوں کو دکھلائے دیتا ہوں کہ اُن میں سے کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جسکو عقلیں متروک خیال کرتی ہوں بلکہ سب کے سب عقلی قواعد پر منطبق ہیں بشرطیکہ عقل سلیم سے کام لیا جائے چنانچہ مختصر بیان کرتا ہوں یہ سب باتیں تو پہلے معلوم ہو چکی ہیں کہ مادۂ عالم پہلے نہ تھا اور پھر حادث ہوا اور یہ کہ جس نے اُسکو عدم سے پیدا کیا اور اس کے انواع کائنات کو اس انتظام خاص پر بنا دیا وہ ہی خدا ہے اور یہ کہ وہ ان سب چیزوں کو نیست ونابود اور معدوم

کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی حیوانات سے علیحدہ اور مستقل طور پر پیدا کیا اُس سے اُس کی عورت کو بنایا اور دونوں کو ایک مکان میں جس کا نام جنت ہے سکونت پذیر کیا پھر جس چیز سے انہیں منع کیا تھا اُس کی مخالفت کی وجہ سے دونوں کو زمین پر اتار دیا اور یہ کہ جو کچھ عالم میں ہوتا ہے وہ سب خدا ہی کے قضا و قدر سے ہوتا ہے یعنی وہ اُسے جانتا ہے اُس کا ارادہ کرتا ہے اور اپنی قدرت سے اُسے موجود کر دیتا ہے اور یہ کہ جو کچھ وہ قضا (حکم) کرتا ہے وہ سب اُسی کے پیدا کرنے سے پایا جاتا ہے اُسکے سوائے کوئی خالق نہیں اگرچہ اُس نے مسببات کو اسباب کے ساتھ مرتبط کر رکھا ہے مسببات کو اسبابکے پیدا کر دیتا ہے لیکن دونوں کا وہ خود ہی خالق ہے پہلے سبب کو پیدا کر دیتا ہے اور اُسکے بعد ہی مسبب کو پیدا کر دیتا ہے اور تمام اشیا میں جو تاثیر مشاہدہ کیجاتی ہے وہ خدا ہی کے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے ہے کوئی شے حقیقت میں طبیعت یا اُس کی قوت کیوجہ سے جو اُس میں رکھی گئی ہو اثر نہیں کرتی اور یہ کہ خدائے سبحانہٗ موجود ہے۔ قدیم ہے۔ ہمیشہ ہے گا اُسکا معدوم ہونا محال ہے۔ ایک ہے۔ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے۔ علاوہ اسکے عالم میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب غنی ہے کسی کا محتاج نہیں ساری چیزیں اُسی کی محتاج ہیں۔ موجودات میں سے وہ کسی شے کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اسکے مشابہ ہے۔ کامل درجہ کا ارادہ کرنے والا پورا پورا علم رکھنے والا ہے تمام چیزوں کو جو موجود ہیں خواہ گذر چکیں یا آیندہ ہوں گی سب کو جانتا ہے اُسکے علم سے کوئی شے باہر نہیں جتنی چیزیں عقلاً ممکن ہیں سب پر قادر ہے خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو زندہ ہے۔ تمام صفات کمال کے ساتھ جو اس کی ذات کے شایاں ہیں موصوف ہے۔ تمام صفات نقصان سے منزہ ہے پس یہ وہ مسائل ہیں جن پر سابق کے مباحث میں کافی طور پر گفتگو ہو چکی ہے اب کوئی ضرورت نہیں کیونکہ بعض کے تحقق اور ثبوت پر تو میں نے یقینی دلیل قایم کر دی ہے جیسے کہ مادہ کا حادث ہونا۔ خدا کا موجود ہونا اور اُسکا اپنی صفات کے ساتھ متصف ہونا اور بعض کو میں نے آپ کے علوم کے ساتھ جنکے وہ معارض معلوم ہوتی تھیں تطبیق دیدی اور اُنکے لئے کوئی توجیہ ذکر کر دی یا میں نے آپ کو ایسا طریق بتا دیا جس پر چلنے سے اسلامی دین کے ساتھ آپ کی ایسی مخالفت نہیں ہوتی کہ اس سے آپ اسلام کے اعتقاد رکھنے والوں میں شمار ہونے لگیں اور جس چیز کی میں نے تصریح نہیں بھی کی ہے وہ ادنیٰ غور کرنے سے گذشتہ مباحث سے بھی جانی جا سکتی ہے اور تفصیلی گفتگو بکثرت اسلامی کتابوں میں موجود ہے جسکا جی چاہے اُسکی جانچ کرے۔ اب رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر سات آسمان پیدا کئے اور ان آسمانوں کے اوپر ایک بہت بڑا جسم جسکا نام کرسی ہے اور اُسکے اوپر اُس سے بھی بڑا جسم جسکا نام عرش ہے پیدا کیا۔ اور یہ کہ ہمارے اور اُن اجسام کے مابین بہت ہی بڑی مسافت حائل ہے اور یہ کہ اُس نے ایک بہت بڑا جسم جس کا نام لوح ہے اور ایک دوسرا جسم جسے قلم کہتے ہیں اسلئے پیدا کیا تا کہ جتنی ہونے والی چیزیں ہیں ثبت رہیں اور لکھی جائیں گو وہ اسکا محتاج نہ تھا اور یہ کہ انسان کو خدا کی نعمتیں اُسکے ایک بنائے ہوئے مکان میں ملیں گی جس کا نام جنت ہے اور دوسرے مکان میں اُسکا عذاب ہو گا جسے جہنم کہتے ہیں زمین۔ آسمان۔ اور عالم کے تباہ ہونے کے بعد جب لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے تو خدا ان لوگوں کو ان دونوں

مکانوں میں داخل کریگا پس میں کہتا ہوں کہ آپ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم خلاء^حاشیہ ممتد کے تو قائل ہی ہیں اور اس
سے مراد بہت ہی دور و دراز بعد ہے جسکی وسعت کو سوچکر عقل حیران رہجاتی ہے پھر آپ کہتے ہیں کہ آفتاب اور ستارے
اس خلاء دور و دراز میں قانون کشش کے ذریعہ سے قایم ہیں اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض کا قول بھی ایکے
قول کے موافق اور مؤید معلوم ہوتا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ آفتاب اور ستارے آسمان میں گڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ خلاء میں
قایم ہیں اور اس خلاء میں جو انکا مدار حرکت ہے وہی انکا فلک ہے جیسا کہ پیشتر گذر چکا پس اس سے کونسی چیز مانع ہو سکتی
ہے کہ اسی خلاء دور و دراز میں ان ستاروں کے اوپر ان اجسام مذکورہ کو بھی خدا نے پیدا کیا ہو اور وہ ساتوں آسمان ہوں
اُن کا نظر نہ آنا پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض کے قول کے موافق ہے جیسا کہ پیشتر گذرا اور وہ ابو بکر بن العربی
ہیں اور عرش۔ کرسی۔ لوح و قلم جنت اور دوزخ ہیں اور خدا نے اُن کو وہاں اپنی قدرت سے قایم کر رکھا ہے چاہے اسنے
قدرتی قوانین میں سے جنہیں کہ وہ اپنی مخلوقات میں رکھدیا کرتا ہے کسی قانون سے کام لیا ہو یا بلا کسی بھی قانون کے
محض اپنی قدرت کاملہ سے اُنہیں روک رکھا ہو کیونکہ وہ اس بات پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعتقاد کے موافق پورے
طور سے قادر ہے کہ قوانین قدرت محض عادی اسباب ہیں جیسا کہ اُس نے آفتاب اور ستاروں کو اس خلاء میں جہیں
کہ وہ پائے جاتے ہیں قایم کر رکھا ہے پھر یہ سب ہم سے نہایت ہی دور و دراز مسافت پر واقع ہیں جیسے کہ باہم خود
اُن کے مابین بہت ہی بڑی مسافتیں حائل ہیں اور خدا کی اور اس کی قدرت کی جو عظمت ہم اس کی مصنوعات
میں جنکا ہم مشاہدہ کرتے ہیں دریافت کر چکے ہیں اسکے لحاظ سے قوانین سے کوئی امر بھی بعید نہیں معلوم ہوتا پس یہ سب
چیزیں ممکن ہیں اور ہو سکتی ہیں عقل انکو محال نہیں سمجھتی اور خدا کی قدرت ممکن کے ساتھ ایجاد کرنے کیلئے متعلق ہونے کی
صلاحیت رکھتی ہے ۔ رہا انکے ادراک تک آپ لوگوں کی رسائی نہ ہونا خواہ بذریعۂ حواس ہو یا بواسطہ دیگر ذریعوں کے
اُن کے معدوم ہونے کو مقتضی نہیں ہے اور اس تقریر سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ساتوں زمینوں کے موجود ہونے سے بھی
جیسا کہ بعض شرعی نصوص میں وارد ہوا ہے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ اسی خلاء میں جہیں کہ ہماری زمین اور
تمام ستارے قایم ہیں چھ زمینیں اور بھی قایم ہوں اور اُن میں مخلوقات بھی پائی جاتی ہو جیسا کہ آپ لوگ ستاروں میں مخلوقات
کے موجود ہونے کا گمان کرتے ہیں۔ اور اگر آپ کہیں کہ ہم نے تو انکو بڑی بڑی دوربینوں سے بھی نہیں دیکھا تو میں کہوں گا ممکن ہے
کہ دوربین ہی نہ ہوں جو نظر آسکیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اُنکو دیکھا ہو اور اُنہیں ستاروں میں جو کہ خلاء میں قایم ہیں اُنہیں
بھی شمار کر لیا ہو اگر آپ کہیں ہم نے مانا کہ یہ سب کچھ ممکن اور ہو سکتا ہے لیکن اسپر کیا دلیل ہے کہ یہ سب چیزیں بالفعل موجود بھی ہیں
اور کونسا امر باعث ہوا کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم انکے قائل ہی ہو جائیں تو میں کہوں گا کہ اس کا باعث اُن کی شریعت کی

حاشیہ خلاء سے یہاں زمین کے اوپر کی وہ فضا مراد ہے جو دیکھنے میں بیحد معلوم ہوتی ہے اور اس سے حقیقی خلاء مراد نہیں کیونکہ اہل
سائنس کہتے ہیں کہ اس تمام فضاء میں ایتھر پھیلا ہوا ہے ۱۲ مترجم

نصوص میں جو ان اجسام کے موجود ہونے کی تصریح کرتی ہیں اور یہی ان کے وجود پر اُن کی دلیل ہے اور یہ وہ نصوص ہیں جن کا ان کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وارد ہونا قطعی طور پر ثابت ہے اور وہ جتنی چیزوں کی خبر دیں سب ہی سچے ہیں کیونکہ وہ جھوٹ سے معصوم اور محفوظ ہیں اسلئے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک خدا کے پاس سے انکا رسول ہو کر آنا قطعی دلیلوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اگر آپ پوچھیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان اجسام کو پیدا کیوں کیا تو میں جواب دونگا کہ جیسے اُسنے ستاروں زمین اور باقی عالموں کو جنکا آپ مشاہدہ کرتے ہیں پیدا کیا وہی تمام چیزوں کے پیدا کرنے کی خوب حکمت جانتا ہے اور وہ تو فاعل مختار ہے جو چاہے سو کرے اُس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا اور سابق میں اس امر پر دلیل قایم کر چکا ہوں کہ اعمال خداوندی کے جمیع اسرار کو عقل انسانی احاطہ نہیں کر سکتی ہیں اُسکو یاد کیجئے۔ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اجسام کے پیدا کرنے کے بہت کچھ اسرار اور حکمتیں بھی بیان کی ہیں کہ اگر ہم انکو بیان کرنا شروع کریں تو بہت طوالت ہو جائے جسکا جی چاہے انکی کتابوں کو دیکھے۔

اب رہا یہ امر کہ اس خدا نے کچھ نورانی اجسام پیدا کئے ہیں جنکا نام ملائکہ (فرشتے) ہے اور جو اپنی شکل کے بدل لینے پر قادر ہوتے ہیں اور یہ کہ آسمان اور زمین کے بیچ جسقدر مسافت ہے وہ اُسے ایک بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کر سکتے ہیں اور یہ کہ وہ ہمارے سامنے سے اس طرح گذر سکتے ہیں کہ ہم انہیں نہ دیکھیں اور یہ کہ وہ ایسے ایسے افعال کر سکتے ہیں جن سے انسانی قوتیں عاجز ہیں اور یہ کہ آسمان فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں جیسے کہ اُس نے کچھ دوسرے اجسام بھی جو ملائکہ مذکورہ کے ساتھ بعض خواص میں جیسے کہ شکل بدل لینے پر قادر ہونا۔ نظروں سے پوشیدہ رہ سکنا۔ بڑے بڑے افعال پر قدرت رکھنا۔ مشابہ ہیں پیدا کئے ہیں۔ لیکن وہ ملائکہ سے اس امر میں مختلف ہیں کہ وہ اُن کی طرح نورانی نہیں اسی طرح بعض اور باتوں میں بھی اختلاف رکھتے ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے اور ان اجسام کا نام جن ہے پس میں کہتا ہوں کہ اس سے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ اجسام انہیں خواص کے ساتھ موصوف بنائے ہوں جنہیں کہ ملائکہ کہتے ہیں اور کچھ دوسرے اجسام بھی جو امور مذکورہ میں اُن کی نظیر ہوں پیدا کئے ہوں جنکا کہ نام جن ہو اور ممکن ہے کہ اُنکا مادہ مادۂ اتھر کی طرح ہو جسکی نسبت آپ کہتے ہیں کہ وہ تمام عالم میں بھرا ہوا ہے حالانکہ آپ نے اُسے دیکھا نہیں یا اُن کا مادہ مادۂ ہوا کی طرح ہو جسکو اللہ تعالیٰ نے بنا کر اُسکے ذروں کو ایسی کیفیت پر مجتمع کیا ہو جسکی وجہ سے اُسمیں خواص مذکورہ کی صلاحیت آگئی ہو جیسے کہ اُسنے حیوان کے مادی عناصر کو ایسی کیفیت پر بنایا جس سے کہ اُسنے حیات ادراک۔ اور حرکت وغیرہ ساری قوتیں حاصل کر لیں حالانکہ پہلے عناصر میں ان میں سے کوئی شے بھی موجود نہ تھی پس ممکن ہے کہ ہمارا اُنکے دیکھنے پر قادر نہ ہونا اُنکی شفافیت اور لطافت کے باعث سے ہو جیسے کہ ہوا اور اتھر کا حال ہے علاوہ بریں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اعتقاد کی بنا پر کہ دکھلائی دینا محض خدا کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے جیسے کہ سابق میں اسکی تقریر گذر چکی یہ امر بالکل ظاہر ہے اور اُنکے اپنی شکل بدل لینے پر قادر ہونیکی توجیہ باوجودیکہ وہ عقلاً ممکن ہونیکی وجہ سے خدائی قدرت کے تحت میں داخل ہے اس طرح ہو سکتی ہے کہ خدا

نے ان اجسام کو ایسی کیفیت پر بنایا ہو جسکی وجہ سے وہ ہوا، اثیر یا اسی کے مثل کسی اور شے سے کچھ مقدار لے لینے پر قدرت رکھتے ہوں اور اُسکو کثیف کر کے جس صورت کا چاہیں خول بنا سکتے ہوں پھر اُسے پہن لیتے ہوں اور اس طرح نظروں میں اُسی صورت کے معلوم ہونے لگتے ہوں اور کیمیاوی اعمال میں جو اللہ تعالیٰ نے بعض اجسام کو بعض کیجانب منقلب کرنے پر جیسے کہ کثیف کو لطیف اور لطیف کو کثیف بنا دینے وغیرہ پر انسان کو قادر کر دیا ہے اس پر ہماری تقریر کا سمجھنا عقلوں کو بہت ہی آسان ہو جاتا ہے اور چونکہ اجسام کا مختلف شکلوں پر ہو جانا کیسے ہی کیوں نہ ہو خداوندی قدرت کی عظمت کیجانب منسوب ہوتا ہے جسکے وہ اعمال عقلوں کو مدہوش کئے دیتے ہیں جو حیوان اور نبات کو مختلف خواص عطا کرنے کے بارہ میں ہوئے ہیں لہٰذا اسمیں ذرا بھی تعجب نہ کرنا چاہئے۔ رہا یہ امر کہ وہ باوجودیکہ لطیف اجسام ہیں لیکن ایسے ایسے اعمال کرنے پر قدرت رکھتے ہیں جن سے انسانی قوتیں بالکل عاجز ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ہواؤں کے یہ کام کہ وہ کیسے بڑے بڑے درختوں کو اکھیڑ کے پھینک دیتی ہیں اور نیز قوت کہربائی کے کرشمے کہ وہ کس طرح بڑی بڑی گرانبار اشیاء کو جنکو ہزاروں آدمی ملکر حرکت بھی نہیں دے سکتے کھینچ لیتی ہے دیکھکر ملائکہ اور جنوں کے اعمال میں کچھ بھی تعجب نہیں معلوم ہوتا خصوصاً جبکہ اس کا بھی خیال کیا جائے کہ انکو ان اعمال کی قوت بخشنے والا وہی خدا ہے جس کی قدرت کی عظمت کے سامنے یہ ذرا بھی مشکل کام نہیں۔ اور جب ہم بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ کی قوت سے لوہے کو توڑ ڈالتے ہیں حالانکہ ان کی ہاتھ کی قوت محض اُنکے پٹھوں کا عمل ہے جن کی انتہا ایک نہایت ہی نازک اور پتلے گودے (مبداء اعصاب) جو دماغ کا ایک حصہ ہے تک ہوتی ہے جو کہ حرکت کا مبداء ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں اور خارجی جسم کے ادنیٰ صدمہ کو بھی برداشت نہیں کر سکتا بلکہ اس مقدار سے جو اُسکے لئے ضروری ہے خون کا ایک زیادہ قطرہ بھی اُسکے نیست و نابود کرنے کیلئے کافی ہے جسکے بعد پھر انسان بھی زندہ نہیں رہ سکتا تو یہ دیکھکر ہمیں یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شے نازک و لطیف کو ایسی قوت عطا کرنے پر بخوبی قادر ہے کہ جو کثیف اور سخت شے میں موجود نہ ہو کیوں نہ ہو اُس خدائے پاک کی عجیب قدرت ہے۔

رہا ملائکہ کا اتنی بڑی مسافت کو جو ان سماوی اجسام کے مابین حائل ہے ایک بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کر لینا تو میں کہتا ہوں کہ عقلاً اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اسلئے کہ حرکت کی تیزی کسی حد کے ساتھ محصور نہیں اسی روشنی ہی کو دیکھئے کہ آفتاب سے کہ جو ہم سے نو کروڑ میل سے بھی کچھ زائد فاصلہ پر ہے آٹھ منٹ اور کچھ کسر کی مدت میں ہم تک پہونچ جاتی ہے اور اگر آپ کہیں کہ روشنی تو ہمارے نزدیک حرکت اور عرض ہے اور یہ اجسام ہیں تو میں کہوں گا کہ آپ کے طبعی علوم (سائنس) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو جسم زمین پر گرتا ہے پہلے سکنڈ میں اُسکے گرنے کی تیزی سولہ قدم اور کچھ کسر ہوتی ہے اور جب وہ آفتاب کی جانب گرے تو اُسکی تیزی پہلے سکنڈ میں چار سو پچاس قدم اور کچھ کسر ہوگی۔ پھر اسکے مابعد کی تیزی دریافت کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ جسم کے ساقط ہونیکی تیزی پہلے سکنڈ میں جسقدر تھی اُسکو اس عدد کے مربع کے ساتھ ضرب دیدیں جس عدد کے لحاظ سے آپکو تیزی دریافت کرنا ہے مثلاً دوسرے تیسرے۔ چوتھے سکنڈوں کی تیزی دریافت کرنے کیلئے

۲-۳-۴- وغیرہ عددوں کے مربع کو علیحدہ علیحدہ پہلے سکنڈ کی چال میں ضرب دیدیں تو یہی حاصل ضرب جواب؎ ہوگا پس اس قانون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرکتِ اجسام کی تیزی اسقدر زیادہ ہوسکتی ہے کہ عقل کو سخت حیرت ہو اسی ستارۂ مشتری کو دیکھیے جس کی نسبت آپ لوگوں کی ہیئت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک گھنٹہ میں تیس ہزار میل اُس کی چال ہے یعنی توپ کے گولے سے بھی اسقدر تیز چنانچہ جتنی دیر میں انسان سانس لیتا ہے اُتنے عرصہ میں نو میل چل جاتا ہے اور اُسکی روزانہ گردش میں اُسکی سطحی اجزا کی تیزی چار ہزار سات سو میل فی منٹ کے حساب سے ہے۔ حالانکہ وہ ہماری زمین سے بقول آپکے یعنی ہیئت والوں کے جنکے ساتھ دوسرے ہیئت داں بھی متفق ہیں ایک ہزار چار سو گیارہ گنا بڑا ہے پس وہ خدا جس نے اتنے بڑے اور کثیف جسم کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اتنی دور دراز مسافت کو اسقدر تھوڑی مدت میں قطع کر سکے تو اُس خدا کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ فرشتوں کو بھی بہت ہی تھوڑی مدت میں بہت کچھ مسافت کے قطع کرنے پر قادر کر دے اگرچہ یہ مسافت اُس مسافت سے جسے کہ ستارۂ مشتری قطع کرتا ہے بہت ہی کچھ زیادہ کیوں نہ ہو لیکن تاہم اس ستارہ کی رفتار صحیح طور پر نظر کرنے سے اسبات پر عقل کی کچھ تسکین سی ہو جاتی ہے کہ جس خدا نے اس ستارہ کو اس قدر تیزی سے چلا رکھا ہے اس جنس کے بڑے سے بڑے عمل پر بھی وہ قادر ہے خصوصاً جبکہ گرنے والے اجسام کے قانون نے حرکتِ اجسام کی تیزی کی بعید زیادتی اور بھی صاف طور پر ظاہر کر دی ہو اور اگر آپ کہیں کہ مشتری کی رفتار تو بذریعۂ قوتِ کشش کے ہے جیسا کہ ہمارے علوم میں اسکی تفصیل موجود ہے اور اسی طرح گرنے والے اجسام کی تیزی بھی اسی کشش کا نتیجہ ہے تو میں کہوں گا کہ پھر وہ قوتِ کشش ہے کیا چیز جسکا نام لیکر آپ ہمیشہ ڈینگ مارا کرتے ہیں . . . .

. . . . اور اُسکی جانب کائنات میں بڑے بڑے اعمال کو منسوب کرتے ہیں حالانکہ آپ کو نہ اُسکی حقیقت معلوم ہے اور نہ آپ یہی بتا سکتے ہیں کہ وہ اجسام میں کیوں قایم ہے اور اس کا کیا سبب یا غایت ہے غایت آپ ان حوادث کائنات کی وجہ بتانے کیلئے جنکو دیکھکر عقل حیران رہجاتی ہے جیسے کہ نظام شمسی وغیرہ اُنکے قائل ہوگئے ہیں اور اُنکے ثبوت کے تسلیم کرنیکی تقدیر پر بتائے تو سہی کہ اسے ایجاد کس نے کیا اجسام کا خاصہ کسنے بنا دیا اور کائنات میں اتنے اتنے بڑے اعمال اس سے کس نے لئے کیا اس خدا کے علاوہ کوئی دوسرا ہو سکتا ہے جس نے کائنات کو عدم سے ایجاد کر دیا اعلیٰ درجہ کی حکمتوں اور کامل انتظام پر بنایا پس جب یہ خدا قوتِ کشش کی ایسی چیز کے ایجاد کرنے اور اس سے ایسے ایسے اعمال کے پیدا کرنے پر قادر ہو تو وہ اس سے کب عاجز رہ سکتا ہے کہ ملائکہ (فرشتوں) کو اتنی بڑی مسافت کے بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کرنے پر قادر کر دے خواہ کسی قدرتی قانون کے ذریعہ سے جو اُن میں اُس نے رکھا ہو یا بلا کسی قانون کے کیونکہ سب کچھ عقلاً ممکن ہے اور اُسکی قدرتِ عظیم کچھ ہی کیوں نہ ہو سب کی صلاحیت رکھتی ہے۔ رہا آسمانوں کا فرشتوں سے بھرا ہوا ہونا تو اسمیں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہ بھی منجملہ مخلوقاتِ خداوند…

؎ مثلاً ہم کو چوتھے سکنڈ میں اُسی جسم کی تیزی دریافت کرنا ہے جسکی پہلے سکنڈ میں سولہ قدم چال تھی تو سولہ کو چار کے مربع یعنی سولہ میں ضرب دینگے تو حاصل ضرب یعنی ۲۵۶ جواب ہوگا صورت یہ ہے ۱۶×(۴)۲ = ۱۶×۱۶ = ۲۵۶ جواب ۱۲ مترجم

کے ہیں جنکو اُنے اُنہیں آسمانوں ہی میں سکونت پذیر کر دیا ہے جیسے کہ کائنات ارض کو زمین میں ساکن کر رکھا ہے اور جیسے کہ کروڑوں ہی حیوانات جو خوردبین سے معلوم ہوتے ہیں ایک قطرۂ پانی میں ساکن بنائے ہیں اور اُسکی قدرت بڑی سی بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز سب کے ساتھ مساوی نسبت رکھتی ہے کسی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور آپ اور آپ کے علاوہ اور لوگوں میں سے بہتیرے ہیئت دانوں کا یہ گمان ہے کہ ان ستاروں میں انسان کی طرح بڑے بڑے کام کرنے والی کائنات موجود ہے جنکے وجود پر اُنکے اعمال کے آثار سے جو بذریعہ بڑی بڑی خوردبینوں کے خیال میں آتے ہیں استدلال کرتے ہیں وہ آثار یہ ہیں جیسے، رستوں کا مفتوح ہونا اُسمیں کچھ گڑھے سے معلوم ہونا وغیرہ۔ بس اس بیان کے بعد آسمانوں میں ملائکہ کے موجود ہونے اور اُن سے آسمانوں کے پُر ہونے سے تعجب ہی کا کون موقع ہے اور اگر آپ یہاں بھی یہی کہیں کہ جملہ مذکورہ امور یعنی ملائکہ اور جن کے ثابت ہونے۔ اُن میں ان خواص کے پائے جانے اور آسمانوں کے فرشتوں سے پُر ہونے پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا دلیل ہے؟ تو یہاں بھی میں یہی کہونگا کہ ان سب چیزوں پر اُن کی دلیل اُن کی شریعت کی نصوص ہیں جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناطق ہوئے ہیں اور وہ سچے ہیں اور اُن کے سچے ہونے کی تصدیق اُن کی رسالت کے قطعی دلائل سے ثابت ہو جانے سے ہو چکی ہے۔ یہی امر ہے جس نے اُنھیں اسکے اعتقاد پر آمادہ کر دیا ہے اور یہ سب کچھ عقلاً ممکن ہے جس کے ماننے سے کوئی محال نہیں لازم آتا اس لئے وہ بلا کسی تاویل کے اُسکے ساتھ ایمان لے آئے۔

رہا یہ امر کہ انسان میں ایک جان ہے جسے روح کہتے ہیں اور وہ اُسکے بدن کے علاوہ ہے اور اُسکو بدن سے ایسا تعلق ہے جسکی وجہ سے اُس میں حیات پیدا ہوتی ہے اور جب وہ اُس سے جُدا ہو جاتی ہے تو اُسکو موت آ جاتی ہے اور یہ کہ وہ بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اُسے ادراک ہوتا ہے اور الم حاصل کر سکتی ہے اور یہ کہ انسان کو مرنے اور فنا ہونے کے بعد خدا تعالیٰ پھر لوٹائیگا اور اُسکے ساتھ دوبارہ روح کا تعلق پیدا کر دیگا اور اُسنے جو اپنی زمینی زندگی کی مُدت میں اچھے عمل کئے ہونگے اُن کی جزا دیگا اور بُرے عمل پر اُن کی سزا کریگا اور جسوقت بدن کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور اُسمیں حیات قایم ہوتی ہے اُسوقت لذت اور الم مجموعہ روح اور بدن کے ساتھ قایم ہوتا ہے اور یہ کہ باقی حیوانات کی بھی انسان ہی کی طرح ارواح ہوتی ہیں اور اُنھیں اتنا ادراک حاصل ہوتا ہے جتنا کہ اُنھیں اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے کافی ہو البتہ اتنا ادراک اور اتنی عقل اُنکو نہیں حاصل ہوتی جتنی کہ انسان کو ہوتی ہے چنانچہ اسی لئے خدا نے عبادت کی تکلیف انسان کو دی گئی ہے نہ باقی حیوانات کو پس میں کہتا ہوں جب آپ نے امور مذکورہ کی تصدیق سے اس بنا پر انکار کیا کہ علم سے صرف ہیکل انسانی ہی کا پتہ لگ سکا اور اُسکے سوا کسی چیز کو جیسے کہ روح آپ نہ جان سکے علی ہذا القیاس حیوانات میں بھی آپ ارواح کو نہ دریافت کر سکے تو سُنئے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے تعلق میں کہ ہر انسان کے ایک روح ہوتی ہے جسے کہ اُسکے بدن سے تعلق ہوتا ہے لیکن ہاں اُس کی حقیقت سے بحث کرنے میں اُنھوں نے اختلاف کیا ہے بس بعضوں نے تو اُسمیں خوض ہی نہیں کیا اسلئے کہ صاحب شریعت سے اُسپر کوئی دلیل نہیں وارد ہوئی تھی ان لوگوں کے

طریق پر اُن شرعی نصوص کے تصدیق کرنے کیلئے جو روح کے وجود پر دلالت کرتی ہیں صرف یہی اعتقاد رکھنا کافی ہو کہ ہر انسان کے روح ہوتی ہے اور وہ ایک موجود شے ہے جسکی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور اُسکے وجود کے قائل ہو جانے عقل کے ذرا بھی خلاف نہیں لازم آتا۔ رہا اُس کا محسوس نہ ہونا یہ اُس کے عدم کو مقتضی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ہم اُسکو اُسکی لطافت کی وجہ سے محسوس نکرتے ہوں جیسے کہ ایتھر جسکے آپ لوگ قائل ہیں حالانکہ آپ نے کبھی سو محسوس نہیں کیا یا اُسکے بہت باریک اور چھوٹے ہونیکی وجہ سے ہم اُس کا ادراک نکرسکتے ہوں جیسے کہ وہ حیوانات جو بذریعہ خوردبین دمائی کراسکوپ کے نظر آتے ہیں یا کسی اور وجہ سے اور ان میں سے بعض لوگوں نے اُس کی حقیقت سے بحث کرنیمیں خوض کیا ہے چنانچہ بعض محققین نے کہا ہے (اور وہ شیخ نووی ہیں جیسا جوہرہ کے حاشیہ امیر میں ہے) کہ روح کے بارہ میں جتنے اقوال ہیں سب میں زیادہ صحیح بعض محققین (وہ امام الحرمین ہیں) کا یہ قول ہے کہ روح ایک لطیف شفاف بالذات زندہ جسم ہے جو اجسام کثیفہ میں اُسی طرح رگ و پے میں سرایت کئے رہتا ہے جیسے کہ سبز شاخ میں پانی پھر بعض تو یہ کہتے ہیں کہ بدن میں اُسکی جائے قرار معلوم نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اُسکا مقر پیٹ ہے۔ بعض کہتے ہیں قلب کے قریب ہے بعض کہتے ہیں قلب ہی ہے پھر انھوں نے نفس حقیقت انسان میں اختلاف کیا ہے پس بعض کہتے ہیں (اور وہ جمہور متکلمین ہیں جیسا کہ رازی وغیرہ میں ہے) کہ انسان بدن ہی ہے لیکن ہاں اُسکے روح ہوتی ہے (جیسا کہ پیشتر گذر چکا) جو اُسکے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور روح کے متعلق ہونیسے خدا کے پیدا کرنے کے باعث سے بدن کو حیات حاصل ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان مجموعہ روح اور بدن کا نام ہے۔ اور بعض قائل ہیں جنکی تعداد بہت کم ہے کہ انسان فقط روح ہی ہے اور بدن صرف اُسکا قالب ہے لیکن بعد اس کے سب اسبات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالی لوگوں کے مرنے اور اُنکے بدنوں کے فنا اور منتشر ہو جانیکے بعد اُن کے بدنوں کو دوبارہ بناکر اُنھیں ضرور زندہ کرے گا اور اُن کی ارواح کا اُن کے بدنوں کے ساتھ تعلق پیدا کر دیگا اور اُنسے حساب لیگا پھر اُنمیں سے بعض کو جنت یعنی جزا کے مکان میں داخل کر دیگا اور بعض کو جہنم یعنی سزا کے مکان میں داخل کریگا اور یہ دوبارہ زندہ کیا جانا اور جو اُسکے توابع ہیں سب کچھ اسلامی دین کے قطعی اصولوں سے ہے جن پر اُن سب کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہ دین کے ضروری معلومات میں سے ہے یہانتک کہ جو اُس کے ممکن ہونے یا اُسکے واقع ہونے سے انکار کرے وہ اسلامی دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ شرعی نصوص میں بکثرت مقامات پر اس کی تصریح موجود ہے اسپر دلائل قایم کئے گئے ہیں۔ اور ان نصوص کی تصدیق کرنے اور بعث مذکور (دوبارہ

حسنہ تشریح ہم جانتا ہوں کہ کچھ تعجب نہیں کہ اس مقام پر پہونچکر ناظرین کو خیال پیدا ہو کہ قبل ثبوت بعث کے تمام عالم کے فنا ہو جانیکو جسکو قیامت کہتے ہیں ذکر کرنا مناسب یا واجب ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس شئے کا امکان چونکہ نہایت بدیہی تھا کیونکہ عالم کے جزو یعنی کائنات ہمارے مشاہدہ میں فنا ہوتے چلے جاتے ہیں سو ان کائنات ضائعہ و دیگر کائنات میں فرق ہی کیا ہے ممکن ہے کہ اسی طرح سب ایک روز فنا ہو جاویں اسلئے اسکا بالاستقلال بیان کرنا مصنف ذی فہم نے ضروری نہیں سمجھا بخلاف بعث بعد الموت کے کہ اسمیں کسیقدر خفا تھا اسمیں گفتگو شروع کر دی مگر زمانہ حال کے

زندہ کیے جانے کے اعتقاد رکھنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ اسبات کا اعتقاد کیا جائے کہ حساب کیلئے بدن کو اُسکے فنا ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے اور ارواح کا اُن کے ساتھ مکرر تعلق پیدا کرنے کے ذریعہ سے بعث اور اُسکے توابع ضرور واقع ہونگے اور یہ اعتقاد ایسے طریق پر ہونا چاہیے جسمیں کوئی عقلی محال لازم نہ آئے بلکہ امکان عقلی کے دائرہ ہی میں رہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۲۰۶) موافق ہم نے مناسب سمجھا کہ اس بحث سے بھی یہ کتاب بے خالی نہ رہ جائے اسلئے اسکے متعلق ہم ایک مفید مضمون بطور حاشیہ کے نقل کرتے ہیں جس کو ہم نے فاضل حکیم محمد علی صاحب اڈیٹر مُرَقّع عالم کی تقریر دلپذیر سے خلاصہ کیا ہے جسمیں مکان کے گذر کر وقوع کو قریب الفہم کر دکھلایا ہے اب قیامت و بعث کا مضمون مکمل مرتب ہو جاویگا وہ مضمون مفید یہ ہے آپ لوگ کہتے ہیں سائنس کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ انرجی (یعنی کسی کام کرنیکی قوت یا مدمقابل پر غالب آنیکی قوت جسکو قدیم فلاسفہ کی اصطلاح میں میدمیل کہہ سکتے ہیں) کبھی ضائع نہیں جاتی اور جو چیز حرکت کر رہی ہے اگر اسکا کوئی روکنے والا نہیں ہو تو وہ ہمیشہ اسی طرح حرکت کئے جائیگی چنانچہ پروفیسر ل فورٹ اسٹورٹ نے بھی کنسرویشن آف انرجی (انرجی کبھی ضائع نہیں ہوتی) میں اسکو خوب ثابت کیا ہے اسلئے زمین اور دیگر سیارے جس طرح اب حرکت کر رہے ہیں اسی طرح برابر حرکت کئے جائیں گے اور اسی کے بھروسہ پر آپ بڑے دعوے کیا کرتے ہیں کہ جب انرجی ضائع نہیں جاتی اور حرکت میں رہنے والی چیز ساکن نہیں ہو سکتی تو پھر کیونکر دنیا کا خاتمہ ہوگا میں کہتا ہوں آپ مانتے ہیں کہ زمین میں دو حرکتیں ہیں ایک تو روزانہ جس سے وہ چوبیس گھنٹے کے اندر ایک مرتبہ اپنے محور پر گھوم جاتی ہے اور دوسری حرکت دوری یا سالانہ جس سے وہ سال بھر میں آفتاب کے گرد گردش کر جاتی ہے اور یہ دونوں حرکتیں بوجہ رگڑ کے رفتہ رفتہ میں تبدیل ہوتی جاتی ہیں اور زمین کی تیزی رفتار میں کمی آتی جاتی ہے۔ روزانہ حرکت میں کمی ہونیکی خاص وجہ یہ ہے کہ مد و جزر (جو ماہتاب کی کشش سے ہوتا ہے) کی حرکت یا رفتار زمین کی حرکت سے (جو اپنے محور کے گرد ہے) خلاف ہے۔ اسوجہ سے زمین اور پانی میں بے انتہا رگڑ پیدا ہوتی ہے جس کو پانی بانسوں اونچا ہو جاتا ہے اور یہ رگڑ اگرچہ زور میں گھومنے والی زمین کی رفتار کو فوراً روک یا کم تو نہیں کر سکتی مگر ہاں رفتہ رفتہ اسکے زور کو کم اور رفتار کو سست کرتی جاتی ہے ہمارے اس دعوی کا ثبوت اُن منجموں کی تحریرات سے مل سکتا ہے جنھوں نے گذشتہ زمانہ کے کسوف و خسوف کو اپنے حساب سے دریافت کیا اور اُسکا مقابلہ اگلی تاریخی کتابوں سے کیا کہ وہ کب پڑے تھے۔ اور ان دونوں مقابلوں سے یہ بات اُنکو معلوم ہوئی کہ گذشتہ زمانہ کے کسوف و خسوف اور حال کے کسوف و خسوف میں فرق ہے جس سے بدیہی نتیجہ نکلتا ہے کہ زمین کی روزانہ حرکت میں بہ نسبت پہلے کے اب کمی ہے اور آخری نتیجہ اس رگڑ کا یہ ہوگا کہ اب جو چوبیس گھنٹہ میں اپنے محور کے گرد دورہ کر جانیوالی زمین آئندہ کبھی اسقدر زمانہ میں حرکت کرنے لگی جسقدر عرصہ میں کہ ماہتاب حرکت کرتا ہے یعنی انتیس دن بارہ ساعت چوالیس دقیقہ اور تین ثانیہ اور پھر رگڑ موقوف ہو جائیگی سالانہ حرکت کی قوت میں کمی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ خلا محال ہونیکا مسئلہ فلسفہ میں اچھی طرح مدلل ہو چکا ہے اور یہ قدیم سائنس نے خوب اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ زمین اور آفتاب کے مابین کوئی مادی چیز ضرور ہے جسکو ایتھر سے تعبیر کرتے ہیں اور جب کوئی مادی چیز موجود ہو تو یہ بھی ضروری ہے کہ اسمیں اور گھومتی ہوئی زمین میں رگڑ پیدا ہو جسکے اثر سے زمین کی سالانہ حرکت میں بھی کچھ فرق واقع ہوگا ایک دم دار ستارہ جسکو انکیز کمٹ کہتے ہیں جبکہ وہ غائب ہو جاتا ہے اور پھر جب وہ طلوع ہوگا تو حسابات ابھی طرح

عقلاً ممکن ہے وہ ضرور خدا کی قدرت کے تحت میں داخل ہے ان کیلئے یہ ضروری نہیں کہ اس دوبارہ پیدا کئے جانیکی تفصیل اور اسکی کوئی کیفیت بھی جو عقلاً ممکن ہو انہیں معلوم ہو کیونکہ ان کی شریعت کی جانب سے انہیں اس کی تکلیف نہیں دی گئی لیکن جب اُنپر ان کے مخالفین نے جو بعث کے منکر ہیں اس قسم کے اشکالات وارد کئے جیسے بدن کے دوبارہ پیدا

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۲۱۵) ... معلوم ہے لیکن آج نزدیکی (مشاہدات) سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی حرکت گھٹتی جاتی ہے جس کی وجہ آج بھی ثابت ہو گئی ہے کہ یہ حیرت انگیز کرہ بھی مادہ کی گرد کیوجہ سے جو ہوا کیطرح ستاروں کے درمیان پھیلا ہوا ہے اُسکے اندر اسی طرح حرکت کر رہے ہیں جس طرح پانی کے اندر مچھلیاں۔ یہ گرد زمین کی حرکت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ کوئی چیز نہیں لیکن اس کی مزاحمت کیطرح آہستہ آہستہ اثر کریگی اور اسکا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ کل سیاروں کی حرکت میں فرق آجائیگا اور حرکت کرنیکی انرجی دوسری قوت یعنی حرارت میں تبدیل ہو جائیگی۔ گو اس موقع پر پروفیسر ل فورڈ اسمتھ صاحب کی کتاب ... انرجی (انرجی کبھی فنا نہیں ہوتی) ہمارے ساکت کرنے کیلئے لکھ کر رکھدی جائیگی مگر ہمارے دل کو اس سے کچھ اطمینان نہیں ہوسکتا۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ زمین کے حرکت کرنے کی انرجی ضائع ہو جائیگی بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اُسکی انرجی حرارت آفتاب میں بدل جائیگی اور پھر اس میں ... ہی دنیا میں ایسی آگ بھڑکے گی کہ کوئی جاندار جاندار نہ رہ سکے گا۔

انرجی کا حرارت کی صورت میں تبدیل ہو جانا گو نیوٹن کی آنکھ سے پوشیدہ ہو گا اور اسکے بعد بھی کچھ دنوں اس امر میں پیچیدگی رہی کہ متحرک جسم کرکے جانے پر انرجی کیا ہوئی کہاں گئی لیکن بعض بعض فلاسفروں کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ نیوٹن سے پہلے بھی بعض بعض کو اس امر کا شبہ سا تھا کہ شاید انرجی حرارت میں تبدیل ہو جاتی ہو اور پھر تو پورے محققین میں سے سر ہمفری ڈیوی ... ٹامسن ... کاؤنٹ رمفورڈ ... جول ... اور ... کی تحقیقات نے اس مسئلہ کو بہت اچھی طرح ثابت کر دیا کہ انرجی واقعی حرارت کے قالب میں تبدیل ہو جاتی ہے ... ہم جس کو انرجی کہتے ہیں انرجی جس پر خدا کی جاندار مخلوق کی حیات مبنی ہے اب غرب ہوتی جاتی ہے۔ حرارت تمام عالم میں پھیلتی جاتی ہے اور سال بسال اسکو ترقی ہوتی جاتی ہے گو اسکا بڑھنا ابھی ہمکو محسوس نہیں ہوتا مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ آگے چلکر ایک ایسا وقت نہ آئیگا کہ اُسکے بڑھنے سے ہم ... واقف نہ ہو جائیں گے۔ سر ... ٹامسن کہتے ہیں کل یونیورس (عالم) ایک سسٹم (منتظم) ہے جسکی ابتدا تھی اور ختم ہو گا اس لئے کہ زوال کیحالات ہمیشہ ایک حال پر اور ایک ہی حد پر نہیں ٹھہر سکتی۔ ہمارے زمانہ حال کے محققین سائنس میں سے پروفیسر ... نے کیا خوب کہا ہے: اگر ہم یونیورس کو ایک لیمپ فرض کریں جو نہیں جلا ہے تو شاید ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہے لیکن اگر اسکو ہم ایسے لیمپ خیال کریں کہ جو جلایا گیا ہے تو ہم کو اسکا پورا یقین ہے کہ وہ ازل سے نہیں جلتا ہے اور ایک ایسا وقت آئیگا کہ وہ گل ہو جائیگا۔

دنیا کے مختلف مقاموں کی آبادی اور اسکے کل کاموں کا ... حرارت کے مختلف درجوں (ٹمپریچر) پر ہے جس کا اعتدال اس زمین پر ... اور سیاروں کی مختلف حرکتوں کو ... برابر رکھا ہے مگر انرجی کے حرارت میں تبدیل ہونے سے اس ... کا نمبر پھر اپنی حد سے تجاوز کر جائیگا تو یہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں رہیگی۔ نباتات کا زمین پر کہیں نام نہ رہیگا کنوئیں سوکھ جائیں گے دریاؤں میں خاک اڑیگی اور پھر کل جاندار کیا چرند کیا پرند کیا انسان کیا حیوان سب مرکر رہ جائیں گے۔ سیاروں کو حرکت کرنیکی قوت (انرجی) جب حرارت میں تبدیل ہوتے ہوتے بہت کم رہجائیگی تو اسکی حرکت کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ سیارے کسی قوت میں تاب نہ لا سکیں گے حشر برپا ہو جائیگا۔ زمین پھٹ جائیگی پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑیں گے ہستی کا یہ سارا طلسم ٹوٹ جائیگا اور یہی دنیا کا خاتمہ ہوگا

کرنیں بظاہر عقلی محالات لازم آتے ہوئے معلوم ہوئے تو انکو ضرورت پڑی کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جانے اور اُسکی ممکن کیفیت کے بارہ میں اپنے مخالفین کی تسکین کرنے کیلئے اُسکی تفصیل میں خوض کریں اور غور کرکے کوئی ایسی ممکن کیفیت بیان کریں جس سے عقلوں کو تسکین ہو جائے اور کمزور دین والوں کے خیالات پریشان نہ ہوں۔

چنانچہ جو اشکالات بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے پر مخالفین کی جانب سے اُن پر وارد کئے گئے ہیں انمیں زیادہ تر مشہور یہ ہیں کہ انسان اپنے مادہ کی وجہ سے انسان نہیں ہے۔ بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے اور انسانی افعال اُس سے صرف اُس کی صورت ہی کے پائے جانیکی وجہ سے صادر ہوتے ہیں چنانچہ مادہ سے جب اُس کی صورت باطل ہو جائیگی اور مادہ اپنے اصول یعنی عناصر کی جانب لوٹ آئیگا تو سرے سے وہ انسان ہی نابود ہو جائیگا پھر جب اُسی مادہ سے انسان کی جدید صورت بنائی جائیگی تو اُس سے دوسرا انسان پیدا ہوگا نہ کہ پہلا کیونکہ دوسرے میں پہلے انسان کا صرف مادہ موجود ہے نہ اُس کی صورت اور وہ قابل تعریف یا قابل مذمت اور مستحق ثواب یا عقاب اپنے مادہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے پس لازم آتا ہے کہ جس انسان کو ثواب یا عقاب دیا جائیگا وہ نکوکار یا بدکار انسان نہ ہو بلکہ ایک دوسرا انسان ہو جو مادہ میں اسکا شریک ہے۔ اور نیز یہ اعتراض کہ جب کوئی انسان کسی انسان کو کھا جائے تو اُسکی غذا بنجانیکی وجہ سے دونوں ایک ہو جائیں گے تپس بعث کے وقت وہ روح ایک انسان کے ساتھ کیسے متعلق ہوگی۔ اور نیز یہ اعتراض کہ اکثر روئے زمیں پر پرانے مُردوں کی لاشوں کے اجزا ہیں اور انہیں بہت کچھ کاشتکاری کی گئی درخت لگائے گئے اور ان سے لوگوں نے غذا حاصل کی اور یہ غذا گوشت اور خون بنکر اُنکے بدن کا بھی جزو ہو گئی۔ پس ایک اصل اور ایک وہ اتنے بہت سے آدمیوں کی صورتوں کیلئے کیونکر ہو سکے گا فقط۔ ان اشکالات کے مقابلہ میں وارث محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دفع کرنے کیلئے اجمالاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وسعت علم اور اُسکی عظمت قدرت جن دونوں پر کہ اُسکے مصنوعات کے عجائب اُسکے اعمال کے غرائب و دقائق کے ذریعہ سے یقینی دلیل قایم ہو چکی ہے۔ ان دونوں کے لحاظ سے بعث کا ایسے طور پر ہو جانا جس سے وہ محالات جو ان اشکالات میں لازم کئے گئے ہیں لازم نہ آئیں ذرا بھی مستبعد نہیں ہے اور بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے ساتھ ایمان لانا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ کسی ایسے طریق پر واقع ہوگا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے ہمارے لئے بالکل کافی ہے اپنے ایمان کے صحیح کرنے کیلئے ہمیں ضرورت نہیں کہ ہم اُسکی اُس کیفیت کو بھی بیان کریں جسے اللہ تعالیٰ اس میں جاری کریگا ہمیں اس کا تفصیلی علم خدا کے حوالہ کرنا چاہئے لیکن عقل کی تفصیلی تسکین کرنے اور کمزور دین والوں کے خیالات پریشانی سے بچانے کیلئے ہم کہتے ہیں کہ جسم کے جو اجزاء لوٹائے جائیں گے وہ سب اصلی اجزاء ہونگے یعنی وہ اجزاء جو اول عمر سے آخر تک باقی رہتے ہیں نہ زائد اجزاء ایسا ہی اُس شبہ کے جواب دینے کیلئے جو ایک انسان کے دوسرے انسان کو کھا جانے کی بنا پر کیا گیا ہے جمع الجوامع اور اُسکے حاشیہ کمال سے نقل کرکے ہم لکھتے ہیں

ف [illegible]

اصلی اجزاء اور زائد اجزاء کا ماننا مذکور ہے اور اسی امر سے باقی شبہوں کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے جیسے کہ میں ابھی اسکی تقریر کرتا ہوں پس کون امر مانع ہو سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ جس کا علم وسیع اور قدرت نہایت ہی عظیم ہے انسان کے ان اصلی اجزاء کو متفرق ہونے اور اپنی صورت کے زائل کرنے سے محفوظ رکھے اور دوسرے حیوان کے اصلی اجزاء کی ترکیب میں داخل ہونے دے چاہے وہ زائد اجزاء کی ترکیب میں داخل ہو جائیں اس طرح پر اصلی اجزاء انکے منتشر ہونے کے وقت اُن سے جدا ہو جائیں گے پھر بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے وقت روح کا تعلق خدا انھیں اصلی اجزاء کے ساتھ کر دیگا اور اُن کے ساتھ کچھ زائد اجزاء بھی ملا دیگا۔ عام ہے کہ بعینہٖ وہی اجزاء ہوں جو قبل موت کے ان اصلی اجزاء کے ساتھ منضم تھے یا دوسرے ہوں اور نعمت و عذاب کا احساس صرف روح اور انھیں اجزاء اصلیہ کو ہو گا۔ اس کیفیت پر یہ امر بخوبی صادق آتا ہے کہ یہ دوبارہ زندہ کرنا ہے کیونکہ روح کا اصلی اجزاء کے ساتھ دوبارہ تعلق پیدا کیا گیا ہے بعد اسکے کہ ان اجزاء سے روح کا تعلق جدا ہو گیا تھا اور انھیں اصلی اجزاء میں حیات لوٹائی گئی ہے اور ان کے ساتھ زائد اجزاء ملا دئے گئے ہیں جنکے بعینہٖ اعادہ کرنے پر انسان کا اعادہ کرنا اور دوبارہ زندہ کیا جانا موقوف نہیں پس اب نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس انسان کو نعمت یا عذاب دیا جائیگا وہ اُس انسان کا غیر ہے جو قبل موت کے تھا اور نہ یہ کہ دو روحوں کا ایک بدن کے ساتھ متعلق ہونا لازم آتا ہے اور نہ یہ کہ بہت سے آدمیوں کے لئے صرف ایک ہی مادہ ہو گا بلکہ اصلی اجزاء کے ساتھ کسی روح کے متعلق ہونیکی وجہ سے جیسے کہ قبل موت وہ کوئی انسان تھا اُسی طرح بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے وقت بھی اُسی روح کے اُنھیں اصلی اجزاء کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے بعینہٖ وہی انسان رہے گا اور خدا کا علم اور اُسکی قدرت اس کیفیت کو ایسے طور پر جاری کرنے کیلئے جس سے کوئی بھی محال نہ لازم آئے کافی ہے چاہے یہ امر کسی قدرتی قانون کے ذریعہ سے انجام پائے یا بلا کسی قانون کے اور ہمارا اُنکو نہ دیکھنا اُنکے واقع میں نہ ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ہم صرف زائد اجزاء کو مشاہدہ کرتے ہوں اور اصلی اجزاء خواہ اپنے باریک اور چھوٹے ہونے یا اپنی لطافت کے باعث یا کسی اور وجہ سے ہمارے مشاہدہ میں نہ آ سکتے ہوں اور کائنات میں تو بہت سے عالم ایسے ہیں جو ہمارے حواس سے مخفی اور پوشیدہ ہیں (جیسے گیس ایتھر وغیرہ) تو ممکن ہے کہ یہ بھی اسی قبیل سے ہوں خلاصہ یہ کہ ہماری شریعت کی نصوص بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے ساتھ ناطق ہیں اسلئے ہم اسپر ایمان لائے ہیں اور اسکا اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ امر ایسے طریق پر ہوگا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے اور ہمارے ذمہ اُسکی تفصیلی کیفیت کا بیان کرنا ضروری نہیں اور اگر اسکی ضرورت ہی ہو تو ہمارے

ع یہ ظاہر بات ہے کہ کیا انسان اور کیا دیگر حیوانات تمام ذی حیات میں سے کے بدن سے اجزاء تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور بجائے انکے بذریعہ غذا کے دوسرے اجزاء بدن بنتے رہتے ہیں اب یہ تبدیلی یا تو تمام اجزاء میں ہوتی ہوگی یا صرف بعض میں تبدیلی ہو گی اور بعض اجزاء اول عمر کے آخر تک باقی رہتے ہونگے اول تقریر پر تو یہ بات ثابت ہو گی کہ اگر کسی انسان کے سارے اجزاء بدل جائیں جب بھی وہ انسان دوسرا انسان نہیں بنتا بلکہ اسمیں صرف اُسکی روح کا اعتبار ہے اور ثانی تقریر پر اصلی اور زائد اجزاء ثابت ہو جائیں گے بہرحال دونوں تقریروں پر انسان کا دوبارہ زندہ کیا جانا بلا تکلف ثابت ہوتا ہے ۱۲ مترجم

خیال میں ایسی ہی کیفیت جسکی ہم نے تقریر کی عقلوں کو تسکین بخشنے اور اشکالات کے دفع کرنے کیلئے بالکل کافی ووافی ہے زیادہ تو خدا ہی جانتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے اس مقام کی توجیہ اور توضیح ایسے طور پر ممکن ہے کہ جن شرعی نصوص پر اعتقاد کے بارہ میں مدار ہے اُن میں سے کسی کے بھی خلاف نہ پڑے اور اس مقام پر ضرورت ہے کہ میں امت محمدیہ کے علماء کا کچھ کلام اسکے پیشتر ذکر کردوں تاکہ اُسکے سمجھنے کے بعد یہ توجیہ اچھی طرح دل کو لگے۔

پس سنئے کہ شریعت محمدیہ کے علماء اکابر میں سے جس شخص نے اس بات پر کہ اصلی انسان اس ڈھانچہ کے علاوہ ہے استدلال کیا ہے وہ امام رازی ہیں اپنی تفسیر کبیر میں ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اس بات کا تو ہمیں بدیہی علم حاصل ہے کہ بدن کے اجزاء کمی اور زیادتی کے اعتبار سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں جیسے کہ فربہ اور لاغر ہونے میں اور یہ بات بھی بالبداہت معلوم ہوتی ہے کہ تبدل اور تغیر ہونے والی شے (بدن) ثابت اور باقی رہنے والی شے (انسان) کے مغائر ہے اور ان دونوں باتوں کے ملانے سے اسکا قطعی علم حاصل ہوتا ہے کہ انسان اس مجموعی بدن کا نام نہیں ہے پھر انھوں نے کہا ہے کہ انسان کبھی زندہ رہتا ہے باوجودیکہ بدن مردہ ہو جاتا ہے پس ضرور ہوا کہ انسان اس بدن کے مغائر ہو اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اسکے صحیح ہونیکی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون یعنی اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے گئے اُن کو ہرگز مردہ نہ خیال کر بلکہ وہ زندہ ہیں انھیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے پس یہ نص اسبارہ میں صریح ہے کہ یہ مقتول زندہ ہیں حالانکہ بذریعہ حس بدن مردہ معلوم ہوتا ہے پھر حضرت نبی نے فرمایا ہے کہ انسان مرنے کے بعد زندہ کیا جاتا ہے اور ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "انبیاء اللہ تعالیٰ لا یموتون ولکن ینقلون من دار الی دار یعنی خداتعالیٰ کے نبی نہیں مرتے لیکن ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کردئے جاتے ہیں" علی ہذا القیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول "القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النار یعنی قبر یا تو باغات جنت میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا آگ یعنی دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق۔ پس یہ جملہ نصوص اسبات پر دال ہیں کہ انسان بدن کے مرنے کے بعد زندہ رہتا ہے حالانکہ بداہت عقل اور فطرت دونوں اسبات پر شاہد ہیں کہ یہ بدن مردہ ہے اور اگر ہم اسکا اسی حالت میں زندہ ہونا جائز رکھیں تو اس طرح کی زندگی تمام جمادات میں ہوگی۔ اور یہ فساد صریح کا ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ انسان زندہ اور بدن مردہ ہے تو لازم آیا کہ انسان بدن نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی دوسری چیز ہے۔ پھر انھوں نے کہا ہے کہ شرعی نصوص سے جن لوگوں کا مسخ ہو جانا وہم ہوا ہے اُن کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ حالت مسخ میں وہ انسان باقی رہا یا نہیں پس اگر نہیں باقی رہا تو یہ اس انسان کو مار ڈالنا اور اس حیوان کو جسکی جانب وہ مسخ ہوا تھا از سر نو پیدا کرنا ہوگا حالانکہ مسخ اسے نہیں کہتے اور اگر ہم کہیں کہ مسخ ہو جانیکی حالت

ع۔ مقصود اس تقریر سے اپنے مقابل کو الزام دینا نہیں ہے بلکہ صرف یہ بات دکھلانا ہے کہ علماء امت محمدیہ کی کیا رائے ہے تاکہ آگے چلکر جو احتمالات ممکنہ بیان کئے جاویں اُنمیں شبہ مخالفت رائے علماء امت کا نہ ہو۔ واللہ اعلم ۱۲

میں بھی یہی انسان زندہ ہے تو اس تقریر پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہی انسان اور وہی بدن باقی ہے البتہ وہ ہیکل اور شکل نہیں رہی پس ضروری ہوا کہ انسان اس بدن کے مغایر کوئی شے ہو۔

پھر انھوں نے کہا ہے وہ جبکہ انسان کیلئے صاحب ادراک عقلی ہونا ضروری ہے اور ادراک عقلی قلب ہی میں حاصل ہوتا ہے نہ کہ بدن میں پس انسان کسی ایسی چیز کا نام ہونا چاہئے جو قلب میں موجود ہو اور جب یہ ثابت ہوا تو اسیات کا قائل ہونا کہ انسان اسی ہیکل اور اسی بدن کو کہتے ہیں باطل ہو گیا۔ اس کے بعد انھوں نے اسپر کہ انسان کو علم ہوتا ہے اور نیز اسپر کہ وہ قلب میں ہوا کرتا ہے استدلال کیا ہے جس کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔

پھر جاننا چاہئے کہ قرآن شریف کی نصوص میں خدا کا یہ قول وارد ہوا ہے "واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم و اشهدهم علی انفسهم الست بربکم قالوا بلی شهدنا" جس کا ترجمہ یہ ہے اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے انکی اولاد کو نکالا اور انکے نفسوں پر انھیں کو شاہد بنا کر کہا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو وہ کہنے لگے بیشک۔ تو ہمارا پروردگار ہے ہم اسکی شہادت دیتے ہیں"۔ اور اس نص کی تفسیر حدیث میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر منقول ہے یہ وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کی کل اولاد کو ذرہ کی طرح ان کی پشت سے نکالا۔ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء نے اس مقام پر کہا ہے۔ (جیسا کہ تفسیر جلالین کے حاشیہ جمل میں تفسیر خازن سے نقل کیا ہے) کہ خدا تعالی نے پہلے آدم کی اولاد ذرہ کے مانند ان کی پشت سے نکالی پھر ان ذروں سے جو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالے گئے تھے انکی اولاد کو ذروں کے مانند نکال لیا پھر ان ذروں میں سے بھی انکی اولاد کو ذروں کے مانند نکالا پھر اسی طرح یہ سلسلہ نوع انسانی کی انتہا تک چلا گیا پھر ان سب میں عقل فہم حرکت اور گویائی کو پیدا کر کے انھیں اپنے قول "الست بربکم" کے ساتھ خطاب کیا اس کے جواب میں سب نے بلی (بیشک) یعنی تو ہمارا رب ہے کہا اس کے بعد سب کو آدم کی پشت میں پھر داخل کر دیا اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں اب دو احتمال ہیں ایک یہ کہ وہ ذرے خود ہی بچے ہوں۔ دوسرا یہ کہ وہ ذرے اپنی اصلی حالت پر محفوظ ہوں اور جس مادۂ منویہ سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے اس مادہ میں وہ منتقل ہو کے رہتے ہوں۔ اور حقیقت حال کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے (ایسا ہی جمل میں بلا اختصار مذکور ہے) اور بعض نے کہا ہے (جیسا کہ جمل میں شرح [illegible] منقول ہے) کہ فہم کے قریب تر جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان سب کو انکی یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت کے بالوں کے مسامات کی راہ سے نکال لیا پھر یہ کہا ہے کہ انھوں نے گویائی کے ذریعے سے جواب دیا اور وہ اس حالت میں صاحب عقل اور زندہ تھے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ امر محال نہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالی نے انھیں باوجود انتہا درجہ چھوٹے ہو سکنے کے حیات اور عقل دیدی ہو۔ میں کہتا ہوں کہ جیسے وہ حیوانات جو بذریعہ آلہ مکسکوب (خوردبین) کے نظر آتے ہیں زندہ ہوں گے اور نیز یہ کہ جس قدر ادراک انھیں حاصل ہے جسکی وجہ سے وہ اپنے رزق کے حاصل کرنے کی سعی کر سکتے ہیں انھیں توالد و تناسل ہوتا ہے۔ اور انسان چیزوں سے بچتے ہیں ان کی راہ میں اگر کوئی دوسرا آجاتا ہے تو وہ کترا جاتے ہیں

تو اُسے تو اس امر میں کچھ بھی تعجب نہ ہوگا اور خدا کے علم وقدرت کو لحاظ کرکے اسکو ذرا بھی مستبعد نہ سمجھیگا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ انسان کی صورت پر ہوں کیونکہ اللہ تعالی نے ذُرّیت کا لفظ فرمایا ہے ذرات کا لفظ نہیں فرمایا اور ذریت کا اطلاق اُنھیں پر ہوا کرتا ہے جنکی صورت بھی بن چکی ہو پھر کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ خدا نے اُنکو زندہ نکالا ہے کیونکہ اُنکو ذریت کہا ہے اور ذریت زندوں ہی کو کہا کرتے ہیں اسلئے احتمال ہے کہ اللہ تعالی نے اُنکے باپوں کی پشت کی تاریکی میں اُن میں ارواح داخل کردی ہوں اور دوسری مرتبہ اُن کی ماؤں کے پیٹ کی تاریکی میں اُن میں ارواح پیدا کریگا اور تیسری مرتبہ اُس حالت میں جبکہ زمین کے اندر کی تاریکی میں ہوں گے یہی خدا کے اس قول "خلقاً من بعد خلق فی ظلمٰت ثلٰث" کا مطلب ہے (یعنی تین تاریکیوں میں یکے بعد دیگرے پیدا کرنا) خدا کی عادت اسی طرح جاری ہوئی ہے پھر کہا ہے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اُنھیں جب آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹایا تو اُن کی روحوں کو قبض کرلیا کیونکہ جو کچھ وہ مرنے کے بعد زمین میں لوٹانیکے وقت کیا کرتا ہے اُس کا قیاس اسی کو مقتضی ہے کیونکہ وہ اُن کی روحوں کو قبض کرلیا کرتا ہے اور زمین میں اُنکو لوٹا دیتا ہے انتہٰی باختصار (شعرانی کا قول باختصار تمام ہوا) اور مشہور اماموں میں سے بعض نے (امام ابو طاہر) اپنی کتاب سراج العقول میں لکھتے ہیں جیسا کہ شعرانی کی کتاب الیواقیت سے معلوم ہوتا ہے (سابق الذکر شبہوں کے جواب میں جو بحث پر وارد ہوتے ہیں کہا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ جو ذرہ پہلے زمین سے لیا گیا تھا ہر انسان میں باقی رہتا ہے کبھی نہیں بدلتا اور وہ وہی جزء ہے جو قایم رہتا ہے اور جس سے کہ عہد لیا گیا تھا (یعنی جیسا کہ ذروں کے خطاب کرنیکی آیت میں ہے جو پیشتر گذری) اور قبر میں اُسی پر سوال متوجہ ہوتا ہے اور وہی جواب کا ذمہ دار بنتا ہے اس طرح کہ اُسمیں روح لوٹادیجاتی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اور اخبار سے معلوم ہوتا ہے پھر اُسی کے ساتھ باقی اجزاء جہاں جہاں ہونگے خدا اپنی قدرت سے ملادیں گے یہانتک کہ پورا آدمی بنادیگا جیسا کہ دنیا میں تھا یہ ایسی بات ہے کہ نہ عقل اسکی مخالف ہے نہ شرع انتہٰی ببعض اختصار (امام ابو طاہر کا قول کسیقدر اختصار کے ساتھ تمام ہوا) پس یہ دلائل جنھیں کہ اس عالم (رازی) نے اثبات پر قایم کیا کہ انسان اس ڈھانچہ کا نام نہیں ہے اور میں نے انھیں نقل کیا اور سابق الذکر آیت کی تفسیر جس میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد کا لیا جانا مذکور ہے اور جو کچھ کہ اخبار میں بعض علماء اسلام (خازن اور شعرانی) جیسا کہ اس سے پیشتر منقول ہوچکا ہے کیا ہے کہا گیا ہے اور وہ تقریر جسے کہ اس اسلامی عالم (ابو طاہر) نے ان شبہوں کے رد کرنیکے لئے جو بحث پر وارد ہوتے ہیں بیان کیا اور جسکی نسبت یہ ذکر کیا کہ عقل اور شرع اس کے مخالف نہیں جب ہم ان سب کو خیال کرکے سمجھتے اور نظر دقیق سے دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جائز ہے کہ ان اجزاء اصلیہ کی تفسیر انہیں ذرات کو ٹھیرائیں جنکی نسبت پیشتر گذر چکا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالے گئے تھے اور اُنسے عہد لیا گیا تھا سو اُنکو یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ ذرے ہر انسان کے کچھ اصلی اجزاء ہیں اور باقی بدن جسے ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ زائد اجزاء کا بنا ہوا ہے جو آتے جاتے اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں پس حقیقی انسان جو مخاطب اور مکلف ہے اور جو

دوبارہ زندہ کیا جائیگا جسے نعمت ملیگی یا جسے عذاب ہوگا یہ وہی ذرے مع روح کے ہیں جو اُن میں حلول کرتی ہے اور جسمانی ہیکل جس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے وہ زائد اجزا ہیں اور اعادہ اور دوبارہ پیدائش کے متحقق ہونے کے باب میں اُن کا کوئی اعتبار نہیں ان اجزاء زائدہ میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ وہ بعینہٖ اعادہ کئے جائیں یا انکے مثل اور اجزاء ملادئے جائیں بلکہ اعادہ کی تحقیق میں جنکا اعتبار ہے وہ صرف اصلی اجزا ہیں جن پر سوائے انکے اور کوئی حالت طاری نہیں ہوتی کہ روح اُن سے نکل جاتی ہے اور زائد اجزا اُنسے جدا ہو جاتے ہیں اور بعث میں اُنھیں کیجانب روح لوٹا دیجائیگی اور زائد اجزاء اُنھیں کے ساتھ ملادئے جائیں گے۔ اور پیشتر گذر چکا ہے کہ بعض لوگ روح کے بیان کرنیمیں صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ وہ ایک موجود شے ہے۔ اسکی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور بعض اسکی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ وہ ایک لطیف شفاف اور بالذات زندہ جسم ہے اور کثیف اجسام میں اس طرح رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہے جیسے کہ سبز لکڑی میں پانی پس جملہ امور مذکورہ کی بنا پر اس مقام کی ایسی تقریر کرنا ممکن ہے جس سے بعث، سوال قبر اور اسی کے مثل اور شرعی امور پر جو شبہے وارد ہوتے ہیں سب دفع ہو جائیں اور کمزوروں کے خیالات پریشانی سے محفوظ رکھے جاسکیں۔ پس یوں کہا جائیگا کہ اس سے کونسی شے مانع ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو لطیف مادہ کے اجزاء فردہ سے جیسے کہ اتھر کا مادہ جس کے موجود ہونے کے آپ قائل ہیں ایسی ترتیب اور ایسی کیفیت ووضع پر بنایا ہو جس سے روح کی نسبت جتنے خواص ذکر کئے جاتے ہیں اور شرعی نصوص سے سمجھے جاتے ہیں سب حاصل ہو جائیں اور وہ خواص یہ ہیں کہ وہ (روح) بنفسہا اور خود زندہ ہے یعنی اسکے ساتھ کسی دوسری شے کے ملانیکی ضرورت نہیں جس سے کہ وہ زندہ ہو جائے اور یہ کہ وہ صاحب ادراک ہے اور جب کسی جسم میں حلول کرتی ہے تو اسے بھی حیات، ادراک، اور زندہ شے کے اور باقی صفات سے موصوف کردیتی ہے اور اسمیں یہ سب خواص آجاتے ہیں۔ (جیسے مقناطیس کی حالت ہے کہ فولاد کے ساتھ رگڑ دینے سے اُس میں لوہے کے کشش کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے) اور وہ (روح) باوجود ان سب باتوں کے ایک نہایت ہی چھوٹا ذرہ ہے جسکو ہمارے حواس ادراک نہیں کرسکتے پھر اور اجزاء فردہ سے بہت ہی چھوٹے چھوٹے ریزے ایسی کیفیت پر بنائے ہوں جو اپنے ساتھ روح کے متعلق ہونے کے وقت حیات اور ادراک وغیرہ زندہ کے باقی خواص کو حاصل کرلیتے ہوں اور اُن ذرات کیلئے خدا نے انسانی اعضاء بھی ایسے بنائے ہوں جیسے کہ اُن حیوانات کے اعضاء ہوتے ہیں جو ہمکو بذریعہ خوردبین کے نظر آتے ہیں اور یہی اصلی اجزاء ہوں جنکا پیشتر ذکر ہو چکا پھر حضرت آدم علیہ السلام کی ہیکل کو زائد اجزاء سے بنایا ہو اور اُن کی ان میں کہیں پر انکے اس ذرہ (اجزاء اصلی) کو بھی رکھدیا ہو اور احتمال ہے کہ وہ مقام تمام ہیکل میں سے قلب ہی ہو اور یہی قریب تر معلوم ہوتا ہے (علم تشریح جاننے والوں کی عبارت عنقریب آتی ہے جس سے انکے نزدیک قلب ہی کا مرکز ہونا فہم کے قریب ہو جاتا ہے) پھر اُن کی (آدم کی) ساری اولاد کے ذروں کو اُن کی ہیکل کی پشت میں رکھدیا ہو اور اس میں ان کروڑوں ہی ذروں کی گنجائش ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں کیونکہ پانی کے ایک چھوٹے سے قطرہ میں اتنے حیوانات ہیں کہ اسکو

(خود دین) سے نظر آتے ہیں جنکا شمار روئے زمین پر کے سارے موجودہ آدمیوں کے برابر ہوگا جیساکہ آپ لوگ کہتے ہیں
پس اس سے کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا کہ اُن کی پشت میں جمیع بنی آدم کے ذرے جو دنیا کی مدت میں پائے جائینگے
سماگئے ہوں، پھر خدائے پاک نے آدم علیہ السلام کی روح کو اُنکے ذرہ (جزء اصلی) میں جو اُن کی ہیکل کے اندر تھا داخل کردیا
ہو اور وہ اسمیں حلول کرگئی ہو۔ اور عجب نہیں کہ قرآن شریف میں خدا کے اس قول سے (ونفخت فیہ من روحی یعنی میں نے اسمیں
اپنی روح پھونکدی) اسکی طرف اشارہ ہو اور اس قول میں روحی (یعنی روح) سے مراد وہ روح ہو جسکے نئی طرح پر پیدا
کرنے اور اُسکی پیدائش کی حقیقت کے شناخت کے لحاظ سے خدا تعالیٰ منفرد ہے۔ پس اس ذرہ (جزء اصلی) میں اُس روح
کے حلول کرنے کے وقت حیات پیدا ہوگئی ہو اور پھر ساری ہیکل میں سرایت کرگئی ہو کیونکہ خدائے پاک نے اس ہیکل کو اس
استعداد کے ساتھ پیدا کیا تھا پھر اُس کی پشت سے بنی آدم کے سارے ذروں کو نکالا ہو اور اُن میں اُنکی روحیں داخل کی
ہوں جسکی وجہ سے وہ زندہ صاحب ادراک بنگئے ہوں اسکے بعد اُنسے خطاب کیا ہو اور عہد لیا ہو پھر اُن کی روحوں کو
ہو اور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹا دیا ہو اور مسامات کی راہ سے اُسمیں داخل کردیا ہو جس طرح اُن سے نکالا تھا
اور اسی طرح تو امراض کے کیڑے بدن میں داخل ہوجاتے ہیں اور انھیں سے نکل آتے ہیں جیسے کہ آپ لوگ قائل ہیں
پھر ان روحوں کو عالم میں جہاں چاہا وہاں محفوظ رکھا۔ پھر یہ ذرے حضرت آدم علیہ السلام کے مادہ منویہ میں جماع کے وقت
اُنکی زوجہ کے رحم میں آنے لگے اور اُنکی زوجہ کے تخم میں حلول کرنے لگے پس اُن کی ہیکلیں اُن تخموں سے منی کے ساتھ ملکر بننے
لگیں اور غذا اسکو طرح طرح پر متغیر کرتا رہا یہاں تک کہ ہیکل انسانی کی صورت بنگئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا پہلا
ذرہ جو اُن کی زوجہ کے تخم کی جانب منتقل ہوا تھا اُسکے ساتھ ہی وہ سب ذرے بھی منتقل ہوکر چلے آئے ہوں جنکا سلسلہ توالد
اس ذرے سے چلنے والا ہوگا پھر اس پہلے ذرہ کی ہیکل سے جو نسل نکلی اُس کے ساتھ بھی یہ ذرے اسی طرح منتقل ہوتے ہے
اور یہی کیفیت اُنکی اور اُن ذروں کی باقی اولادیں جاری رہی اور اس دنیا کے اختتام تک یہی کیفیت رہیگی اور شاید
اللہ تعالیٰ کے اس قول (وتقلبک عــه فی الساجدین) میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے بعض کی تفسیر کے
موافق اسی جانب اشارہ ہو پس اس قول کا یہ مطلب ہوجائیگا۔ آپ باپوں کی پشت اور ماؤں کے رحموں میں منتقل ہوتے ہے
اور ہیکل جب ایک حد و حد تک پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ روح کو بھیجدیتا ہے پس وہ اپنے ذرہ میں حلول کرتی ہے اور اُس
میں اور اُس ہیکل میں حیات اور حرکت کا سریان ہوجاتا ہے پس انسان روح اور اس ذرہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اسی
ذرہ کو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اصلی اجزا کہتے ہیں اور یہ تمام عمر باقی رہتا ہے اور یہی بعد مرنے کے روح کے عود
کرنے سے بحکم خدا زندہ ہوجائیگا اور جسے کہ ہیکل بنی ہے وہ محض زائد اجزا ہیں جو شب و روز گھٹتے اور کم و بیش ہوتے
رہتے ہیں پس جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کی موت کا ارادہ کرتا ہے تو اُسکے ذرہ سے اسکی روح کو جدا کردیتا ہے اسلئے
پر اُس سے اور نیز اُس کی ہیکل سے جو زائد اجزا سے بنی ہے حیات زائل ہوجاتی ہے اور اس ذرہ اور ہیکل دونوں کی

عــه اور دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے منتقل ہونے کو سجدہ کرنے والوں میں ۱۲ مترجم

موت آجاتی ہے اسکے بعد ہیکل منحل ہونے لگتی ہے اور اسکا پراگندہ ہو جانا اور کسی دوسرے کی ترکیب میں داخل ہونا وغیرہ جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے ہوتا رہتا ہے اور وہ ذرہ زمین کی تہوں میں محفوظ رہتا ہے جیسے کہ سونے کے ذرے بوسیدہ اور منحل ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور کسی حیوان کی ترکیب میں وہ داخل بھی ہو جاتا ہے تو وہ صرف اُسکی ہیکل کی ترکیب میں جو زائد اجزاء سے بنی ہے داخل ہوتا ہے اور تاہم وہ منحل ہونے سے محفوظ رہتا ہو اور جب یہ ہیکل منحل ہو جاتی ہے تو وہ ذرہ پھر اس سے علیحدہ ہو کر زمین کی تہوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور اس حیوان کے اصلی اجزاء کی ترکیب میں داخل نہیں ہوتا غایت سے غایت اس ذرہ پر موت کیوجہ سے جو تغیر طاری ہوتا ہے وہ اُسکی روح کا اُس سے جدا ہو جانا اور اُس کی ہیکل کا منحل ہو جانا ہے اور جب خدا اس ذرہ کو زندہ کرنا چاہیگا تو اُس کی روح کو پھر اُس میں داخل کر دیگا پس اُس میں حیات اور روح کے باقی خواص آجائیں گے اگرچہ اسکی ہیکل منحل کیوں نہ ہو گئی ہو اور اسی موقع سے قبر میں سوال ہونے نعمت اور عذاب کے دئے جانے اور اسی کے مثل اور اُن برزخی امور پر جنکی نسبت شرعی نصوص وارد ہیں جو شبہے کئے جاتے تھے سب حل ہو گئے اور شریعت سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور قبل بعث ہوتے ہیں اسکی صورت بھی سمجھ میں آگئی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ حساب وکتاب کیلئے ساری خلق کو اٹھائیگا تو ان انسانی ذروں کی ہیکلوں کو جو کہ زائد اجزاء سے بنی تھیں دوبارہ بنائیگا خواہ یہ ہیکل انھیں اجزاء سے بنے جن سے کہ موت کے پہلے بنی تھی یا دوسرے اجزاء سے کیونکہ دارومدار تو ان اصلی ذروں کے نہ بدلنے پر ہے زائد اجزاء چاہے بدلیں یا نہ بدلیں۔ اور ان ذروں کو ان ہیکلوں میں داخل کر دیگا اور چونکہ ان ذروں کے ساتھ روح متعلق ہو چکی ہوگی اسلئے اسمیں اور ان ہیکلوں میں حیات قائم ہو جائیگی اور آخرت و قیامت میں لوگ اُسی طرح ہونگے جیسے کہ اس دنیا میں تھے اور ساری مذکورہ باتیں ممکن ہے کہ انسان کے علاوہ باقی حیوانات میں بھی اسی تفصیل سے واقع ہوں اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی وسعت علم اور عظمت قدرت اور کائنات میں ان دونوں کے آثار کو خیال کرتے ہیں تو ہمیں ان مذکورہ باتوں میں سے کوئی شے بھی مستبعد نہیں معلوم ہوتی خواہ یہ ساری کارروائی اُن قوانین قدرت کے ذریعہ سے جنکو اللہ تعالیٰ نے اُن میں اسی غرض سے رکھدیا ہو اور جنکے موافق یہ سارے افعال وانفعالات اور زائد اجزاء کے تکونات حاصل ہوئے ہوں انجام پائے یا بلا کسی قانون کے اور اے اہل سائنس جب آپ اُن باتوں میں جنکے کہ آپ حیوانات کے غایت درجہ چھوٹے ہونے۔ قطرہ بھر پانی میں ان کے بکثرت پائے جانے۔ اُن کی حیات۔ حرکت اور اپنی فردیت زندگی کے ادراک کرنے اور اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے بارہ میں اُنکا اسکوپ (خوردبین) کے ذریعہ سے تحقیقات کر کے قائل ہیں غور کیجئے تو آپ کو ظاہر ہو جائیگا کہ اسبات میں کوئی تعجب اور کسی قسم کا استحالہ نہیں کہ انسان کے ذروں میں حیات اور سارے خواص حلول کریں۔ اور یہ کہ جتنے خواص روح کی نسبت بیان کئے گئے ہیں وہ سب اُس میں پائے جائیں اور جب آپ اس بات میں تأمل کیجئے کہ انسانی ہیکل میں نہایت کثرت سے مسامات موجود ہیں حتیٰ کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ ایک بالشت میں چار ملین اگر مسامات پائے جاتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان ذروں کے نکلنے اور اُنمیں لگنے

دوبارہ داخل کئے جانے میں آپ کو ذرا بھی استبعاد نہ ہوگا اور امراض کے کیڑوں کا (جیسے کہ طیبا میں) بدن میں داخل ہونا اور ایک بدن سے دوسرے بدن میں متعدی ہو کر منتقل ہو جاتا اور اُن کا دوران خون میں سرایت کر جانا ایسے امور ہیں جو ہمارے بیان کو آپ کی عقلوں کے اور بھی زیادہ قریب کر دیتے ہیں۔ اور حقائق مذکورہ کی امثال جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں آپ کے علوم ڈاکٹری کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔

پھر آپ لوگ قائل ہیں کہ منی میں کیڑے پائے جاتے ہیں جو نر کے دونوں خصیوں سے نکلتی ہے اور مادہ کے تخم کو حاملہ کر دیتی ہے اور یہ کیڑے نہایت درجہ چھوٹے ہوتے ہیں اور مائکروسکوپ (خوردبین) سے نظر آتے ہیں اور ایک کیڑا طول میں قیراط کے پانچسو حصوں میں سے ایک حصہ سے لیکر چھ سو حصوں میں سے ایک حصہ تک کا ہوتا ہے اور ایک کیڑے کے سر کا طول قیراط کے پانچہزار حصوں میں سے ایک حصہ سے لیکر چھ ہزار حصوں میں سے ایک حصہ تک کا ہوتا ہے۔ وہ اپنی دموں کو اس طرح پر ہلا جس سے اُنکا سر مختلف سمتوں میں پہنچ سکے منی میں حرکت کرتے رہتے ہیں اور یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ انکی حرکت مستقل ہو خارجی کیفیات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتی بشرطیکہ منی کے طبعی گاڑھے پن اور کثافت میں فرق نہ آنے پائے اور مادہ کے بدن کے اندر انکی حرکت سات یا آٹھ دن تک قایم رہتی ہے اور باہر چوبیس گھنٹہ تک اور اُن کی حرکت کا کوئی سمت معلوم ہی نہیں ہوتا اور بعض علم فزیالوجی جاننے والے کہتے ہیں کہ وہ تیرہ منٹ میں ایک قیراط مسافت قطع کرتے ہیں انکا بڑا فائدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریب قریب تمام حیوانات کی منی میں پائے جاتے ہیں اور مادہ کے بیضہ یعنی تخم سے انکا چھو جانا حاملہ کرنے کیلئے اشد ضروری ہے جیسا کہ علم فزیالوجی کی کتابوں میں مذکور ہے پس اس سے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے کہ خالق سبحانہٗ منی کے انہیں کیڑوں کو بنی آدم کے ذروں کا جو کہ اُنسے بھی چھوٹے ہوں حامل بنایا ہو اور وہ انہیں منی میں لے پہنچتے ہوں یہاں تک کہ ماں کے تخم میں اُنکو ڈالتے ہوں اور انسانی ہیکل جو انکا اجزا سے مبنی ہے مادہ کے تخم کے نشوونما پانے سے بنتی ہو اور حقیقی انسان نہیں کہ روح حلول کرتی ہے اور اُس میں اول حیات آتی ہے پھر اُس کے تمام ہیکل میں سرایت کر جاتی ہے وہی ہو جنکے حامل یہ منی کے کیڑے تھے اور جسے کہ انھوں نے مادہ کے تخم میں داخل کر دیا تھا اور اُنکے ساتھ ہی وہ سب ذرے بھی داخل ہو جاتے ہیں جو اُس کی اولاد میں پیدا ہونے والے ہوں۔ اور اُس کی ہیکل میں باقی رہتے ہوں حتی کہ اس کی منی میں نکلتے ہوں اور اس کی فرزند کی ہیکل میں منتقل ہوتے رہتے ہوں اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہو اور جب یہ کیفیت ہو جس سے عقل اور شرع مانع نہیں تو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بلکہ بکثرت عقلا کا یہ قول متحقق ہو جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ سے منتقل ہو کر اپنی ماں کے رحم میں آتا ہے بخلاف اس بات کے جسکے آپ لوگ قائل ہیں کہ انسان صرف اپنے ماں کے تخم سے بنتا ہے اور باپ کی منی کی صرف حاملہ کر دینے کے لئے ضرورت پڑتی ہے۔

پس چونکہ آپ لوگوں نے فقط انسانی ہیکل کو دیکھ لیا اور اسکے سوا کسی چیز کی آپ کو خبر نہ ہوئی اسلئے آپ صرف اسی کے قائل ہو گئے اور لوگوں کی رسائی ہیکل کے سوا کسی اور شے کی طرف بھی ہوئی اسلئے وہ قائل ہوئے کہ اصلی انسان اپنے

باپ کے جدا ہو کر آتا ہے اور اس سے صرف اسکو انسانی ہیکل دستیاب ہوتی ہے اور انسان کا اپنے باپ کے جدا ہو کر آنا ایسا امر ہے جسکو بکثرت لوگوں کی عقلیں مانتی ہیں اور باپوں کی اسقدر شفقت و میلان جو اپنی اولاد پر دیکھا جاتا ہے اس سے اسکی کسی قدر تائید ہو سکتی ہے۔

پھر علماء علم فزیالوجی نے عمل قلبی کی نظام یعنی اسکی حرکت کے سبب میں اختلاف کیا ہے اور اسکی واہی تباہی وجہیں بتائی ہیں اور پھر خود ہی انکو توڑا ہے آخر کار جس امر پر اُنکا قرار ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس عمل کا سبب خود قلب ہی میں موجود ہے پھر اُنہوں نے کہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی حرکت کا انتظام اُن عصبی گانٹھوں سے پیدا ہوتا ہے جو قلب میں موجود ہیں پس اس نظامی عمل کے حقیقی مرکز یہی ہیں مگر اب تک اسکا پتہ نہیں لگا کہ یہ عصبی مرکز منقطع اور منتظم عمل کیوں کرتے ہیں انکی عمل کیوں نہیں کرتے یعنی اُن کی حرکت باقاعدہ اور ایک رنگ کی کیوں ہوتی ہے برابر کیوں نہیں ہوتی رہتی۔

پھر اُنہوں نے کہا ہے کہ بکثرت تجربوں سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ قوت دافعہ جو قلب کے انقباضات سے پیدا ہوتی ہے صرف وہی دوران خون کیلئے کافی ہے یہاں تک ان کا کلام ختم ہوا پس جب آپ اس قول میں غور کرینگے تو یہ بات آپکے نزدیک ظاہر اور آپ کی عقلوں کے قریب تر ہو جائیگی کہ انسانی ذرہ کا مرکز تمام ہیکل انسانی میں سے قلب ہی ہے اور جب اسمیں روح حلول کرتی ہے تو اُسمیں وہ حیات پیدا کر دیتی ہے اور وہ یہ منتظم حرکت کرنے لگتا ہے اور اسکے دوران خون پیدا ہوتا ہے پھر اس سے تمام ہیکل میں حیات سرایت کر جاتی ہے اور اس ذرہ اور روح کا چھوٹا ہونا اس امر سے مانع نہیں ہو سکتا کہ اس سے ہیکل انسانی کی حیات اور اُسکے اعصاب و عضلات کے اعمال کیلئے کافی عمل پیدا ہو جائے کیونکہ بہتیرے ایسے نہایت ہی چھوٹے آلات ہیں کہ جب انکو چھوٹا سا بچہ حرکت دیتا ہے تو اُس سے ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے جو بہت بڑی چیز انجن کے گھمانے کیلئے کافی ہو اور اُس سے بڑے بڑے اعمال پیدا ہونے لگتے ہیں جنکے کرنے کیلئے نہایت ہی عظیم قوت کی ضرورت ہو اور یہ بات تو انسان کے عمل میں پائی جاتی ہے تو پھر بھلا خیال تو کیجئے کہ خدا کے عمل میں آپ کے نزدیک کونسا استبعاد باقی رہتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا علم اور کامل قدرت رکھتا ہے جس نے اپنی مصنوعات کو ایسی کیفیتوں پر پیدا کیا ہے جنکے خواص کو دیکھکر فکروں کو حیرت سی ہو جاتی ہے۔ اور عقلیں اپنے آپ میں نہیں رہتیں۔

بحث سابق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس تقریر پر حقیقی انسان وہ ذرہ ہی ہے جو قلب میں حلول کئے رہتا ہے اور اسمیں کہ روح حلول کرتی ہے پس اُسمیں حیات پیدا کر دیتی ہے پھر اس سے ساری ہیکل میں حیات سرایت کر جاتی ہے پھر یہ ہیکل محض ایسا ہی آلہ ہے کہ اس عالم میں یہ ذرہ اپنے اعمال پورے کرے اور اُسکے ذریعہ سے علوم و معارف حاصل کرلے اور یہی ذرہ مع اس روح کے جو اُسمیں حلول کئے رہتی ہے تمام تکلیفات شرعیہ کا محل ہے اسی کا اعادہ کیا جائیگا اسی کو نعمت ملیگی اور اسیکو عذاب ہوگا خلاصہ یہ کہ جتنے امور انسان کے حق میں وارد ہوئے ہیں سب اسی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس تقریر کی بنا پر جتنے شبہات کہ شرعی جانب جیسے کہ بحث قبر میں سوال ہونے۔ اسمیں نعمت یا عذاب کے دئے جانے۔ اپنی قبروں میں بعض لوگوں کے زندہ رہنے وغیرہ پر وارد

کے جاتے تھے سب کے سب یک سر سے ساقط ہو گئے جیسا کہ بیچ طور پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے ۔ واللہ اعلم

پس اگر کوئی کہے کہ شریعت میں ہم کچھ ایسی نصوص دیکھتے ہیں جو نفس ہیکل انسانی کے اعادہ کا ذکر کرتی ہیں یا اسکے بعض اجزا کے اعادہ کی اُن میں تصریح موجود ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے (من یحیی العظام وہی رمیم قل یحییہا الذی انشاہا اول مرۃ) یعنی (لوگ تعجب سے پوچھتے ہیں) ہڈیوں کو کون زندہ کریگا حالانکہ وہ گل چکی ہونگی؟ تو اے پیغمبر انسے) آپ کہئے کہ انکو وہی زندہ کریگا جسنے انھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا پس یہ مضمون بعث اور اعادہ کی اس توجیہ کے ساتھ کیونکر منطبق ہوگا جسکو آپ نے ذکر کیا۔ تو میں کہونگا کہ سابق الذکر توجیہ کا یہ مقتضیٰ ہے کہ جس طرح اصلی اجزاء کیلئے کہ یہی انسانی ذرے ہیں بعث ہوگا جسکی کیفیت میں پیشتر بیان کر چکا ہوں اسی طرح انسانی ہیکل کیلئے بھی جو زائد اجزاء سے مبنی ہے بعث ہوگا لیکن پیشتر جو اشکالات بعث پر وارد کئے گئے تھے وہ میری تقریر سے اصلی اجزاء یعنی ذرات انسانی کے اعادہ کے اعتبار سے مندفع ہو گئے پھر جبکہ اصلی اجزاء کے اعادہ کی کیفیت طریق مذکور پر بیان کرنیکی وجہ سے یہ اشکالات مندفع ہو چکے ہیں تو اب ہیکل انسانی کے اعادہ کئے جانے پر جو زائد اجزاء سے مبنی ہے عام ہے کہ وہ زائد اجزاء بعینہ اعادہ کئے جائیں یا اُن کے مثل دوسرے اجزاء بنائے جائیں وارد نہیں ہو سکتے اور شریعت نے جو زائد اجزاء یعنی ہیکل کے اعادہ کئے جانیکی تصریح کی ہے اُس سے اس کے سوا اور اشکالات کا دفع کرنا مقصود ہے جو اہل جاہلیت کے خیال کے موافق اُن کے اعادہ کئے جانے پر وارد ہوتے تھے کیونکہ بعث کے ذکر کرنے کے وقت اُن کا خیال صرف اسی ہیکل کی جانب جسکا وہ مشاہدہ کرتے تھے جاتا تھا چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہڈیوں میں گل جانے کے بعد حیات کیسے عود کر آئیگی اور یہ اجزاء جو زمین کے اندر پھیلے ہوئے پڑے ہونگے کیسے مجتمع ہو جائیں گے پس نصوص نے انکے انھیں اشکالات کو اس طرح دفع کیا کہ خدا قادر اور علیم ہے اس سے وہ عاجز نہیں ہو سکتا پس وہ ان ہڈیوں کو اسی طرح زندہ کر دیگا جیسے کہ اُسنے پہلی مرتبہ انکو پیدا کیا تھا اُسکا علم تمام موجودات کو محیط اور اُسکی قدرت تمام ممکنات پر حاوی ہے علیٰ ہذا القیاس انکے اعتراضوں کے ایسے ہی اور بھی جوابات ہیں۔ اور یہ امر اس توجیہ کے منافی نہیں ہوتا جو دوسرے سابق الذکر اشکالات کے دفع کرنے کیلئے اصلی اجزاء یعنی انسانی ذروں کے اعادہ کئے جانے کے بارہ میں پیشتر بیان کی گئی ہے پس چاہئے کہ ذرا غور کیا جائے ۔

ف

اے صاحبو! جو کچھ میں اس سے پیشتر شرح وبسط کے ساتھ بیان کر چکا ہوں اُس کے بعد ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہی توجیہ اور اصلی اجزاء کے ذروں کے ساتھ اور زائد اجزاء کی ہیکل کے ساتھ تفسیر اور انکے علاوہ جو تفصیل میں نے اس مقام پر بیان کی ہے وہ سب پیغمبر دوجہان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تصریحاً موجود ہے یا انکے ذمہ بعث کا اسی تفصیل وبیان کے موافق اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ ہر گز نہیں بلکہ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ علماء شریعت نے بیان کیا ہو کہ انسان کے اصلی اور زائد دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں اور انکے ذریعے انہوں نے اُن شبہوں کو دفع کیا ہے جو بعث وغیرہ پر وارد ہوتے ہیں اور میں اسکے پہلے کہہ بھی چکا ہوں کہ شریعت کے بڑے بڑے جلیل القدر اکثر علماء ذروں کا علم اسی

اور علامہ مصنف سراج العقول شعرانی سخاوی ۔ اور ایسے ہی اور علماء کے کلام سے مستنبط ہوتا ہو کہ اس سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا اگر اصلی اجزاء سے جنہیں انہوں نے اعتراضوں کے جواب دینے کیلئے ذکر کیا ہے یہی ذریے مراد ہوں جو اس نص قرآنی کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں مذکور ہیں جس میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد کئے جانے کا بیان کیا ہے اور یہ کہ وہ جن کیونکہ ذروں کے ساتھ علماء حقیقی انسان کے افراد ہوں اور یہ کہ نامی اجزاء سے انسانی ہیکلیں مراد ہوں اور انہیں علماء شریعت کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی انسان کا مقر تمام ہیکل میں سے صرف قلب ہی ہے پس یہ ہیکل جو برابر بدلتی اور تغیر ہوتی رہتی ہے حقیقی انسان کیلئے اس عالم میں اُسکے اعمال کی انجام دہی اور علوم و معارف کے حاصل کرنیکا ذریعہ اور آلہ قرار پائیگا اور یہ ایسی بات ہے جس سے جسقدر پر جو پیشتر اشکالات وارد کئے گئے تھے اُن کا مندفع ہوجانا اچھی طرح بالکل ظاہر ہوجاتا ہے اور اس سے عقل و شرع کی کوئی مخالفت بھی نہیں لازم آتی اور پیروان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شبہوں کے جواب دینے کیلئے ان کے قائل ہو سکتے ہیں ۔ ورنہ انہیں اپنا اعتقاد درست رکھنے کیلئے صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ انسان کے روح ہوتی ہے جسکی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور ایسے ہی تمام حیوانات کے بھی ۔ اور خدا انسان کو اسکے مرنے کے بعد ضرور دوبارہ زندہ کریگا اس سے حساب لیگا ۔ پھر اُسے نعمت ۔ یا عذاب دیگا اور یہ سب کچھ ایسی کیفیت پر ہوگا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے اور ہمیں اُسکی تفصیل کرنا ضروری نہیں ہے اُسکو خدا ہی خوب جانتا ہے کیونکہ ایسا امر عقلاً ممکن ہے اور خدا کے علم و قدرت کی وسعت کے سامنے ایسی شے کا ہوجانا کوئی محال نہیں ۔

تیسرا ۔ اے اہل سائنس اس مقام میں ذرا غور کیجئے اور باریک بینی سے کام لیجئے کیونکہ آپ کو اپنے علوم میں کوئی شے ایسی ملتی جس سے تفصیل سابق میں کی ساری چیزوں میں سے کوئی بھی ناممکن ثابت ہوتی ہو جیسے انسان کیلئے روح کا ہونا وغیرہ ۔ ہاں اگر میرے بیان کے بعد بھی کوئی شے کسی چیز کے ناممکن ثابت کرنے میں آپ کی مدد کرے گی تو سمجھ لیجئے کہ وہی شے ہے کہ حق داد اور انصاف کا ترک کر دینا کہتے ہیں ۔ سو اسکا کوئی علاج نہیں ۔ اور اگر آپ کہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ پیشتر کی جملہ باتیں عقلاً ممکن تو ہیں لیکن پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اُن کے واقع ہونے کے معتقد ہوگئے ہیں اسکا کیا باعث ہوا تو میں کہوں گا کہ میرا وہی پیشتر والا جواب یاد کر لیجئے جسے کہ میں اسی کی نظیر میں بیان کر چکا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کا باعث اُن کے وہ شرعی نصوص ہیں جو اُن کے سچے رسول کی زبانی معلوم ہوئیں جنمیں ان امور کی تصریح موجود ہے اور وہ سب کسی تاویل کو بھی متحمل نہیں ہو سکتیں پس جب تک یہ امور عقل پر منطبق اور اُسکے حکم کی رو سے ممکن ہیں اسوقت تک اُنکے لئے اپنی ظاہری نصوص کو چھوڑنا اور کسی قسم کی تاویل کیجانب مائل ہونا ہرگز جائز نہیں ۔ علاوہ بریں تمام امور بعث و حشر وغیرہ کی نسبت پیشتر کہ اُنکے امکان کی دلیل عقلی ہے جیسے اُسکی نظیروں کی اور اُنکے وقوع خارجی کی دلیل نقلی اور وہ بھی شرعی نصوص ہیں لیکن اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو اُنکے واقع ہونے کی بھی عقلی دلیلیں ظاہر ہوجاتی ہیں اگرچہ وہ قطعی اور یقینی نہیں لیکن اطمینان بخش تو ضرور ہیں جنمیں عقلیں مان جاتی ہیں اور اُن سے دلوں کو تسکین ہوجاتی ہے اور اگر ان سب کو کیجا

طور پر دیکھا جائے تو عقل کے نزدیک بعث کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں رہتا اُسکے واقع ہونے کا پورا پورا یقین ہوجاتا ہے پس بعض اسلامی علماء کے افادات میں سے جو کچھ میں اس موقع پر بیان کرتا ہوں اسکو سنئے جسمیں میں نے بغرض توضیح کہیں اپنی طرف سے کچھ بڑھایا ہے یا اُسکا خوبی کے ساتھ اختصار کردیا ہے۔

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ ان امور پر کہ خدائے عالم موجود ہے وہ تمام صفات کاملہ کے ساتھ متصف ہے اُسکی مخلوقات میں اُسکی اعلیٰ درجہ کی حکمت اور انتہا درجہ کا عدل پایا جاتا ہے۔ اُسپر اُسکی مہربانی اور رحمت بہت بڑھی ہوئی ہے قطعی دلیلیں قایم کردینے کے بعد ایسے شخص پر جو اسکا اعتقاد کرتا ہو بلا شک وشبہ یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب خلق کو پیدا کیا انکو عقل دی جس سے وہ نیک وبد میں تمیز کرسکتے ہیں اُنہیں قدرت عنایت کی جس کے سبب بھلائی وبرائی کے کرنے پر قادر ہیں تو اُسکی حکمت وعدل کا مقتضا یہ ہے کہ انھیں بے ادبی اور برائی سے اپنا ذکر کرنے۔ جہالت کذب اور اپنے نیک بندوں کی ایذا رسانی۔ خلاصہ یہ کہ جتنے بُرے اور قبیح کام ہیں سبسے منع کردے اور انکو اچھے کام کرنے اور عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہونیکی ترغیب دے جس سے اُنکی زندگی منتظم اور باقاعدہ رہے اور سب جانتے ہیں کہ بغیر اسکے کہ اچھے کام کو ثواب جزا کے ساتھ اور بُرے کام کو عقاب وسزا کے ساتھ مرتبط رکھا جائے یہ دونوں امر ہرگز پورے نہیں ہوسکتے اور چونکہ یہ جزا وسزا اس عالم دنیا ہی میں ہمیشہ نہیں ملجاتی اس لئے ضروری ہے کہ کوئی دوسرا عالم پایا جائے جہاں یہ کام پورا ہو اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عقل میں چونکہ یہ بات موجود ہے کہ وہ عمدہ چیزوں کو پسند کرتی ہے اور خراب چیز کو ناگوار سمجھتی ہے اسلئے اُسی سے محض ترہیب (ڈرانا) ترغیب (رغبت دلانا) کافی ہوجائیگی۔ کیونکہ نفس اور خواہش نفسانی دونوں انسان کو اسکے برخلاف ابھارتے رہتے ہیں کہ وہ جسمانی خواہشوں اور لذتوں میں پھنسا رہے اور جب عقل کے ساتھ یہ کشاکش لگی ہو تو اسلئے ضرور ہے کہ کوئی قوی مرجح اور کامل معاون پایا جائے اور یہ بغیر اسکے نہیں ہوسکتا کہ کرنے اور باز رہنے پر وعدہ وعید جزا وسزا مقرر ہو علاوہ بریں عقل صریح حکم لگاتی ہے کہ علیم کی حکمت کا مقتضا ہے کہ نکوکار اور بدکار میں فرق کرے سب کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکے اور یہ فرق اس عالم دنیا میں معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ہم بہتیرے بدکاروں کو انتہا درجہ کی راحت میں پاتے ہیں اور بہتیرے نکوکاروں کی اس کے خلاف حالت ہے پس یہی ضروری ہے کہ اس عالم دنیا کے بعد کوئی دوسرا عالم ہو جہاں کہ یہ فرق وامتیاز حاصل ہو پھر یہ دیکھیے کہ اگر لوگوں کیلئے خوف معاد زاجر نہ ہوتا تو عالم میں بڑی گڑبڑ مچ جاتی۔ جھگڑے فتنے برپا رہتے انتظام معاش میں بالکل خلل آجاتا۔ زندگی مشکل ہوجاتی اور مختلف کون امور کی بجاآوری کیلئے وقت ہی نہ ملتا جنکا کہ وہ مکلف بنایا گیا تھا۔ اسلئے ضرور کوئی عالم جزا وسزا ہونا چاہیے تاکہ نظام عالم باقاعدہ اور فساد سے محفوظ رہے اور اگر کہا جائے کہ نظام عالم کی باقی رہنے کیلئے بادشاہوں کا خوف اور اُن کی سیاست ہی کافی ہے اور نیز یہ کہ بدمعاش لوگ اسکو خوب جانتے ہیں کہ اگر گڑبڑ مچائیں گے تو انہیں انکا بھی نقصان ہوگا اور دوسرے لوگ انکے قتل کرنے اور انکے مال واسباب کے چھین لینے کے درپے ہونگے بس اسی خیال سے وہ فتنہ انگیزی سے خود ہی احتراز کرینگے تو ہم کہیں گے کہ محض بادشاہوں کا خوف اسکے لئے کافی نہیں ہوسکتا

کیونکہ یا تو بادشاہ کو اسقدر قدرت حاصل ہو گئی ہوگی جس سے اُسے رعیت کا کچھ خوف نہ ہو اور یا وہ ڈرتا ہوگا پس اگر وہ رعیت سے نہیں ڈرتا اور اسکے ساتھ ہی اُسے معاد کا بھی خوف نہیں تو اسوقت وہ ظلم اور نہایت بیدردی سے اپنی رعیت کی ایذا رسانی پر مستعد ہی کریگا کیونکہ اسکی خواہشات نفسانی اسکی مقتضی قایم ہیں اور کوئی دنیوی یا اخروی مانع موجود نہیں۔ اور اگر وہ خود رعیت سے ڈرتا ہوگا تو اسوقت رعیت اُس سے بہت زیادہ نڈر ہوگی پس بادشاہ کا خوف اُنکو ظلم اور بری باتوں سے روک نہ سکیگا پس ثابت ہوا کہ بغیر اخروی خوف یا رغبت کے نظام عالم ہرگز پورا ہو نہیں سکتا پھر دیکھئے کہ جب کسی رحیم حکیم اور عادل بادشاہ کی بہت بڑی رعیت ہو اور ان میں بعض قوی اور بعض ضعیف یا بیچارے ہوں تو اُسکی حکمت۔ رحمت اور عدل کا یہ مقتضا ہے کہ کمزور مظلوم کا قوی ظالم سے انتقام لے اور اللہ سبحانہ تعالی تو بہت بڑا رحیم وحکیم اور عادل بادشاہ ہے اسلئے اُسکی حکمت رحمت اور عدل کا بھی یہی مقتضا ہونا چاہیے کہ وہ اپنے مظلوم بندوں کا اپنے ظالم بندوں سے انتقام لے اور ظاہر ہے کہ یہ انتقام اس عالم دنیا میں تو حاصل ہوتا نہیں کیونکہ ہم بسا اوقات مظلوم کو دیکھتے ہیں کہ وہ نہایت ذلت خواری۔ مقہوریت اور آبروریزی کے ساتھ اپنی عمر گذار دیتا ہے اسکا مال چھین لیا جاتا ہے اُسکے خون کی کوئی پروا نہیں کیجاتی اور ظالم کو دیکھئے کہ وہ اعلی درجہ کی عزت اور قدرت کے ساتھ بسر کرتا ہے پس اس عالم کے علاوہ ضرور کوئی دوسرا عالم ہونا چاہیے جسمیں یہ عدل اور یہ انصاف ظاہر ہو اور دیکھئے اگر انسان کیلئے معاد نہ ہو تو انسان شرف اور مرتبہ میں تمام حیوانات سے گیا گذرا ہوگا۔ اور بیان اسکا یہ ہے کہ دنیا میں تمام حیوانات سے انسان کیلئے زیادہ غم رساں چیزیں موجود ہیں کیونکہ باقی حیوانات کی یہ حالت ہے کہ جبتک اُن کو کسی قسم کی تکلیف یا بیماری نہ پہنچ جائے اس سے پہلے پہلے اُنکے دل میں اسکا خیال بھی نہیں آتا اُنکا جی بالکل صاف اور خوش رہتا ہے کیونکہ وہ غور وفکر تو کر نہیں سکتے ہاں انسان چونکہ اسے عقل حاصل ہے اسلئے وہ ہمیشہ اپنے گذشتہ اور آئندہ احوال سوچا کرتا ہے پس بہتیرے گذشتہ احوال کیوجہ سے اُسے طرح طرح کے غم وحسرت لاحق رہتی ہے اور اکثر آئندہ احوال سے اُسے طرح طرح کا خوف لگا رہتا ہے پس ثابت ہو گیا کہ انسان کیلئے عقل کا ملنا دنیا میں بڑے بڑے فکر اور سخت سے سخت نفسانی آلام کا باعث ہے۔ رہیں جسمانی لذتیں سو اُن میں کیا انسان اور کیا باقی حیوانات سب شریک ہیں کیونکہ گوبر کا کیڑا گوبر ہی میں خوش ہے جیسے کہ عمدہ سے عمدہ مٹھائیاں انسان کو لذیذ معلوم ہوتی ہیں پس اگر انسان کیلئے معاد نہ ہو جسکی وجہ سے اسکی سعادت ظاہر اور حالت مکمل ہو سکے تو پھر اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ کمال عقل اسکے غم والم کی زیادتی کا باعث ہو جائے اور کسی شے سے اسکی تلافی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جسکی یہ حالت ہو تو وہ ضرور بڑی بڑی ذلت خواری۔ بدبختی اور مشقت بے سود میں گرفتار رہیگا اس سے ثابت ہوا کہ اگر سعادت ابدی حاصل نہ ہو تو انسان تمام حیوانات حتی کہ غلیظ کیڑوں سے بھی گیا گذرا ہوگا اور چونکہ یہ امر قطعاً باطل ہے اسلئے ہم کو معلوم ہو گیا کہ ضرور آخرت بھی کوئی چیز ہے اور انسان آخرت ہی کیلئے پیدا کیا گیا ہے نہ دنیا کیلئے۔ ہاں یہ بات ہے کہ یہ عالم دنیا گویا ایک چمن اور مزرعہ

درمیان میں امتیاز کردیتا ہے تاکہ اول کو ثواب اور دوسرے کو عذاب دیا جائے کیونکہ جتنے شریر ہیں اُنکے لئے آگے ہی خاصے وہ اپنے وجود کا ثمرہ اور حصہ دنیاوی لذتوں سے حاصل کرچکے ہیں چنانچہ اسی لئے دنیاوی لذتوں سے شریروں اور بدچلنوں کو ہم مالا مال پاتے ہیں اور نیک لوگ اکثر بے لطف رہتے ہیں۔

اور اسی مقام سے اے اہل سائنس آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مخالفوں میں سے اہل شرائع کا آپ کی نسبت یہ قول کہ آپ لوگوں کا مذہب خصوصاً معاد کے انکار کے بارہ میں ایسا شر ہے جسکے مثل کوئی شر نہیں" بالکل سچا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ حلال اور حرام کوئی چیز ہی نہ ہو اور دنیا آبادی نہ رہیگی اور اگر آپ یہ جواب دیں کہ نظام عالم اس طرح کامل ہو سکتا ہو کہ انسان کو اپنے حقوق اور اُن واجبات کی معرفت حاصل ہو جائے جو اُنکے ذمہ ہیں اور اُسکی یہ معرفت پورے پورے صحیح اور علم سے کامل ہو سکتی ہے تو میں کہوں گا کہ آپ کو اس جواب میں اسباب کا خیال نہیں رہا کہ خواہشات شہوات اور اپنے نفس کی محبت کا مقتضیٰ وہ قوانین جنکو علم قایم کرے گا ہرگز مقابلہ نہیں کرسکتے پس ضرور ہے کہ کوئی دوسرا مانع ہو جو نفوس کو ضرر رساں اشیاء سے باز رکھے اور کوئی ایسا مرجح ہو جو طریق خیر کی پیروی کرنے اور راہ شر سے اجتناب کرنے کو ترجیح دیدے اور وہ مرجح معاد اور جزاء اعمال کا یقینی اعتقاد ہو اور جسے عقل ہو وہ اس امر کو غور کر دیکھے کہ جب انسان کو یہ اعتقاد ہو کہ وہ زمین کی گھاس کی طرح اُگتا ہو پھر بلا اسباب کے کہ اُسے کہیں جانا ہو وہ سرے سے زائل ہو جاتا ہے اور اُسکے وجود کا فائدہ وہی حیوانی لذتیں ہیں جو مدت حیات میں اُسے حاصل ہوتی رہتی ہیں تو علم نے اُس کیلئے حقوق اور واجبات کی معرفت کے کیسے ہی کچھ قواعد کیوں نہ مقرر کردئے ہوں لیکن جب اُسے یہ قدرت حاصل ہوگی کہ وہ بلا کسی شخص کی اطلاع کے کسی کو قتل کرکے اسکا زر روپیہ کا مال لیلے یا کسی شریف کی آبروریزی کرکے بلا اس کے کہ کسی کو اسکی خبر ہو نہایت ہی مرغوب لذت حاصل کرسکتا ہو کیا اسوقت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ یہ قوانین جنھیں کہ علم نے مقرر کیا تھا اس جرم کے ارتکاب سے اسکو باز رکھ سکیں گے ہرگز نہیں اور اسباب کا انکار کرنا محض دھینگا دھینگی ہے۔ پس جو شخص اسباب کو پورے طور سے سمجھتا ہوگا وہ انسان پر جب تک کہ اُسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اُسے دین سے علاقہ ہے اور وہ معاد کا اعتقاد رکھتا ہے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا ہم تو اب بھی بعض بعض فرقوں کو دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ وہ معاد کے معتقد ہیں تاہم اُن میں وہ وہ فساد ظاہر ہوتے ہیں جنکا کچھ ٹھکانا نہیں۔

پس اسی پر قیاس کرلیجئے کہ اگر یہ اعتقاد اُنھیں نہ ہوتا تو اسوقت اُنکی کیا حالت ہوتی بلاشک اگر وہ فساد اب رائی کے برابر ہے تو جب پہاڑ ہی بنجاتا۔ علاوہ ازیں جن فرقوں میں آجکل علم کا خوب چرچا ہو رہا ہے وہی شرور اور برائیوں سے زیادہ حصہ لیتے ہیں بلکہ جوں جوں علم کی ترقی ہوتی جاتی ہے اُن میں روز افزوں برائیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ حرامکاری جس سے کہ لوگوں کے نسب ضائع ہوتے ہیں اور باہم مروت اور ہمدردی کا شیرازہ کھلتا ہے پھیلتی جاتی ہے۔ قتل خودکشی مسکر اور نشہ آور اشیاء کے استعمال سے عقلوں کو زائل کرنا اپنے علوم اور صنعتوں سے لوگوں کے مال چھیننا۔ دغابازی کرنا۔ فریب دینا اور ایسے ہی بہت سے اور اخلاق و عادات جنسے اجتماعی ہیئت کے نظام میں خلل واقع ہو وہ مہذب لوگ اختیار کرتے جاتے ہیں اور اسکی

وہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جن علوم میں انہوں نے ترقی کی ہے اُس میں اعتقاد معاد کا کوئی حصہ شامل نہیں اور میرا خیال ہے کہ اگر معاد کا اعتقاد دلی لوگوں میں قائم نہ ہوتا تو یہ فرقے ہلاک ہو گئے ہوتے اور صفحۂ ہستی سے اُن کے نام و نشان مٹنے کا لگ جاتا اور آپ کی جرأت سے زنا و قطاع روئی ہوتی گورنمنٹ بھی بند نہ پڑے وہ یہ ہے کہ جب آپ نے یہ خیال کیا کہ علم جب کہ تمام انسانی افراد میں پورے طور سے عام نہ ہو گا اس وقت تک نظام عالم کی درستی کا متکفل نہیں ہو سکتا تو علم کے اس امر کے واسطے متکفل ہونے کیلئے آپ نے یہ شرط لگا دی کہ وہ تام اور عام ہو پھر آپ کہنے لگے کہ مگر وہ کوئی نہ کوئی دن ایسا آئیگا۔ لیکن ہاں ہے یہ بہت ہی بعید۔ اور کیا عجب کہ ہزار پشتوں کی ضرورت پڑے۔

پس معاد کے اعتقاد چھوڑنے اور اپنے علم سے واہی تباہی امیدیں رکھنے کے اعتبار سے آپ لوگوں کی مثال اُس احمق طبیب کی سی ہے جو اپنے مریض سے جسے کوئی مرض قاتل لاحق ہو یہ کہتا ہو کہ تو پرہیز کرنا چھوڑ دے اور جو جی چاہے کھایا کر اور میں اتنے لاکھ برسوں کے بعد تجھے ایسی دوا دونگا جس سے تجھے بالکل شفا ہو جائیگی اس موقع پر تو مشہور مثل کہ تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود پوری پوری صادق آگئی۔ علاوہ بریں یہ کوئی عقلمندی حسن تدبیر اور دور اندیشی کی بات نہیں ہے کہ اگر آپ معاد کے منکر ہوں تو عام لوگوں میں اُس کی تشہیر بھی کریں اور اپنے نوجوانوں کو اسکا سبق پڑھایا کریں۔ جب تک کہ اس علم کی نسبت آپ کا گمان ہو کہ صرف وہی نظام عالم کے محفوظ رکھنے کیلئے کافی ہے آپکو تام اور عام نظر نہ آنے لگے ورنہ سمجھ لیجئے کہ آپ اپنے اس باطل مذہب (انکار معاد) کو شہرت دیکر عالم میں خرابی کے دروازے کھولتے ہیں علم لوگوں میں اس خیال کے پھیل جانے سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں خدا نخواستہ اگر یہ خیال عام طور سے کیوں نہ پہنچے گا جو عقل سلیم تو اس سے صاف صاف انکار کرتی ہے خدا تعالی ہمیں اور آپ دونوں کو ایسے امر کی ہدایت کرے جس میں مخلوق خدا کی بہتری ہو۔ اور میں آپکے محض خیر خواہی کے طور پر کہتا ہوں کہ آپ ذرا دور اندیشی اور احتیاط سے کام لیں اور یہ خیال کریں کہ اگر آپ معاد کی تصدیق کر کے اسکا سامان کریں گے پس اگر یہ واقعی امر ہوا تو آپ کو نجات مل جائیگی اور اگر بالفرض باطل ہی ہوا تو آپکو یہ اعتقاد رکھنے میں کوئی نقصان نہ ہوگا غایت سے غایت اس موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جسمانی لذتیں آپ سے فوت ہو جائیں گی لیکن عاقل کیلئے تو ضروری ہے کہ ان لذتوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کرے۔ ایک تو اسلئے کہ یہ نہایت ہی ذلیل ہیں کیونکہ اسمیں کتے کیڑے مکوڑے یہاں تک کہ مکھی کیڑے بھی شریک ہیں اور دوسرے اسلئے کہ وہ فانی سریع الزوال اور منقطع ہونیوالی ہیں آپ انکی پرواہ کرنا اس شے کے بارہ میں احتیاط اور دور اندیشی سے کام نہ لینے کے مساوی نہیں ہو سکتا جسکے برے نتیجے سے خوف و اندیشہ ہو۔

مذکورۃ الصدر شرعی مسائل ہیں جنکا کہ آپ انکار کیا کرتے ہیں اب ایک مسئلہ اور باقی رہ گیا ہے اور وہ آسمان سے بارش کے نازل ہونیکا مسئلہ ہے آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے علمی تجربوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بارش اُن بخارات سے بنتی ہے جو زمین اور سمندروں سے اٹھا کرتے ہیں اور ہوا کے سرد طبقہ (طبقہ زمہریر) تک چڑھ جاتے ہیں پس وہاں سردی پاکر مجتمع ہوتے ہیں اور پھر برس پڑتے ہیں اور یہی بارش کہلاتی ہے میں کہتا ہوں کہ شریعت کی وہ متواتر نصوص میں جو بارش

کے بارہ میں ہمارا اعتقاد یہی ہے دو قسم کی ہیں بعض تو بارش کے آسمان سے نازل ہونیکی تصریح کرتی ہیں اور بعض یہ تصریح کرتی ہیں کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے پھر لفظ سماء کا اطلاق عربی لغت میں چند معانی پر آتا ہے جیساکہ کتب لغت میں موجود ہے سماء بولکر کبھی آسمان مراد لیتے ہیں جو ملائکہ کا مسکن ہے کبھی چھت کبھی وہ شے مراد ہوتی ہے جو کسی دوسری شے کے اوپر ہو کبھی بادل کبھی بارش۔ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قاعدہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ وہ اسوقت تک اپنی شرعی نصوص کے ظاہری اور متبادر معنی کا اعتقاد رکھتے ہیں جب تک کہ کوئی قطعی عقلی دلیل اسکے خلاف قائم نہ ہو جائے اور اگر کوئی ایسی دلیل قائم ہو جاتی ہے تو نص میں عقلی دلیل کے ساتھ تطبیق دینے کیلئے تاویل کردیتے ہیں اور اسکو ظاہری معنی سے دوسرے معنی کی طرف پھیر دیتے ہیں اسی بنا پر نزول بارش کے بیان میں جو سماء کا لفظ واقع ہوا ہے وہ اسکے بھی ظاہری معنی کا اعتقاد کرتے ہیں یعنی یہی جسم مراد لیتے ہیں جو ملائکہ کا مسکن ہے جیساکہ یہی معنی بکثرت شرعی اطلاقات میں مراد ہے اور یہ مراد ہے کہ ان نصوص کو جنسے کہ بارش کا سماء (آسمان) سے نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اُن نصوص کے ساتھ جو بادل سے بارش کے نازل ہونے پر دلالت کرتی ہیں تطبیق دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا اسباب پر قادر ہے کہ بارش کو آسمان سے ان مجتمع الاجزاء اجرام پر جنہیں کہ بادل کہتے ہیں نازل کرے پھر انسے زمین پر نازل کردے اسیلئے شرعی نصوص کبھی تو اس مقام کو ذکر کرتی ہیں جہاں سے پانی اولاً نازل ہوتا ہے اور کبھی اس مقام کو جہاں سے ثانیاً نزول ہوتا ہے اور خدا سب چیزوں سے بڑا ہے اور اگر اُن کے نزدیک آپ کا قول کہ بارش محض زمین اور سمندروں کے بخارات ہی سے بنتی ہے ثابت ہو جائے اور کوئی قطعی دلیل اس پر قائم ہو جائے تو انہیں سابق الذکر قاعدہ کے موافق ان نصوص کی تاویل کرنا جائز ہو جائیگا جن سے بظاہر بارش کا آسمان سے نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہینگے کہ ان نصوص میں لفظ سماء سے بھی بادل ہی مراد ہے (اس تاویل کو سورۂ بقرہ کی تفسیر میں امام رازی نے ذکر کیا ہے اور شیخ شرنبلالی نے بھی مراقی الفلاح میں اسکیطرف اشارہ کیا ہے) یا یوں کہا جائے کہ چونکہ بارش سماوی اسباب سے نازل ہوتی ہے اور بجملہ انکے حرارت آفتاب ہے جس سے کہ اجزاء مائیہ زمین سے سمندروں اور دریاؤں سے بخار بنکر اوپر پر چڑھ جاتے ہیں اور سردی کی وجہ سے بادل بنکر برس پڑتے ہیں تو گو حقیقتاً بارش بادلوں ہی سے نازل ہوتی ہو لیکن آسمان کیطرف اسکی نسبت ہو جائیگی اور یہ نسبت باعتبار سبب کے صحیح ہے اور سبب کا سبب بھی سبب ہی ہو (اس تاویل کو حقی آفندی نے سورۂ البناء کی تفسیر میں ذکر کیا ہے) پس اے اہل سائنس اس بیان کے بعد بتائیے کہ اس مقام پر نصوص میں کونسا اشکال باقی رہ گیا جبکہ وہ نہایت ہی قریب تاویل سے عقل کے موافق ہو سکتی ہیں۔ ابھی اور بکثرت شرعی نصوص باقی ہیں جنکی نسبت میرا خیال ہے کہ اگر آپ انپر مطلع ہونگے تو ضرور شروع میں فوراً انکا انکار کرینگے کیونکہ آپ کو انکی توجیہ تو معلوم ہوگی نہیں اور نہ آپ یہی جانتے ہونگے کہ علماء شریعت نے انکے معانی کی نسبت کیا کہا ہے اور اُن کا کیا اعتقاد ہے۔ لیکن جب آپ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کے واقفکار علماء سے دریافت کرینگے تو آپکو کوئی شے بھی ایسی نہ ملیگی جو قانون عقل پر بلا کسی خلاف لغت کے صحیح طور پر منطبق نہ ہو جاتی ہو گی

ضرور ہے کہ اسلام کے اُن متبحر علماء سے گفتگو کیجائے جو شرعی قواعد سے پورے طور سے واقف ہوں اور اُن اقوال پر مطلع
ہوں جو اُن جلیل القدر صحابہؓ کی زبان سے شرعی نصوص کی تفسیر میں نکلے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو بدو
باتیں کرنیوالے تھے ورنہ ان بیچاروں سے کیا کام نکلے گا جنھیں سوائے رسوم عبادات اور احکام معاملات کے کچھ معلوم
ہی نہیں اور آپ اُنکو افضل ترین علماء اور پختہ کار دانشمند و حکیم سمجھ لیں یہ لوگ تو آپ جیسے لوگوں کے ایمان میں بسا اوقات
سدِ راہ ہو سکتے ہیں کیونکہ شرعی قواعد سے وہ پورے طور سے واقفیت تو رکھتے نہیں اور نہ اُنھیں یہی خبر ہے کہ نصوص شرعیہ
اور دلائل عقلیہ میں کیونکر تطبیق دیجاتی ہے اور کب دیجاتی ہے اسلئے وہ اپنی غفلت اور ناواقفی کی وجہ سے ایسا طرز اختیار
کرینگے جس سے اپنے نزدیک تو اسلامی دین کی حمایت کرینگے لیکن نتیجہ اسکا یہ ہوگا کہ بجائے رغبت اور اسلام سے انس ہونیکے
اُنکی تقریر سے اتنی نفرت پیدا ہوگی پس ایسے لوگ اسلام کے حق میں اُسکے دشمنوں سے بھی زیادہ مضرت رساں ہیں
(میں نے اُنھیں بیچاروں میں سے بعض کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ اسلامی دین میں براعظم امریکہ کے وجود کا اعتقاد رکھنا جائز
ہی نہیں کیونکہ اس سے زمین کا گول اور کروی ہونا لازم آتا ہے اور یہ امر اسلامی اعتقاد کے خلاف ہے یہاں تک اُنکی
تقریر تمام ہوئی) پس خیال تو کیجئے کہ اس غریب نے اپنی نادانی کیوجہ سے اہل اسلام کو امر محسوس اور مشاہدہ کے مقابلہ کی
تکلیف دیجاہی ہے اور اسکا سامان کیا ہے کہ اور قومیں اسلام کو دل لگی میں اڑائیں۔ حاشا و کلا اسلامی دین ہرگز ایسا نہیں
وہ اسقدر پستی کے درجہ پر نہیں پہونچ سکتا۔ اسلام تو ایسا دین ہے کہ دنیا بھر کے دینوں میں سے اسی کا عقل پر سب سے بڑا بھاری حق
اور معقولات باطلہ اور ایسی چیزوں کے ماننے سے جنھے کہ معقول سلیمہ انکار کرتی ہیں سب سے زیادہ وہی کنارہ کشی کیگئی ہے پس اس غریب
بیچارے کو اس تنگ طریق میں کلفت اٹھانے سے اس طرح خلاصی مل سکتی تھی کہ امریکہ کے وجود سے جو تواتر اور مشاہدہ سے
ثابت ہو چکا ہے انکار نہ کرتا اور جب یہی بات تھی جیسا کہ اسکا گمان ہو کہ امریکہ کے وجود کو ماننا زمین کی کرویت کو قطعی طور
پر مستلزم ہو جائیگا تو اُسے مناسب تھا کہ اسلام کے جلیل القدر علماء میں جو لوگ زمین کی کرویت کے قائل ہیں جیسے کہ امام رازی
اُنکے قول کو اختیار کرتا اور شریعت کی ظاہری نصوص کی جیسے کہ زمین کا پیدا ہونا معلوم ہوتا ہے مناسب تاویل کر لیتا مثلاً
اس نص قرآنی کی تاویل میں یہیں ہے کہ والارض بعد ذلک دحاہا یعنی اللہ تعالیٰ نے اسکے بعد زمین کو بچھایا۔ یہ کہتا کہ زمین کے
بچھانے سے مراد اُسکی ظاہری سطح کو بود و باش کے قابل بنا دینا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے اور اب یہ اعتقاد شریعت میں اس حد
تک مضر نہیں ہو سکتا جبکہ ان علماء کے اقوال میں سے کسی قول کا بھی موافق موجود دینا اور شرعی نصوص کے سمجھنے کے بارہ میں
قابل اعتماد خیال کئے جاتے ہیں اور جب تک کہ تاویل کی صحیح وجود میں کوئی ہم پر بھی تطبیق ہو سکے لیکن اس بیچارہ کو اتنی سمجھ کہاں
ہے وہ جان سکے وہ تو صرف احکام کے چند الفاظ کو جانتا ہے اور اسیکو بڑا سرمایہ سمجھتا ہے کہ تو وہ دین کا دوست ہے لیکن نادان دوست
اپنی نادانی اور عقل کی کمی سے دشمنوں کی سی۔ او چاہتا ہے خدا ہم سب کو راہ راست پر چلنے اور علم حق کو دنیا ہو جائیگی توفیق
(آمین) یہ تو ہو چکا اب سنئے کہ جناب شیخ مدعی عالم کی گفتگو کا سلسلہ مادہ کے قدیم ماننے والے فرقہ کے ساتھ شروع ہو

اور اُس نے اپنے بیان سے جتنے شبہے کہ اُن کو شریعت محمدیہ میں ہوتے تھے سب کو زائل کر دیا اور انھیں دکھلا دیا کہ عقل سلیم کی نظر میں اُن کے مذہب کی کیا قدر و قیمت ہے تو وہ اپنی غفلت سے بیدار ہوئے نیند سے چونکے اور اُن کی عقلوں کو تنبہ ہوا اور تاریکی سے اُن کی فکروں کو خلاصی حاصل ہوئی اور اس عالم سے کہنے لگے اے ہمارے رہنما اور ہمارے ساتھ خیر خواہی کی پیش آنے والے ہم تیرے غایت درجہ شکر گذار ہیں تو نے جتنی دشواریاں ہمیں پیش آتی تھیں وہ زائل کر دیں اور ہمارے راستہ صاف کر دیا لیکن اس سے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے جو مانع تھا وہ زائل ہوا ابھی اُنکی تصدیق کیلئے جو امر مقتضی ہو وہ تو باقی ہی ہے اور ہمارے نزدیک وہ مقتضی یہ ہے کہ جتنی دلیلیں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قائم ہیں ہم دیکھیں کہ وہ سب صحیح اور اُنکے صدق پر بھی قطعی دلالت کرتی ہیں یا نہیں۔ تو اُس عالم نے جواب دیا کہ یہ کام تو آپ کا ہے اور خدا کے فضل سے آپ پر آسان بھی ہے پس ان تمام دلیلوں میں اُنھوں نے غور کرنا شروع کیا اور اُن میں اجمالاً و تفصیلاً ہر طرح پر باریک بینی سے بحث کرنے لگے آخر کار بہت غور اور فکر کے بعد انھیں ظاہر ہو گیا کہ ان دلیلوں کا صحت کے اعتبار سے بڑا درجہ ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر ایسے صاف طور پر دلالت کرتی ہیں جنمیں شک شبہ کی گنجائش ہی نہیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ عقل سلیم اسکو محال سمجھتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی صحت پر دلالت کریں ساری دلیلیں متفق ہو جائیں اور پھر بھی وہ دعوے صحیح نہ ہو یہ سب دلیلوں کا اتفاقی طور پر متفق ہو جانا اسکو عقل تسلیم نہیں کرتی علاوہ بریں ان دلائل میں سے بعض دلیلیں ایسی بھی ہیں جنکے قائم کرنے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بھی دخل نہیں اور اُن کے اتفاقی طور پر حاصل ہو جانیکا سوائے ہٹ دھرمی کرنے والے کے اور کون قائل ہو سکتا ہے؟ (ان دلائل کی تفصیل اس فرقے سے گفتگو کرنے کے موقع پر سابق میں گذر چکی ہے جہاں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے تفتیش کرنے لگا ہے اور آیندہ بھی اُن فرقوں پر رد کرتے وقت جو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل میں شک ڈالنے کے درپے ہیں ایسا کلام آئیگا۔ پس مناسب ہے کہ اپنے اپنے موقع پر سب کو دیکھ لیا جائے یہاں مکرر بیان کرنیکی حاجت نہیں) پس اب اس فرقے نے خدا کے پاس سے رسول بنکر آنے کے دعوے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی۔ خدا کے وجود کا مقر ہو گیا۔ اُسکے رسولوں اُس کی کتابوں بعث و حشر اور جتنی چیزیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں سب کا معتقد بنگیا۔ اور ایمان لے آیا اور ایمان بھی ایسا جو شافی و کافی بیان و توضیح سے ثابت ہو گیا پس اس فرقہ کے لوگ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے نہایت پکے اور آپکے پکے پیرو ہو گئے اور خدا سب چیزوں پر پورے طور سے قدرت رکھتا ہے۔

یہ تو ہو چکا اب سنئے کہ سابق الذکر فرقوں میں سے ہر فرقہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنی قوم کے سردار و رئیس تھے خواہ اُنکو دینی ریاست حاصل تھی یا صاحب حکومت و سیاست تھے لوگوں میں اُن کی بات بھی چلتی تھی دلوں میں اُنکا رعب و داب بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کے حکم کی نافرمانی اور اُنکی رائے کی مخالفت کوئی نہیں کر سکتا تھا اقوال و افعال میں اُنکی پیروی کیجاتی تھی ساری قوم اُنکے تابع تھی اور جب وہ لوگوں پر اُنکے مال و متاع۔ آبرو اور اُنکی جانوں پر زبردستی کرتے تھے

تو اُنکی سرداری اور قومی عزت کا پاس لحاظ کرکے اُن کے ساتھ چشم پوشی کیجاتی تھی پس جس وقت کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا
کے پاس سے رسول بنکر آنے کا دعوی کیا اور سابق مذکور فرقوں کے ساتھ آپکی گذری جو کچھ گذری پھر آخرکار انھوں نے اُن
دلائل کے باعث سے جو اُن کے نزدیک آپ کے صدق پر قائم ہوئیں آپکی دعوت کی تصدیق کرلی تو ان رئیسوں اور سرداروں کو
بھی جی میں آپکے دعوی کی سچائی جاگزین ہوئی اور دلائل کے واضح ہونے کے باعث سے انھیں بھی پورا یقین آگیا لیکن آپ
اور قومی امتیاز کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گردن اطاعت رکھدینے اور آپکی تصدیق کے اقرار کرلینے سے
انھیں مانع ہوئی اور انکے دل میں یہ گذرا کہ جب وہ آپ کی اطاعت اختیار کرلینگے اور آپ کے مطیع بنجاوینگے تو اُن سے
اُن کی سرداری چھین جائیگی اور وہ اپنے قومی امتیاز سے محروم رہ جاوینگے اور یا تو اور لوگ اُن کی اطاعت کرتے تھے یا انھیں
خود اطاعت کرنا پڑیگی اور شریعت کے احکام بلا اسکے کہ اُن کی کچھ رعایت کرکے کچھ فرق کیا جائے اُن پر جاری ہونگے جیسے کہ
اس شریعت کی شان ہے کہ تعمیل احکام کے لحاظ سے اُسکے پیرو برابر سمجھے جاتے ہیں اور یہ کہ انکو اپنی قوم کے اموال جو رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت حفاظت میں داخل ہو جاوینگے اُسوقت تک نہ لے سکیں گے جب تک کہ وہ ایسا عمل کریں
جس سے عام لوگوں کو فائدہ پہونچ سکتا ہو اور یہ کہ اُن میں سے جو کوئی کسی کے مال یا آبرو یا جان کے معاملہ میں برائی
کریگا اسکے ساتھ سوائے اس صورت کے کہ صاحب حق معاف کردے اور کسی صورت میں ذرہ برابر بھی سہولت نہ برتی جائے گی
پس ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی جو اُنکے دلوں میں جاگزین ہو گئی تھی اسکو چھپا ڈالا اور ایسے امور کی تدبیریں
سوچنے لگے جو آپکے خلاف شان ہوں اور آپ کے متبعین کو پراگندہ کردیں پس جس تمثیل کا مقصد اس تدبیر سے بسہولت
کے ساتھ حاصل ہوتا ہوا معلوم ہوا کہ اُن فرقوں پر شبہے کرنا شروع کریں جو آپ کے پیرو بنگئے تھے تاکہ آپکی جانب انکے دل
مشکوک ہو جائیں سو وہ ان دلائل میں جنسے ان فرقوں نے استدلال کیا تھا طرح طرح کے احتمالات نکال نکال کر اور انکا دلیلیں
کرکے اُنکے دلائل کی تضعیف پر آمادہ ہو گئے تاکہ وہ دلیلیں اُن کی نظروں میں یقینی نہ رہیں پھر اُسوقت اُنکو یہ کہنا ممکن ہو کہ جن
دلائل پر آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے بارہ میں اعتماد کرلیا ہے وہ تو محض ظنی دلیلیں ہیں اور صرف انھیں ظنی
دلیلوں کی وجہ سے آپ لوگوں کو ہرگز مناسب نہیں کہ آپ اپنی مخالفت کریں اور وہ اعتقادات جن پر آپکے باپ دادا تھے چھوڑ دیں
اور گذشتہ رسولوں سے جو دین آپ کو حاصل ہوئے تھے اُنکے تارک بنجائیں کیونکہ ایسی حالت میں ظن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا
پس انھوں نے ان دعاوی نا حق شبہوں اور باطل احتمالات کو اپنے دلوں میں مرتب کیا اور اُس فرقہ کے پاس سے جسنے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی اُسوقت تصدیق کی تھی جبکہ آپنے اپنے قرآن کو مقابلہ کیلئے پیش کیا اور فرمایا کہ تمام فصحاء و بلغاء
اُس کی جیسی ایک سورت کے لانے سے بھی عاجز ہیں اور اس فرقہ کے لوگ باوجودیکہ بڑے فصیح و بلیغ تھے لیکن مقابلہ کرنے سے
عاجز ہے اور اسی سبب سے انھوں نے آپ کے دعوی رسالت کی تصدیق کرلی پھر اُنسے یہ لوگ کہنے لگے کہ ممکن ہو کہ
اُنکو یعنی محمد صلعم کو ایسے درجہ کی فصاحت و بلاغت حاصل ہو گئی ہو جو آپ لوگوں میں سے کسی میں بھی نہ پائی جاتی ہو

اور اسی وجہ سے آپ لوگ اُن کے مقابلہ کرنے سے عاجز رہے ہوں ایسا تو بہت ہوا کرتا ہے کہ ہر فن کے جاننے والوں میں کوئی
کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جسے اس فن میں کامل دستگاہ حاصل ہوتی ہے حتی کہ اسی فن کے باقی جاننے والے اس کے
سامنے اقرار کرتے ہیں کہ وہ ہمارا سردار ہے اور ہم لوگ اسکی گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتے پس اُس فرقہ نے ان لوگوں کو یہ جواب
دیا کہ اگرچہ فصاحت و بلاغت ایک ایسا فن ہے جسکی بنیاد اصلی اور فطرتی قابلیت اور استعداد پر ہے لیکن جس میں کمال پیدا
کرنے اور اعلی درجہ پر پہنچنے کیلئے بہت کچھ مشق اور اسکے طریقوں کے ممارست کی ضرورت ہے مثلاً اشعار کہنا انہیں روایت
کرنا خطبوں کے کہنے پڑھنے کی مشقت اٹھانا فصحا سے سوال و جواب کرنا۔ بلغا سے سبقت لیجانیکی کوشش کرنا تاکہ اسکا
قوی ملکہ پیدا ہوجائے اور اپنی فطرتی استعداد کے موافق کمال پیدا کرکے انہیں کے زمرہ میں داخل ہوسکے علاوہ بریں کسی کی فصاحت
و بلاغت کتنی ہی بڑے مرتبہ کو کیوں نہ پہونچ جائے لیکن یہ بھی تو ضرور ہے کہ اسکی ہمعصروں میں سے اسکی کوئی نظیر موجود ہو اگر
صنف میں سے اسکی کوئی مثال پائی جاوے تو وہ اس سے کسی درجہ میں کم ہی کیوں نہ ہو اور ہم دیکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم اگرچہ فطرتی طور پر اس فن کی استعداد رکھتے تھے لیکن ہم نے ابتدائے پیدائش سے لیکر چالیس برس کی عمر تک کہ جو زمانہ
تحصیل اور مشق کا ہے آپ کو کبھی اس فن کی مشق کرتے نہیں پایا جس سے آپ ایسے درجہ پر پہونچ جاتے اور نہ اس زمانہ میں
آپنے شعر گوئی یا اشعار کی روایت کرنے کی ہی تکلیف گوارا کی علاوہ بریں آپ کو خطبوں اور رسالوں کی جانب بھی کبھی کچھ توجہ
نہ ہوئی اور نہ اس مدت میں ہمنے یہی دیکھا کہ فصحا سے سوال و جواب کرنے اور بلغا پر غلبہ حاصل کرنیکی آپکو کبھی حرص ہوئی
ہو اور وہ برابر ہمارے سامنے ہی رہے ان کا حال ہم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور کیونکر پوشیدہ رہ سکتا تھا حالانکہ جو
شخص اس فن میں فصاحت کرتا ہے وہ ہم لوگوں میں ویسی ہی شہرت پالیتا ہے جیسے دن دوپہر کو آفتاب کیونکہ یہ فن تو
ہمارے اعلی درجہ کے مفاخر میں سے ہے پس آپ کے چالیس برس کی عمر کو پہونچتے ہی دیکھتے کیا ہیں کہ آپ ایک فصیح کلام جسکا
نام قرآن ہے لے آئے ہیں جسکی فصاحت و بلاغت نے ہمارے دانت کھٹے کردئے اور بالکل ہی ہمکو ہرا کر ہمارا بودا پن ثابت
کر دکھایا اور یہ بھی ہے کہ جو طرز قرآن شریف میں فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اختیار کیا گیا ہے وہ بالکل نئی طرز ہے
ہمیں کہیں اسکی نظیر نہیں ملتی پس وہ نہ اشعار کے قبیل سے ہے نہ رجز ہی معلوم ہوتا ہے اور نہ خطبوں اور رسالوں کا سا
اسکا طرز ہے اور نہ کوئی اور ہی نمونہ ملتا ہے جسکا اس میں تتبع کیا گیا ہو تاکہ اسی وجہ سے وہ اپنی خواہشیں اور بھی بڑھ جاتا
بھلا جانے دو یہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے پاس اس طریقہ کی مشق کرلی جو انکے قرآن میں موجود ہے اور ہمارے
ملک عرب میں کہیں اس کا پتہ نہیں کیا یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ہی اس طریقہ کے موجد ہوئے ہوں اور پھر اُس میں ایسے درجہ پر
پہونچگئے جہاں اور کوئی نہیں پہونچ سکتا اشیاء کے موجدین میں تو عادتاً یہ امر دیکھا نہیں جاتا بلکہ عادت یوں جاری ہے
کہ ہر موجد سے اسکی ایجاد بچہ کی طرح پہلے اس سے صادر ہوتی ہے اور دوسرے لوگ اسکی تربیت کرتے رہتے ہیں یہانتک کہ
وہ اپنے انتہائی درجہ پر پہونچ جاتی ہے رہا یہ امر کہ موجد اپنی ایجاد میں ایسے اعلی درجہ پر پہونچ جائے کہ جسکے بعد کوئی

مرتبہ نمو لو، جہاں تک کسی دوسرے کی رسائی ہی نہ ہو سکے انسانی موجود ہیں تو یہ بات کبھی دیکھی نہیں گئی بلکہ استقرا کے موافق یہ کہنا بھی کچھ مستبعد نہیں کہ سوائے اس صورت کے کہ ایجاد وادنی درجہ کی اور حصول ہو یہ امر ممکن ہی نہیں ہے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی عمر کے گذشتہ زمانہ میں اس فن کی مشق نہ کرنا جسکی وجہ سے وہ ایسے درجہ پر پہونچ جاتے جہاں کوئی نہ پہونچ سکے اور قرآن شریف کا اپنے اسلوب کے اعتبار سے فوق کا ہونا جسکی وجہ سے وہ فصاحت وبلاغت کے ایسے درجہ پر پہونچا جسکے مقابلہ سے ہم لوگ عاجز ہیں یہ دونوں امر اس احتمال کو سرے سے باطل کرتے ہیں جسکو آپنے اس موقع پر نکالا ہے اور جسکے ذریعے آپ نے ہمیں شک میں ڈالنا چاہا تھا پس ہم لوگ بلا کسی شک وشبہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آپکے دعوی میں ہمیشہ تصدیق کرتے رہیں گے اور اسبات کے قائل رہیں گے کہ قرآن کا جیسا کلام لانا انسانی قدرت میں نہیں ہے بلکہ وہ خدا ہی کے پاس سے اترا ہے جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی ہے۔

اس کے بعد یہ شک ڈالنے والے اس فرقہ کی جانب مائل ہوئے جسنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سبب سے تصدیق کی تھی کہ آپکے لائے ہوئے قرآن کو ایسی صفات فاضلہ پر مشتمل پایا جن سب کا کسی کلام میں مجتمع ہو جانا سوائے اس صورت کے کہ وہ خدا کے پاس سے آیا ہو کسی طرح ممکن نہیں۔ اور نیز اس فرقہ کیجانب جس نے آپ کی اس سبب سے تصدیق کی تھی کہ آپ کی شریعت کی حالت بالکل منتظم اور باقاعدہ ہے اسمیں کل فضیلتیں پائی جاتی ہیں اور وہ اپنے پیروی کرنے والونکی حالت کو باقاعدہ بنا دینے کی پوری پوری کفیل ہے پس یہ لوگ ان دونوں فرقوں سے کہنے لگے ہم کو یہ خبر پہونچی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوے رسالت سے پیشتر بلاد روم کیجانب تجارت کیلئے دو مرتبہ سفر کیا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہاں آپ کو بعض راہبوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے (بحیرا راہب جو آپ کو شام کے راستہ میں جب آپ قریش کے تاجروں کے ساتھ تھے ملا تھا اور اسوقت علامتوں سے اسنے پہچان لیا تھا کہ آپ نبی آخر الزمان ہیں جیسا کہ سیر نبویہ میں منقول ہے) شاید آپنے اس قرآن کو جسمیں تمام یہ فضائل موجود ہیں انہیں سے نقل کر لیا ہو اور انسے آپنے شریعت سیکھ لی ہو اور اپنے بلاد میں آکر مدعی رسالت بنگئے ہوں اور اپنے دعوی کی تائید اسی قرآن اور شریعت سے کرنے لگے ہوں اور چونکہ آپکے بلاد میں ایسے واقفکار لوگ موجود نہ تھے تاکہ جو کچھ آپ لائے ہیں اسی کے مثل وہ بھی لاکر آپ کا مقابلہ کر سکتے اسلئے آپ لوگ اس وہم میں پڑگئے ہیں کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ خدا ہی کیجانب سے ہے انسانی کارروائی نہیں ہے۔ اسکا ان دونوں فرقوں نے انہیں یہ جواب دیا کہ قرآن کی ایسی کتاب ہے جو ان تمام صفات فاضلہ پر مشتمل ہو جنکی شرح اور اس امر کا بیان ہمارے استدلال میں گذر چکا ہے کہ ان سب کو بڑے بڑے علماء وحکما اور سیاست ملکی انتظام کے ماہر بھی ایسی کتاب میں ہرگز جمع نہیں کر سکتے اور یہ کہ ایسی شریعت جو عقائد حقہ، اخلاق حسنہ اور ان عبادتوں پر مشتمل ہو جو سراسر حکم اور اسرار پر مبنی ہوں اور اسمیں ایسے احکام موجود ہوں جو تمام خلق کے حالات کے منتظم اور باقاعدہ بنا دینے کی ذمہ داری کرتے ہوں۔ علی ہذا القیاس اور دیگر امور بھی اسمیں پائے جاتے ہوں جنکے پورے پورے بیان کرنے کیلئے تو بہت سی جلدوں کی ضرورت پڑیگی۔ ہاں اجمالاً کہا

بیان کیا گیا ہے یہ سب باتوں کی نسبت اگر بغرض محال یہ احتمال نکالا جائے کہ شاید آپ نے کسی دوسرے سے ان چیزوں کو سیکھ لیا ہو تو وہ بھی نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ انکے لئے اتنی مدت مدید کی ضرورت پڑیگی جو برسوں کی متعدد دہائیوں تک چلی جائے اگرچہ ان باتوں کا سکھلانے والا بہت ہی کامل علما ہی میں سے ہو اور سیکھنے والا بھی اعلیٰ درجہ کا ذکی ہی کیوں نہ ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی عمر کہ ہم لوگوں میں گذاری ہے اس کی ساری مدت میں سے صرف چند ایام کیلئے تجار قریش کی ہمراہی میں جو روم کے شہروں میں بغرض تجارت جایا کرتے تھے ہم لوگوں سے علیحدہ رہے ہیں اور اسی مدت میں آپ مکہ سے بلاد روم تک گئے بھی اور آئے بھی اور تجارت کے سارے کاروبار بھی انجام دئے بھلا اس تھوڑے عرصہ میں آپ کیونکر ساری باتیں سیکھ سکتے تھے اتنی مدت جو انکے لئے بھی کافی نہیں کہ آپ اپنی لائی ہوئی شریعت کے متعدد ابواب میں سے ایک باب کو بھی سیکھ سکے سیکھنے کی دشواریوں اور انکے لئے کافی زمانہ کے ضروری ہونیکو ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے علاوہ بریں جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لاتے ہیں اس کا سیکھ لینا تو پڑھے لکھے شخص پر بھی دشوار ہے اور بلا مدت مدید کے وہ بھی سیکھ نہیں سکتا چہ جائیکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو امی (ان پڑھ) شخص تھے نہ لکھے نہ پڑھے -

پھر بھلا عقل کیونکر تجویز کر سکتی ہے کہ آپ سب کچھ سیکھ گئے باوجودیکہ امی تھے اور اپنے شہر سے بہت تھوڑے ہی دن علیحدہ رہے تھے اور آپ کا امی ہونا ایسی نسبت ہے آپ دعوے کیا کرتے ہیں اور اپنے قرآن میں بھی اپنی رسالت پر استدلال کرنے کے موقع پر خدا کا یہ قول ذکر کرتے ہیں (وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون) جسکا ترجمہ ہے اور تو اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتا تھا اور نہ لکھتا تھا (اگر ایسا ہوتا تو) ایسی حالت میں اہل باطل کو شک کی گنجائش ہو سکتی تھی (اور کذب شک کا کوئی موقع ہے) آپ کا امی اور ان پڑھ ہونا صرف آپکے دعوے ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ خود ہمارے نزدیک بھی بلا شبہ ثابت ہو چکا کہ آپ نے ہم ہی لوگوں میں نشو و نما پایا ہے اور ہمیں کبھی اسکا علم نہیں ہوا کہ آپ نے لکھنے پڑھنے کی مشقت اٹھائی ہو اور نہ ہم میں کسی نے کبھی آپ کو دیکھا اور نہ بہت لوگوں میں کسی سے یہ نقل کیا کہ آپ نے کسی دن ایک سطر بھی لکھی ہو اور اگر آپ ایسی قوم میں کہ اس (کتابت) کو جانتے ہوتے جس کے سوائے معدودے چند اشخاص کے اس فن کے جاننے والے نہ تھے تو آپکا حال کوئی مدت تک ہم سے چھپا نہ رہتا چاہئے آپ چھپانے کا قصد ہی کیوں نہ کرتے اور بھلا آپ اگر جانتے ہوتے تو چھپانے کا قصد ہی کیوں کرنے لگے تھے حالانکہ کوئی شے اس کی جانب آپکو داعی نہ تھی بلکہ اسکے اظہار کا داعی موجود تھا کیونکہ اس جاہل اور بے پڑھے لکھے گروہ میں تو یہ بڑا کمال تھا اور اس بات کو عقل ہرگز نہیں تسلیم کرتی کہ آپ نے اس فن کے سیکھنے سے پہلے ہی اسکا چھپانا قصد کر لیا ہو کہ میں اس فن کو حاصل کرونگا اور لوگوں کو اپنے اس حال کی خبر نہ ہونے دونگا اور پھر کسی وقت مدعی رسالت ہو کے اسی قرآن اور شریعت کے سیکھنے میں اپنے اس فن سے مدد لونگا اور اسکے بعد مدعی رسالت بنونگا بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے نفس کیلئے پہلے ہی سے آپنے ان سب باتوں کا بیڑا اٹھایا تھا اور پھر یہ بات پوری بھی ہو گئی کہ آپ نے اس فن کو حاصل کیا اور نیز جو کچھ کہ آپ نے پڑھیں کے سیکھنے کا حال لوگوں سے بالکل مخفی رہا اور آپ نے اسی بھروسہ پر رسالت کا دعویٰ کیا - اسباب کا

تو سوائے اس شخص کے کوئی قائل نہیں ہو سکتا جو ہٹ دھرمی پر کمر باندھے اور وہمی باتوں کا مطیع بن جائے اور بعد ان سب باتوں کے عقل کسی ایسے سکھلانیوالے کے وادی روم میں پائے جانیکی بھی تو تصدیق نہیں کرتی جو تمام اُن علوم و معارف پر جو کہ قرآن اور شریعت مشتمل ہے حاوی ہو اور اُن سب تحریروں پر پہنچا ہو گیا ہو اور ہم پر اہل روم کے ساتھ مخالطت کرنیکے بعد یہ بات ظاہر بھی ہو گئی کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں روم کے تمام علماء کے پاس بھی اُسکا وجود نہیں چہ جائیکہ اُن میں سے بعض کو سب کچھ معلوم ہوتا بلکہ ہم نے تو انکو دیکھا ہے کہ مخالطت اور آپکی لائی ہوئی چیزوں پر مطلع ہونے کے بعد آپ کی شریعت کی خوبی استحکام سے بہت تعجب کرتے ہیں اور اس میں سے جو کچھ سیاست اور انکے ملکی انتظام کے موافق ہوتا ہے اقتباس کیجئے ہیں پس کیسے ہو سکتا ہے کہ اُنکے علماء کے پاس یہ باتیں ہوتیں اور وہ اپنے لوگوں میں انکو شائع نہ کرتے اور یہ سب کچھ مخفی رہتا یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انکو ظاہر اور آشکارا کیا تب وہ اُنہیں سے اقتباس کرنے لگے علاوہ بریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باتوں میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو عقائد اعمال اور اخلاق میں روم کے دین کے مخالف تھیں اور انکی اس قبیل کی باتیں انکے دین میں غایت درجہ مذموم خیال کیجاتی تھیں پس عقل کیونکر اس بات کو مان سکتی ہے کہ کسی راہب نے یہ سب کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھا دیا ہو اور اُسکو انکی ضرورت ہی کیا پڑی تھی۔ علاوہ بریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری لائی ہوئی چیزوں تک کسی روم کے راہب سے سیکھ لینے سے جو موانع پیشتر ذکر کئے گئے ہیں اگر انسے قطع نظر بھی کر لیجائے تو ایک اور بہت قوی مانع بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن اور شریعت کو ایک ہی دفعہ نہیں لے آئے ہیں اور اپنے پہلے ہی دعوے میں لوگوں پر اس کو ظاہر نہیں کر دیا ہے بلکہ ابتداء دعوی رسالت سے برابر تھوڑا تھوڑا کر کے لاتے رہے ہیں یہاں تک کہ آپکا دین مکمل ہو گیا اور ان فرقوں اور گروہوں میں پھیل گیا جنہوں نے کہ آپ کی تصدیق کر کے پیروی اختیار کی تھی پس آپ اپنے قرآن کی ایک آیتیں یا ایک دو سورتیں جیسے جیسے واقعات آپ کو اپنے اور اپنے مخالفوں کے مابین یا اپنی پیروی کرنیوالوں کے درمیان پیش آتے جاتے تھے لایا کرتے تھے اور وہ آیتیں یا سورتیں کسی امر پر استدلال کرنے یا کسی شبہ کے دفع کرنے یا کسی سوال کا جواب دینے وغیرہ پر مقتضائے حال کے موافق مشتمل ہوا کرتی تھیں اور اسی طرح احکام شریعت بھی آپ حوادثات مشکلات سوالات اور مصلحتوں کے موافق تھوڑے تھوڑے کر کے لوگوں کو پہونچایا کرتے تھے چنانچہ انہیں سے ہر شے کے مقابل میں آپ پسندیدہ احکام دیا کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ دعوے رسالت کی ساری مدت میں جو جو واقعہ آپ کو پیش آتا جاتا تھا آپ ہر ایک کے مقابل میں قرآن اور شریعت میں سے اُسکے مناسب موافق حکم لایا کرتے تھے اور یہ کیفیت ہمکو اور نیز انکو جن لوگوں تک آپکے اخبار اور حالات تواتر صحیح کے ساتھ نقل ہو کر پہونچے ہیں ضرور معلوم ہے۔ اب اسوقت کیا کہا جا سکتا ہو کہ روم کے کسی راہب کو یہ بات زمانہ آئندہ کے حوادثات اور واقعات جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے چلکر اتفاق پڑنیوالا تھا اور جو آپکے پیروی کرنیوالوں کو مابین یا آپکو اپنے مخالفوں کے ساتھ پیش آنے والے تھے کس نے بتلا دئے تھے جسکی وجہ سے اُسے معلوم ہو گیا کہ قرآن و شریعت میں انہیں سے ہر ایک کے مناسب کیا احکام ہونے چاہئیں تب آپ کو ہر سوال کا جواب جو آئندہ آپکے روبرو ہونیوالا تھا اور ہر

وغیرہ ہر واقعہ کا حکم جس کا آپ کو آئندہ ساری مدت میں اتفاق پڑنے والا تھا بتلا دیا اور آپ نے ہر شے کیلئے جو امر ضروری تھا اپنے وقت پر ٹھیک ٹھیک عقلوں کے اطمینان کے قابل بتلا دیا اور ہم نے مجملاً اُن واقعات کے بعض ایسے امور بھی لکھے ہیں جن کی نسبت کسی کے دل میں اسکا خیال بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ وہ آئندہ چلکر واقع ہوں گے اور آپ کو اُن کا اتفاق پیش آئیگا اور جس شخص کو تمام اُن واقعات پر جو آپ کو بعد دعوی رسالت کے ساری مدت میں پیش آئے ہیں واقفیت ہوگی وہ یقین کریگا کہ اُن سارے واقعات پر جو آپ کو اس مدت میں پیش آئے تھے کسی راہب[ع] کا جسکی نسبت آپکو گمان ہے حاوی ہو جانا اور ہر ایک کیلئے جو حکم ضروری تھا اسکا مستحضر کر لینا بلاشک محال ہے۔ سوائے دھینگا دھینگی کرنے والے کے اور کوئی اسکا قائل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر آپ کہیں کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض بعض شخص (خواہ سلمان فارسی ہوں یا اور کوئی) ایسے قوم کے موجود تھے جو علوم و معارف اور انتظامات ملکی میں شہرۂ آفاق تھے پس یہ کونسا امر مانع ہو سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو حوادثات آپکو پیش آتے ہوں اُنکے احکام اور جو سوالات کہ آپسے کئے جاتے ہوں اُنکے جواب اور جو اعتراضات و شبہے آپ پر وارد کئے جاتے ہوں اُن میں سے ہر ایک کا وغیرہ اور علاوہ اسکے جو کچھ جس وقت کبھی آپ کو ضرورت پڑا کرتی ہو اُسیوقت سب کچھ آپ اُن شخصوں سے پوچھ لیا کرتے ہوں پس جب کبھی ان امور میں سے کوئی امر پیش آتا ہو تو آپ اُس شخص کے پاس چلے آیا کرتے ہوں اور اُس سے دریافت کر لیا کرتے ہوں پس وہ جیسی حالت ہو اُسکے موافق بتا دیا کرتا ہو تو ہم کہیں گے اس بات کا وہم کرنا کئی وجہوں سے بالکل بیجا ہے اوّل تو اسوجہ سے کہ یہ بات مخفی نہیں کہ ان سب اشیا کا سیکھنا سکھانا ایک ایسا امر ہے جو ایک دو نشست یا چند نشستوں میں پورا نہیں ہو سکتا اور نہ خفیہ ہی یہ انجام پا سکتا ہے بلکہ اُسکی بطور عرف اُسیوقت تعلیم ہو سکتی ہے کہ جب سیکھنے والا اسکی تعلیم دینے والے کے پاس مدت دراز تک آمد و رفت کرتا رہے اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو لوگوں میں یہ بات ضرور مشہور ہو جاتی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص سے علوم حاصل کیا کرتے ہیں اور یہ امر واقع کے خلاف ہے۔

دوسرے اسوجہ سے کہ اگر شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اُن علوم کا جو آپ کے قرآن و شریعت میں موجود ہیں سکھانیوالا ہوتا تو نہایت درجہ کا محقق اور بڑا ہی صاحب فضل ہوتا لوگوں میں ممتاز شمار کیا جاتا حالانکہ یہ اشخاص جنکی نسبت آپ لوگوں کا گمان ہے اس پایہ کے شخص نہیں ہیں بلکہ لوگوں میں جن اشخاص کی معرفت و واقفیت کی لحاظ سے شہرت تھی ایسی ہی تو اُنکا شمار نہیں اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بہتیرے لوگ شرعی احکام بجا لانے کے لحاظ سے اُن شخصوں سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے اور وہ خود اُنسے اور اُنسے بھی کم درجے لوگوں سے علوم حاصل کیا کرتے تھے اور اپنے ضروری امور سیکھا کرتے تھے اور شاگردوں کی طرح اُنکے سامنے فروتنی سے پیش آتے تھے اور عقل اس امر کی ہرگز تصدیق نہیں کرتی کہ یہ اشخاص اول ایسے ہوتے اور پھر اپنا حال مخفی رکھتے

ع علاوہ بریں راہب مذکور اس طرح بھی بالکل ساقط ہو جاتا ہے کہ مشہور یہ ہے جب آپ بحیرا راہب سے ملے تھے تو آپ تنہا نہ تھے بلکہ قریش کے اور لوگ بھی آپکے ساتھ تھے پس اگر آپ نے اس راہب سے کچھ سیکھا ہوگا تو ساتھیوں کو ضرور معلوم ہوگا پھر دعوے رسالت کے وقت انہیں میں سے کسی نے اس امر کو ظاہر کیوں نہ کر دیا کیونکہ انہیں کے بہتیرے ایسے تھے جو آپ کے اوپر ایمان نہ لائے تھے۔ اور جو آپکے مخالفوں کا ساتھ دیتے تھے اس سے عیاں معلوم ہوا کہ وہاں آپ نے کسی راہب سے کچھ نہیں سیکھا ۱۲ مترجم

اور تیسرے اس وجہ سے کہ اگر یہی اشخاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھلانیوالے ہوتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اپنے سارے پیروی کرنیوالوں پر انہیں شخصوں کا رتبہ مقدم رکھنے میں مضطر ہوتے اور اگر آپ انکی اتنی قدر و منزلت نہیں کرتے تو بھی تو ان کو کب صبر آتا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بہتیروں سے اُنکا درجہ گھٹا ہوا تھا اور پھر بھی وہ خوش تھے انکو یہ امر ضرور ناگوار نہ تھا۔ چوتھے اس وجہ سے کہ ہم نے ان اشخاص کی قوم سے اسکے بعد میل جول کیا تو ہم نے ان علوم احکام اور جملہ بھلائیوں کی جامع شریعت کو جو سب کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اُن کے پاس نہ پایا اور انہیں سے بہتیری چیزیں ایسی ہیں جنکا انکے یہاں اصلاً و قطعاً کچھ پتہ ہی نہ تھا بلکہ ہم نے خود انہیں دیکھا کہ آپ کی شریعت سے جو قوانین انکو اپنے انتظام ملکی کے مناسب معلوم ہوتے ہیں اقتباس کر لیتے ہیں پس یہ اشخاص جملہ علوم و معارف کو کہاں سے لے آئے جن علوم سے انکی قوم ان سے محروم تھی پس بے شک شبہ میں ڈالنے والوں کی اس بیان سے تمام اُن احتمالات کو جو تم نے ہم پر وارد کئے تھے باطل اور مہمل ثابت کر دیا تھا ہم بلا کسی شک شبہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت کی برابر تصدیق کرتے رہیں گے۔

ف: جب یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اس فرقہ کے پاس آئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر اسباب سے استدلال کیا تھا کہ اہل فصاحت و بلاغت نے قرآن و شریعت کے معارضہ سے اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور کلام کی خوبیوں کے واقفکاروں نے اس امر کی شہادت دی کہ قرآن شریف ایسی صفات فاضلہ پر مشتمل ہے کہ جن سبب سے قرآن کی ایسی کتاب ہیں جن کو دیکھ کر کسیکا کلام نہیں اور بعض اہل فصاحت و بلاغت کا قرآن کے معارضہ سے عاجز رہنا اس دلیل سے ظاہر ہو گیا کہ وہ قرآن کا معارضہ تو نہ کر سکے بلکہ بجائے اسکے گھر بار چھوڑ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کو منظور کر لیا جس کے باعث سے وہ مقتول ہوئے انکے بچے قید کئے گئے انکے شہر اجاڑے گئے انہیں جلاوطن ہونا پڑا اگر انھوں نے آسان طریق کو تو چھوڑ دیا اور وہ قرآن کا معارضہ کرنا تھا (اگر انھیں قدرت ہوتی) اور لڑائی بھڑائی کے طریق میں جو سخت دشوار طریق تھا چلنا اختیار کر لیا پس یہ لوگ کہنے لگے کہ تمہیں کیا معلوم کہ ان دونوں فرقوں نے جنمیں سے ایک نے قرآن شریف کے معارضہ سے اپنے عاجز ہونے اور دوسرے نے قرآن شریف کے ایسی صفات فاضلہ پر مشتمل ہونے کا اقرار کر لیا تھا اور یہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبع بنگئے تھے انھوں نے یہ امر کسی غرض نمایاں کیلئے کیا ہو جس کے حاصل کرنیکا اسی اتباع کو انھوں نے ذریعہ قرار دیا ہو اور اسی لئے انھوں نے یہ اقرار کر لیا ہو اور اس امر کی شہادت دیدی ہو تاکہ ایسا کرنے سے انکے عداوت کرنے والوں پر حجت بجائے رہا وہ فرقہ جس نے معارضہ کو تو چھوڑ دیا اور اپنے گھر بار کو ترک کر کے جنگ پر آمادہ ہو گیا جسکی وجہ سے کچھ ضرر اسے اٹھانا پڑا اُسکی نسبت کیا جا سکتا ہے کہ شاید وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے جنگ کی ابتدا کی ہو اور آتش جنگ کے برافروختہ ہو جانیکے باعث سے انہیں معارضہ کرنیکی فرصت نہ ملی ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اتنی مہلت نہ دی ہو اور اسی سبب سے وہ آسان طریق کو چھوڑ کر دشوار طریق پر چلے ہوں خلاصہ یہ کہ وہ اسپر مضطر کر دئے گئے ہوں پس اس فرقہ نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا کہ آپ کا پہلے دونوں فرقوں کی حق میں یہ کہنا کہ شاید ان کا اقرار کرنا اور ان کا شہادت دینا اور پھر اتباع کر لینا کسی غرض نمایاں پر مبنی ہو جسکے حاصل کرنیکا

ف: [illegible]

اُنھوں نے اسے ذریعہ قرار دیا ہو تو یہ سرتاپا بے ڈھنگی اور بالکل بے سوچی سمجھی بات ہے کیونکہ یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ عاقل کے نزدیک سب سے مشکل کام اپنے دین کا چھوڑ دینا ہے جس میں اُسے دنیوی اور اُخروی نجات کی امید ہو اور بعد اسکے تمام چیزوں سے دشوار تر یہ امر ہے کہ وہ اُن رسموں کو چھوڑ دے جنکا وہ خوگر ہو رہا ہے اور انھیں اپنے اسلاف پیشین سے سیکھا ہے حتی کہ بعض کی تو یہ حالت ہے کہ باوجودیکہ انھیں اپنی رسموں کی برائی بھی معلوم ہو جائے تاہم ان کا چھوڑنا اُن پر نہایت ہی شاق ہوتا ہے اور اُن کا جی اُنہیں کے پیچھے ہی رہنے کو چاہتا ہے اسی بنا پر عاقل اپنے دین کو اُس وقت تک ہرگز نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اُسے اپنے دین کے سوا کسی دوسرے دین میں نجات حاصل ہو جانے کا پورا پورا یقین نہ ہو جائے علی ہذا القیاس وہ اپنی رسموں کو بھی خصوصاً موروثی رسموں کو سوائے اُس حالت کے کہ کوئی ایسا ہی قوی سبب پایا جائے نہیں چھوڑ سکتا اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں فرقوں نے اپنے دین کو جس سے انھیں اپنی نجات کی امید تھی چھوڑ دیا اور اپنی اُن رسموں کے بھی ترک کیا جنکے کہ وہ خوگر ہو رہے تھے اور اُن سب چیزوں کی نہایت شدت کے ساتھ مذمت کرنے لگے اور انھوں نے قرآن کی معارضہ سے اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور اُس پر بعض اطلاع حاصل کرتے ہی جا لگے کہ انھیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کچھ خوف ہوتا اور قرآن کے فضل کی شہادت دینے لگے کیونکہ انہیں خود دینے ہی قوی پاس نجات کا موجود تھا اور انھیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مال و دولت کی حاجت نہ تھی (کیونکہ بیچارے آپ کے پاس کچھ تھا ہی نہیں) بلکہ قبل اس کے کہ آپ کی حمایت کرنیوالی جماعت قائم ہوئی ہوتی اور آپکے ہاتھ کچھ مال آیا ہوتا یا اور کوئی مضطر کر دینے والا سبب پایا جاتا وہ لوگ یہ شہادت دے چکے تھے اور قرآن کے فضل کا اقرار کر چکے تھے یہ بات آپکے اور اُن کے اتباع کرنیکی کیفیت پر پوری پوری اطلاع حاصل کرنے سے بخوبی معلوم ہوتی ہے پس اگر اُنکو معارضہ کرنے سے اپنے عاجز ہونے اور قرآن کے اسقدر فضائل پر مشتمل ہونیکا جنکے جمع کرنے سے انسان عاجز ہے یقین نہ ہو گیا ہوتا تو وہ ہرگز یہ اقرار نہ کرتے اور کبھی اسکی شہادت نہ دیتے اور نہ وہ تبلیغ ہی کرتے جسکی وجہ سے انھیں اپنا دین جسکو وہ اپنے اعتقاد کے موافق باعث نجات سمجھتے تھے چھوڑنا پڑا اور اپنی رسموں کے ترک کرنے کی مشقت اٹھانا پڑی حالانکہ وہ عقیل و فہیم اور بیخوف تھے ۔۔ ۲ فصحاء و بلغاء کے حق میں جنکا معارضہ سے عاجز ہونا اس طرح پر ظاہر ہوا کہ انھوں نے معارضہ کو چھوڑ کر جنگ کو منظور کیا جسکی وجہ سے انھیں بہت سے نقصانات اٹھانا پڑے ۔ یہ کہنا کہ بسا اوقات محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اُنسے جنگ کی ابتدا کی ہو اور انکو معارضہ کی فرصت نہ ملی ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کچھ مہلت نہ لینے دی ہو اسکی نسبت ہم کہتے ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معارضہ کیلئے انکو بلانا اور انکا باز رہنا ایک آدھ واقعہ یا ذرا سی مدت میں ہوتا تو البتہ عقل آپکے اس احتمال کو قبول کر سکتی لیکن یہ بات نہیں ہے کیونکہ انکے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین اُس وقت تک ہرگز لڑائی واقع نہیں ہوئی جب تک کہ آپنے بار بار قرآن کو معارضہ کیلئے اُن پر پیش نہیں کر لیا اور کئی مرتبہ اسکی منادی نہیں کر دی کہ انسان اسکے معارضہ سے بالکل عاجز ہے اور اسپر ایک مدت گذر نہیں گئی اور مدت بھی کوئی تھوڑی سی نہیں بلکہ ایک قسم کی طویل مدت علاوہ بریں

اس زمانہ کے شروع شروع میں آپکے معتقد پیرو بھی نہیں ہوئے تھے جن سے کہ ان لوگوں کے پھر اُسکے بعد بھی کہ آپکا اور اس فرقہ کے درمیان
آتش جنگ برابر افروختہ ہو چکی جب کبھی آپ کو مہلت ہوئی آپ برابر قرآن کو مقابلہ کیلئے اُنکے سامنے پیش کرتے رہے اور انھیں اُس کے
معارضہ کی جانب بلاتے رہے اور اُن کے اور آپ کے درمیان صلح بھی بہت ہوجایا کرتی تھی اور اوقات صلح میں آپ کو اور آپکے ساتھیوں کو
اُن لوگوں کے ساتھ بار بار یکجائی کا اتفاق ہوتا تھا پس اگر انھیں معارضہ پر قدرت ہوتی تو انھیں ممکن تھا کہ ساعات اور فرصت کے
میں قرآن کا معارضہ کرتے اور جو کچھ وہ قرآن کے مقابلہ میں لاتے اُسکو آپکے پاس بھیجتے اور قبائل عرب میں اُسکو شائع کردیتے تو
کوئی اُنکا مددگار کھڑا ہی ہوجاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اُن لوگوں نے اسکا قصد ہی نہیں کیا نہ آپ کے ابتدائے دعویٰ میں
نہ وقت جنگ میں نہ زمانہ صلح میں اور اپنی فصاحت و بلاغت سے آپکی اور آپ کے پیروی کرنے والوں کی طرف ہجو کرنے پر
مشغول ہوگئے رہا قرآن کا معارضہ سو اسمیں تو اُنکے منہ سے ایک کلمہ بھی نہیں نکلا اور اگر کسی نے قرآن کے معارضہ میں کچھ کہا ہوتا
تو ہم پر مخفی نہ رہ سکتا اور مشرق سے لیکر مغرب تک برابر اُسے روایت کرنیوالے نقل کرتے اسلئے یہ سارے احتمالات جنسے آپکے
بیان کرنے میں شک میں ڈالنا چاہا تھا بالکل غلط اور باطل ہیں اُنکو سوائے اُس شخص کے جسے تحقیق سے کچھ سروکار نہ ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ
فرقہ کا جو معاملہ تھا اُسکی حقیقت حال سے محض نا واقف ہو اور کوئی نہیں تجویز کرسکتا پس ہم ان سب وہمی تباہی احتمالات کو چھوڑ کر ہیں
اپنی پیشتر کی دلیل پر اعتماد کرکے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی بلا کسی شبہ کے برابر تصدیق کرتے رہیں گے اور اسی کا اقرار کئے جائیں گے
پھر شبہ بہکانے اور شبہ میں ڈالنے والے لوگ اس فرقہ کیطرف جھکے جسنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی اُسوقت تصدیق کی تھی
جبکہ انھوں نے خوارق عادات اور طبعی قوانین قدرت کے مخالف امور آپ کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہوئے مشاہدہ کئے تھے
پس اُنسے یہ لوگ کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ خوارق عادات ظاہر کئے ہیں احتمال ہے کہ یہ ایک قسم کا جادو ہو
پس انھوں نے تم لوگوں کی نظر بندی کردی ہو جسکی وجہ سے تمہیں ان چیزوں کے واقع ہونے کا خیال بندھ گیا ہو تو اُس فرقہ
نے انہیں یہ جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت جادوگروں کی سی حالت نہیں ہے کیونکہ آپ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی
سے روکتے ہیں اور جادوگروں کی یہ حالت دیکھی جاتی ہے کہ بدکار اور شہوت پرست ہوتے ہیں اپنے رذیل اور ادنے
درجہ کے مقاصد حاصل کرنے کی غرض سے اعمال سحر کیا کرتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے امور خارق عادات کا
کرنا کسی ادنی درجہ کی غرض کیلئے ثابت نہیں ہوتا وہ تو صرف اس غرض سے امور خارق عادت کو ظاہر کرتے ہیں کہ جو شریعت
آپ لائے ہیں اُسکی پیروی کرنیمیں عقلوں کو اطمینان حاصل ہوجائے اور آپ کی شریعت سراسر مکارم اخلاق پر مشتمل ہے
تمام برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کے ساتھ آراستہ ہونے کا حکم کرتی ہے پس آپکی حالت تو صفات کاملہ کے ساتھ متصف
ہونے، راہ مستقیم پر چلنے خلق خدا کو حق بات کی ہدایت کرنے اور راہ فلاح اختیار کرنے کے لحاظ سے بالکل انبیاء سابقین کی سی ہے
اور آپ کے دعوے کی بھی خدا کی جانب سے اُسی طرح تائید ہوتی ہے جیسے کہ گذشتہ رسولوں کے دعوے کی خارق عادت امور کے سرزد
ہونے سے جن پر کہ سوائے خدا کے اور کسی کو قدرت نہیں ہے تائید کیگئی تھی اور امر خارق عادت کو سرزد کردینا خدا کیجانب سے اس رسول کو

کی تصدیق کے قائم مقام ہے گویا خدا یہ فرماتا ہے کہ ان امور میں میرا بندہ سچا ہے جو میری جانب سے وہ تمہیں پہونچاتا ہے اور عالم کے عادی قوانین قدرت کو اسکے ہاتھ پر میرا توڑ دینا اور ان عادی قوانین قدرت کے خلاف ظاہر کرنا بھی میری جانب سے اسکے دعوے کی تصدیق ہے (رسالہ میں اسکی کافی طور پر تشریح ہو چکی ہے اگر آپ چاہیں تو وہاں دیکھ لیں) علاوہ بریں بعض خارق عادت امور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایسے بھی ظاہر ہوئے ہیں جنکی نسبت عقل ہرگز تصدیق نہیں کر سکتی کہ جادوگروں کو اُن پر قدرت ہو سکتی ہے جیسے کہ چاند کا شق ہو جانا جسکا تمام لوگوں نے خواہ وہ وہاں موجود تھے یا بیابانوں میں سفر کر رہے تھے سب نے بچشم خود مشاہدہ کیا تھا چنانچہ جیسے کہ اس امر کو اُن لوگوں نے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے اور جنھوں نے کہ اسکی درخواست کی تھی دیکھا تھا اسی طرح اُن مسافروں نے بھی اسکا مشاہدہ کیا تھا اور اسکی خبر دی تھی جو دور دراز مقامات سے وارد ہوئے تھے جن کا افق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس والے لوگوں کے افق کے ساتھ موافقت ومساوات رکھتا تھا پس فرض کر لیجیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کی نظر بندی کر دی ہو یہاں تک کہ انھوں نے اس امر کا مشاہدہ کر لیا کہ چاند شق ہو گیا تو کیا آپ کی قدرت میں یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ آپ اُن مسافروں کی بھی نظر بندی کر دیتے جنمیں سے ہر فریق میدانوں میں جدا جدا مقام پر تھا اس بات کا سوائے اس شخص کے کوئی قائل نہیں ہو سکتا جو دیدہ دانستگی کرے یا اس امر سے محض ناواقف ہو کہ جادوگروں کو اپنے اعمال میں کہانتک قدرت ہو سکتی ہے علاوہ بریں ہمنے بعد اسکے کہ ان خوارق کے باعث سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی اور پورے طور سے آپکی شریعت پر مطلع ہو گئے اور آپ کے ساتھ خوب خلا ملا بھی بڑھا لیا اور آپکے حالات میں نہایت باریک بینی سے غور کیا تو ہم نے آپکی شریعت میں سر تا پا راستی اور وہی تمام امور پائے جن پر عمل کرنے والے کو سراسر بہبودی اور بھلائی حاصل ہو اور تمام نقائص سے وہ منزہ ہے اور آپکی شریعت اعلیٰ استقامت اور راستی میں گو رسل سابقین کی شرائع کے مثل نکلی لیکن تمام آداب کمالات پر پورے طور سے حاوی ہونیکے لحاظ سے اُن سے بھی فوقیت لیگئی اور ہمنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس سے عقل انکار کرے یا آپ کی جانب سے دل میں کچھ شک پیدا ہو اور نہ آپ کی شان جادوگروں کی سی معلوم ہوئی اور نہ آپ کا حال حیلہ بازوں ہی کا سا نظر آیا جو متاع دنیا کے حاصل کرنے اور اپنی شہوت رانی کیلئے طرح طرح کے حیلے بہانے کیا کرتے ہیں بلکہ آپ کا تو یہ طریق ہو کر لوگوں کو راہ راست کی ہدایت کرتے تھے اور یہ سکھاتے تھے کہ وہ اپنے مالک کا شکر ادا کیا کریں کنبہ والوں کے ساتھ سلوک سے پیش آئیں یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کریں اور باوجودیکہ آپ اپنی پیروی کرنیوالوں پر مہربان شفیق کی طرح شفقت فرماتے تھے آپکو اُنکے مال و دولت کی ذرا بھی طمع نہ تھی اور نہ اُنکی لذیذ چیزوں سے آپ کو کچھ میلان تھا بلکہ آپ پہلے رسولوں کی طرح (علیہم الصلوۃ والسلام) خود ہی اُن پر احسان کیا کرتے تھے پس جو کچھ ہم نے پیشتر بیان کیا اُسکی بنا پر ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کے سچے ہونے میں ذرا بھی شک باقی نہیں رہا اور آپ کا یہ بہکانا اور شک میں ڈالنا باطل ہو گیا اور ہر منصف کی نظر میں اسکا کچھ اعتبار نہ رہا اسلئے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی برابر تصدیق کرتے رہیں گے اور جو کچھ آپ خدا کے پاس سے لائے ہیں اسی پر ایمان رکھیں گے خدا ہی توفیق کا مالک ہے

اس کے بعد یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اس فرقہ کی طرف مائل ہوئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر ایں…

جب کہ استدلال کیا تھا کہ جو انبیا و رسل سابقین کی کتابوں میں ایسے رسول کی علامتیں مذکور تھیں جسکو انکے بعد خدا بھیجنے والا تھا وہ سب علامتیں آپ پر منطبق ہو گئی تھیں پس اس فرقہ سے یہ لوگ کہنے لگے کہ آپ کو کیا معلوم کہ یہ علامتیں کسی ایسے رسول پر منطبق ہو چکی ہوں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کرنے سے پہلے ہی گذر چکے ہوں تو اس فرقہ نے انہیں یہ جواب دیا کہ ہم نے ان رسولوں کے حالات کی تواریخ سے بحث کر کے دیکھا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر اور ان کتابوں میں ان علامتوں کے وارد ہونے کے بعد ہوئے ہیں پس ہمیں تو اس میں سے کوئی بھی ایسا رسول نہیں ملا جس پر ساری علامتیں منطبق ہو جائیں اور اگر کوئی ایسا ہوا ہوتا تو رسولوں کی ساری تاریخیں اسکے ذکر سے خالی نہ ہوتیں اور اس کی خبریں بھی ہم تک ضرور نقل کیجاتیں اگرچہ بعض قصص کی کتابوں ہی میں کیوں نہ انکا ذکر ہوتا کیونکہ ایسے شخص کا باکمال اس طرح ذکر ہرگز نہیں مٹ سکتا بلکہ بعض انبیا ایسے پائے گئے ہیں جنمیں بعض بعض علامتیں پائی گئی ہیں لیکن ان سے پیشتر کوئی ایسا نہیں ہوا جسمیں یہ سب کی سب علامتیں موجود ہوں اور ہم نے اپنے استدلال کی تقریر میں اسکی توضیح کر دی ہے (پس وہاں دیکھ لینا چاہئے) پھر یہ لوگ اُن سے کہنے لگے تمہیں یہ کیا معلوم شاید خدا کی جانب سے آیندہ کوئی رسول آئے جس پر یہ ساری علامتیں منطبق ہو جائیں اور ان کتابوں میں جس شخص کی خبر دی گئی ہے اس سے وہی مقصود ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ علامتیں اتفاقی طور پر منطبق ہو گئی ہوں اگرچہ ان سب علامتوں کا دو شخصوں میں جمع ہو کر پایا جانا نہایت ہی مستبعد ہے لیکن تاہم عقل اسکو محال بھی نہیں کہتی پس اس فرقہ نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا ہمارا اعتقاد ہے کہ جس خدا کیجانب یہ بات منسوب کیجاتی ہو کہ اسنے رسولونکو بھیجا اور انپر کتابیں اور وحی نازل کیں وہ خدا نہایت ہی علیم و حکیم ہے اس نے جتنی آیندہ ہونیوالی باتیں ہیں ان سب کا علم بھی ضرور ہونا چاہئے پس جبکہ اسے یہ معلوم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیندہ ہونگے اور رسالت کا دعوے کرینگے اور ساری علامتیں انپر منطبق ہو جائیں گی اور وہ مقصود نہ ہونگے بلکہ جو مقصود ہونگے وہ انکے بعد آئیں گے تو ضرور تھا کہ اپنی حکمت کے مقتضا کے موافق وہ ہمکو اسپر ضرور آگاہ کر دیتا چاہئے ان کتابوں میں صرف اتنا ہی کیوں نہ کہدیتا کہ آیندہ ایک شخص مدعی رسالت پیدا ہوگا اور میرے رسولوں کی کتابوں میں جو علامتیں مذکور ہیں وہ سب اسپر منطبق ہو جائیں گی لیکن وہ میری مراد نہ ہوگا بلکہ میری مراد صرف وہ شخص ہوگا جو اسکے بعد آئیگا اور چونکہ خدا سبحانہ کیجانب سے اس قسم کی کوئی اطلاع وارد نہیں ہوئی ہے اسلئے واضح ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی یقیناً مراد ہوں اور ان علامات کا دو شخصوں میں پائے جانے کا احتمال جسکی نسبت تم کہتے ہو کہ عقل اسے محال نہیں سمجھتی تو اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ وہ بلاشک محال ہے کیونکہ اس صورت میں یا تو اللہ تعالیٰ کا آئندہ کے واقعات سے جاہل اور ناواقف رہنا لازم آئیگا یا یہ ماننا پڑیگا کہ خدا کے اعمال حکمت کے خلاف بھی ہوتے ہیں اور وہ اپنے بندوں کو دھوکے میں ڈالا کرتا ہے اور یہ تمام چیزیں محال ہیں (جیسا کہ یہ امر جہاں خدا کی صفات کا بیان ہوا ہے ثابت ہو چکا ہے) پس جو شے محال کو مستلزم ہو وہ بھی محال ہوگی اس بنا پر ان علامتوں کا دو شخصوں میں پائے جانیکو عقل ہرگز تجویز نہیں کر سکتی اسلئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی جنمیں یہ ساری علامتیں تماماً پائی گئی ہیں قطعاً مراد ٹھہرے اور ہم نے اپنے استدلال کی تقریر میں

پوری طور سے اس کی شرح بیان کر چکے ہیں اب بلا کسی شک شبہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی ہم برابر تصدیق کر دیتے
پھر یہ سمجھانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اس فرقہ کو جواب اول ہوئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر اس طرح
استدلال کیا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو آپکی تصدیق یہ سارے دانا اور عقلمند فرقے اتفاق نہ
کرلیتے بعد اس کے کہ وہ آپکے نہایت شدت سے مخالف تھے اور آپکی بڑے زور و شور سے تکذیب کیا کرتے تھے اور اپنے اعتقاد و رسوم
کے بڑے حمایت کرنے والے تھے اور نہ انکو آپکے صدق کی اسقدر کثرت سے دلیلیں ملتیں لیکن چونکہ یہ سارے عقلمند فرقے آپ کی تصدیق
پر متفق ہوگئے اور ان کو اسقدر کثرت سے دلیلیں ملگئیں جن سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق ٹھہرے تو یہ لوگ ان کو کہنے لگے
احتمال ہے کہ ان فرقوں کی دلیلوں میں سے ہر دلیل ظنی ہو جس سے یقین نہ حاصل ہو سکتا ہو اور جب یہ حالت ہو تو ساری دلیلیں
مجموعی طور پر بھی ظنی ہی رہیں گی کیونکہ مجموعہ حقیقت سوائے ان آحاد و اجزاء کے اور کچھ نہیں ہے اگرچہ ایسی اعتقاد اور دین
کے چھوڑ دینے کے بارہ میں اسپر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فطرتی تیزی اور قوت
بیانیہ کی وجہ سے ان میں سے ہر فرقہ کی ظنی دلیل کو یقینی دلیل کا لباس پہنا دیا ہو پس اس فرقہ نے ان لوگوں کو جو دلیل ان کی
فرقہ میں سے جنھوں نے ان دلیلوں سے استدلال کیا ہے ہر فرقہ کی یہ حالت ہے کہ جب میں عاقل غور کریگا اور دیکھیگا کہ وہ سب
عقلمند اور اپنے اعتقادات اور عادات کے بڑے حامی و طرفدار تھے تو اس کی عقل ہرگز انکی تصدیق نہ کریگی کہ ان فرقوں نے اپنے
دین اور پیشواؤں کو ترک کر دیا کسی ظنی دلیل پر اعتماد کیا ہو اور اپنی دلیل کی تنقیح اور اعتبار میں یقینی دلیل پر اعتماد کر نہیں سکتے
کوتاہی کی ہو کیونکہ جس امر کی انھوں نے پیشقدمی کی ہے اسپر انکا پیشقدمی کرنا کوئی معمولی اور ہلکی بات نہیں ہے یہاں تک کہ
وہ اعتبار میں تحقیق و تدقیق سے کام نہ لیتے اور اسکو یونہی رہنے دیتے پس ایسی چیز ہے کہ عقل سلیم کی تسکین ہو سکتی ہو وہ یہی ہے
کہ انہیں جو ہر ایک نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کی نہیں سوائے قطعی دلیل کے جس سے یقین حاصل ہو سکے اور کسی
دلیل پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ان دلیلوں میں سے ہر دلیل کا یقینی ہونا اس تقریر سے قطعی طور پر ثابت
نہیں ہوتا تاہم ان ساری دلیلوں کا ایک ہی نتیجہ پر متفق ہو جانا اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ہے خود ایک مستقل دلیل
کی حیثیت رکھتا ہے جس سے ہمیں آپکے دعوے کی صداقت کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ جب علیحدہ ہر ایک دلیل
ظنی ہو تو ان سب کا مجموعہ بھی ظنی ہی ہو گا کیونکہ مجموعہ سوائے ان آحاد و اجزاء کے یکجائی طور پر ملاحظہ کرنے کے اور کسی چیز کا
نام نہیں ہے تو یہ کہنا تسلیم کے قابل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مجموعہ گو انہیں آحاد و اجزاء کا نام ہے لیکن ہر جز کے اور مجموعہ کے
حکم میں محسوسات اور معقولات دونوں کے اعتبار سے بڑا فرق ہے دونوں کا ایک حکم نہیں ہو سکتا جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور اس کی
تفصیل اس مقام پر گذر چکی ہے جہاں ان فرقوں کی دلیلوں میں تاویل کرنیوالے لوگوں پر رد کیا گیا ہے جنھوں نے اس شخص
کو سچا سمجھا تھا جسے بادشاہ نے بھیجا تھا اور اس موقعہ پر اس کا کچھ اور بیان کر دیا جائیگا کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک کچی
سی رسی چند مہین تاگوں کا مجموعہ ہوتی ہے جس سے ہر تار کو ایک چھوٹا سا بچہ بھی تنہا منقطع کر سکتا ہے لیکن ان سب تاگا

مجموعہ جسے رسی کہتے ہیں اسکے قطع کرنے سے تو بڑے سے قوی شخص بھی عاجز ہے اور یہی کیفیت اُن باتوں میں بھی ہے اگر کسی مجمع
سے ایک جماعت کثیر نہیں کہ وہ ایک تقریر کرنے والے کے پاس حاضر تھے جسنے اُن میں تقریر بیان کی تھی نکلے اور اُنمیں سے
ہر شخص یہ خبر دے کہ مقرر اثناء تقریر میں منبر سے گر پڑا اور اُس کا سر پھٹ گیا پس اس صورت میں اُن میں سے ہر شخص کی خبر علیحدہ
علیحدہ اگرچہ ظنی ہے ہر ایک میں احتمال ہے کہ اسنے جھوٹ کہدیا ہو لیکن اُن سب لوگوں کی خبریں مجموعی طور پر ضرور یقین کی مفید
ہیں عقل اس بات کو محال سمجھتی ہے کہ اتنی بڑی جماعت کی جماعت نے جھوٹ بولنے پر اتفاق کر لیا ہو حالانکہ ہر ایک اُن میں سے
ایک جدا جدا خیال کا آدمی ہو اور کوئی ایسا باعث بھی نہ پایا جائے جو اتنے بہت سے لوگوں کو اس جھوٹی خبر کے تراشنے
پر آمادہ کرے۔ اور ایسا ہی اسوقت بھی ہے جبکہ ایک جماعت کی جماعت یہ کہے کہ حاکم اپنے سفر سے اس شہر میں لوٹ آیا ہے
پس کوئی تو یہ کہتا ہو کہ میں نے آج اسکے بیٹھنے نوکروں کے پاس گیا ہے کہ اُنکے کپڑے آگئے ہیں کوئی کہتا ہو کہ میں نے اس کے خاص
خادموں کو جو اُسی کی خدمت میں رہا کرتے ہیں کہا ہے کہ وہ آگئے ہیں کوئی یہ کہتا ہو کہ میں نے اسکے عزیز لڑکے کو جسے کہ وہ لیا کر
اور کیا خبر ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور اُسکی عادت ہو گئی ہے اس سے جدا نہیں ہوتا وہ بھی آ گیا ہے کوئی کہتا ہو کہ میں نے نوبت بجنے
کی آواز سنکر بعض نوکروں سے اسکا سبب پوچھا تھا تو وہ کہتے تھے کہ آج شہر میں حاکم وارد ہوا ہے اسی سے نوبتیں بج رہی ہیں
کوئی کہتا ہو کہ میں نے اُنکے اہل لشکر کو دیکھا ہے کہ کشتی سے اترتے وقت امیر کو سلام کرنے اور اُس سے ملاقات کرنے کو
جلدی جلدی جا رہے تھے اور انہیں سے یہ خبر بھی مجھے معلوم ہوئی ہے اور کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ اور انمیں ہر ایک ایک
نئی دلیل بیان کی کہ جسے ہر ایک دیکھا جائے تو ظنی ہے لیکن عقل ایسے موقع پر ہر دلیل کو علیحدہ علیحدہ نہیں کرتی بلکہ سب کو
مجموعی طور پر دیکھتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ ساری دلیلیں اتفاقی طور سے ایک ہی بات پر ہرگز اکٹھا نہیں ہوسکتیں اور اسی وجہ سے حاکم
کی آمد کا قطعی طور پر یقین کر لیتی ہے پس یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ان دلیلوں میں سے ہر ہر دلیل چاہے ظنی ہی کیوں نہ ہو لیکن سب کے
مجموعہ سے یقین کی مفید ہونگی اور مجموعی طور پر اُن سے بلاشک قطعی علم حاصل ہو جائیگا۔۔ اب لوگوں کا یہ کہنا احتمال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم نے اپنی فطرتی تیزی اور قوت بیانیہ کے ذریعے سے ہر فرقہ کیلئے ظنی دلیل قائم کر دی ہو اور اسکو یقینی دلیل کے پیرایہ میں مزین کر کے
ظاہر کر دیا ہو تو یہ بات کا وہ شخص قائل ہو سکتا ہے جسے اُن دلائل کی حقیقت کچھ واقفیت ہی نہ ہو جن پر کہ ان فرقوں نے اعتماد
کیا ہے کیونکہ اُنمیں سے اکثر دلیلیں ایسی ہیں جنکے حصول میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو ذرا بھی دخل نہیں پس کیونکر کہا جا سکتا ہے
کہ آپ ہی نے اُن دلیلوں کو قائم کیا ہو اور یقین کے پیرایہ میں انہیں مزین کر دیا بھلا غور تو کیجئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر ممکن
تھا کہ آپ فصحا و بلغا میں قرآن کے معارضہ سے عجز کو پیدا کر دیتے اگر خود قرآن ہی معجزہ واقع ہوا ہوتا اور جو شبہے اس پر وارد
ہوتے ہیں انکا جواب اس موقع پر گذر چکا ہے جہاں پر شبہ مادی فرقے سے گفتگو ہوئی ہے بس چاہئے کہ وہیں دیکھ لیا جائے
غرض یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامتیں اہل سابقہ کی کتابوں میں اخلاق اور افعال اختیاریہ کے قبیل سے مذکور تھیں انہیں پیشینگوئی
کی ہوں مثلاً یہ کہ آپ نیکی سے محبت اور گناہ سے عداوت رکھیں گے انصاف سے حکم کرینگے کفار سے محاربہ کرینگے وغیرہ وغیرہ

تو کیا آپ کو اپنے میں جسمانی علامتیں پیدا کر لینا بھی ممکن تھا اسلئے کہ آپکے دونوں شانوں کے مابین آپکے بادشاہی کی علامت ہوگی اور یہ کہ آپ قوی ہونگے اور کیا ان علامتوں کا پیدا کر لینا بھی آپکے اختیار میں تھا کہ جو اختیاری نہیں جیسے عالم میں تبا اشتہی میں جن کا شمار ہے جیسے کہ فرقوں کا آپکے ماتحت ہونا اور دنیا کا بادشاہوں کے پاس سے آپکے پاس آ جانا . اور دال کا آپکی اطاعت کرنا اور صحرا کا آپکے ذکر کے ساتھ اپنی بلند آواز کرنا اور صحرا سے مراد وہ دیار ہیں جنمیں قیدار سکونت پذیر تھے اور آپ کا ایسے پتھر کے مانند ہونا جسے معماروں نے رد کیا ہو اور وہ کونے کا سرا بن گیا ہو . اور آپ کو فرقوں پر حکومت عطا ہونا حبش کا آپکے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑنا اور بادشاہوں کا آپکے پاس قربانیاں لیکر آنا اور ان فرقوں کا آپکے ساتھ رفق و اطاعت پیش آنا آپکو سبا سونا دیا جانا آپ کا اور آپکے پیروی کرنیوالوں کا زراعت کثیرہ کے مثل ہونا آپکی سلطنت کا دن بدن بڑھتا جانا آپکے ظہور کے بعد بتوں کا ٹوٹ جانا اور زمین پر ڈال دیا جانا . اور جن بادشاہوں سے آپ کا محاربہ ہوا ہو پرندوں کا ان کے گوشت کو کھانا آپ کے پیروی کرنیوالوں کا بادشاہوں کو طوق و زنجیروں میں باندھکر لیے چلنا اور گھسیٹنا . خدا کا ان سے قوم بنی اسرائیل کو غیرت دلانا . ایک جاہل قوم سے انکو غیرت دلانا اور غضبناک کرنا ان علامتوں کا انطباق اس فرقہ کی گفتگو میں گذر چکا ہے جس ان علامتوں سے استدلال کیا تھا پہچان لینا چاہئے پس ہماری تقریر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جتنے احتمال تم لوگوں نے ہمیں شک میں ڈالنے کیلئے وارد کئے تھے سب نامعقول ہیں عقل سلیم جو تعصب سے خالی ہو انکی ہرگز تصدیق نہیں کر سکتی اسلئے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی بلا کسی شبہ کے برابر تصدیق کرتے رہیں گے .

پھر یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اس فرقہ کی طرف گئے جو طبیعی اور مادہ کا قدیم ماننے والا فرقہ تھا پھر اسنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی تھی اور آپ کا پیرو بنا تھا اسلئے کہ مہدی عالم نے اس فرقہ کیلئے ایسے دلائل بیان کر دئے تھے اور انکی تشریح کر دی تھی جو خدائے عالم اور دین حق سے انکار کرنیکے بارہ میں انکے مذہب کے بطلان پر اور نیز اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین سچا اور عقل کے موافق ہے اور انکے احکام یقینی ہیں اور انکے ساتھ ہی جتنے شبہے کہ تصدیق میں انکو سد راہ ہو سکتے تھے ان سب کو انسے دفع کر دیا تھا پس ان بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگوں نے بعد انکے کہ ان مناظرات اور مباحثات پر اطلاع حاصل کر لی جو اس فرقہ اور مہدی عالم کے مابین واقع ہوئے تھے یہ دیکھا کہ جتنے شبہوں سے اس فرقہ کو شک میں ڈالنے کی انہیں امید ہو سکتی تھی ان سب کو اس مہدی عالم نے اپنے مباحثوں میں دفع کر دیا ہے اور سب کا بطلان ظاہر کر دیا تو یہ لوگ چپ سادھ کر رہ گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے لئے اس فرقہ کے ساتھ سوائے اسکے اور کچھ گنجائش باقی نہیں ہے کہ ہم اس فرقہ والوں کو اس عالم کی گفتگو کے بارہ میں مشکوک بنا دیں جسکی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ دینے میں انکی تسکین ہو گئی ہے پس یہ کہنے لگے کہ شاید اس عالم کی قوت بیانیہ اور قوت استدلال بڑھی ہوئی ہو اور اس کی نظر وسیع ہو مباحثوں کے مختلف اسلوب و طرز اور انکے ہر طرح کے پہلوؤں سے کامل واقفیت رکھتا ہو سو اسنے اپنی جادو بیانی کے زور سے آپ لوگوں کی نظر کو چندھیا دیا ہو یہاں تک کہ آپ کو یہ خیال بندھ گیا ہو کہ جو کچھ آپکے خیالات اور مذہب کی تشریح

مخالف ہے وہ باطل ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین صحیح و حق ہے۔ پس آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اپنے مذہب پر جمے رہتے اور ان احتمالات
کو جو آپ کے طبیعی علوم پر مبنی تھے مسٹر محمدی عالم کی گفتگو اور مباحثہ کی وجہ سے نہ چھوڑتے۔ تو اس فرقہ نے اُن لوگوں کو یہ جواب دیا
کہ ہم لوگ دانشمند ہیں ہمیں مناظروں میں کامل دستگاہ حاصل ہے جو شخص ہم سے مناظرہ کرے ہم اُسکے مقابلہ میں پوری پوری
فصاحت سے کام لے سکتے ہیں اسلئے ہم ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتے کہ یہ محمدی عالم بلکہ اس سے کوئی بہت ہی بڑا کیوں نہ ہو ہمارے
سامنے دلائل میں رنگ آمیزیاں کرے اور ہم پر ان کو ملتبس کر دینے کی قدرت رکھتا ہو اور کسی مزخرفات اور غلط سے ہماری
عقلوں کو تسکین دے سکتا ہو جس محمدی عالم نے ہم سے مناظرہ کیا ہے اور اُنسے ہماری عقلوں کی تسکین کر دی ہے اُس نے سب میں
اُسنے واضح طور پر عقلی بیان کا طرز اور عقل و دین کے مقتضا کے موافق روش اختیار کی ہے چنانچہ پہلے تو اُسنے ہمارے لئے واضح
دلیل سے جو حقائق کائنات کی نسبت ہماری تحقیقات پر مبنی ہے مادہ عالم کا حدوث ثابت کر دیا پھر عالم کے پیدا کرنیوالے
خدا کے واجب الوجود ہونے اور اُسکے اُن صفات کے ساتھ موصوف ہونے پر جن پر کہ کائنات میں اُس کے آثار دلالت کرتے ہیں
ہمارے لئے دلیل قائم کر دی اور جتنے شبہے اس خدا کے وجود کی تصدیق کرنے سے ہمارے مانع ہو سکتے تھے سب کو دفع کر دیا
اور واضح طور پر اسکی مثالیں بیان کر کے بخوبی سمجھا دیا اور ہماری عقلوں کو اس امر پر متنبہ اور بیدار کر دیا کہ کائنات کی تفاصیل اور
اُنکے امور و حکمتیں جنکے مباحث کی تدوین ہمارے علوم کی کتابوں میں پورے پورے بیان کے ساتھ ہوئی ہے اس خدائے پاک
کے وجود پر اُسکی عظمت صفات اور وفور حکومت پر ہم استدلال کریں پھر اُسکے بعد اُسنے ہمارے لئے مابین ان امور کے جو
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں وارد ہوئے ہیں اور ہمارے علوم میں جو امور بظاہر اُنکے خلاف تھے اُن میں باہم تطبیق دیدی
یہانتک کہ شریعت میں جو چیزیں وارد ہوئی ہیں اُن سے ہمارا گریز کرنا جاتا رہا پھر ہم وہاں کے اعتقادات پر اعتماد کرنیکے
باعث سے خصوصاً انسان کیلئے بعث کے منکر ہونے سے انسانی دنیا میں جو جو نقصانات اور قباحتیں پیدا ہوتی ہیں اُسنے ہمیں کھلم
کھلا دکھلا دیں پھر اس کے بعد ہم نے اُن دلیلوں میں غور کیا جن پر ان فرقوں نے اعتماد کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور پیروی
اختیار کر لی تھی تو ہمیں یہ بات ظاہر ہوئی کہ وہ سب دلیلیں صحیح اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر یقینی دلالت کرتی ہیں خصوصاً
سب کی سب بخوبی طور پر جنکے اسقدر وفور کے ساتھ اتفاقی طور پر مجتمع ہو جانیکا ہرگز احتمال نہیں ہو سکتا پس اسوقت ہمارے
لئے پورے طور سے حق ظاہر ہو گیا اور حق کے ظاہر ہو چکنے کے بعد بجز جان بوجھ کر گمراہی اختیار کر لینے کے اور کیا رہ گیا اور ہم لوگ
تو ہمیشہ لوگوں میں اسکے دعوے بھی کیا کرتے ہیں کہ صاحب ہم تو آزاد خیال کے ہیں جہاں کہیں حق ملتا ہے بلا تکلف قبول کر لیتے
ہیں پھر بعد ان سب باتوں کے بھی ہم کیونکر دھینگا دھینگی کریں اور مذہب کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں خصوصاً دھینگا دھینگی
بھی کیسی جس کا نتیجہ ابدی بدبختی اور اپنے آپکو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خسران میں ڈالنا ہو پس بجائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق
اور پیروی اختیار کرنے کے سوا ہمارے لئے اور کوئی گنجائش نہیں رہی اس لئے ہم نے کامل درجہ کے ایمان اور پکے یقین کے
ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی اور آپ کے پیرو بن گئے سو آپ لوگوں کا اس محمدی عالم کی گفتگو میں یکو شک ہوتا

کچھ نقص نہیں ہوسکتا انکو اور انکی خیرخواہی کو ہمارا سلام آپ اپنی خیرخواہی رہنے دیجئے اور ہمارے پاس سے تشریف لے جائیے۔
اب اسوقت یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ ان فرقوں کے پاس سے غیض غیض کرتے ہوئے خالی ہاتھوں لوٹ آئے اور
اُن کا کچھ مدعا حاصل نہ ہوسکا۔ خدا فسادیوں کی کارروائی کو راس نہیں لگنے دیا کرتا۔

یہ تو ہو چکا اور سُنئے کہ منجملہ تمام جماعتوں کے جنکے مابین محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوے رسالت کرتے ہوئے تھے ایک ایسا قوم
بھی تھا جسکے خیالات نہایت ہی پست تھے عقل گندی تھی اور تعصب میں ایسا گرا تھا کہ چاہے پہاڑ ٹل جائے لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی کے
ذرا نہ ٹلے اور وہی مرغی کی ایک ٹانگ گاتا رہے پس جب اس فرقہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سُنا اور ان تمام فرقوں کو
آپ کی پیروی کرتے دیکھا تو اپنے سوا اختیار سے یہی اچھا سمجھا کہ اپنے معتقدات اور رسوم پرانہ باؤ دُھند تعصب کے ساتھ جمے رہیں
اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی بلا کسی دلیل و سند کے صرف یہ کہکر تکذیب کیا کریں کہ صاحب ان اعتقادات اور رسوں پر تو ہمنے
اپنے باپ دادا کو پایا ہے ہم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی وجہ سے اُنھیں کسی طرح بھی نہیں چھوڑ سکتے اور بھلا کیونکر چھوڑ دیں
حالانکہ ہمارا اسلاف اسی پر ہے اور برسوں سے ہم بھی اسی پر عمل کرتے چلے آتے ہیں خلاصہ یہ کہ وہ اپنی اسی پست خیالی اور اپنی اسی
ہٹ دھرمی پر اصرار کیا کئے پس اس فرقہ کے لوگ نہایت ہی کمینہ طرز اور خطرناک طریق کی پیروی کے ساتھ اپنی گمراہی میں پڑے رہے اور
انھوں نے امر صواب کا اتباع نہ کیا اور عقلمندوں کی طرح اپنی اختیار کی ہوئی باتوں کے بارہ میں گفتگو کرنے کی ذرہ کوشش نہ کی انھوں
نے اپنے خیالات کی جاہلانہ طور پر حمایت کی پس خسران کے غاروں میں جا گرے اور ذلت و خواری کے سب سے نیچے طبقہ میں اُتر گئے
خدائے پاک اس عناد اور سرکشی میں انکو ہرگز معذور نہ رکھے گا قیامت کے دن اُنسے ضرور انتقام لے گا۔

اور اگر کہا جائے کہ اس فرقہ کے خیالات تو بالکل پست اور یہ تو عقل کا گندہ تھا جیسا کہ ابھی تم نے ذکر کیا پس شاید خدا کے
نزدیک ان کا یہ عذر چل جائے اور وہ یہ کہدیں کہ اے ہمارے رب جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ کیا تھا تو ہمیں
اتنی سمجھ ہی نہ تھی جس سے انکے دعوے کی توضیح کرنے تک ہماری رسائی ہو سکتی۔ اسی لئے ہم انکی تکذیب پر اصرار کرتے رہے
تو ہم کہیں گے کہ انکے خیالات کا پست اور عقلوں کا گندہ ہونا اس وجہ سے نہیں تھا کہ انکی اصل خلقت میں کسی قسم کا نقصان تھا اور انکی
عقلوں میں کوئی فطری ضعف تھا جسکی وجہ سے وہ مجنونوں اور حیوانات کے درجہ پر اُتر جائیں یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
دعوے کی تکذیب پر جمے رہنے اور اس کی تحقیق نہ کرنے میں خدا کے نزدیک معذور سمجھے جائیں اور تکلیف شرعی اور خداوندی
احکام کی تعمیل جن کا خدا نے بندوں کو اپنے رسولوں کی زبان سے مکلف بنایا ہے اُنسے ساقط ہو جائے بلکہ یہ عقل کی گندگی محض
اس وجہ سے تھی کہ وہ شہوات میں غرق تھے لذات کے خیال میں لگے رہتے تھے مرغوبات دنیوی اور اپنی ہوا و ہوس میں پھنسے رہا
کرتے تھے اسی لئے غور و تحقیق کا طریق انکو نامعلوم ہوا اور خواری و ذلت پر مائل ہو گئے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ہم اُنہیں خوب
کی تحصیل اور دربارہ دنیوی مقاصد کے اپنے مقابل و مخالف سے مجادلہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ وہ بڑے غور و فکر سے کام لیتے ہیں
بڑے بڑے استدلال کرتے ہیں۔ اپنا مطلب حاصل کرنے کیلئے بڑے محقق اور باریک بین بنتے ہیں ایک سوئی کے لئے بھی اگر

بڑی خرابی کی تھیں پس جب انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سنا تھا تو اُنکے بارہ میں غور و تحقیق کرنے سے انھیں کونسا امر پیش آگیا تھا یہی نا کہ وہ اپنی شیخی اور ہوائے نفسانی میں پھنسے تھے دنیائے فانی پر مائل ہو رہے تھے پس قانون انصاف کے موافق قیامت کے دن وہ ضرور انتقام کے مستحق ہونگے سوائے انصاف کے اُنپر کسیطرح بھی ظلم نہ ہوگا اسی طرح آپ بہتیرے لوگوں کو دیکھیں گے جو لذات اور فانی مرغوبات کے حاصل کرنے میں پھنسے ہوئے ہیں اپنے عقائد کی تصحیح اور عبادات و معاملات کے سیکھنے کو اپنے آپ کو انھوں نے معطل چھوڑ رکھا ہے انکی ذرا پروا نہیں کرتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ شریعت تمہیں ان چیزوں کے سیکھنے کی تکلیف دیتی ہے اور اسکا حکم کرتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہماری عقلوں میں اُنکے سمجھنے کی طاقت ہی نہیں ہے ہم انکو جان ہی نہیں سکتیں ہم انکی سمجھ کہاں سے لائیں یہ باتیں تو نہیں ہو سکتیں حالانکہ مرغوبات دنیوی کے حاصل کرنے اور ادنیٰ ادنیٰ چیزوں میں اپنے مخالفوں سے جھگڑنے میں آپ کو وہ بڑے مدقق فلاسفر اور محقق حکیم نظر آئینگے پس اگر وہ اپنی عقلوں کو جو خدا نے انھیں عنایت کی ہیں مقدار علم کے سیکھ لینے کی طرف متوجہ کرتے جتنا کہ خدا نے اُنپر فرض کیا ہے تو وہ اپنے میں سیکھنے کی قابلیت اور سمجھنے کی ضرور استعداد پاتے لیکن کاہلی اور شہوات میں پھنسے رہنے اور ہر وقت متاع دنیا کی تحصیل نے انہیں مدہوش و سرگرداں کر رکھا ہے اپنے ظاہر کو عمدہ عمدہ لباس سے آراستہ کرتے ہیں پیٹ شکم کو طرح طرح کے کھانوں سے سیر کرتے ہیں اور اُنکی عقلوں کو دیکھئے کہ سب علوم اور معارف حقہ کے زیور سے بالکل خالی ہیں پس وہ شریعت محمدیہ کی نظر میں کسی طرح معذور نہیں ٹھہر سکتے خدا ان سے قیامت کے دن ان امور کی نسبت ضرور پوچھے گا جن چیزوں کے سیکھنے کا اس نے انہیں حکم دیا تھا اور اسوقت اپنی کوتاہی کی وجہ سے طرح طرح کے عذاب کے مستحق ہونگے۔

غرض یہ قیاس اُن فرقوں کے ساتھ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا جہالت و نادانی اور گمراہی کی وجہ سے انکار کیا کرتے تھے آپ کی برابر یہی کیفیت رہی کہ آپ انکو اپنے دعوے کے صدق پر براہین و دلائل قائم کیا کرتے تھے اور برابر وعظ و نصیحت پیش کرتے رہتے حتی الامکان اُن کی تالیف قلب میں کوشاں رہتے انکو راہ حق کی ہدایت کرتے رہتے اسی طرح دعوے رسالت کے بعد آپ کی ایک مدت گذر گئی اور آپ کو سوائے اسکے اور کچھ حکم نہ تھا کہ آپ انکو صرف تبلیغ کرتے رہیں اور نہایت خوبی کے ساتھ انسے مناظرہ و مجادلہ کریں لیکن جب عقول سلیمہ اور انظار صحیحہ کے نزدیک یہ بات ظاہر و مدلل اور مبرہن ہو چکی کہ ان لوگوں کے ساتھ دلیل و برہان سے کام نہ چلیگا انہیں نصیحت نفع نہ دیگی اور انکو ہدایت کرنے کا کوئی ثمرہ نہ ہوگا بلکہ انھوں نے اپنی گمراہی میں پڑے رہنے اور دین حق اور راہ راست کی پیروی قبول نہ کرنے اور اپنے ہی نفسوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے رہنے سے گذر کر یہ طریقہ اختیار کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے متبعین کی ایذا رسانی میں بھی کوتاہی نہیں کرتے تھے انھیں جب کبھی موقع ملتا تھا تو انکے ساتھ مکاری و دغابازی سے پیش آتے تھے انکے دین کے راستہ میں روڑا اٹکاتے تھے انکیلئے نئی نئی ضرر رساں باتیں ایجاد کیا کرتے تھے انکے ساتھ شریروں اور فسادیوں کا سا معاملہ کرتے تھے تو پھر اسوقت خدا نے آپکو اجازت دی کہ آپ اپنے اعدا اور حاسدوں [illegible] سے جو بالکل گذر طبیعت اور نہ جبر میں جہاد کریں اور یہ بات ترغیب کے بجور [illegible] کام میں اور اسی طرح [illegible] اپنی ساتی اور فساد کو [illegible] دفع کریں اور سرکشی و عناد کی جڑ ہی کاٹ دیں اور ایسا تو اسلئے اور اوقات ہوتا ہے کہ ملک کی سلامتی کے لئے

besturdubooks.wordpress.com

شریروں کی بیخ کنی پر جرأت کیجاتی ہے اور اگر کسی کا کوئی عضو مریض ہو جاتا ہے تو باقی جسم کے بچانے کیلئے اُس کا وہ عضو قطع کر دیتے ہیں لیکن خدا نے جہاد کو ایسے حدود پر مقرر و مشروع کیا ہے جس سے رفق و آسانی کی بھی گنجایش باقی رہتی ہے اور شفقت و انصاف ہاتھ سے جانے نہیں پاتا اور صورت اُسکی یہ ہے کہ مخالفین کو پہلے اسلام اور خدا تعالیٰ کی توحید اور جتنی چیزیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں ان سب کی تصدیق کیجانب موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دیجاتی ہے پس اگر انہوں نے قبول کر لیا تو بہت اچھی بات ہے پھر تمام مسلمانوں کی طرح وہ بھی سمجھے جاتے ہیں اور اگر انکو قبول نہ ہو اور پھر اگر وہ مشرکین عرب جن ہوئے بیچ لغت میں شریعت محمدی نازل ہوئی ہے اور انکو کسی آسمانی کتاب یا دین کا شبہ بھی نہ ہوا بلکہ وہ بت پرست یا آتش پرست یا انہیں کی طرح اور کوئی نکلے تو انکے لئے حکم ہے کہ قتل کئے جائیں (جیسا کہ یہ حکم موسوی شریعت میں سات قوموں کے حق میں تھا اور وہ فرقے حتیین ہیں اور جنکا ان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ سفر استثناء میں ہے اور نیز اسی شریعت میں مرتد اور بتوں کیلئے جانور ذبح کرنیوالے اور بتوں کی عبادت کی ترغیب دینے والوں کے حق میں بھی یہی حکم تھا) اور اگر وہ مشرکین عرب میں سے نہ ہوں تو اُن سے کہا جاتا ہے کہ جزیہ اور اطاعت قبول کر کے صلح کریں اگر انہوں نے اسے قبول کر لیا تو انکی جانیں مسلمانوں کی جانوں کی طرح اُن کے مال مسلمانوں کے مالوں کی طرح اُن کی آبرو مسلمانوں کی آبرو کی طرح محفوظ ہو جاتی ہے ان حقوق میں ذرا بھی کوتاہی گوارا نہیں کیجا سکتی چاہے وہ ذرا ہی سی بات کیوں نہ ہو یہاں تک کہ اُن کی غیبت کرنا انکو گالی دینا۔ یا کسی ادنیٰ صدمہ کر دینے والی شے سے ایذا پہونچانا ہرگز جائز نہیں ہاں اگر کوئی ایسی ہی شرعی وجہ پائی جائے جس سے مسلمانوں کو بھی سزا دیجا سکتی ہو تو انہیں کے مثل اُنہیں بھی سزا دیجائیگی جیسے مثلاً حد وغیرہ کی غرض سے۔

اور اگر انہوں نے جزیہ دینا اور اطاعت کرنا بھی قبول نہ کیا تو پھر اسوقت اُن سے محاربہ کیا جاتا ہے مسلمانوں کو انکا مال اور انکا خون مباح ہو جاتا ہے وہ انکو غلام بنا سکتے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ان سات قوموں مذکورہ فرقوں کے علاوہ اور فرقوں کے حق میں یہی حکم تھا اور پھر جہاد کی کچھ حدیں بھی مقرر ہیں کہ انسے تجاوز کرنا جائز نہیں چنانچہ حکم ہے کہ بچے اور عورتیں نہ قتل کیجائیں اور نہ وہ اشخاص جو گوشہ گیری کو اپنے نزدیک عبادت سمجھکر گوشہ گیر ہو گئے ہیں (یعنی راہب) ہاں اگر اُنمیں سے کسی کی جانب سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں کی ہلاکت کا باعث ہوگا چاہے صرف کسی طرح کی تدبیر ہی کیوں نہ ہو تو وہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اور شرائع سابقہ کے ماننے والوں میں سے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمعصر ہوئے تھے اُنمیں سے بعض بعض نے شروع شروع میں جہاد کو ناجائز سمجھا تھا اسلئے کہ اسمیں جانیں تلف کیجاتی ہیں مال لوٹ لیا جاتا ہے۔ انسان کو غلام بنایا جاتا ہے لیکن یہ اس لئے کہ انہوں نے انصاف سے کام نہ لیا اور شریعت محمدی کا شرائع سابقہ سے مقابلہ کر کے دیکھا گیا کوئی چیز ایسی نہ ملی جو ان امور میں سے اس شریعت میں معیوب سمجھی جا سکے اور یا شرائع سابقہ کے احکام کے علاوہ اس میں کوئی نیا حکم پایا جاتا ہو بلکہ کوئی چیز ایسی جو شرائع سابقہ میں نہ تھی اور یہاں پائی جاتی ہے اگر ہیگی تو یہ ہے کہ اس دین میں بہت سی تخفیفات اور آسانیاں کر دی گئی ہیں جو پہلے نہ تھیں چنانچہ شریعت محمدیہ میں مشرکین عرب اگر ایمان نہ لائیں

تو جہاں انھیں قتل کرنے کا حکم ہوا ہے اُس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ اُن کے بچے اور عورتیں نہ قتل کیجائیں ان کا قتل کرنا حرام ہے بخلاف موسوی شریعت کے کہ اس میں فرقہ حیتین وغیرہ سات فرقوں کے حق میں جن کا ذکر سفر استثناء میں ہو یہ حکم تھا بلکہ اُن کیلئے اُس شریعت میں یہ حکم تھا کہ اُن میں سے جتنے ذی حیات ہوں خواہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں یا بچے سب کے سب قتل کیے جائیں اور اسی مقام پر مذکور ہے کہ ان ساتوں قوموں کی تعداد بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ تھی پس خدا نے بنی اسرائیل کی سلامتی کیلئے جو ایماندار تھے ان سب کے قتل کا بے دھڑک حکم دیدیا اور انکے ہلاک کرنے کے بارے میں نہایت شد و مد کے ساتھ امر فرمایا چنانچہ سفر عدد میں ارشاد ہے کہ اس زمین کے سارے بسنے والوں کو ہلاک کر ڈالو پھر اگر تم اس زمین کے سارے بسنے والوں کو ہلاک نہ کرو گے تو جو لوگ انمیں سے باقی رہجائیں گے وہ تمہارے لئے تمہاری آنکھوں میں میخوں کے مثل اور تمہارے پہلوؤں میں تیروں کے مثل معلوم ہوں گے اور اُس زمین میں جسمیں تمہاری سکونت ہوگی تم پر ظلم کرینگے اور پھر انکے ساتھ جو معاملہ کرنے کا میں نے ارادہ ٹھان لیا تھا وہ تمہارے ساتھ کرونگا رہا ساتوں فرقوں کے علاوہ اور فرقوں کے حق میں موسوی شریعت کا حکم وہ شریعت محمدی ہی کی طرح ہے کہ مخالف پہلے صلح کی جانب بلائے جائیں گے پس اگر اسکو منظور کریں اور اطاعت قبول کریں خواہ ایمان لاکر یا جزیہ اختیار کرکے تو بہت بہتر ہے اور اگر وہ اسکو منظور نہ کریں تو انسے محاربہ و مقاتلہ کیا جائے پھر جب اُن پر ظفر یابی حاصل ہو تو انکے مرد قتل کیے جائیں عورتیں اور بچے گرفتار کرکے لونڈی و غلام بنائے جائیں انکے جانور اور مال و متاع سب لوٹ لیا جائے اور مجاہدوں کو تقسیم کر دیا جائے جیسا کہ سفر مذکور میں ہے اور اسلامی کتابوں میں یہ مشہور ہے کہ غنیمت میں جو حاصل ہوتا تھا وہ پہلی امتوں کیلئے حلال نہ تھا بلکہ اس کا جلا دینا اُنپر واجب تھا۔ ذرا یہ غور کرنے کی بات ہے پھر موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد انھیں احکام پر جو توریت میں تھے یوشع علیہ السلام چلتے رہے اور انھوں نے لاکھوں ہی کو قتل کر ڈالا جیسا کہ انکی کتاب کے پہلے باب سے لیکر گیارہویں باب تک کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے اور انکی کتاب کے بارہویں باب میں اس کی تصریح موجود ہے کہ انھوں نے کفار کے بادشاہوں میں سے اکتیس بادشاہ قتل کئے اور بنی اسرائیل کو انکی مملکت پر تسلط حاصل ہوگیا اور سفر سموئیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام ساری بستی کو اجاڑ ڈالتے تھے اور اہل جاسور جزار اور عمالقہ میں سے کسی مرد یا عورت کو زندہ نہیں چھوڑتے تھے اُن کے جانور اور مال و متاع کو لوٹ لیتے تھے اور سفر مذکور میں ہے کہ موآب کے رہنے والے داؤد علیہ السلام کے غلام ہوگئے تھے اور انکو خراج دیا کرتے تھے اور انھوں نے ہداد عزر کے ایک ہزار سات سو سوار اور بیس ہزار انکے پیادے لے لئے اور قبیلہ آرام میں سے بائیس ہزار کو مار ڈالا اور پھر انھوں نے طریانون کے سات سو گھوڑوں اور چالیس ہزار سواروں کو قتل کر ڈالا اور یہ کہ انھوں نے اُن قوموں کو جو قریہ ربہ میں رہتی تھیں گرفتار کر لیا اور آروں سے چیر ڈالا اور لوہے کے موسلوں سے انھیں کچلا اور چھریوں سے اُن کے ٹکڑے کر دئے اور اسی طرح بنی عمون کے سارے قریوں کے ساتھ کارروائی کی اور اول سفر ملوک سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام

ـــ یعنی شاید کہ اگلی امتوں میں یہی حکم ہو کہ بعد تکمیل حصہ مجاہدین کا حق ہو باقی جلا دیا جاتا ہو بخلاف ہماری شریعت کے کہ اسمیں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے ـــ واللہ اعلم مترجم

نے ان لوگوں میں سے جو اسکا دعوے کرتے تھے کہ ہم لوگ بعل کے نبی ہیں چار سو پچاس آدمیوں کو ذبح کر ڈالا اور پھر یہی اُدوم
نے اپنے تمام اعمال کو نیکیوں میں سے شمار کیا اور منجملہ انکے اعمال کے انکے جہادات بھی تھے اسلئے کہ انھوں نے زبور کے اٹھارویں
باب میں کہا ہے اور میرا رب مجھے میری نیکی کے مثل جزا دیگا اور میرے ہاتھوں کی پاکی کے مثل مجھے بدلا دیگا اسلئے کہ میں نے
رب کے راستوں کی حفاظت کی ہے اور میں نے اپنے خدا کے ساتھ کفر نہیں کیا اسلئے کہ اسکے سارے احکام میرے آگے ہیں اور
اُسکے عدل کو میں نے اپنے سے دور نہیں ہونے دیا اور میں بلا عیب اس کے ساتھ رہونگا کیونکہ اس نے میرے گناہ سے میری
حفاظت کی ہے اور خدا نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ انکے جہادات اور جملہ نیک افعال خدا کے نزدیک مقبول ہیں کیونکہ اُس نے اول
سفر ملوک میں اس طرح کہا ہے میرا بندہ داؤد ہے جسنے میری وصیتوں کی حفاظت کی اور پورے دل سے میری اطاعت اور میرے سامنے
نیک عمل کئے اور پولس نے ان انبیا کیلئے شہادت دی ہے کہ کفار سے جہاد کرنے کے بارہ میں انکے اعمال نیک تھے گناہ کے قبیل
سے نہ تھے اور ان کا منشا قوت ایمان اور حسن کے وعدوں کو حاصل کرنا تھا اور سنگدلی اور ظلم اگرچہ انمیں سے بعض کے افعال ظاہر
نہایت ہی شدید قسم کے ظلم معلوم ہوتے ہیں خصوصاً بچوں کا قتل کرنا جو گناہ سے بالکل بے واسطہ ہیں اسلئے کہ اُسنے رسالہ عبرانیہ میں
اس طرح کہا ہے اور میں کیا کہوں اسلئے کہ میرے لئے وقت تنگ ہے اگر میں جدعون۔ باراق۔ شمسون۔ یفتاح۔ داؤد۔ سموئیل اور
اُن انبیا کا حال بیان کروں جنھوں نے ایمان سے ممالک پر غلبہ حاصل کیا نیکی کے کام کئے سچے وعدے حاصل کئے شیروں کے
منہ بند کر دئے آگ کا زور ٹھنڈا کر دیا تلوار کی دہار سے نجات پائی ضعف سے بچے رہے جنگ میں بہت شدید ہو گئے بیگانوں کے لشکروں
کو شکست دی اور اگر کوئی منہ پھٹ یہ کہے کہ داؤد کے جہادات تو سلطنت اور ملکت حاصل کرنے کیلئے تھے تو ہم کہیں گے کہ ایسی بات
دین کی کمی سے ناشی ہے کیونکہ داؤد علیہ السلام کا ان لوگوں کو خصوصاً عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو
خدا کے نزدیک پسندیدہ اور ان کو حلال ہوگا یا خدا کے نزدیک ناخوش اور اُنپر حرام ہوگا پس اگر پہلی صورت ہو تو ثابت ہو گیا کہ
پہلی شریعتوں میں خدا ہی کی جانب سے جہاد مشروع تھا اور اگر دوسری بات ہو تو نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ خدا نے ان کے حق میں
جھوٹی شہادت دی جسکو ہم سفر ملوک سے پہلے نقل کر چکے ہیں اور نیز اس بنا پر اپنے بارہ میں خود انھیں کا قول جھوٹا ہو جائیگا اور انکے
حق میں پولس کی شہادت کاذب ٹھریگی اور یہ ایسی بات ہے جسکو ہر وہ شخص جو ان کتابوں کے ساتھ اعتقاد رکھتا ہوگا جنمیں
یہ اقوال نقل کئے گئے ہیں ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا اور یہ بھی لازم آئیگا کہ ہزاروں بے گناہوں اور غیر واجب القتل لوگوں کا خون
انکی گردن پر ہو ہلاک کرنے کیلئے ایک نیک آدمی کا خون ہی کافی ہے تو پھر انکو آخرت میں کیونکر نجات مل سکتی ہے مختصر یہ کہ
اگر ہمارے خدا کے نزدیک جہاد کے مشروع ہونے اور شریعت خداوندی کے موافق مخالف کو قتل کرنے کی دلیل سوائے اسکے نہ بھی
ہوتی کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے وقت دجال اور اسکے لشکر کو قتل کرینگے جیسا کہ اہل اسلام کو تسلیم ہے اور دوسرے خط کے دوسرے
باب میں اور مشاہدات کے نویں باب میں اسکی تصریح موجود ہے تو جب بھی ہمارے لئے یہی کافی وافی دلیل ہے۔

ف جب ہم خدا کی جانب نظر کرتے ہیں جو کہ فاعل مختار ہے اور جسکے افعال ظلم کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے بلکہ اسکے تمام اعمال

سراسر عدل و حکمت ہی پر مبنی ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خدائے پاک کی یہ عادت ہے کہ وہ کفر کو مبغوض رکھتا ہے اور آخرت میں یقیناً اس کی سزا دیگا اور اسی طرح وہ گناہ کو بھی مبغوض رکھتا ہے اور کبھی کبھی کفار اور گنہگاروں کو دنیا میں بھی سزا دیتا ہے چنانچہ کبھی کفار کو علی العموم غرق کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا پس کوئی نہیں سوائے کشتی والوں کے اور کوئی نہ بچا اور کبھی خاص طور پر کسی کو غرق کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ فرعون اور اُسکے لشکر کو اُسنے غرق کر دیا اور کبھی فقط ہلاک کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ اُسنے جس رات بنو اسرائیل مصر سے نکلے تھے اہل مصر میں سے تمام انسان اور چوپایوں کی پہلوٹھی اولاد کو ہلاک کر دیا جیسا کہ سفر خروج میں ہے اور کبھی گندھک اور آگ برسا کر اور شہروں کو الٹ کر سزا دیتا ہے جیسا کہ لوط علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا کیونکہ اُسنے سادوم اور عاموره اور اُنکے گرد و نواح کے بسنے والوں کو اسی طرح ہلاک کیا تھا اور کبھی بیماریاں بھیجکر سزا دیتا ہے جیسا کہ اسدودیوں کو اُسنے بواسیر سے ہلاک کیا جیسا کہ پہلے سفر سموئیل میں مذکور ہے اور کبھی فرشتہ کو بھیجکر سزا دیتا ہے جیسا کہ اشوریوں کے لشکر کے ساتھ ہوا کیونکہ ایک رات میں فرشتہ نے اُنمیں سے ایک لاکھ پچاسی ہزار کو قتل کر ڈالا جیسا کہ سفر ملوک ثانی میں مذکور ہے اور ایسے ہی گناہگاروں کو بھی کبھی دھنسا کر اور کبھی آگ سے جلا کر سزا دیتا ہے جیسا کہ اُسنے قورح۔ داثان۔ اور ابیرم وغیرہ کو ہلاک کر ڈالا جبکہ اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی پس زمین پھٹ گئی اور قورح داثان۔ ابیرم اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو اور اُنکے مال و متاع کو نگل گئی پھر ایک آگ نکلی اور ڈھائی سو مردوں کو کھا گئی جیسا کہ سفر عدد میں مذکور ہے اور کبھی دفعتاً ہلاک کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ قورح کی ہلاکت کے دوسرے دن جب بنی اسرائیل نے مخالفت کی تو اُس نے چودہ ہزار سات سو کو ہلاک کر ڈالا۔ اور اگر ہارون علیہ السلام مردوں اور زندوں کے درمیان نہ کھڑے ہو جاتے اور قوم کیلئے استغفار نہ کرتے تو اُس دن پروردگار کے غضب سے سب ہلاک ہو جاتے جیسا کہ سفر مذکور سے معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ اُس نے پچاس ہزار ستر آدمیوں کو اہل بیت شمس میں سے اس بنا پر ہلاک کر ڈالا کہ اُنھوں نے خدا کے تابوت کو دیکھا تھا جیسا کہ پہلے سفر سموئیل سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی موذی سانپوں کو بھیجکر سزا دیتا ہے جیسا کہ بنو اسرائیل نے جب دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تھی تو اُس نے اُن پر موذی سانپوں کو بھیجا تھا اور اُنکو کاٹ کاٹ کھاتے تھے چنانچہ اُنمیں کے بہتیرے مر گئے جیسا کہ سفر عدد سے معلوم ہوتا ہے پس اس فرقہ نے بعد اس کے کہ جہاد کے بارہ میں شرائع سابقہ کے احکام اور کفار کے بارہ میں انبیاء کے اعمال اور کافروں اور گنہگاروں کے ساتھ خدا کی عادت وغیرہ میں غور کر کے دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ جب یہ بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی شریعت کو ہمراہ لے کر خدا کے پاس سے رسول بنکر آئے ہیں اور یہ بات قطعی دلائل سے پایہ ثبوت کو پہونچ گئی ہے تو اُن کی شریعت میں جہاد کی مشروعیت اور اپنے مخالفوں کو قتل کرنے اُنکے مال و متاع کو لوٹ لینے اور اُن کو غلام بنانے کے بارہ میں پھر کوئی چیز معیوب نہیں ٹھہر سکتی خصوصاً جس حال میں کہ اُن کی شریعت کے جہاد کی نسبت جہاد شرائع سابقہ کے ہم صورت اور خفیف بھی پاتے ہوں پس آپ کی شریعت شرائع سابقہ کے مخالف نہیں ہے اور یہی ہے کہ خدا کے نبیوں کی شریعت کے ساتھ جو لوگ کفر یا گناہ کر کے مخالفت سے پیش آتے ہیں اُن کے ساتھ جو خدا کی عادت جاری ہوگی

خلاف اور مضاد آپ کی شریعت میں کوئی حکم ہو پس ہر شخص جو وحی کی تصدیق کرتا ہو اور خدا کے پاس سے انبیا پر شرائع کے نازل ہونیکا یقین رکھتا ہو اُسکے ذمہ واجب ہے کہ مشروعیت جہاد کے بارہ میں خاصکر محمدی شریعت ہی پر شبہ اور وہم کو اپنے دل میں جگہ نہ دے رہا وہ شخص جو خدائے عالم کا وجود ہی نہ مانتا ہو اور نہ شرائع کے نازل ہونے کا قائل ہو تو اُس سے یوں گفتگو کیجائیگی کہ پہلے خدائے عالم یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کیا جائیگا خدا کی وحی ثابت کرنا پڑیگی (جیساکہ مادی فرقہ کے مناظرہ میں یہ ہوچکا ہے) پھر بعد اسکے کہ اُسپر حجت قائم کردی جائیگی اور وہ شرائع کی تصدیق کا التزام کریگا تو اُسکی بھی وہی حالت ہوجائیگی جو دوسرے اہل ملت کی ہے جو اس ملت کی تصدیق کرتے ہیں پس اب ہم اس شخص کے مقابلہ میں ثابت کرینگے کہ جو کچھ خدا نے شرائع میں مشروع اور مقرر کیا ہے وہ ضرور مستحسن ہے اور اُسوقت اُسے معلوم ہوجائیگا کہ جہاد کے بارہ میں محمدی شریعت شرائع سابقہ کے مخالف نہیں ہے بلکہ اسمیں بہت سی تخفیفات اور سہولتیں موجود ہیں جو شرائع سابقہ میں نہ تھیں جیساکہ اس کا بیان پیشتر گذر چکا ہے۔

پھر بعد اسکے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین شائع ہوگیا اور اُسمیں جہاد مشروع ہوچکا تو ایک اور فرقہ کو یہ وہم ہوا کہ یہ دین محض تلوار کے زور سے قائم ہوا ہے اور اُسی سے پھیلا ہے اور یہ بات ایسی ہے جس سے جی میں شک پیدا ہوتا ہے اور آدمی کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے پیرو ہیں وہ لوگ قتل سے دہمکا کر دین میں داخل ہونے کیلئے مجبور کئے گئے ہیں لیکن باوجود اس خیال کے اس فرقہ نے انصاف کو نہیں چھوڑا اور اُسے ضروری سمجھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ابتدائی کیفیت کا پورا پورا حال دریافت کیا تو اُنکے نزدیک نہایت درجہ کی تفتیش اور تحقیق اور اس دین کی ابتدائی حالت کی تاریخ دیکھنے سے یہ بات متحقق ہوگئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل جب دعوے رسالت کرنے کو کھڑے ہوئے تھے تو اُسوقت تن تنہا اور بے یار و یاور تھے نہ آپ کو کسی قسم کی حکومت حاصل تھی اور نہ آپ کا کنبہ ہی ایسا ذی قدرت تھا جس کی حمایت کا آپ بھروسہ کرتے بلکہ ہوں کے مابین جب آپ دعوے رسالت کرنے کو کھڑے ہوئے تھے تو آپکے کنبہ والوں کو باقی طائفوں پر غلبہ حاصل ہوجاتا اور ان سبکے تخاصم کی تاب نہ لاسکتا تو جہاد با خود انہیں لوگوں نے آپکے دعوے کی سب سے پہلے تکذیب کی اور آپکے سخت دشمن ہوگئے اور آپکے کنبہ کے شریر لوگ آپ کی ایذا رسانی اور آپ کو ہلاک کر ڈالنے پر تیار اور آمادہ ہوگئے لیکن تاہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے پر جمے رہے اور ایذا رسانوں کی ایذا دہی پر صبر کیا کئے خلق خدا کو حق کی جانب بلانے اور انکے لئے دلائل قائم کرنے میں مشغول رہے اپنے دین کی خوبیاں ظاہر کرتے رہے اور جس طریق پر وہ لوگ تھے اس کی برائیاں دکھلاتے رہے یہانتک کہ خدا کو جنکی ہدایت منظور تھی اُنکے نزدیک حق واضح ہوگیا پھر عقول سلیمہ آپکے دین کو قبول کرنے اور آپ کی شریعت کو مستحسن خیال کرنے لگیں اور جماعتیں کی جماعتیں آپ کی پیروی کو اختیار کرنے لگیں اور اسوقت آپ کو کسی کے ایک قطرہ خون کے گرانے کا بھی حکم نہیں دیا گیا تھا اور آپ قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے جسمیں خدا کا یہ قول موجود تھا (لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی) یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے متمیز ہوچکی ہے اور یہ قول جسمیں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے (یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم

لا یضرکم من ضل اذا اہتدیتم۔ یعنی اے ایمان والو تم اپنے نفسوں کی خبر لو جب تم ہدایت قبول کر چکے تو جو گمراہی میں رہیگا وہ دور
اس کا گمراہی میں رہنا تمہارے نفع رساں نہیں ہو سکتا اور خدا کا یہ قول دین کفر فعلیہ کفرہ۔ یعنی جس نے کفر کیا اسکا
کفر اسی پر پڑیگا اور اسی کے مثل اور آیتیں بھی موجود تھیں ورجن سے ظاہر ہے کہ اس طریقہ کا التزام کر رکھا تھا اور جہاد مشروع
بھی نہیں ہوا تھا تب ہی ایک جم غفیر آپ کا پیرو ہو گیا تھا جیسا کہ آپکے حالات کی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ ابوذر اور انکے
بھائی انیس اور انکی والدہ رضی اللہ عنہم یہ سب آپ کے شروع ہی میں اسلام لے آئے تھے اور جب اپنے قبیلہ میں لوٹ گئے تھے تو
ابوذر رضی اللہ عنہ کی دعوت اسلام کیوجہ سے غفار کا آدھا قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا اور آپ کی بعثت کے ساتویں برس قبل اسکے
کہ آپ مدینہ کیجانب ہجرت کرتے اور جہاد مشروع ہوتا آپکے متبعین میں سے تراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے مکے سے حبش کی جانب کفار کی ایذا
کے ستانے کے باعث سے ہجرت کر گئے تھے اور کچھ مسلمان مکہ میں باقی رہ گئے تھے اور کوئی بیس آدمی نجران کے نصرانیوں میں سے مسلمان
ہو چکے تھے اور ایسا ہی ضماد ازدی بعثت کے دسویں برس کے قبل ہی مسلمان ہو گئے تھے اور طفیل بن عمرو دوسی بھی ہجرت سے پہلے
مسلمان ہو چکے تھے اور بہت بڑے شریف آدمی تھے انکی قوم انکی اطاعت کرتی تھی اور جب کہ وہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے انکی
دعوت اسلام کے باعث سے انکے والد اور والدہ دونوں مشرف باسلام ہو گئے اور مدینہ منورہ میں ہجرت سے پہلے مصعب بن عمیر
کے وعظ کی برکت سے ایک دن میں بنی اشہل کا قبیلہ کا قبیلہ اسلام لے آیا اور اس قبیلہ کے مردوں اور عورتوں میں سے کوئی ایسا باقی
نہیں رہا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو ہاں صرف ایک عمرو بن ثابت رہ گئے تھے جو بعد کو اسلام لائے۔ اور ان لوگوں کے اسلام لانے کے
بعد مصعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو دعوت اسلام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ انصار کے محلوں میں سے کوئی محلہ ایسا نہ رہا تھا جس میں
متعدد مسلمان مرد اور عورتیں نہ موجود ہوں ہاں مدینہ کے دیہاتوں میں سے بجز کچھ تھوڑے سے رہنے والے ابتدا اسوقت اسلام ہونے سے
باقی رہ گئے تھے اور جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کیجانب ہجرت کی تو بریدہ اسلمی نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کیساتھ مدینہ آ کر
آپ کی اطاعت قبول کی اور اسلام لے آئے حبش کا بادشاہ نجاشی بھی ہجرت کے قبل ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ اور ابوہند تمیم
نعیم۔ اور چار اور آدمی ہجرت کے پہلے ہی شام سے قاصد بنکر آئے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے اسی طرح اور بہتیرے اسلام لا چکے تھے۔
ابوبکر عمر عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اور ان کیطرح اور لوگوں کا جو آپکے مشاہیر متبعین میں سے ہیں ہجرت کے قبل ہی اسلام
لے آنا ایک مشہور واقعہ ہے جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی صحیح صحیح تاریخی کتابوں کے دیکھنے سے مذکورہ امور معلوم ہوتے
ہیں اسکا جی چاہے انہیں دیکھ لے پس منصفانہ غور و تامل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبل اسکے کہ آپ
مدینہ طیبہ ہجرت کر کے جائیں اور آپکی شریعت میں جہاد مشروع ہو مکے سے لیکر مدینہ تک پھیل چکا تھا عقول سلیمہ اسکو قبول کر چکی
تھیں صحیح طبیعتیں اسکو اچھا سمجھتی تھیں حالانکہ اسوقت تک کسی قسم کے خوف اور دھمکانے کا نام و نشان تک نہ تھا تو پھر آپ ہی
دیکھ لیجئے کہ اسلام پر یہ تہمت کیونکر لگ سکتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تلوار سے قائم ہوا ہے اور آپ کی شریعت زبردستی
پھیلائی گئی ہے اتنے بڑے بہتان کا وہ شخص تو ہرگز قائل نہیں ہو سکتا جسکی طبیعت میں ذرا بھی انصاف پایا جاتا ہو اور جو

دشمنوں اور بات کی طرف نظر کرے گا کہ آپ کے باقی زمانہ میں اور پھر اس کے بعد بھی آپ کے دین میں بلا کسی خوف کے لوگوں کی فوجیں کی
فوجیں برابر داخل ہوتی رہیں اور آجتک داخل ہوتی چلی جاتی ہیں بلکہ باوجودیکہ لوگوں کو یہ بھی خوف ہو کہ دین کے دشمن اسلام
لانے کے بعد ستاویں گے تاہم وہ اسلام لانے سے باز نہیں رہتے تو آپ تو اس امر کا خیال کرنے سے یہ شبہ بہت رفع ہو جائیگی
لیکن شرط یہ ہے کہ طبیعت میں انصاف ہو اور عقل سے آزادی کے ساتھ کام لیا گیا ہو۔ ہاں جب پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
تعداد کثیر اور وافر ہو گئی اور یہ بات ظاہر ہوئی کہ نصیحت اور دلیل کی قوت ان مخالفوں میں جو باقی رہ گئے ہیں کارگر نہیں ہو سکتی اور
مخالفوں کے ساتھ نرمی اور بردباری کا معاملہ ہمیشہ کرتے رہنا ان کی سرکشی کو بڑھاتا رہیگا اور امر دین میں اسکی پیروی کرنے
والوں کو مشوش بنائے رکھیگا۔ اور انکو جرات دلائیگا کہ مسلمانوں کو خوب ستایا کریں تو اس وقت اس مصلحت سے آپکے دین میں جہاد
مشروع ہوا اور اسمیں ایسے عدل کے موافق حدود مقرر کر دئے گئے جنکی وجہ سے ایذا رسانوں کی تکلیف دہی سے نجات مل سکے اور
سنگدلی کی حد تک نوبت نہ پہنچنے پائے چنانچہ یہی دیکھئے جو لوگ دین محمدی کی پیروی نہ کریں اسلام انسے اسی پر اکتفا کرتا ہے
کہ وہ سلطان اسلام کی اطاعت اختیار کریں اور اپنے مال میں سے کچھ دیا کریں تاکہ اہل دین کو دولت اسلام قائم رکھنے میں
مدد ملتی رہا کرے اور انکی دنیاوی ضرورتیں رفع ہوتی رہیں اور اہل اسلام جو ان لوگوں کی جنہوں نے کچھ دینا قبول کر کے سلطان اسلام کی اطاعت
قبول کر لی ہے حمایت کریں تو وہ مال انکے مقابلہ میں بھی ہو جائے۔ رہا انکا آخرت کا معاملہ تو اسلام نے پروردگار عالم کے سپرد کر رکھا ہے
بجز اسلام کے پھر جو شریعت محمدی کا اتباع نہیں کرتے غلامی کا حکم صادر کرتا ہے تاکہ اسی طرح انکی ایذا رسانی کی تفریح ہو اور اہل اسلام انکے ذریعہ دنیاوی کاموں میں
جائیں۔ اور بعض شرائع سابقہ کے ماننے والے دین محمدی میں غلامی کے جائز اور مشروع ہونے پر دیکھکر نفرت کرنے لگے کہ اس کی وجہ سے
غلام پر بڑی روک ٹوک لگجاتی ہے خصوصاً اس وقت کہ انہوں نے بعض ممالک میں غلاموں کو دیکھا کہ طرح طرح کے ظلم سہتے ہیں جیسا کہ
کچھ زمانے سے یورپ میں جاری تھی جس کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور بعض ممالک امریکا میں آجتک جاری ہے چنانچہ ان ممالک میں
غلاموں کو ایذا پڑتی ہے ان کی اہانت کیجاتی ہے بھوکے رکھے جاتے ہیں چوپایوں کی طرح قید رہتے ہیں ان سے ایسے ایسے مشقت کے
کام لئے جاتے ہیں جنکی وہ طاقت نہیں رکھتے گویا کہ نوع انسانی میں ان کا شمار ہی نہیں خاصکر جبکہ وہ سیاہ رنگ کے بھی ہوں اور
کہ ان کا آزاد کرنا دین کے کار ثواب میں شمار نہیں کیا جاتا اور سوائے شاذ و نادر حالت کے ان کو کوئی آزاد نہیں کرتا اور وہاں
ان کی حالت ادنی درجہ کے حیوانات سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ پس ان لوگوں نے یہ خیال کیا کہ دین محمدی بھی شاید غلامی کو
باوجود ان سب خرابیوں کے جائز رکھتا ہے اور غلام کے ساتھ ایسے برے سلوک کے مثل انکی اجازت دیتا ہے اور شرائع سابقہ
میں غلامی کے مشروع ہونے سے انکو کچھ سوء ظن بھی ہو گیا۔ لیکن باوجود اس خیال کے انہوں نے اپنا رخ بدلا اور دین محمدی
میں غلامی کے مشروع ہونیکی کیفیت میں نہایت تدقیق کے ساتھ غور کرنے لگے اور اس بات کو انہوں نے نہایت تامل کی نظر
سے دیکھا اور یہ کہ غلامی کے مشروع ہونیکی کیفیت مشتمل ہے اور وہ یہ ہیں کہ اہل دین کو ان کی دنیاوی ضرورتوں کے پورا کرنے میں
کچھ مدد ملے۔ اعدائے دین پر غلامی کے حکم کرنے سے ان کی ایذا رسانی سے نجات حاصل ہو اپنے مخالفوں کی خدمت کرنے سے ان کی

شوکت ٹوٹے۔ انکی پرخاش ذہن ہو اور ساتھ ہی اسکے مسلمانوں کو بہت کچھ وصیتیں بھی کی گئی ہیں جنکے موافق غلام کی راحت محفوظ رہے اور غلام اپنی زندگی بسر کرنے میں اپنے مولی کے مساوی رہ سکے اور اس طرح پر اگر وہ وحشی بھی ہوگا تو اسمیں تہذیب اور تمدن پیدا ہوگا اور شریعت محمدیہ ان سختیوں اور بدسلوکیوں کو جنکو بعض بعض قومیں اپنے غلاموں کے ساتھ برتا کرتی ہیں کچھ بھی روا نہیں رکھتی نہایت سختی سے اُن کی ممانعت کرتی ہے اور اخروی سزا سے ڈراتی ہے اور باوجود اسکے ثواب جزیل کا وعدہ کر کے غلاموں کے آزاد کرنیکی ترغیب بھی دیتی ہے چنانچہ اس نے بہت سے ایسے وسائل مشروع کئے ہیں جنکا مقتضا یہ ہے کہ غلام بکثرت اور عام طور پر آزاد کئے جائیں۔ اُن کی غلامی کی مدت کم ہو جائے اور اسنے غلام اور اسکے مولی کے مابین اگرچہ آزادی کے بعد ہی کیوں نہ ہو ایسا علاقہ قائم کر دیا ہے جو علاقہ نسب کے مانند ہے۔ اسمیں سفید و سیاہ کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا اور ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شریعت کے ماننے والوں نے یہ بات دیکھکر کہ شریعت غلام کے ساتھ سلوک و احسان کے ساتھ پیش آنیکی ترغیب دیتی ہے جسکے ایسے طریقے اختیار کئے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ غلاموں کے ساتھ نیکی اور سلوک کا برتاؤ کیا جائے اور یہ کہ بسا اوقات غلاموں کو غلامی کی بدولت ایسی نعمت ملتی ہو کہ اگر وہ غلامی میں داخل نہ ہوتے تو اس کا ملنا انکو ممکن نہ ہوتا پھر انھوں نے شرائع سابقہ کی کتابوں کی دیکھ بھال کی تو انھوں نے ان کتابوں میں جو شرائع سابقہ کیجانب منسوب کیجاتی ہیں اسبات کی تصریح پائی کہ غلامی انمیں بھی مشروع تھی بس دین محمدی میں غلامی کی مشروعیت پر جو اُن کا اعتراض تھا اسوقت انھوں نے اسکو واپس لیا اور کہنے لگے کہ جب دین کے ماننے والے اپنے نزدیک قطعی دلائل کیوجہ سے اس امر کا یقین کرتے ہیں کہ انکا دین خدا کیجانب سے مشروع ہے اور انکے دین نے اپنے مخالفوں کا غلام بنانا انکے واسطے اس لئے مباح کر دیا ہے کہ وہ ان کی خدمت سے نفع اٹھائیں مخالفوں کی ایذا رسانی کی خلش انکے سینے وہ پرخاش نکالنے سے باز رہیں اور انکے مالکوں پر ایسی شرطیں لگا دیں جو اسبات کی پوری کفیل ہیں کہ انکے غلاموں کو راحت ملے اور وہ اپنی زندگی بسر کرنے میں انہیں کے برابر ہیں اور مالکوں کیلئے انکے آزاد کرنے اور انکی غلامی کی مدت کم کرنے کے ترغیب دلانیوالے ابواب کھولدئے۔ پس اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بہترے غلاموں کو تہذیب حاصل ہو جاتی ہے اپنی زندگی نہایت خوبی کے ساتھ بسر کرنے لگتے ہیں اور اُن کے ساتھ وہ وہ سلوک اور احسانات کئے جاتے ہیں کہ اگر وہ غلام نہوتے تو اُن کا حاصل کرنا انکو نصیب نہ ہوتا اور یہ کہ ان کے دین نے مالکوں کو اپنے غلاموں کو ایذا رسانی اور اُنپر ظلم کرنے سے روک دیا ہے اور انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ شرائع سابقہ میں بھی غلامی کی مشروعیت پائی جاتی ہے تو کہنے لگے پھر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اسلئے دین محمدی اور انکے ماننے والوں پر غلامی کے مشروع ہونیسے کوئی الزام نہیں عائد ہو سکتا۔ باقی رہیں وہ وصیتیں جو غلام کی راحت کی محافظ اور اس امر کی کفیل ہیں کہ وہ اپنے مالک کے برابر گذران کر سکے تو وہ شریعت محمدیہ میں نہایت کثرت سے پائی جاتی ہیں اور ہم اس موقع پر اتنی ہی پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو آگے آتی ہیں خدا تعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے اور خدا کی

سے وہ آیت یہ ہے (واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا)

عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک مت ٹھہراؤ اور (یہ وصیت مانو کہ) اپنے والدین کے ساتھ احسان سے پیش آیا کرو اور (نیز) اپنے قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت مند اور اجنبی پڑوسیوں سفر کے ساتھیوں اور مسافروں اور اُن لوگوں کے ساتھ جنکے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی وہ تمہارے مملوک ہیں (احسان سے پیش آیا کرو) بے شک اللہ اُس شخص کو پسند نہیں کرتا جو بڑائی مارتا اور اتراتا ہو) پس اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر جہاں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اُس کی خالص طور پر عبادت کیجائے جو ایمان کی بنیاد ہے اور یہ کہ والدین کے ساتھ سلوک و احسان کا برتاؤ کیا جائے جنکی نعمتوں کا مرتبہ خدا کی نعمتوں کے بعد ہی ہے اور یہ کہ اُن لوگوں کے ساتھ احسان و سلوک کا برتاؤ کیا جائے جنکے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا شفقت، رحمت، اور انسانیت کا مقتضیٰ ہے تو اس کے ساتھ ہی خدا نے ممالیک یعنی غلام اور لونڈیوں کے ساتھ احسان و سلوک سے پیش آنے کی بھی وصیت کی ہے اور اسکو بھی امور مذکورۂ بالا کے مقارن گردانا ہے اور ممالیک سے احسان و سلوک سے پیش آنے کا حکم کرنا تمام احسانات و سلوک کو جو اُنکے ساتھ ممکن ہیں سب کو شامل ہے اور جتنی تکلیفیں کہ اسکی مناقض ہیں سب کا دور کرنا بھی اسمیں آگیا اور اسکی شرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے جس[1] قول کا ترجمہ یہ ہے (تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں خدا نے اُنکو تمہارے ہاتھوں کے تحت میں یعنی تمہارے قبضہ میں کر دیا ہے جو تم کھاؤ اُسی میں سے اُن کو بھی کھلاؤ اور جو تم پہنو اُسی میں سے اُنکو بھی پہناؤ اور خدا کے بندوں پر عذاب نکرو یعنی اُنکو تکلیف ندو) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے مقابلہ میں اپنے اور اپنی بڑائی کے خیال سے بچنے کے بارہ میں فرمایا ہے جس[2] کا ترجمہ یہ ہے اور تم میں سے کوئی (اپنے غلام کو) یوں نہ کہے کہ میرا بندہ بلکہ یوں کہا کرے میرا چھوکرا میری چھوکری میرا غلام اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام ہے وہ آپ کا یہ قول ہے (الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم یعنی نماز اور اپنے ممالیک (غلام و لونڈی) کا بڑا خیال رکھنا) اب اہل انصاف غور کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں نماز کی وصیت کی ہے جو کہ دین کا ستون ہے اور جس میں کہ آپ کی آنکھوں کو دنیا میں ٹھنڈک حاصل ہوا کرتی تھی جیسا کہ آپنے فرمایا ہے (وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنی نماز میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے) اُسکے ساتھ ہی ساتھ اس وصیت کو بھی ذکر کیا ہے جو آپنے اپنی پیروی کرنے والوں کو ممالیک (غلام اور لونڈیوں) کے بارہ میں فرمائی ہے اور ناظرین یہ بھی دیکھیں کہ آپنے اپنے اصحاب سے انتقال کے وقت جو آخری کلام کیا ہے وہ یہی دونوں باتیں (نماز اور احسان ممالیک) کی وصیت ہے پس یہ امر غلاموں کے بارہ میں پوری پوری وصیت کیجانے پر دلالت کرنے میں بالکل کافی و وافی ہے اب اس بارہ میں کسی اور چیز کے بیان کرنیکی کچھ حاجت نہیں اور ممالیک یعنی غلام و لونڈیوں کو تکلیف دینے سے ممانعت تو شرعی نصوص میں ایک مشہور بات ہے یہاں تک کہ وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا غلام آزاد کر دیا تھا جسنے اُسے اپنی لونڈی کے ساتھ پکڑا اُسکے ناک، کان، کاٹ ڈالے تھے اور اسکے ولاء[3] کو سرکاری کر دیا اور مسلمانوں کو

---

[1] وہ حدیث یہ ہے (عبیدکم اخوانکم جعلهم اللہ تحت ایدیکم اطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تلبسون ولا تعذبوا عباد اللہ) [2] وہ حدیث یہ ہے (ولا یقل احدکم عبدی ولیقل فتائی وفتاتی وغلامی) [3] شریعت کا قانون ہے کہ کسی کا آزاد کردہ غلام یا لونڈی جب مرجائے اور اُسکے قرابت مندوں میں سے اسکا کوئی وارث نہ ہو تو اُسوقت اُسکی میراث اُسی آزاد کرنیوالے کو ملتی ہے اور اسی کو ولا کہتے ہیں ۱۲ مترجم

اُسکی امانت کی وصیت کر دی اور اسکے بعد آپنے مسلمانوں کے بیت المال سے اُس غلام کا نفقہ مقرر کر دیا اور آپکے خلیفہ (عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ایک شخص کی لونڈی کو آزاد کر دیا تھا جس نے اُسے گرم توے پر بٹھایا تھا جسکی وجہ سے اُسکے سُرین جل گئے تھے اور آپ نے اس شخص کو خوب پٹوایا اور ایسے بہت سے واقعات ہیں جنمیں اپنے غلاموں پر سختی کرنے والوں کو سخت سزا دی گئی ہے۔ اور غلاموں کی ایذا رسانی کے بارہ میں قیامت کے دن کی وعیدیں تو مشہور ہی ہیں۔ باقی رہی ممالیک (یعنی غلاموں اور لونڈیوں) کے آزاد کرنیکی ترغیب تو اسبارہ میں تو شرعی نصوص اس کثرت سے ہیں جن کا کچھ شمار ہی نہیں اور یہاں ہم اسیقدر بیان پر اقتصار کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو آگے آتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ آپ ممالیک کے آزاد کرنیکی برابر ترغیب دیا کرتے تھے اور شرعی نصوص میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص ایک جان کو بھی آزاد کریگا خدا اُسکے ہر ہر عضو کے مقابلہ میں آزاد کرنیوالے کے ہر ہر عضو کو آگ سے رہائی دیگا یہانتک کہ اُسکو سنکر مرد یہ پسند کرنے لگا کہ وہ کسی مرد کو آزاد کرے تاکہ اُسکے پورے پورے اعضا رہائی پائیں اور عورت یہ چاہنے لگی کہ وہ کسی عورت کو آزاد کرے تاکہ اُسکے پورے پورے اعضا رہائی پائیں (ایسا ہی عقود الجواہر منیفہ میں بروایت حماد مذکور ہے اور حماد نے ابراہیم سے روایت کی ہے اور ایسی حدیث کا سا حکم مرفوع[1] حدیث کا سا حکم ہے اور دوسرے لفظوں میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے جو شخص کسی رقبہ یعنی غلام یا لونڈی کو آزاد کرے خدا تعالیٰ اُسکے ہر ہر عضو کے مقابلہ میں آزاد کرنے والے کے اعضا میں سے ہر ہر عضو کو آگ سے رہائی دیدیتا ہے یہانتک کہ اُسکی شرمگاہ کے مقابلہ میں اُسکی شرمگاہ کو اور اللہ تعالیٰ کے قول (فک رقبۃ[2]) کی تفسیر میں مروی ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپسے عرض کرنے لگا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے آپنے فرمایا جان کا آزاد کرنا اور گردن کا چھوڑانا اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ دونوں امر ایک نہیں ہیں؟ آپنے فرمایا نہیں۔ جان کا آزاد کرنا یہ ہو کہ تو بلا شرکت غیرے اُسکو آزاد کرے اور گردن کا چھوڑانا یہ ہے کہ تو اُسکی قیمت میں مدد کرے (ایسا ہی تفسیر رازی میں ہے) یعنی اگر آقا نے اپنے غلام سے کچھ روپیہ لیکر آزاد کرنے کا وعدہ کر لیا ہو تو کوئی شخص غلام کو روپیہ دیکر اُسکے آزاد کرانے میں معاون بنجائے اور اس بارہ میں بہت سی نصوص بھری پڑی ہیں۔ رہا یہ امر کہ شریعت محمدیہ نے بہت سے ایسے سامان اور ذرائع مقرر کئے ہیں جنکا مقتضا یہ ہو کہ غلام بکثرت اور عام طور پر آزاد کئے جائیں اور اُنکی غلامی کی مدت کم ہو جائے سو وہ یہ ہیں کہ اُسنے آزاد کرنا بہت سی جنایتوں کا شرع میں کفارہ قرار دیا ہے جیسے کسی کا دھوکے میں قتل کر ڈالنا۔ رمضان کا روزہ بلا عذر توڑ ڈالنا قسم کھا کر اُسکے خلاف کرنا اور شریعت نے بعض ممنوع چیزوں سے رہائی پانے کا ذریعہ بھی آزاد کرنیکو قرار دیا ہے۔ جیسے کفارہ ظہار[3] کا اسلئے کہ جاہلیت میں ظہار

ف دوسرا ذریعہ غلاموں کی آزادی کا مقرر کیا

---

[1] مرفوع وہ حدیث کہلاتی ہے جس کا سلسلہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بتصریح پہونچا دیا گیا ہو اور جس حدیث کا سلسلہ روایت صحابی تک پہونچ کر رک گیا ہو اسکو موقوف کہتے ہیں۔ اور یہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ اگر صحابی کسی ایسی بات کی خبر دے جو بدون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے قیاس سے نہیں معلوم ہو سکتی تو گو اُسنے رسول اللہ صلعم سے سننے کی تصریح نہ کی ہو تاہم وہ حدیث اُس حدیث کے مثل سمجھی جاتی ہے جس میں رسول اللہ صلعم سے سننے کی تصریح کر دی گئی ہو یعنی حدیث مرفوع کے مثل ۱۲ مترجم

[2] یعنی کسی کی گردن کا چھوڑانا ۱۲ مترجم

[3] ظہار شریعت میں اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی عورت کو اپنی ماں بہن وغیرہ (جن کے ساتھ اسکا نکاح کرنا حرام ہے) کے کسی ایسے عضو سے جسکی طرف دیکھنا جائز نہیں (مثلاً پیٹھ یا شرمگاہ وغیرہ) تشبیہ دیکر اپنے اوپر حرام کرے مثلاً یوں کہے کہ تو میرے اوپر میری ماں کی پشت یا شرمگاہ کے مانند حرام ہے ۱۲ مترجم

کرتاہے اُسکے لئے جب تک کہ وہ کفارہ نہ ادا کردے اپنی عورت کے پاس جانا یا اُسکے مقدمات جیسے بوسہ وغیرہ لینا ہرگز جائز نہیں اور کفارہ میں جس چیز کا اول مطالبہ کیا جاتا ہے وہ یہی آزاد کرنا ہے پھر باوجودیکہ مطلقاً آزاد کرنا شریعت میں مستحسن ہے اور اُسپر ثواب کا بھی وعدہ ہے لیکن تاہم بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اسقدر ہمت نہیں کرسکتے کہ غلام آزاد کرکے اپنے ہاتھ سے اتنا مال جانے دے سکیں تو شریعت نے انکا لحاظ کرکے مکاتبت کو مشروع قرار دیا ہے اور مکاتبت یہ ہے کہ آقا اپنے غلام کے ساتھ اسبات پر متفق ہوجائے کہ اگر غلام اتنا مال ادا کردیگا تو وہ آزاد ہوجائیگا پس اسوقت آقا کو مال حاصل کرنیکی سعی کرنے کیلئے اپنے غلام کو آزادی دینی پڑیگی۔ اور جب وہ غلام اُسقدر مال جتنے پر شرط ٹھہری تھی ادا کردیگا تو آزاد ہوجائیگا اور شریعت نے آزادی کیلئے ایک اور عقد بھی مشروع کیا ہے جسے عتق علی مال کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آقا اپنے غلام سے کہے کہ ہزار روپیہ پر مثلاً تو آزاد ہے پس اگر غلام اسے قبول کرلیگا تو فوراً آزاد ہوجائیگا اور اُسکے ذمہ اُتنے روپیوں کا ادا کرنا واجب ہوگا جتنے پر شرط ٹھہری ہے اور نیز شریعت نے اُس شخص کے حال کا لحاظ کرکے جسے غلام سے خدمت لینے کی مدت العمر ضرورت رہیگی مدبر بنانے کو مشروع کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آقا اپنے غلام کو اپنے بعد آزادی دیدے یعنی یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے پس ایسی حالت میں غلام کا بیچنا۔ ہبہ کرنا کسیکو خیرات میں اُسکا دیدینا رہن رکھنا ممنوع ہوجاتا ہے اور وہ اپنے آقا کے مرنے کے بعد فوراً آزاد ہوجاتا ہے۔ اور شریعت نے وصیت بالعتق بھی مشروع کی ہے اور یہ بھی لحاظ کیا ہے کہ غلام کے بعض بعض مالکوں کو آزادی کے مذکورہ اسباب میں سے کسی کا بھی اتفاق نہیں پڑتا اور نہ اُنمیں آزاد کرکے ثواب حاصل کرنیکی ایسی رغبت ہی ہوتی ہے لیکن اسباب اتفاقاً وہ کسی نفع کے حاصل کرنیکی رغبت یا کسی مضرت رساں شے سے خوف کے وقت خدا سے یہ امید کرکے نیک کام کرگذرتے ہیں کہ اسکے سبب سے اُنکا مقصود حاصل ہوجائیگا اس لئے اُس نے آزاد کرنیکی نذر ماننے کو مشروع کیا ہے کیونکہ امید ہے کہ ان دونوں سببوں میں سے کسی کے حاصل ہونے کے وقت وہ نذر کر بیٹھیں یا ایسے لوگ جب اپنے اوپر کسی کام کے کرنے یا اس سے باز رہنے کو لازم کرنا چاہتے ہیں تو بسا اوقات اپنے اوپر ایسی شرط لگا لیتے ہیں جس کا کرنا اُنپر نہایت دشوار ہوتا ہے تاکہ جس امر کا اُنہوں نے التزام کیا ہے اُسے پورا کرسکیں اسلئے اُس نے آزاد کرنے کے حلف کو مشروع کیا ہے کیونکہ شاید جس چیز کا انھوں نے التزام کیا تھا اسکے خلاف کر گذریں اور اسی بہانہ سے اُنکے غلام کو آزادی ملجائے پس جب کوئی تامل کرنے والا امور مذکورہ میں غور کریگا تو اُسے معلوم ہوجائیگا کہ ان سے مقصود یہی ہے کہ اتنے اسباب میں سے کسی نہ کسی سبب سے غلام کو ایسے طریق پر آزادی ملجائے جو شریعت میں پسندیدہ ہو۔ اور یہ خدا کا انعام ہے کہ اُس نے غلاموں کو آزادی پھیلانے اور اُنکی غلامی کی مدت کم کرنیکی غرض سے اتنے ایک وسیلے مقرر کردئے پھر چونکہ شریعت نے مولیٰ کو لونڈی کے نفس کا مالک بنایا ہے اسلئے اُسکی شرمگاہ کا بھی اسکو مالک قرار دیا ہے اور اُسی کیلئے یہ بات مباح کردی ہے کہ وہ لونڈی کو سریہ بنائے یعنی اُس سے صحبت کیا کرے کیونکہ شریعت کو یہ منظور ہے کہ اُسکی نسل مسلمان رہے اور اپنے مولی کی حمایت میں رہنا اُسکی اولاد کو اختلاط نسب سے محفوظ رکھے پس اسوقت وہ اُسکی زوجہ ہی کی طرح ہوگی اُسکی اولاد کا نسب محفوظ رہیگا بخلاف زنا کے کیونکہ اُسمیں یہ بات نہیں پھر منجملہ ان رعایتوں کے جو آزادی

کے ساتھ اسباب کے مقابلہ میں کہ مولی کو اُسکی ساتھ صحبت کرنا جائز ہے کی گئی ہیں اور وہ رعایت منجملہ وسائل آزادی بھی ہو اور وہ یہ امر ہے کہ شریعت نے ایسی لونڈی کیلئے جو اپنے مولی سے بچہ جنی ہو جا ہے وہ بچہ جسکے اعضا ظاہر ہو گئے ہوں کم دنوں کا کیوں نہ ساقط ہو گیا ہو یہ حکم کیا ہے کہ وہ مستولدہ اور ام ولد ہو جاتی ہے یعنی اسوقت مولی پر اُس کا بیچنا ہبہ کرنا رہن کرنا اور اسی قسم کے اور تصرفات سب ممنوع ہو جاتے ہیں اور اُسکے مرنے کے بعد وہ بالکل آزاد ہو جاتی ہے پس اس حکم میں غور کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ شریعت کو لونڈیوں کے ساتھ کیا کچھ رعایت منظور ہے اور اُنکے حالات پر کمال نظر ہے اور آزادی کے بکثرت وسائل میں یہ بھی ہے جس میں کہ صلہ رحم بھی ہوتا ہے اور قرابت مندوں میں سے باہم وحشت بھی رفع ہوتی ہے شریعت نے یہ بات شروع کی ہے کہ جو شخص اپنے ذی رحم محرم[عــہ] کا مالک ہو جائے تو وہ مملوک اُس شخص پر آزاد ہے اور غلاموں کے ساتھ رحمت اور شفقت کی رعایات میں سے یہ امر ہے کہ شریعت ماں اور اُسکے چھوٹے بچے کے درمیان یا اُسکے اور اُس کے باپ کے درمیان والے دو شخصوں کے درمیان جنمیں محرمیت کا علاقہ پایا جاتا ہو اور اُنمیں سے ایک بڑا اور دوسرا کم سن ہو یا اسی طرح کے دو چھوٹوں کے درمیان اُنمیں سے کسی ایک کو دوسرے شخص کے ہاتھ بیع وغیرہ کرکے جدائی ڈال دینا اور ایک کو دوسرے سے علحدہ کر دینا مکروہ و ناگوار سمجھتی ہے خلاصہ یہ کہ اس عادل شریعت نے آزاد کرنے پر رغبت دلانیوالی۔ غلامی کی مدت کم کرنیوالی اور غلاموں کیلئے رحمت و شفقت کی فراخی کرنے والی اشیاء میں سے کوئی شے ایسی نہیں چھوڑی جس کی ترغیب نہ دلائی ہو اور اُسکے متعدد ابواب نہ کھولدئے ہوں پس جو انتظام اُسنے غلامی کے بارہ میں کیا ہے اُسمیں سچے طور پر غور کرنیسے ہم یہی پاتے ہیں کہ اُسنے غلامی کو صرف بقدر ضرورت مشروع کیا ہے اور اُسنے ضرورت کو بھی اُسکے اندازہ پر رکھا ہے اور اُسمیں ایسے اسلوب کا لحاظ کیا ہے جس سے مخالفین کی شوکت ٹوٹ جائے اور اُنکی پرخاش سے نجات ملے اور پیروان شریعت کا کام چلے اُنکو نفع حاصل ہو اور غلام کی راحت بھی محفوظ ہے اور اُسمیں تمام ضرر رساں اشیاء دفع ہوں اُسے دشواریوں سے بعجلت نجات حاصل ہو اور حتی الامکان اُس سے حرج دور رہے رہا یہ امر کہ شریعت محمدیہ نے غلام کیلئے اُس کے اور اُس کے مولی کے مابین ایک قسم کا رشتہ و قرابت قائم کی ہے پس بیان اسکا یہ ہے کہ اُس نے غلام کے آزاد ہونے کے بعد اُن دونوں کے مابین ولاء[عــہ] کا حکم کیا ہے اور اس ولاء کے احکام میں سے یہ امر ہے کہ جب وہ آزاد کردہ غلام کسی جنایت کا خطا مرتکب ہو جس سے دیت (خونبہا) لازم آئے تو وہ دیت اُسکے مولی اور عصبات مولی سے حصہ رسدی بجاتی ہے تو گویا یہ غلام اپنے مولی کا بیٹا یا بھائی ٹھہرا اور یہ امر آزاد کردہ غلام کی رعایت مد نظر رکھے جانے کے ثبوت میں بالکل کافی و وافی ہے کیا ان سارے امور مذکورہ کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان غلاموں کو خصوصاً اُنمیں سے حبشیوں کو انسان نہیں شمار کرتے بلکہ آدمیت کے درجہ سے گھٹتا ہوا شمار کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اُنکی شریعت اُنکو آدم اور حوا ہی کی

عــہ ذی رحم محرم سے ایسا عزیز مراد ہے جسکے ساتھ رشتہ بوجہ پیدائش کا علاقہ پایا جاتا ہو اور اس سے اُسکے عورت ہونے کی تقدیر پر نکاح نہ ہو سکتا ہو جیسے باپ بیٹے یا بیٹی کا مالک ہو جائے تو بیٹا یا بیٹی آزاد ہو جائیں گے ۔ عــہ ولاء قرابت کو کہتے ہیں شریعت کا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص غلام کو آزاد کرے تو اُن دونوں میں ایک قسم کی قرابت قائم ہو جاتی ہے جسکا ثمرہ یہ ہے کہ اگر غلام مثلاً کسی کو خطا مار ڈالے تو اُسکی دیت غلام کے عزیز و اقارب (عصبہ) کیطرح اُس کے مولی اور اقارب مولی کو دینا ہوگی اور اگر غلام مرجائے اور اُس کا کوئی عزیز وارث نہ ہو تو اُسکی میراث اُس مولی کو ملیگی

کی اولاد سے شمار کرتی ہے لیکن ہاں ان کے ساتھ ایسے معاملہ کی بھی اجازت دیتی ہے جس سے اُنکا شر دفع ہو اور تاہم اُنکو رحم و شفقت سے محروم نہیں کرتی۔ اُن کی اس روک ٹوک کی مدت کے کم کرنے میں ذرا بھی کوتاہی روا نہیں رکھی۔

(ف) ماسوا اس کے پیروان شریعت محمدیہ نے اس پر نظر کر کے کہ انکی شریعت غلاموں کے ساتھ سلوک و احسان سے پیش آنیکی ترغیب دیتی ہے بہت سے ایسے طریقے اختیار کئے ہیں جس کا نتیجہ غلاموں کے ساتھ نیکی اور احسان سے پیش آنا ہوتا ہے اور یہ کہ بسا اوقات انکو وہ نعمتیں غلامی کی بدولت حاصل ہو جاتی ہیں جن کا حاصل کر لینا اگر وہ غلامی میں داخل نہ ہوتے تو کسی طرح اُنکو ممکن نہ تھا پس یہ بات اُن امور سے جو مسلمانوں میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں بالکل واضح و ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ امور یہ ہیں کہ اُن کا اپنے بردوں اور آزاد کردہ غلاموں پر اوقاف کو وقف کر دینا انکے لئے میراث کی وصیت کر جانا وغیرہ چنانچہ بہتیرے غلام ان احسانات اور میراث کی بدولت اپنے مولی کی اولاد سے بھی زیادہ مالدار ہو گئے ہیں اور بہتیروں نے اپنے مولی کی لڑکیوں سے شادی کر لی بلکہ بہتیرے مولی ایسے بھی ہیں جو غلام کو آزاد کر کے اپنا متبنی بنا لیتے ہیں بلکہ اُن کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں یا اپنی بیٹی اُنکو بیاہ دیتے ہیں اور بہتیرے ایسے ہی غلام ہیں جو امیر یا سلطان بنگئے (جیسا کہ شاہان مصر جنکی شہرت عالمگیر ہے اور کافور اخشیدی کی نسبت تمام لوگوں کو یہ بات معلوم ہے) اور بہتیرے آزاد کردہ غلام مرتب جاہ اور مناصب جلیلہ جیسے کہ قضا اور افتا تک بلکہ مرتبہ اجتہاد تک پہونچگئے ہیں (اس بارہ میں آپ کو عطا ابن ابی رباح کا حال معلوم ہو جانا کافی ہے جو کہ فقہ کے ایک جلیل القدر امام ہیں خلیفہ اُن کی زیارت کی تمنا میں رہا کرتا تھا اور وہ ان کو خوش قدمی کر کے لیتا تھا اور اپنے پہلو میں نشست کیلئے جگہ دیتا تھا) اور یہ امر اسبات کے بیان کرنے کیلئے کافی ہے کہ غلاموں کو غلامی کی بدولت کیا کچھ نعمتیں مل جاتی ہیں کہ اگر وہ غلام نہ ہوتے تو انکو ہرگز نصیب نہ ہوتیں بلکہ وہ اپنے وحشی شہروں میں اپنی اُسی موقعی مجبوری حالت میں پڑے رہتے اب کیا اسکے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ شریعت محمدیہ غلاموں کو آدمیت کے مرتبہ سے گرا ہوا اعتبار کرتی ہے اور انھیں انسانیت کے حقوق نہیں دیتی ایسے بہتان سے خدا کی پناہ!

(ف) اور اگر کہا جائے کہ ہم تو بعض مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ اپنے غلاموں کے ساتھ وہ ایسی ایسی سنگدلی کا معاملہ کیا کرتے ہیں تو ہم کہینگے کہ ہاں بعض ایسے احمق بھی قوم میں ہیں جو عادل اور مہربان شریعت کے احکام کو چھوڑ کر اپنی اولاد کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں جسکو شریعت ہرگز پسند نہیں کرتی اور نہ شفقت و رحمت اُسکی اجازت دیتی ہے لیکن ایسے لوگ بہت نادر اور قلیل الوجود ہیں۔ تو کیا ان سنگدلوں کو دیکھکر یہ کہا جائیگا کہ سارے مسلمان اپنی اولاد سے ایسی ہی بُری طرح سے پیش آتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکال لیا جائیگا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسا کام ہی نہ کریں جس سے بچے پیدا ہوں۔ بلاشک یہ بیہودہ نتیجہ ہذیانی دلیل سے پیدا ہوا ہے کیونکہ یہ بات تو ہر عقلمند جانتا ہے کہ احکام عرف عام اور شائع فعل پر مبنی ہوا کرتے ہیں قلیل اور نادر الوجود امور پر مبنی نہیں ہوتے بلاشک بعض مہذب و متمدن ممالک میں جو نوکروں اور غلاموں پر ایسی ایسی سنگدلیاں کی جاتی ہیں جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور یہ انھیں متمدن اور مہذب لوگوں میں شائع ہیں جو انسانی ہمدردی اور شفقت پر حریص ہونے کے دعوے مارا کرتے ہیں اگر یہی معاملہ مسلمانوں میں اپنے غلاموں کے ساتھ عام طور پر رائج ہوتا اور اُن کی شریعت کی انہیں اجازت ہوتی تو البتہ شریعت محمدیہ میں غلامی کو بُرا سمجھنے کی

ظاہر وجہ ہو بھی سکتی تھی لیکن یہ بات ہرگز نہیں ہے چنانچہ پوری تلاش و استقرا اور اسلامی تاریخوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے
اور جو شخص بلا دلیل قائم کئے ہوئے محض تعصب اور خود غرض اشخاص کی اشاعت اور غیر محقق لوگوں کی خبروں پر اعتماد کرکے اسکے
خلاف کہے گا تو سمجھئے کہ وہ شخص مسلمانوں پر اور ان کی شریعت پر بدگمانی کرکے غلط اور جھوٹی تہمت لگا کر بہتان باندھتا ہے
خدا ہمکو ایسے افترا اور بہتان اور جھوٹ سے پناہ میں رکھے جس سے انسانی شرافت پر بٹہ لگے۔

رہا یہ امر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے پہلے جو شریعتیں تھیں انمیں بھی غلامی مشروع ہے اور جو کتابیں ان شرائع کیجانب
منسوب کیجاتی ہیں انمیں اسکی تصریح موجود ہے اس کے بیان کیلئے توریت کی بکثرت آیتیں جو اپنے مخالفوں کے غلام بنالینے پر دلالت
کرتی ہیں کافی ہیں منجملہ انکے کتاب استثناء میں ہے "اور جب تو کسی قریہ کے پاس اس سے مقابلہ کرنے کو جائے پہلے اسکو صلح کیطرف
بلا پس اگر وہ قبول کرے اور تیرے لئے دروازے کھولدے تو جتنے فرقے اسمیں ہونگے وہ اخلاص کرینگے اور تیرے غلام بنیں گے
تجھے جزیہ دینگے" اور سفر عدد سے ماخوذ ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب بارہ ہزار آدمیوں کو اہل مدین کے محاربہ کیلئے بھیجا تھا
تو انپر وہ لوگ غالب آگئے تھے اور انہیں سے سارے مردوں اور پانچ بادشاہوں کو قتل کر ڈالا تھا اور ان کی عورتوں بچوں
اور مواشی سبکے سب کو گرفتار کر لیا تھا۔ اور قریوں دیہاتوں۔ اور شہروں کو آگ سے جلا ڈالا تھا پھر جب وہ لوگ واپس آئے
تو موسیٰ علیہ السلام غضبناک ہوئے اور کہنے لگے تم نے عورتوں کو کیوں زندہ رہنے دیا پھر ہر لڑکے (مذکر بچہ) اور ہر شوہر دیدہ
عورت کو قتل کرنے اور کنواری لڑکیوں کے باقی رکھنے کا حکم کیا پس ان لوگوں نے ویسا ہی کیا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے
حکم دیا تھا اور غنیمت میں چھ لاکھ پچھتر ہزار بکریاں۔ بہتر ہزار گائیں۔ اکسٹھ ہزار گدھے۔ بتیس ہزار کنواری لڑکیاں تھیں
پس یہ آیت اس شریعت میں دشمنوں کے یہاں تک کہ لڑکوں اور شوہر دیدہ عورتوں کے قتل کے جائز ہونے پر دلالت
کرنے کے ساتھ ہی غیر شوہر دیدہ عورتوں کے لونڈی بنالینے پر بھی دلالت کرتی ہے اور سفر صموئیل میں ہے "اور موآب کے بندے
داؤد علیہ السلام کے غلام تھے انکو خراج دیتے تھے" اور تیمتاؤس کیجانب پولس کے پہلے خط کے چھٹے باب میں یہ تصریح موجود ہے کہ
وہ تمام لوگ جو غلام ہیں راہ روشن کے نشان کے نیچے ہیں پس انہیں چاہئے کہ اپنے سرداروں کو پورے اکرام کا مستحق سمجھیں تاکہ خدا کے
نام اور اسکی تعلیم پر بہتان نہ باندھا جائے اور جنکے سردار مسلمان ہیں وہ انکو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھائی ہیں بلکہ چاہئے کہ انکی بہت زیادہ
خدمت کریں اسلئے کہ جو فائدے میں شرکت رکھتے ہیں وہ مسلمان اور پیارے ہی لوگ ہیں اسکی تعلیم دے اور اسیکا وعظ کر" تحقیق
اس نص سے شریعت عیسوی میں غلامی کا ثابت و برقرار رہنا سمجھا جاتا ہے اور یہ کہ غلاموں کو پورے اکرام کے ساتھ اپنے
مالکوں کی تکلیف دی گئی ہے اگر ان کے مالکوں کو انکا غلام بنالینا اس شریعت میں مشروع نہ ہوتا تو انکو انکی اطاعت و خدمت کا
ہرگز حکم نہ کیا جاتا اسلئے کہ شرائع سے جو بات معلوم ہوتی ہے اس کے موافق مکلف کو ایسی چیز کے کرنے کا حکم نہیں کیا جا سکتا
جو خدا تعالیٰ کے نزدیک ممقوت و مبغوض ہو اور اس سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ انپر اپنے مالکوں کی اطاعت واجب ہے چاہے
وہ ایماندار بھی نہ ہوں کیونکہ پہلے عموماً کہا گیا پھر ایماندار مالکوں کی اس امر کے ساتھ تخصیص کردی گئی کہ وہ انکو حقیر نہ سمجھیں

ف جو شخص وجود غلامی کا شریعت عیسوی میں منکر ہے

اور انکی بہت زیادہ خدمت کریں اور اگر غلام بنانا اس شریعت میں جائز و مباح نہ ہوتا تو وہ شریعت ایماندار و نیک غلاموں پر
اُن کی رعایت اور زیادہ خدمت لازم کر کے لوگوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے پر ایمانداروں کو برقرار نہ رکھتی چنانچہ یہ سب امور
ظاہر ہیں اور تیطس کیجانب پولس کے خط کے دوسرے باب میں یہ تصریح موجود ہے "اور غلام اپنے مالکوں سے پستی سے پیش
آئیں انکو تمام چیزوں میں راضی رکھیں اُنکے خلاف کوئی بات نہ کہیں اُنکے ساتھ اچکا پن نہ کریں بلکہ پوری پوری نیکی کے ساتھ
امانت سے پیش آتے رہیں تاکہ وہ ہمارے مخلص یعنی اللہ کی تعلیم کو تمام امور میں مزین کریں انتہی۔ اور یہ نص افادہ میں پہلی
نص کے قریب ہی قریب ہے۔ اور لفظ اس قول "انکو تمام چیزوں میں" کے ظاہری عموم کے موافق پہلی نص پر اضافہ کو اور بڑھاتی
ہے کہ غلاموں کے ذمہ اپنے مالکوں کی اطاعت واجب ہو یہاں تک کہ ایسے امر میں بھی کہ وہ خدا کی نافرمانی ہی کیوں نہ ہو جیسے
کہ مثلاً جب مالک اپنے غلام کو زنا کا حکم کرے لیکن شریعت محمدیہ میں اپنے مالک کی ایسے امر میں اطاعت کرنا غلام پر واجب
نہیں ہے کیونکہ اسمیں یہ قاعدہ ہے کہ خالق کی نافرمانی کے ساتھ کسی مخلوق کی اطاعت نہیں پس غلام پر واجب ہے کہ
خدا کی نافرمانی کے علاوہ اور امور میں اپنے مولی کی اطاعت کیا کرے مگر ہاں جب اُسپر جبر و زبردستی کیجائے اور اُسے قتل وغیرہ کی دھمکی
دیجائے تو اُس وقت اضطرار میں اُس کا حکم غیر مملوک شخص کا سا ہے یعنی اگر اُسپر ایسی زبردستی کیجائے تو بعض گناہ زبردستی کیوجہ سے
اُن کیلئے مباح ہو جاتے ہیں اور بعض مباح نہیں ہوتے جیسا کہ اس شریعت میں اُسکی تفصیل لکھی ہے اس موقع پر جو کچھ مذکور
ہوا ہے وہ نص بالا میں اس قول "تمام چیزوں میں" سے جو ظاہری عموم سمجھا جاتا تھا اُسکے موافق بیان کیا گیا لیکن ہاں اگر یوں کہا
جائے کہ پولس کے خط میں جو نص موجود ہے اُسکے قول "تمام چیزوں میں" سے جو عموم سمجھا جاتا ہے دوسری نصوص سے اسکی تخصیص
کر لی گئی ہے اور وہ نصوص شریعت عیسوی کیجانب جو کتابیں منسوب کیجاتی ہیں اُن میں اس موقع کے علاوہ اور مواقع میں مذکور ہیں
اور پطرس کے پہلے خط کے دوسرے باب میں مذکور ہے "اے خادمو پوری ہیبت کے ساتھ اپنے مالکوں کیلئے پست ہو جاؤ نہ فقط نیک
اور نرمی کرنے والوں ہی کیلئے بلکہ سختی سے پیش آنے والوں کیلئے بھی انتہی۔ اور اس نص نے اگرچہ لفظ کے اعتبار سے غلاموں کو ذکر نہیں
کیا بلکہ خادموں کو ذکر کیا ہے لیکن اُس کا قول "مالکوں کیلئے" یہ قرینہ اس امر کو معین کرتا ہے کہ خادموں سے غلام ہی مراد ہیں اور اس
نص میں اطاعت واجب کیگئی ہے یہاں تک کہ سختی سے پیش آنے والوں کے لئے بھی اور اگر بفرض اس قرینہ کا اعتبار نہ کیا جائے تو
ہمیں اپنا مطلب ثابت کرنے کیلئے پہلی ہی کی دونوں نص بالکل کافی ہیں۔ پس جب اس قوم کے لئے جو شریعت محمدیہ پر غلامی کے
بارہ میں اعتراض کرتی تھی امور مذکورۃ الصدر ظاہر ہوئے اور اُنکو اس شریعت میں غلامی کے مشروع ہونے کی حکمت اُسکے حدود
اور شریعت کی وہ عنایتیں اور رعایتیں جو اُس نے غلاموں کے ساتھ مد نظر رکھی ہیں معلوم ہوئیں جنکی وجہ سے غلاموں کی راحت محفوظ
رہتی ہے بلکہ کبھی کبھی اُنکو بہتری نعمتیں حاصل ہو جاتی ہیں اور جو اُنکی غلامی کی مدت کی کمی کا باعث ہو جاتی ہیں اور اُنھوں نے
موسوی وعیسوی شریعت کی اُن نصوص میں بھی غور کیا جو غلامی کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بتلاتی ہیں کہ غلامی
ان دونوں شریعتوں میں موجود تھی تو اُس وقت وہ کہنے لگے کہ شریعت محمدیہ پر اسبارہ میں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اسلئے کہ وہ

عدل کے موافق حکم ہے اُسمیں دو ضرروں میں سے ادنیٰ درجہ کا ضرر اختیار کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ عقل کے موافق ہے اور اُسمیں شفقت، رحمت اور انسانیت کی حتی الامکان رعایت مدنظر رکھی گئی ہے اور اُسمیں ضرورت کو اُسی کے اندازہ پر رکھا ہے پس اس بیان کے بعد ہر منصف اور دین و شریعت کے تصدیق کرنے والے کیلئے کوئی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہی رہا دشمنوں کا مال چھین لینا اور اُنپر خراج (ٹیکس) مقرر کرنا سو اسمیں بھی اعتراض و جواب کے اعتبار سے ویسی ہی گفتگو ہو سکتی ہے جو غلامی کے بارہ میں کی گئی اسلئے اب تطویل کی حاجت نہیں معلوم ہوتی بلکہ غلامی اور جہاد کے مسئلہ کی بابت جو دلائل اور شرائع مقدسہ کی نصوص مذکور ہوئیں وہی کافی ہیں اُنہیں سے اس بارہ خاص میں مستقل گفتگو کرنے سے استغنا ہو جاتا ہے چنانچہ یہ امر سچے طور پر غور کرنے سے بخوبی ظاہر ہے خدا اُسکی توفیق دے کیونکہ وہی توفیق کا مالک ہے۔

پھر لہذا مسئلہ کہ شریعت محمدیہ میں جہاد مشروع ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفوں کے ساتھ محاربہ اور ایسا معاملہ شروع کیا جو خدا نے اسبارہ میں مشروع کیا تھا تو آپ اُن میں سے بعضوں کو اُنکی ایذا رسانی کے دفع کرنے اور اپنے متبعین اور دین کی حفاظت و نصرت کی غرض سے قتل کرتے تھے اسلئے کہ یہ تمام امور بغیر اُنکے قتل کے پورے نہیں ہو سکتے تھے اور بعضوں کو غلام بناتے تھے بعضوں پر خراج (ٹیکس) مقرر کرتے تھے اور اُنسے اطاعت کا عہد لیکر اُنکو صاحب ذمہ بنا لیتے تھے اس طرح پر کہ جو حقوق نفع حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کو حاصل ہیں اُنکو بھی دئے جائیں اور جن امور سے مسلمانوں کو ضرر پہونچ سکتا ہے (یعنی خلاف قوانین تعزیرات اسلام کے عمل کرنیکی صورتمیں) اور وہ سزا کے مستحق ہو سکتے ہیں، اُنہیں امور سے وہ بھی مستحق ضرر و سزا ٹھہریں اور اُنکی حمایت و حفاظت اور اُنکے حقوق کی مراعات و نگہداشت مسلمانوں پر واجب ہو جاتی تھی۔ جان، آبرو اور مال کے اعتبار سے اُنکی ایذا رسانی حرام ہوتی تھی اور آپ اُنپر یہ شرط لگا دیتے تھے کہ شریعت کے چند ایسے احکام کا بھی اتباع کریں جنکے باعث سے دوسروں کے حقوق پر اُنکی افراط پردازی اور تعدی سے حفاظت ہے۔ اور اُنکو اُنکے دین پر رہنے دیتے تھے اور اپنے اعتقاد کے موافق اُنمیں اپنی مذہبی رسمیں ادا کرنیکی عام اجازت ہوتی تھی لیکن ایسے طریق پر جس سے دین محمدی کی شان و شوکت محفوظ رہے اور اُس کے پیروی کرنے والوں کے خیالات کو پراگندگی نہ لاحق ہونے پائے اور اُنکا اُخروی اور قیامت کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے تھے اور غلامی یا خراج کو اُسیوقت اُنپر آپ مقرر کرتے تھے جبکہ آپ یہ دیکھ لیتے تھے کہ یہ امر اُن لوگوں کی ایذا رسانی کے دفعیہ کیلئے کافی ہے اور یہ کہ جو کچھ خراج اُنپر مقرر کیا گیا ہے پیروان شریعت کیلئے بھی نفع کا باعث ہوگا اور اپنے دشمنوں کے ساتھ محاربہ کرنے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کنوئیں پر کے ڈول کیطرح تھا کہ کبھی ان کے ہاتھ اور کبھی اُنکے ہاتھ یعنی کبھی آپ اُنپر غالب آتے تھے اور کبھی وہ لوگ مسلمانوں پر اور یہ بات خدا کی منجملہ عادات کے ہے کہ اُسے اپنے رسولوں کے بارہ میں برتا کرتا ہے لیکن آخرکار خدا کی جانب سے پوری پوری آپ ہی کی مدد ہوتی تھی اور آپ ہی فتحیاب ہوا کرتے تھے (اور انجام نیک تو متقیوں کیلئے ہوتی) یہانتک کہ بہت سے شہروں پر آپ کا تسلط ہو گیا اور متعدد قبائل کی اطاعت میں سرنگوں ہو گئے اور خدا نے اپنے دین کو باقی دینوں پر غالب کر دیا اور وہ برابر غالب رہا اور ہمیشہ رہیگا اور اگر اُسکو سیفی غلبہ کسی زمانہ میں نہ بھی ہوتا ہم دلیل و برہان اور

[illegible]

بہت عقلوں کے اسکو مستحق شمار کرنے کے اعتبار سے تو اس کا ذکر کہیں نہیں کیا ہے۔ پھر آپکے دین کے بعض دشمن قلعوں اور مضبوط مقاموں میں پناہ گزین ہو گئے تھے اور آپ انکے لئے ہمیشہ موقع کے منتظر رہتے تھے اور انکی ہدایت پر حریص ہو کر برابر ان کو دلائل کے ساتھ مراسلہ کرتے رہتے تھے اور اپنے اتباع کو اسکی وصیت کیا کرتے تھے کہ ایسے طریق پر جو انکے معاملہ میں مشروع ہے جب کبھی موقع اور وقت ملے ان کو برابر دعوت اسلام کرتے رہیں اسکو چھوڑیں نہیں اور یہ حکم قیامت تک جاری رہیگا۔

پھر بعض دشمنوں نے ظاہر تو یہ کیا کہ وہ آپکے دین کے تبع اور پیروان دین اور اسکے نصرت کرنے والوں کی لڑی میں منسلک ہیں اور دراصل بات یہ تھی کہ وہ اپنے دلوں میں تکذیب کو چھپائے رکھتے تھے اور اس پر برانگیختہ کرنیوالا امر انکے لئے یا تو خوف تھا اور یا ان غنیمتوں کی طمع تھی جو خدا نے آپکے اور آپکے اتباع کے ہاتھوں پر فتح کر دی تھیں پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں باوجودیکہ ان کی حقیقت حال اور بدطینتی کی پوری اطلاع تھی تاہم انکو اپنے اتباع کے زمرہ میں شمار کر لیتے تھے اور انکے مخفی خیالات اور ارادوں کو فاش کرکے انھیں رسوا نہ کرتے تھے اور نہ انکو ضرر پہونچانا روا رکھتے تھے اس خیال سے کہ کہیں دشمن یہ بات نہ شائع کر دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروی کرنے والوں کو اپنی تصدیق کے بارہ میں جھوٹا سمجھتے ہیں اور انکے اخلاص میں شک کرتے ہیں اور ان کو اپنے اغراض بد کیلئے مار ڈالتے ہیں اور یہ ایسی بات تھی جس سے لوگوں کو سخت نفرت پیدا ہوتی اور جو لوگ متوجہ بھی ہوتے انکے ارادے بھی پھر جاتے خصوصاً جبکہ دین اپنے نشو و نما کی ابتدائی حالت میں تھا لیکن جب شوکت اسلام کو قوت ہوئی اور انکے بہت سے مددگار نیوالے ہو گئے اور اسکا نور چمک گیا اور یہ بات عام طور پر ظاہر ہو گئی کہ اپنے اصحاب کے ساتھ آپ کا معاملہ محض خیر خواہی اور خالص شفقت پر مبنی ہے اور ان باطل اشاعات کی کوئی گنجائش نہ رہی تو اسوقت آپکے ہونے والے مالک (خدا) نے ان منافقوں اور دو رخی والوں کی فضیحت۔ سرزنش ملامت کی اور اس امر کی آپ کو اجازت دیدی کہ آپ اپنے مخلص پیروی کرنیوالوں کو ان سے اور انکے مکر سے ڈرایا کریں پھر اسکے بعد یہ لوگ منقسم ہو کر دو فرقے ہو گئے بعض نے تو جب اہل دین سے مخالطت کی اور اس پاک اور عادل شریعت کی حقیقت پر مطلع ہوئے اور انھوں نے اپنے باطل اعتقادات اور ادنے درجہ کی عادات و رسوم کا شریعت کے مقابلہ کیا تو ان کی نیت خالص اور دل صاف ہو گیا اور گو پہلے منافقانہ ایمان لائے تھے لیکن پھر حقیقی مومن بن گئے اور پھر انکا شمار بھی بہترین اتباع اور بڑے بڑے انصار میں ہونے لگا اور بعض خوف کی حالت میں عداوت کا گھونٹ پی پی کر اپنے نفاق پر جمے ہی رہے اور ان لوگوں نے اگرچہ اپنی جانوں کو تلوار کی دھار سے بچا بھی لیا تو کیا ہوا آخرت میں ان کو دردناک عذاب اٹھانا ہی پڑیگا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے لوگوں کی یہ علامت قرار دی ہے جو انکے نفاق کا عنوان اور فرومائگی کی دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ منافق جب کوئی بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ خدا تعالیٰ سے ہم دین دنیا۔ آخرت سب کی حفاظت اور سلامتی کی دعا مانگتے ہیں۔

یہ تو ہو چکا اب سنئے کہ جب خدا تعالیٰ اپنے نازل کئے ہوئے قرآن کریم اور آپ کی متواتر سنت سے جسکی اسنے اپنے رسول پاک کیجانب وحی کی تھی اپنے دین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر پورا کر چکا اور خدا آپ کو آپ کی شان کے مناسب جاری

جانب سے جزائے خیر دے) تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپ نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کر لیا
خدائے سبحانہ نے اپنے دین کو پورا کر کے ہمارے اوپر بہت ہی بڑا احسان کیا اور ہمکو بہت بڑی بزرگی سے سرفراز کر دیا چنانچہ اسنے
اپنے باکمال رسول پر اس روز جو ہمارے لئے عید اکبر تھا اپنے اس قول کو نازل فرمایا (الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی
ورضیت لکم الاسلام دینا) یعنی آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر چکا اور تمہارے
لئے میں نے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔ یہ کیسی کامل نعمت ہے اور کتنا ذی فضل احسان ہے پس ہم اسکے عطا کرنیوالے خدائے
پاک کی حمد اور اسکا شکر کرتے ہیں جیسی حمد و شکر کا وہ مستحق ہے اور سارے محامد اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں جسنے ہم کو اسکی ہدایت کی
اگر اللہ ہمکو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پا سکتے تھے اور اس آیت کریمہ کا نازل ہونا بلا شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت
کی خبر دیتا تھا جیسا کہ اصحاب کو آپکے صدیق اکبر اس آیت کو سنتے ہی سمجھ گئے اور رونے لگے کیونکہ نور بصیرت سے انکے لئے یہ امر ظاہر
ہو گیا تھا (اور مومن خدا کے نور سے دیکھا کرتا ہی ہے) کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا جانا اور دنیا میں آپ کا وجود شریف تبلیغ
دین کی حکمت کیلئے تھا پس جب دین کامل ہو چکا تو بجز اسکے دار فنا سے دار بقا کی جانب کو ہی دار قرار ہے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے انتقال کے سوا اور کیا رہ گیا پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا سے خوشی خوشی تشریف لیگئے اور حال یہ ہو کہ آپنے
راہ راست دکھلا دی جو کچھ خدا کے پاس سے لائے تھے سب اسکے بندوں کو آپنے پہونچا دیا برابر امت کی خیر خواہی میں رہے انکو
ایسے روشن راستے پر چھوڑ گئے جس کی رات بھی دن کے مانند ہے ان کے دلوں میں اپنی ایسی محبت جاگزیں کر گئے ہیں جسکو کبھی
کسی عارض ہی نہ ہو اور ایسی الفت جو کبھی نہ جائے ان لوگوں کی روحیں بھی آپ پر فدا ہیں ہر ہر زبان آپکی حمد و شکر کی ترانہ زن ہے
پس خدا تعالیٰ آپ کو تمام امت کی جانب سے جزائے خیر دے اور آپکو وسیلہ اور درجہ رفیع و عالی دار البقا میں عنایت فرمائے اور آپکے مولیٰ
سبحانہ کی جانب سے آپ پر اور آپکے ذی کرامت کنبہ والوں پر جو کہ ہدایت کے انوار ہیں اور آپکے ذی عظمت اصحاب پر جو کہ تاریکی کے چراغ
ہیں اشرف صلوات اور ازکی تحیات جب تک رات دن آتے جاتے رہیں اور لیل و نہار کا دورہ ہوتا رہے نازل ہوا کریں اللّٰھم آمین
اور چونکہ یہاں پر آکر ہمارا اصل کلام ختم ہوا اور خدا نے بقدر امکان دین اسلام کی حقیقت اور حقانیت کے بیان کرنے میں ہمکو سہولت
عنایت فرمائی اس لئے ہمیں مناسب ہے کہ ہم اپنے آخری کلام میں ایک خاتمہ اور ایک تنبیہ لکھیں خدا ہی توفیق دینے والا ہے
خاتمہ تو اس کی تحقیق میں ہے کہ دین محمدی اپنے عقائد (کہ جنکو اصول کہتے ہیں) اور احکام سمیت (جنکا کہ نام فروع ہی
قرآن شریف اور ان احادیث نبویہ سے ماخوذ ہے جو ہمارے پیشوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان اصول و فروع میں سے
کوئی شے ان دونوں ماخذوں سے علیحدہ نہیں ہیں اور یہ دونوں ماخذ بلا شک دین کے پورے مشکل ہیں اور دلیل
اسکی وہی آیت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں دین محمدی کے کامل ہونیکی تصریح کرتی ہے اور عقائد اگرچہ ہمارے
اسکتے ہیں کہ الفاظ سے انکا صراحتاً یا قریب قریب صراحت کے بیان کر دیا جائے لیکن فروع اسقدر ہیں کہ اگر صراحتاً یا قریب قریب
صراحت کے الفاظ سے انکو بتا دینے کا ارادہ کیا جائے تو اسقدر الفاظ کی حاجت پڑیگی جس سے جلدیں کی جلدیں پر ہو جاتیں اور سکے

خاتمہ۔ یہ بات کہ اسلام کے ماخذ قرآن و حدیث ہیں اور اجماع امت و اجتہاد بھی انہی کی فرع ہیں

ثبوت میں یہ کیا کم ہے کہ نئے نئے حوادثات زمانہ کے آنے سے فروع بھی نئے نئے ہو جاتے ہیں پس قرآن شریف اور احادیث کریمہ نے بقدر کفایت عقائد اور بہتیری فروع کی تصریح کردی ہے اور کچھ قواعد کلیہ وضوابط بتلائے ہیں جو فروع و مسائل کہ غیر محصور و غیر متناہی ہیں ان میں سے بہتیرے امور پر اشارۃً یا کنایۃً دلالت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ دین محمدی میں جتنی چیزوں کی حاجت ہے قرآن اور احادیث میں صراحتاً یا کنایۃً اور اشارۃً سب کی سب موجود ہیں اور چونکہ ان سب کا سمجھ لینا امت میں سے ہر شخص کا کام نہیں اسلئے خدائے تعالیٰ نے ان دونوں عظیم اصلوں سے احکام کے نکال لینے اور عام امت کے لئے شائع کر دینے کیلئے دو طریقے مشروع کئے ہیں چنانچہ ان دونوں طریقوں میں سے ایک طریقہ امت محمدیہ کا کسی امر پر اجماع و اتفاق کر لینا ہے یعنی ان لوگوں کا اجماع کر لینا جو دین کی کافی معرفت اور شناسائی رکھتے ہیں کیونکہ ان کا اجماع خطا سے محفوظ اور معصوم قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ وہ لوگ سوائے ایسے امر کے جس کو انھوں نے نصوص قرآن اور احادیث سے سمجھ لیا ہوگا اور کسی امر پر ہرگز اجماع نہ کریں گے اگرچہ انھوں نے اپنے ماخذ کی تصریح نہ کی ہو اور دوسرا طریقہ ایسے شخص کا اجتہاد ہے جس کو خدا نے دین میں فہم سدید عطا کی ہو اور قرآن عظیم اور احادیث رسول کریم کے احکام کی سمجھ عطا فرمائی ہو پس خدا تعالیٰ نے ایسے شخص کو اجتہاد کی اجازت دی ہے جو اجتہاد کی قابلیت رکھتا ہو اور یہ منصب ان لوگوں کو عطا فرمایا ہے جن کا فضل امت میں ظاہر ہو چکا ہو پس امت نے ان دونوں ماخذوں (قرآن اور احادیث) سے انہیں دونوں طریقوں کے ذریعہ سے احکام استنباط کرنا شروع کئے یہاں تک کہ احکام دین کی تصریح سے ان کے لئے احکام اجتہاد یہی کافی ہو گئے۔
اور ان کو اپنی عبادات۔ معاملات۔ آداب و حدود میں جتنی چیزیں لازم تھیں سب دستیاب ہو گئیں پھر علماء امت نے ان صفات سے بحث کی ہے جن کا وجود ایسے شخص (مجتہد) میں ضروری ہے اور جن کی وجہ سے وہ اجتہاد اور قرآن و احادیث سے احکام استنباط کرنے کے درجہ پر پہونچ جاتا ہے پس انھوں نے ان کو ان شرائط میں منحصر پایا جن کا آگے بیان ہوتا ہے
پہلی شرط تو یہ ہے کہ یہ شخص قرآن شریف کے علم پر حاوی ہو اسطرح پر کہ اسکے لغوی اور شرعی معانی سے واقف ہو لغوی معانی سے تو اسطرح پر کہ (الفاظ) مفردات اور مرکبات کے معانی اور ان کی خصوصیتوں سے واقفیت رکھتا ہو جو ان میں معانی کے سمجھنے کے اعتبار سے پائی جاتی ہوں اور اس کیلئے کئی علموں کی حاجت ہوگی۔ اول تو علم لغت ہے جس سے وہ معانی معلوم ہوں گے جن کیلئے عربی لغت کے (جس میں کہ قرآن نازل ہوا ہے) الفاظ مفردہ وضع کئے گئے ہیں۔
دوسرے علم صرف ہے جس سے عربی لغت کے الفاظ مفردہ کی بناء اور انکے صیغوں کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔ تیسرے علم نحو جس سے عربی لغت کے الفاظ مفردہ کے وہ حالات جو مرکب ہونے کے وقت ان کو لاحق ہوا کرتے ہیں اور نیز مرکبات ان کے بنی اور معرب ہونے کی کیفیت اور ان کے ایسے معانی پر دلالت کرنے کا حال جو ترکیب سے پیدا ہو جایا کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے
چوتھے علم معانی جس سے کلام عربی کے وہ حالات معلوم ہوتے ہیں جن سے وہ کلام مقتضائے حال (یعنی موقع و محل کے تقاضائے) کے مطابق ہوتا ہے۔

پانچویں علم بیان جس سے ایک معنی کو مختلف طریقوں سے ادا کرنا معلوم ہوتا ہے لیکن اس امر میں یہ تعمیم ہے کہ ان علوم مذکورہ کو اُس نے پڑھ کر ملکہ حاصل کیا ہو یا اپنے سلیقے سے اُنسے واقفیت رکھتا ہو جیسا کہ مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال تھا۔ یا قرآن کے شرعی معانی کا جاننا سو اس طرح پر ہے کہ اُن معانی سے واقفیت ہو جو احکام شرعیہ میں موثر ہیں مثلاً خدا تعالیٰ کے اس قول میں اَوْ جَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ یہ جانتا ہو کہ غائط سے مراد حدث ہے (یعنی بدن سے کسی نجاست کا نکلنا جو ناقض وضو ہے) اور یہ کہ حکم کی علت زندہ انسان کے بدن سے نجاست کا نکلنا ہے اور نیز وہ شخص (مجتہد) قرآن شریف کے اقسام جو اصول فقہ میں مذکور ہوتے ہیں جانتا ہو یعنی خاص۔ عام۔ مشترک۔ مجمل۔ مفسر۔ محکم۔ مطلق۔ مقید۔ صریح۔ کنایہ۔ ظاہر۔ نص۔ خفی۔ مشکل۔ متشابہ۔ دال بعبارۃ۔ دال باشارۃ۔ دال باقتضائہ۔ دال بدلالۃ۔ مفہوم معتبر۔ امر و نہی کا مقتضا اور اسکے علاوہ وہ امور جن کا علم اصول میں ذکر ہوتا ہے کہ جو علوم دینیہ میں سے بہت ہی عظیم علم شمار کیا جاتا ہے اور ان اقسام کا محض جاننا ہی کافی نہیں بلکہ اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ فلاں شے خاص ہے اور فلاں عام ہے اور یہ ناسخ ہے اور وہ منسوخ ہے وغیرہ وغیرہ اور سوا اس کے (یعنی ناسخ و منسوخ کا جاننا) نصوص کے نزول کی تاریخ سے واقفیت رکھنے پر موقوف ہے اس طرح پر کہ فلاں نص پہلے نازل ہوئی پھر فلاں اُس کے بعد نازل ہوئی اور یہ امور معانی کے جاننے کے مغائر اور اُن کے علاوہ ہیں لیکن امور مذکورہ کے مواقع کا اس طور پر جان لینا کافی ہے کہ حکم کے طلب کرنے کے وقت اُنکی طرف رجوع کرنے پر قدرت ہو یعنی ان علوم میں اُسے خوب مہارت ہو یہ نہیں کہ زبانی یاد ہوں اور اس موقع پر قرآن سے مراد بھی اسیقدر ہے جس کو معرفت احکام سے تعلق ہو اجتہاد کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کم سے کم احادیث سے اسقدر واقف ہو جس قدر کا احکام سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ بھی اس طرح پر کہ متن احادیث کو جانتا ہو یعنی اُن کے لغوی اور شرعی معنی سے واقفیت رکھتا ہو جیسا کہ قرآن کے بارہ میں گزرا اور اُنکے خاص و عام وغیرہ اقسام کو پہچانتا ہو جنکی نظیر قرآن کے بیان میں بھی گزر چکی ہے۔

اور اُن احادیث کی سند کا بھی علم رکھتا ہو اور مراد اس سے احادیث کے ہم تک پہنچنے کا طریق ہے خواہ وہ طریق متواتر عہ ہو یا مشہور عہ ہو یا آحاد عہ ہو اور اس میں حدیث کے راویوں کے احوال کی معرفت بھی مندرج ہو جاتی کہ وہ عدل ہیں یا مجروح ہیں اور یہ بہت ہی وسیع علم ہے اس زمانہ میں صحیح تاریخ سے مطلع ہونیکی بڑی ضرورت ہے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجتہدین کے مابین ایک طویل زمانہ حائل ہو گیا اس لئے راویوں کے حالات سے بطور خود واقف ہونا تو بہت ہی مشکل

عہ غائط لغت میں اس میدان کو کہتے ہیں جو پست ہو اور اس سے پاخانہ کا کنایہ کیا جاتا ہے اسلئے کہ اکثر لوگ پست میدانوں میں قضائے حاجت کیلئے بیٹھتے ہیں تاکہ کوئی نہ دیکھے عہ متواتر سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اسقدر ہوں کہ عقل سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادتاً محال سمجھتی ہو عہ مشہور سے مراد یہ ہے کہ وہ حدیث حد تواتر کو تو نہ پہنچی ہو لیکن کسی مرتبہ میں راوی تین سے کم نہ ہوئے ہوں تین یا تین سے زائد ہی رہے ہوں۔ عہ آحاد سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں تواتر کے شرائط نہ پائے جاتے ہوں پھر خبر آحاد کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم مشہور ہے دوسری عزیز جس کے معنی یہ ہیں کہ اسکے راوی کسی مرتبہ میں دو سے کم نہ ہوئے ہوں۔ تیسری قسم غریب جس کا کسی مرتبہ میں ایک راوی رہگیا ہو [illegible]

ٹھہریگا پس اُن ائمہ کی تعدیل اور تجریح پر اکتفا کیا جائیگا جو علم حدیث کے امام مانے گئے ہیں اور اُن پر اس بارہ میں وثوق کیا گیا ہے
اجتہاد کی تیسری شرط وجوہ قیاس کو جاننا ہے یعنی اُس طریق کو جس کے ذریعہ سے مجتہد احکام کو مستنبط کرتا ہے ان سب
طریقوں کے شرائط اُنکے احکام، اقسام اور یہ کہ اُن میں سے کونسی قسم مقبول ہے اور کونسی مردود ان سب کو جانتا ہو جیسا
کہ کتب اصول میں بیان کیا گیا ہے۔ اجتہاد کی چوتھی شرط یہ ہے کہ اُن مسائل کو جانتا ہو جن پر اُن علماء اسلام کا اجماع
ہوگیا ہے جن کا اجماع معتبر ہے تاکہ اپنے اجتہاد میں اُن کے اجماع کی مخالفت نکرے اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ مجتہد کا عادل
ہونا، عادل ہونا شرائط قبول میں سے ہونا چاہئے اس بارہ میں کلام کے طویل کرنیکی کوئی حاجت نہیں ہے کیونکہ یہ تو ظاہر ہی ہے پس
جب کسی شخص میں یہ ساری شرطیں کامل طور سے پائی جائیں تو اُسے جائز ہے کہ قرآن اور حدیث سے شرعی احکام کا استنباط کرے
اور دوسرے لوگوں کو جو اجتہاد کی قابلیت نہیں رکھتے اس کی تقلید اور پیروی کرنا اور اس کے استنباط کئے ہوئے احکام پر عمل کرنا جائز ہے
پھر علمائے اہل سنت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں خدا کے نزدیک حق ایک ہی امر ہے اور جو لوگ کہ مجتہد
حق کے ظاہر کرنے میں اپنی پوری پوری کوشش صرف کر لے پھر اگر حق تک اُس کی رسائی ہو جائے تو اُسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر
پوری کوشش کرنے کے بعد بھی وہ حق سے چوک جائے تو وہ معذور ہے اور اُسے اپنی کوشش اور محنت کا اجر ملیگا اس لئے کہ اُسکے
ذمہ صرف اپنی کوشش کو صرف کرنا تھا سو وہ کر چکا اور چونکہ امر حق کی دلیل مخفی تھی اس لئے وہاں تک اُسکی رسائی نہ ہو سکی
ہاں اگر امر صواب تک پہونچانیوالی دلیل ظاہر ہو لیکن مجتہد اپنی کوتاہی اور تقصیر اور اجتہاد میں کوشش و مبالغہ نکرنے کی وجہ
امر صواب تک نہ پہونچ سکا تب البتہ مستحق عتاب ہے اور بعض سلف سے جو آپس میں ایک دوسرے پر مسائل اجتہادیہ میں طعن
کرنا منقول ہے تو وہ اس بات پر مبنی ہے کہ طعن کرنیوالے کے گمان میں طریق صواب ظاہر تھا اور یہ سب کچھ مسائل فرعیہ کے
باب میں ہے اس لئے کہ اُن میں غلبۂ ظن کافی ہوتا ہے اور عمل کرنے کیلئے اسی کا حاصل ہو جانا مقصود ہے رہا اصول عقائد
میں اجتہاد کرنا تو اُسمیں خطا کرنے والا یا تو سزا دیا جائیگا یا وہ گمراہ سمجھا جاویگا یا وہ کافر قرار دیا جائیگا کیونکہ عقائد کے باب میں
مطلوب ہوتا ہے کہ قطعی دلیلوں سے یقینی علم حاصل ہو جائے نہ کہ صرف ظنی اور صحیح یہ ہے کہ اگر ایسا شخص جو استدلال پر قادر ہو
اگرچہ وہ دلیل اجمالی ہی سے کیوں نہ استدلال کر سکتا ہو جب کسی عقیدہ میں کسی دوسرے کی تقلید کریگا تو استدلال کے ترک
کرنیکی وجہ سے ضرور گنہگار ہوگا اگرچہ یہ دوسرا شخص جس کی اُس نے عقیدہ میں تقلید کی ہے امام ابوحنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ
ہی کیوں نہ ہوں یعنی اگر کسی شخص کے پاس کسی عقیدہ کی قطعی دلیل موافق قواعد شرعیہ کے موجود ہو چاہے وہ اجمالی ہی دلیل
کیوں نہ ہو تو اُس کو ہرگز جائز نہیں کہ محض دوسروں کی تقلید میں اُس عقیدہ کے خلاف کہنے لگے اور اپنی قطعی دلیل کے مقتضا
کو چھوڑ دے پس اس موقع سے آپکو ان لوگوں سے نہایت تعجب معلوم ہوگا جو بلا کسی یقینی دلیل کے بہت سی باتیں محض وہم
سے یقین کر لیتے ہیں کہ علم افلاک کے فلاں جاننے والے علم جیالوجی کے فلاں جاننے والے علماء یوں کہتے ہیں باوجودیکہ یہ باتیں
عقیدہ اسلامیہ یا متواتر نص شرعی کے ظاہری معنی کے مخالف ہوتی ہیں ایسے رسوا کرنے والے جہل سے خدا کی پناہ۔

ہاں جب اس مخالف کا قول ہمارے نزدیک قطعی دلیل سے ثابت ہو جائے تو اُس وقت بیشک ہمارے ذمہ تاویل کر کے دونوں میں تطبیق دینا ضروری ہے جیسا کہ گزر چکا ہے (یہ جو کچھ گفتگو اجتہاد پر کی گئی یہ سب کی سب اجتہاد مطلق کے بارہ میں ہے اور یہ منتخب مستقیح اور اُس کے حواشی سے ماخوذ ہے اور اُسکے ساتھ بغرض توضیح کچھ میں نے بڑھا دیا ہے۔ رہا اجتہاد مقید یعنی کسی خاص مسئلہ میں اجتہاد کرنا سو اسمیں یہ گفتگو نہیں ہے)

اور اسی مقام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں اختلاف مذاہب کی کیا وجہ ہے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ کچھ لوگ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کا اتباع کرتے ہیں کچھ لوگ امام مالک بن انس کا کچھ لوگ محمد بن ادریس شافعی کا کچھ لوگ امام احمد بن حنبل کا (رضی اللہ عنہم وارضاہم) اور وجہ یہ ہے کہ اُن میں سے ہر ایک ایسے درجہ پر پہونچگیا تھا کہ وہ مطلق اجتہاد کر سکے اور شریعت محمدیہ کی نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے جہانتک کہ اُس کا اجتہاد پہونچے اور جہاں تک کہ اُسکے کمال علمی اور استعداد سے اُسکو رسائی حاصل ہو اُس کے موافق احکام استنباط کیا کرے اور ساتھ ہی اُسکے یہ بھی ہے کہ اُن میں سے ہر ایک ٹھیک طریقہ پر چلتا تھا اور امر صواب کے دریافت کرنے میں پوری کوشش سے کام لیتا تھا۔

پس ان ائمہ کے اتباع کرنے والے اُن مسائل پر عمل کر کے اُن کی تقلید کرتے ہیں جو ان ائمہ نے استنباط کئے اور شریعت کو سمجھے ہیں اور وہ اس تقلید میں خدا کے نزدیک ضرور نجات پانے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجتہدین کو اجتہاد کرنیکی اور مقلدین کو تقلید کرنیکی اجازت دی ہے چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے (فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون) اور مجتہدین ہی ایسے لوگ ہیں جنکی بات پختہ ہوتی ہے اور دین میں معرفت رکھتے ہیں پھر جب کسی مقلد سے اُس شخص کے بارہ میں دریافت کیا جائیگا جو اس کے امام کے علاوہ کسی دوسرے امام کی تقلید کرتا ہے تو وہ یہی کہے گا کہ خدا کے نزدیک اُس کو نجات ملیگی کیونکہ اُس نے ایسے مجتہد کی تقلید کی ہے جسمیں اجتہاد کی پوری پوری شرطیں پائی جاتی ہیں اور ابتدائے اسلام میں ان چار مجتہدوں کے علاوہ جنکا ابھی ذکر ہوا صحابہ۔ تابعین اور اُنکے بعد کے لوگوں میں سے بہت سے مجتہد تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین) لیکن اُن کے مقلد پیروی کرنیوالے نہ ہوئے جو اُن کے اقوال کو بطریق تواتر یا اور کسی صحیح طریق پر جس پر وثوق کیا جا سکے نقل کرتے اس لئے اُن کے مذاہب صفحہ عالم سے مٹ گئے باقی رہے یہ چاروں مجتہد سو توفیق خداوندی اُنکی پیروی کرنے والے علمائے اعلام ہوئے جنھوں نے اُن کے اقوال کو اس زمانہ تک بطریق تواتر یا ایسے طریق پر جس پر وثوق ہو سکے نقل کیا اُنکو یاد کیا اور کتابوں میں اُنکو مدون کر دیا گروہ کے گروہ نے یکے بعد دیگرے بعض نے بعض سے بالمشافہ اور بذریعہ درس و تدریس کے اُن کے مسائل کو حاصل کیا اسیوجہ سے اُن کے مذاہب باقی ہیں اور اجتک اُنکی پیروی کرنے والے پائے جاتے ہیں اور ان مقلدین میں سے ہر فریق دوسرے فریق کو طعن نہیں کرتا اور نہ اُنکو گمراہ و فاسق کہتا ہے اور ہر شخص کو جائز ہے کہ ان چاروں میں سے جس کی چاہے تقلید کرے اور کسی کی تقلید کرنے کے بعد بھی اُسے جائز ہے کہ ایک امام کی تقلید چھوڑ کر انھیں میں سے کسی دوسرے امام کی تقلید کرنے لگے اور یہ امر اُسکے دین میں معیوب نہ شمار کیا جائیگا جبکہ یہ انتقال اور ایک امام کو چھوڑ کر

دوسرے کی تقلید کرنے لگنا کسی صحیح شرعی غرض سے ہو مسلمانوں کے احوال پر جو کہ ان اماموں کے پیرو ہیں اطلاع رکھنے والا ان امور کا مشاہدہ کرتا ہے اُن سے یہ باتیں بالکل ظاہر ہو جاتی ہیں چونکہ وہ دیکھتا ہے کہ یہ سب آپس میں شادی بیاہ کرتے ہیں چنانچہ حنفی مذہب کا آدمی شافعی یا مالکی یا حنبلی مذہب کی عورت سے اپنا بیاہ کرتا ہے یا اسکے بالعکس ہوتا ہے اُن سب کی مسجدیں بھی ایک ہوتی ہیں اُن کا خلیفہ بھی ایک ہے ایک دوسرے کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں انہیں باہم کوئی ایسی شے نہیں معلوم ہوتی جس سے ذرا بھی عداوت یا طعن سمجھا جاتا ہو اور وہ یہ دیکھتا ہے کہ حنفی شافعی بنجاتا ہے اور کبھی بالعکس بھی ہوتا ہے نہایت سے نہایت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے امام کے مذہب کی رعایت کرتا ہے جس کی پیروی اُس نے اختیار کر لی ہے اور اسی پر عمل کرتا ہے اور دوسروں پر جو ان مذاہب میں سے اپنے امام کے مذہب پر عمل کرتے ہیں انکار نہیں کرتا پس چاروں مذہبوں کے اعتبار سے جو مسلمانوں میں شائع ہیں اُن کی مذکورہ حالت ہے اور یہ ایسی حالت ہے کہ اُن کے اصول شریعت پر پورے طور سے منطبق ہو جاتی ہے جو اس بات کو پرکھتا ہو وہ اسے خوب طرح جان لے۔

ف پھر جب شرائط سابق الذکر میں غور کیا جاتا ہے جن کا موجود ہونا کسی شخص کے مجتہد بننے اور مرتبہ اجتہاد پر پہنچ جانے کیلئے ضروری ہے حتی کہ وہ شرعی احکام کے استنباط کرنے کے لائق سمجھا جا سکے تو ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن سب شرائط کا لوگوں میں مجتمع ہو کر پایا جانا آج تک عقلاً ممکن رہا اور آیندہ زمانہ میں بھی رہیگا لیکن بعض علماء اعلام اس بات کے قائل ہو گئے ہیں جیسا کہ علماء حنفیہ سے منقول ہے کہ چار سو ہجری (علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ) سے اجتہاد کا (یعنی اجتہاد مطلق کا) دروازہ بند ہو گیا اور قریباً اوقات بعض لوگوں کے خیال میں یہ آتا ہے کہ ان علماء کا یہ حکم لگانا درست نہیں ہے کیونکر یوں کہا جا سکتا ہے کہ جب تک یہ بات ہے کہ اجتہاد کی شرائط مذکورہ کا مجتمع ہو کر کسی شخص میں پایا جانا آج تک عقلاً ممکن رہا اور آیندہ بھی رہیگا تو اس امر سے کونسا مانع ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ کے بعد بھی کوئی مجتہد جامع شرائط مذکورہ پایا جائے حتی کہ زمانہ موجود میں بھی لیکن اگر دقیق نظر سے دیکھا جائیگا تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان علماء کا یہ کہنا بالکل صواب کے موافق عین حکمت اور مقتضائے مصلحت ہی ہے اور یہ قول اُن علماء کی باریک بینی دقت نظری اور زمانہ اور انقلابات زمانہ کے حال کی معرفت اور اس امت محمدیہ کی شان میں جو خداوندی اسرار ہیں اُن کی واقفیت پر مبنی اور اسی سے ناشی ہے اور بیان اُس کا یہ ہے کہ یہ علماء جو چوتھی صدی ہجری سے باب اجتہاد کے مسدود ہونے کے قائل ہیں انہوں نے قرون ثلثہ (یعنی تینوں زمانوں کے لوگوں کے حالات) میں غور کیا اور وہ زمانہ صحابہ۔ زمانہ تابعین۔ زمانہ تبع تابعین کے لوگ ہیں پس انہوں نے دیکھا کہ زمانہ مذکور کے لوگ بتوفیق خداوندی علوم شریعت کی تحصیل پر پورے طور سے جھکے پڑے تھے اور مواد اجتہاد کے حاصل کرنے پر بڑے حریص تھے قرآن کریم اور جو تفسیر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اُن سے اور احادیث نبویہ و آثار صحابہ اور فتاوی صحابہ وغیرہ سے انہوں نے بخوبی واقفیت بہم پہنچائی تھی اور اُن سے احکام کے استنباط کرنے میں وہ جان توڑ کوشش کرتے تھے۔ علاوہ بریں اسی تحصیل کے بعد [illegible] انہوں نے اپنی کوشش کو صرف کیا تھا جسکی وجہ سے اُس زمانہ کے علماء اس لائق ہو گئے کہ انہیں تمام

بہتیرے مرتبہ اجتہاد پر پہونچ جائیں خصوصاً جبکہ اُن کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بھی قریب ہو یا آپکے دیکھنے والوں کو یا آپ کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کے زمانہ کے قریب ہو اور یہ خداتعالیٰ کی بہت بڑی عنایت کا ظہور ہوا کہ اس نے اُس زمانہ کے لوگوں کو اس قابل بنا دیا کیونکہ دین کے بارہ میں جتنی چیزوں کی حاجت ہو سکتی تھی سب کی سب اُسی زمانہ میں مکمل اور تمام ہو گئیں چنانچہ قرآن شریف جمع کر دیا گیا اُسے بہتیرے لوگوں نے یاد کر لیا کسی قسم کی تبدیل و تغیر کی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی تمام آفتوں سے حفاظت کا پورا پورا سامان ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بڑی احتیاط سے جمع کی گئیں اور کتابوں میں مدون کر دی گئیں اُن کی تحصیل میں دور دراز ممالک کے سفر اختیار کئے گئے علمائے امت میں سے جنہیں اجتہاد کی قابلیت تھی وہ ان دونوں عظیم اصلوں (قرآن و حدیث) سے احکام استنباط کرنے پر ہمہ تن جھک پڑے یہاں تک کہ اس میں انھوں نے اپنی پوری کوشش صرف کر دی اور دینی احکام کے اعتبار سے امت کی ضروریات میں سے سوائے ایک آدھ نادر امر کے جس کے وقوع کا اتفاق قوموں کی قوموں میں کہیں اتفاقی طور پر ہو سکتا ہو کوئی شئے باقی نہیں رہی اور نہایت بہتر اور استوار طریق پر دین کا کام پورا ہو گیا اور یہ ساری کارروائی قرون ثلثہ میں ہوئی پس اُنکے بعد کے لوگوں کیلئے صرف یہ کام رہگیا کہ وہ اُنھیں احکام کو مدون کریں اُنکو شائع کریں۔ اور امت کو وہی احکام پہونچادیں پھر اس زمانہ کے بعد سے جو کچھ علوم وغیرہ کی تحصیل کا ذوق و شوق اس سے پہلے عام طور پر پایا جاتا تھا اُس میں کمی شروع ہوئی اور اس بارہ میں لوگوں کی ہمتوں میں فتور آنا شروع ہوا اور دن بدن اس فتور میں زیادتی ہی ہوتی گئی یہانتک کہ پچھلے زمانوں میں یہ فتور اپنی انتہا کو پہونچگیا اور یہ ایسا امر ہے کہ جو اسلامی تاریخ سے ادنیٰ درجہ کی بھی واقفیت رکھتا ہوگا وہ اس سے ہرگز انکار نہیں کر سکتا چنانچہ آجکل کے بڑے سے بڑے علماء کو ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ان علوم مذکورہ میں سے جو مجتہد کے لئے شروط ہیں اُن کو بعض میں کمال حاصل ہوتا بھی ہے تو اور دوسرے علوم میں وہ قاصر رہتے ہیں اور اگر نہیں تو پھر بتلائیے کہ وہ علماء میں سے کون شخص ہے جسے ہم ان ایام میں قرآن کے تمام علوم پر حاوی خیال کر سکتے ہوں یعنی وہ قرآن کے معانی نحویہ اور شرعیہ کی معرفت بھی رکھتا ہو علوم عربیہ نحو۔ صرف۔ معانی۔ بیان وغیرہ کا بھی ماہر ہو قرآن کے اقسام مذکورہ خاص عام وغیرہ سے بھی واقف ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ قرآن شریف میں کونسا قول کونسی قسم میں داخل ہے اور باہم ایک دوسرے میں کیا فرق ہے اور اُنمیں کون ناسخ کون منسوخ ہے اور وجوہ قیاس بھی اُسے معلوم ہوں اور جن مسائل پر کہ امت کا اجماع ہو چکا ہے اُن کی بھی اُسے خبر ہو اور احادیث نبویہ کے متعلق متن اور سند کے اعتبار سے جو علوم ضروری ہیں اُنکو بھی جانتا ہو جیسا کہ مجتہد کی شرطوں کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اگر کوئی شخص ان تمام شرطوں پر حاوی ہونیکا مدعی ہو تو اُسے دلیل سے ثابت کرنا چاہئے ؎ کل من یدعی بما لیس فیہ ٭ کذبتہ شواہد الامتحان ٭ اور میرا خیال ہے کہ جو شخص اس امر سے واقف ہوگا کہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں سے ابو یوسف محمد۔ زفر حسن۔ رضی اللہ عنہم جیسے لوگوں نے جبکہ اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا تو وہ شخص ضرور اس مرتبہ کے دعوے کرنے سے شرماویگا خصوصاً جبکہ وہ اُن شاگردوں میں سمجھو

[illegible]

اور اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانہ میں قرآن و حدیث کی تفاسیر کی کتابیں اور ان کی شروح اور کتب اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ اور لغوی اور علوم کی کتابیں جو مرتبہ اجتہاد کیلئے رکن اعظم ہیں بکثرت ملتی ہیں پس اس سے کونسا امر مانع ہے کہ اس زمانہ میں بھی ان علوم سے جو مجتہد کیلئے شرط ہیں کوئی ماہر ہو جائے اور انھیں کتب مذکورہ پر اعتماد کرے اور یہی علوم جو مرتبہ اجتہاد کے رکن اعظم ہیں اُن کیلئے یہ کتابیں پوری کفیل ہیں اور اس بنا پر تو ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ صدر اسلام کی بہ نسبت جبکہ یہ کتابیں مدون نہیں ہوئی تھیں اس زمانہ میں اجتہاد بہت آسان ہے تو میں کہونگا کہ ہاں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے لیکن در سفینہ نہ در سینہ اور مجتہد کیلئے اگرچہ یہ شرط نہیں ہے کہ ان علوم پر اتنا حاوی ہو کہ سب کچھ اُسکے سینہ ہی میں موجود ہو لیکن اتنا تو ضرور ہے کہ اُن میں سے ہر شے کے مرجع اور ماخذ میں تو اتنا ماہر ہو کہ کسی علم کا مرجع اور اُس کی اصل اُسکے نزدیک مخفی نہ رہے یہاں تک کہ حاجت کے وقت بلا تکلف اُس کی جانب مراجعت کر سکے اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اس زمانہ میں کوئی شخص ایسا بھی نہیں پایا جاتا ہے جو اس صفت کے ساتھ موصوف ہو بھلا بتلائیے وہ کون شخص ہے جو اس زمانہ میں ان ساری شرطوں کو پورے طور سے حاصل کئے ہر ہر حکم کے استنباط کرنے کیلئے مستعد ہو اور ان کتابوں میں ہر ہر علم کے مرجع کی جانب مراجعت کرنے پر قدرت رکھتا ہو اس طرح پر کہ اُس کے ذریعے سے ہر ناسخ و منسوخ آیت اور ہر ناسخ و منسوخ حدیث کی جو کسی آیت یا حدیث سے منسوخ ہوئی ہو معرفت تک رسائی حاصل ہو اور تواتر و شہرت اور آحاد وغیرہ مراتب حدیث سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور تمام اجماعی مسائل کو بھی جانتا ہو اور اُسکے علاوہ اُن امور سے بھی واقف ہو جو پہلے گذر چکے خلاصہ یہ کہ جو لوگ چوتھی صدی ہجری سے باب اجتہاد کے مسدود ہو جانیکے قائل ہیں اُن کے قول کی صحت پر براہین قائم کرنا تو طوالت طلب ہے اس لئے اس بابمیں ایک خاص تالیف کرنیکی ضرورت ہے ۔

لیکن میں اس موقع پر علامہ ابن الحاج کا کلام جو میں نے مدخل میں دیکھا ہے نقل کرونگا جس سے اس مقام کی توضیح ہو جائیگی اور ہر منصف شخص کو جو عناد سے بری ہو تسکین حاصل ہوگی میں نے ان کی طویل تقریر کو دفع تشویش کی غرض سے کچھ مختصر کر لیا ہے ۔ علامہ موصوف (رحمۃ اللہ تعالیٰ و ارضاہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم الحدیث) پر گفتگو کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام تینوں مذکورہ زمانوں کے لوگوں کے بارہ میں ہے یعنی اُن کے غالب حالات کے لحاظ سے کہا گیا ہے ورنہ ان میں ایسے فرقہ کے لوگ بھی تھے جنکی پیروی نہیں کیجا سکتی اور آپنے صرف اہل علم مراد لئے ہیں (یہ علامہ موصوف نے کہا ہے) اور شارع علیہ السلام کی حکمت کو دیکھو کہ اوروں کو نہیں صرف انھیں تین زمانوں کے لوگوں کو کیسے اپنے قول میں فضیلت کے ساتھ خاص کیا ہے اگرچہ اور زمانہ کے لوگوں میں سے بھی بہتیروں میں خیر و برکت پائی جائے وجہ یہ ہے کہ ان زمانوں کے لوگوں میں ایسی فضیلت موجود

عــہ تمام زمانوں کے لوگوں سے میرے زمانہ کے لوگ بہتر ہیں پھر انکے بعد والے پھر انکے بعد والے مترجم

کہ اُس میں اور زمانہ کے لوگ اُنکی برابری نہیں کر سکتے اور وہ یہ ہے کہ خدا نے اُنکو اعلاء کلمۃ اللہ اور اپنے دین کی اقامت کے ساتھ خاص کیا ہے پس اول قرن یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کے علم کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اسکے علاوہ بھی خدا نے انھیں ایسی خصوصیت بخشی ہے اور ایسی فضیلت عنایت کی ہے کہ کوئی شخص اُنکی (صحابہ رضی اللہ عنہم) گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُنکو یہ خصوصیت بخشی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والے تھے آپکے حالات اور آپ کے اوپر قرآن شریف کے تازہ بتازہ نازل ہونیکا مشاہدہ کرتے تھے اور یہ کہ قرآن کی آیتیں جو تھوڑی تھوڑی نازل ہوا کرتی تھیں اُنکو برابر یاد کرتے جاتے تھے اس طور پر خدا نے اُنکو اس قابل کر دیا تھا کہ انھوں نے قرآن کو پورا پورا یاد کر لیا ایک حرف بھی اُس سے ضائع نہیں ہونے پایا پس انھوں نے قرآن کو یکجا کر دیا اور اپنے بعد والوں کیلئے آسانی کر گئے اور یہ کہ انھوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھا اور جیسا کہ چاہئے تھا انھوں نے اُنکو خطا غلطی سہو اور غفلت وغیرہ سے بچائے رکھا اور احادیث کی حفاظت میں یہانتک کوشش کی گئی کہ امام مالک کو جب کسی حدیث میں شک ہو جاتا تھا تو وہ اُسکو قطعی ترک کر دیتے تھے اور پھر کبھی بیان کرتے تھے حالانکہ وہ قرن اول سے نہیں ہیں یعنی صحابی نہیں بلکہ تبع تابعی ہیں پھر جب اُن کی یہ حالت تھی تو قرن اول کے لوگوں (صحابہ) کی نسبت آپ کیا خیال کرینگے حالانکہ دین میں سب سے بہتر وہی لوگ پائے جاتے ہیں اور ضبط و حفظ کے لحاظ سے تو اُن کی تعریف کا احاطہ ہی ممکن نہیں اُنکو کوئی پہونچ ہی نہیں خدا اپنے نبی کی امت کی جانب سے اُنکو جزائے خیر دے اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے خلوص کے ساتھ دعوت اسلام کی اور دین میں جو نقص نکالے گئے اُنکو دلیل سے دفع کیا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے اسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اصحاب کی پیروی اختیار کرنا چاہئے کیونکہ اس امت کے لوگوں میں انکا دل سب سے زیادہ پاک تھا اُن کا علم سب سے زیادہ گہرا تھا اُن میں تکلف سب سے کم تھا اُنکی خصلتیں نہایت استوار تھیں اُن کا حال سب سے بہتر تھا خدا نے اُنکو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کیلئے انتخاب کیا ہے اُنکے فضل کو پہچانو اور اُنکے قدم بقدم چلو۔ کیونکہ وہ راہ راست پر تھے انتہیٰ پس جب یہ پاک نفس لوگ اپنی راہ چلے گئے تو اُنکے جانشین تابعین (رضی اللہ عنہم) ہوئے اور جو حدیثیں متفرق تھیں اُنکو انھوں نے جمع کیا اور بعض بعض نے ایک ایک حدیث اور ایک ایک مسئلہ کی طلب تحقیق میں مہینہ دو مہینہ کی راہ طے کی اور امر شریعت کو نہایت کامل طور پر منضبط کر دیا احکام اور تفاسیر کو حضرت علی بن ابیطالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جیسے صحابہ سے حاصل کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں تم لوگوں میں ہوں مجھ سے پوچھ لو اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ یہ ترجمان قرآن ہیں پس جو شخص ایسے لوگوں سے علم حاصل کرے اُسکا علم و عمل کیسا کچھ ہوگا اُس کی

عہ صحابی اُن مسلمانوں کا لقب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے ہیں اور صحابی کے دیکھنے والا مسلمان تابعی کہلاتا ہے اور

حالت کیسی ہوگی پس اس دین کی اقامت اور نیز اس اعتبار سے قرن ثانی والوں کو بھی فضیلت کا وافر حصہ ملا کہ انھوں نے صاحب شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا چنانچہ اسی لئے وہ اپنے بعد والوں سے بہتر ٹھہرے پھر انکے جانشین انکے اتباع کرنے والے ہوئے اور وہ لوگ تبع تابعین رضی اللہ عنہم کہلاتے ہیں ان میں بڑے بڑے فقہاء پیدا ہوئے جنکی کہ لوگ تقلید کیا کرتے تھے اور واقعات میں انھیں کیجانب رجوع کرتے اور وہ تمام مشکلوں کو حل کر دیتے تھے پس انھوں نے قرآن کو بحمد اللہ مجتمع پایا جس سے ہر طرح کی سہولت ہوئی اور حدیثیں بھی انکو منضبط اور محفوظ ملیں۔ پھر انھوں نے جو حدیثیں متفرق تھیں انکو جمع کیا اور قواعد شرعیہ کے موافق قرآن اور احادیث میں احکام کی جستجو اور دیکھ بھال کرنے لگے قرآن و احادیث کے فوائد انھوں نے استخراج کئے اور اُنسے قواعد اور احکام کو مستنبط کیا انکو عقلی اور نقلی طور پر بیان کیا انھیں کتابوں میں مدون کر کے لوگوں کیلئے سہولت کر دی۔ فروع کو اصول سے استخراج کر کے اور فرع کو اسکی اصل کیطرف راجع کر کے تمام مشکلات کو بیان کر دیا اور اصل کو فرع سے متمیز کر دکھایا پس دینی حالت نہایت منتظم اور باقاعدہ ہو گئی اور انکے سبب سے امت محمدیہ کیلئے دین میں خیر عظیم نے قرار پکڑا۔ پس ان لوگوں کو بھی اقامت دین کی حیثیت سے یہ خصوصیت حاصل ہو گئی کہ وہ صاحب شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں سے ملاقی ہوئے اور باوجود اسکے ان لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ اپنے بعد والوں کیلئے دین میں کوئی ایسی شے نہیں چھوڑی تھی جس میں کسی کی اصلاح کی حاجت ہو یا وہ اسکی تکمیل میں مشغول ہو۔ پس پچھلے لوگ انکے بعد آتے گئے وہ باعتبار غالب انھیں کے متعلق اور تابع ہیں اگر ان کے بعد والے لوگوں کیلئے کوئی نقلی امر یا کوئی نادر وان کے خلاف ظاہر ہوا ہو تو وہ سب کا سب قابل رد ہے اس سے میری مراد یہ ہے کہ جو احکام پہلے مقرر ہو چکے ہیں انہیں سے کسی میں کمی بیشی کریں تو وہ بالاجماع قابل رد ہے باقی رہے وہ فوائد جو اُن کے بعد والوں نے استخراج کئے ہیں اور وہ احکام کے متعلق نہیں ہیں تو وہ سب مقبول ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے بارہ میں فرمایا ہے دانکے عجائب ختم نہ ہونگے اور وہ بکثرت پھیر پھیر کرنے پر بھی پرانا نہ ہوگا یعنی بار بار پڑھنے سے اُسکا لطف جاتا نہیں بلکہ ہر بار نیا لطف آئیگا پس قرآن اور حدیث کے عجائب قیامت تک ختم نہ ہونگے ہر زمانہ کے لوگ ضرور اس سے اُن فوائد کثیرہ کو حاصل کرتے رہیں گے جو خداوند تعالیٰ نے انہیں مخصوص کر دئے ہیں اور جنپر کہ اُن کو مشتمل کر دیا ہے علاوہ اس امت کی برکت قیامت تک مستمر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت بارش کے مثل ہے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ اسمیں کونسا نفع ہے پہلی یا پچھلی یعنی خیر و برکت دعوت الی اللہ اور احکام کے بیان کرنے کے اعتبار سے نہ یہ کہ وہ احکام میں سے کوئی نیا حکم نکالیں گے ہاں اگر کوئی نادر الوقوع واقعہ ہو جو ان مجتہدین متقدمین کے زمانہ میں قول و فعل بیان کسی اعتبار سے بھی پیش ہی نہیں آیا پس اس وقت یہ واجب ہوگا کہ اُن کے صریح بیان کردہ قواعد کے موافق جو اُن سے ثابت ہیں اور جنھیں کہ انھوں نے احکام میں برتا ہے اُس واقعہ کے حکم میں غور کیا جائیگا پس اگر یہ حکم اُن کے مقرر کردہ اصول کے موافق ہوگا تو البتہ مقبول ہوگا

ولا تنقضی عجائبہ ولا یخلق علی کثرۃ الرد ۔ مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام آخرہ ۔ حدیث کے الفاظ یہی ہیں یا اس کے قریب قریب ہیں۔

کیا جاویگا پھر جب وہ بھی پاک نفسی کے ساتھ اپنے راستے چلے گئے اور اُن کے بعد والے آئے تو انھیں دین میں کوئی ایسا کام نہ ملا جس کی درستی میں وہ مشغول ہوتے اور اُن کو اُسکے ساتھ اختصاص ہوتا بلکہ انھوں نے دین کے کام کو نہایت ہی کامل حالت پر پایا پس سوائے اس کے اور کوئی امر باقی نہ رہا کہ جو کچھ پہلے لوگ مدون مستنبط اور تخریج کر گئے تھے اور جو کچھ وہ فوائد بتلاگئے تھے اُسی کی حفاظت کیجائے پس اسی وجہ سے دین کی اقامت اُنھیں قرون ثلٰثہ کے ساتھ مختص کیگئی جن کا کہ حدیث میں ذکر ہے سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی چنانچہ اسی واسطے قرون ثلٰثہ کے لوگ اپنے بعد والوں سے بہتر ٹھیرے اور اُنکے بعد والوں کو دینی بھلائی اور بہتری اُسوقت تک کبھی نہیں حاصل ہو سکتی جب تک کہ وہ اُنھیں قرون ثلٰثہ کا اتباع نہ کریں جنکے لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتری کی شہادت دی ہے اسی باعث سے اُنکے بعد والے اُنکے ہم پلہ نہیں ہو سکتے اور نہ اُن کی نیکیاں اس پایہ کی ہو سکتی ہیں پس آپکے قول (خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم) کا مطلب ظاہر ہو گیا۔ علامہ ابن حاج کا کلام جو انھوں نے اپنی کتاب المدخل میں لکھا تھا یہاں تک ختم ہو گیا۔

اب میں کہتا ہوں کہ جو شخص اس جلیل القدر عالم کے کلام میں غور کریگا اور نظر انصاف سے دیکھے گا اُس کے نزدیک اس قول کی صحت جو علمائے حنفیہ سے منقول ہے کہ اجتہاد کا دروازہ چوتھی صدی ہجری سے بند ہو گیا ہے ظاہر ہو جائیگی اور اسکے راز اور غامض حکمت کو وہ سمجھ جائیگا خدا کا احسانات پر ہزار ہزار شکر ہے کہ ان علماء اعلام نے اس قول کی تصریح کر دی جسکی نہایت کافی و وافی بیان سے تائید ہوتی ہے اور یہ کہ سلاطین آل عثمان کو خدا نے اپنی پسندیدہ شے کی توفیق دی کہ انھوں نے اپنی مسلمان رعایا میں اس قول کو نافذ کر دیا ورنہ اس زمانہ میں جسمیں کہ دیانت و پرہیزگاری کی کمی اور باطل گروہوں کی کثرت ہے آپ بہتیرے بیباک لوگوں کو دیکھتے جو اجتہاد کے بعض مواد کے حاصل ہو جانے سے اپنے دل میں خوش ہو رہے ہیں حالانکہ وہ بہت ہی کم اور اس درجہ پر پہونچنے کیلئے بالکل ناکافی ہے کہ وہ لوگ اس جلیل الشان منصب کے مدعی بنے ہوتے اور بعض سیدھے سادھے اُن کے پیرو بھی بنجاتے اور وہ دین میں احکام کے نام سے بہت کچھ ایجادیں کرتے اور یہ سب بجز بدعتوں اور گمراہیوں کے اور کچھ نہ ہوتا اور جس طریق پر کہ سلف صالحین تھے جنہوں نے کہ امر دین کا نہایت کامل طور پر استیفا اور احاطہ کر لیا تھا یہ سب امور اُن کے مخالف ہوتے اور آپ دیکھتے کہ تھوڑے تھوڑے زمانہ میں دین کا حال متغیر ہوا کرتا اور ہمیشہ ردوبدل لگا رہتا جیسا کہ سیاسات اور ملکی قوانین میں زمانہ کے اقتضاء کے موافق ردوبدل ہوا کرتا ہے (حالانکہ خدا تعالیٰ نے اسلامی دین کو ایسا بنایا ہے جس کے احکام قیام قیامت تک ثابت رہنے والے ہیں) پس نتیجہ اس کا یہ ہوتا کہ ایسی حالت تک نوبت جا پہونچتی کہ امت اسلامیہ اُس طریقہ سے جس پر کہ اُنکے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے گمراہ ہو جاتے۔ نعوذ باللہ من ذلک پس خدا تعالیٰ علماء اعلام کو اس کی جزائے خیر دے کہ انھوں نے اس امر کو واضح طور پر بیان کر دیا اور خدا تعالیٰ و سبحانہ دولت عالیہ عثمانیہ کو دائم و قائم رکھے جسے اس دین کو گمراہ کرنے والے دشمنوں سے حفاظت کرنیکی خدا کی جانب سے توفیق عنایت ہوئی۔ آمین اللہم آمین

یہ تو ہو چکا اب اور سنئے کہ میں نے بعض لوگوں کو جو نظر کے قاصر اور کم فہم ہیں اور اپنے آپ کو علماء محققین کے زمرہ میں شمار کرنے پر مُصِر (بقول شخصے ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں) فخر کیا کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ہم اُسی شے کو لیں جس کی قرآن شریف میں تصریح موجود ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اشیاء احادیث نبویہ میں واقع ہوئی ہیں وہ اُن کو نہیں لیتے اور نہیں مانتے اور یہ رائے محض فاسد اور اس مسلک کے علماء اعلام کی نظر میں بالکل باطل ہے کیونکہ نص قرآنی اور اُن احادیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں جس طرح کہ ہم کو یعنی امت محمدیہ کے لوگوں کو یہ حکم ہے کہ قرآن شریف میں جو کچھ وارد ہوا ہے اُس کے ساتھ تمسک کریں اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث ثابت ہیں اُنمیں جو امور وارد ہوئے ہیں اُن کو بھی اپنا تمسک ٹھیرائیں اور اس بات پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے اور سنت مطہرہ کے تمسک کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال افعال کی پیروی کرنے پر دلالت کرنیوالی بکثرت آیات قرآنی موجود ہیں چنانچہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے (اور میری رحمت ہر شے کو گھیرے ہوئی ہے سو اب میں اُس کو اُن لوگوں کیلئے لکھوں گا جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اُن لوگوں کیلئے جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جسے وہ توریت اور انجیل میں اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں وہ اُنھیں اچھے کاموں کا حکم کرتا ہے اور بُرے کاموں سے منع کرتا ہے اور اُنکے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور اُن پر ناپاک اشیاء کو حرام کرتا ہے اور اُن کا بوجھ اور وہ بیڑیاں جو اُن کے اوپر تھیں اُن سے اُتارتا ہے پس جو لوگ کہ اُس پر ایمان لائے اور جنھوں نے کہ اُس کا ساتھ دیا اور اس کی مدد کی اور نور کی پیروی اختیار کی جو اُس کے ساتھ اُتارا گیا ہے (سو) وہی لوگ فلاح پانیوالے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن شریف میں موجود ہے (وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ)[2] پس اگر ان کے علاوہ اور آیتیں قرآن شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے اتباع کے واجب ہونے پر دلالت کرنیوالی نہ بھی ہوں تو یہ کیا کم ہیں یہی کافی وافی ہیں اچھا اور سب جانے دیجئے یہ تو بتائیے کیا ہم قرآن شریف کو سوائے احادیث کی مدد کے اور کسی طرح پر بھی کامل طور سے سمجھ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اور نیز آیات کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں جو آپ سے صحیح طور پر ثابت ہیں اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ ہمارے نزدیک احادیث آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی اُنکا لینا بھی ضروری ہے اور صرف قرآن پر اقتصار کرنا اس بات کو مستلزم ہو گا کہ ہم اپنے دینی احکام میں قاصر ہو جائیں کیونکہ تمام احکام کو فقط قرآن شریف سے سمجھ لینے تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی چنانچہ جو احادیث اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اُن میں سے بعض یہاں مذکور ہوتی ہیں۔ ابو داؤد میں عرباض بن ساریہ کی روایت سے مروی ہو چکی ہیں

---

[1] ورحمتی وسعت کل شیء فساکتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ والذین ھم بآیاتنا یؤمنون الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم فالذین آمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون ۱۲ منہ

[2] وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ تو صرف وحی ہے جو سُنایا کرتا ہے (جو اُس پر ہوا کرتی ہے) ۱۲

کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو نماز پڑھائی پھر آپنے ہماری جانب رُخ کیا اور ہمکو نہایت بلیغ نصیحت فرمائی کہ اسمیں آنکھیں بہ پڑیں اور ہم لوگوں کے دل ڈر گئے پھر ہر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت تو ایسی ہے جیسے کوئی رخصت کرنیوالا نصیحت کرتا ہے پس آپ ہمیں کیا نصیحت کئے جاتے ہیں آپنے فرمایا کہ میں تمہیں خدا سے ڈرنے اور اپنے حاکم کے احکام بسر و چشم ماننے کی وصیت کرتا ہوں چاہے وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جو تم میں سے زندہ رہیگا وہ عنقریب ایک بڑا اختلاف دیکھے گا پس تم لوگ میرے اور میرے خلفاء راشدین کے طریقے کو جنھیں کہ خدا نے راہ راست دکھائی ہے اپنے اوپر لازم کرو اسی کے ساتھ تمسک کرتے رہو اور اسکو نہایت مضبوطی سے (اپنی داڑھوں سے پکڑلو) اور نئے نئے امور سے بچتے رہو کیونکہ (دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔ اور ابو داؤد[عــــہ] اور ترمذی میں بروایت مقداد رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنتے ہو مجھے (خدا کی جانب) سے کتاب قرآن شریف دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل (اور کچھ بھی) ہے سنتے ہو عنقریب کوئی شکم سیر شخص (مغرور اور غافل) کہیگا یہ جو اپنی خواہش نفسانی میں منہمک ہو پس شکم سیری کے ساتھ اس کا مقید کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس قول مردود کا یہی باعث ہے اور اسمیں یہ تنبیہ ہے کہ شکم سیر ہو کر کھانا حماقت اور غفلت کا سبب ہے اور اسیوجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ شفاء میں عائشہ رضی اللہ عنہا اور انکے والد (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مبارک کبھی پُر نہ ہوا) اپنی مسند پر جھک کے کہ اس قرآن کو لو پس جو کچھ اسمیں تمہیں حلال ملے اسکو حلال جانو اور جو کچھ اسمیں تم حرام پاؤ اسے حرام سمجھو اور بلاشک اللہ کے رسول کا حرام کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کا حرام کرنا الحدیث اور ابوداؤد[عــــہ] میں بروایت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں کھڑے ہوے پھر فرمانے لگے کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگا کر یہ سمجھتا ہے یہ گمان کرتا ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے سوائے اسکے اللہ نے کچھ حرام نہیں کیا سن لو کہ بیشک میں نے (بھی بعض) باتوں کا حکم کیا اور نصیحت کی اور بہت سی اشیاء پر آگاہ کر دیا کہ وہ قرآن کے مثل بلکہ اس سے بھی زائد ہیں اور بلاشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ حلال نہیں کیا کہ بلا اذن اہل کتاب کے گھر میں داخل ہو جاؤ اور نہ یہ کہ ان کی عورتوں کو مارو اور نہ یہ کہ تم انکے

عــــہ فی ابی داود عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجہہ فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منہا العیون ووجلت منہا القلوب فقال رجل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ہذہ موعظۃ مودع فماذا تعہد الینا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیا فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار ۱۲ عــــہ فی ابی داود والترمذی عن المقدام رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بہذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما حرم اللہ الحدیث ۱۲ عــــہ فی الشفاء عن عائشۃ رضی اللہ عنہا وعن ابیہا رضی اللہ عنہ لم یمتلئ جوف النبی صلی اللہ علیہ وسلم شبعا قط ۱۲ عــــہ فی ابی داود عن العرباض بن ساریۃ قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ قد یظن ان اللہ تعالیٰ لم یحرم شیئا الا ما فی ہذا القرآن الا وانی واللہ قد امرت ووعظت ونہیت عن اشیاء انہا لمثل القرآن او اکثر وان اللہ تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اہل الکتاب الا باذن ولا ضرب نسائہم ولا اکل ثمارہم

عمل کیا جاوے جبکہ وہ حکم جو اُنکے ذمہ واجب ہے مانتے رہیں اور اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثیں اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اگر ہم اُن سب کو نقل کریں تو بہت طوالت ہو جائے اور جس قدر ہم نے نقل کر دی ہیں منصف کیلئے اتنی ہی کافی ہیں اور اگر ان قاصرین کو اس باطل حکم کے لگانے اور اس فاسد رائے کے دینے میں کہ امت محمدیہ کو جو کچھ قرآن سے سمجھا جاوے صرف اسی پر اقتصار کرنا لازم ہے اور جو کچھ احادیث سے مفہوم ہوا سے ترک کر دینا ضروری ہے یہ شبہ ہو کہ جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیجانب منسوب کیگئی ہیں اُن میں بعض ضعیف حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں جن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہونیکا اس مرتبہ کا ثبوت نہیں ہے جو انکا احکام کیلئے معتبر ہو اسی طرح اُن میں بعض موضوع حدیثیں بھی ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اُن کی نسبت سچی نہیں ہے اور اس امر سے اُن لوگوں کے گمان کے موافق مطلقاً احادیث سے اعتماد اٹھ جاتا ہو تو اس کے جواب میں ہم اُن سے کہتے ہیں کہ آپ کا یہ شبہ بالکل ساقط الاعتبار ہے اسلئے کہ یہ بات مخفی نہیں کہ دین محمدی کے محقق اور مدقق علماء اعلام نے جنپر کہ احادیث کی روایت اور اُن کے راویوں کی سوانح عمریاں اور حالات سے واقفیت رکھنے کے بارہ میں بھروسا کیا جا سکتا ہے اُنھوں نے ان احادیث میں سے کوئی ایسی حدیث نہیں چھوڑی جس کی نسبت یہ نہ بیان کر دیا ہو کہ اس حدیث کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہونیکا کس مرتبہ کا ثبوت موجود ہے۔ اسیطرح جملہ احادیث کی صفات اقسام اور اُن کے راویوں کے احوال پر اتم اور کامل طور پر اُنھوں نے احاطہ کر لیا ہے یہانتک کہ اس فن کیلئے علیحدہ اُنھوں نے ایک خاص فن مقرر کیا ہے جس کا نام فن مصطلح الحدیث ہے اور اس میں بہتیری کتابیں اور رسالے تالیف کئے ہیں۔ متعدد قصائد نظم کئے ہیں۔ اسی طرح اُنھوں نے احادیث کے راویوں کی سوانح عمریوں کے بارہ میں کیا ہے چنانچہ اس کیلئے بھی ایک جدا فن مقرر کیا ہے جس کا نام فن تعدیل و تجریح ہے بعد اسکے اُنھوں نے ہر حدیث کے مرتبہ سے آگاہ کر دیا ہے جس کا کتب احادیث میں برابر ذکر کیا جاتا ہے اور نیز اس امر پہ کہ احکام کے بارہ میں اس کا کیا حکم ہے یعنی اُس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اُنھوں نے اس کا بیان کر دیا ہے کہ فلاں فلاں احادیث متواتر اور مشہور ہیں جنپر اعتقادات اسلامیہ اور احکام شرعیہ کے بارہ میں اعتماد کیا جا سکتا ہے اور فلاں فلاں آحادی صحیح و حسن حدیثیں ہیں جنپر صرف احکام کے بارہ میں اعتماد ہو سکتا ہے اور یہ کہ فلاں فلاں ضعیف حدیثیں ہیں جنپر کہ امور مذکورہ میں سے کسی کی بارہ میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا لیکن ہاں فضائل اعمال میں لکھے جا سکتے ہیں یعنی اگر ان میں کسی عمل کا بیان ہے اور شریعت کے خلاف اُس میں کوئی امر نہیں پایا جاتا تو اُسپر عمل کے کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں اُس کا عمل کر لینا جائز ہے۔ اسیطرح موضوع احادیث کی بھی اُنھوں نے تصریح کر دی جنپر کسی چیز میں بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے پڑھنے والے پر یہ بیان کر دینا واجب ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر آپکی جانب جھوٹ گھڑی گئی ہے اُس کو ہرگز نہ لینا چاہئے اور جو کتابیں ان بیانات کی تکمیل و استیفاء اور ہر حدیث کے مرتبہ کے تمیز کرنے کے بارہ میں تالیف کیگئی ہیں وہ طبقات میں پھیلی ہوئی ہیں یہانتک کہ ان پر ان حقائق میں سے کوئی شے بھی مخفی نہیں پس بعد ان سب باتوں کے کیا نقصان

اور احادیث نبویہ پر بھی اعتماد کیا جائے جیسے کہ قرآن پر کیا جاتا ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا ثبوت کے اعتبار سے جو مرتبہ ہو اُسکو
اُسی پر رکھا جائے علاوہ بریں یہ خیال فرمائیے کہ لوگوں کی خبروں اور باتوں میں جھوٹی اور سچی سب طرح کی خبریں ہوتی ہیں تو کیا ہم
کہہ سکتے ہیں کہ دونوں میں چونکہ جھوٹی خبریں بھی موجود ہیں اس لئے ہمیں چاہیے کہ کسی خبر کی بھی تصدیق نکریں واللہ ہرگز نہیں
ہرگز نہیں ایسی بات کا سوائے نادان کے اور کوئی قائل نہیں ہو سکتا بلکہ امر صواب یہ ہے کہ ہم اسکے جواب میں کہیں کہ ہمیں چاہیئے کہ
ہم جھوٹی خبروں سے بحث کریں تاکہ ہم اُنھیں پہچان کر رد کریں اور اُنپر اعتماد نکریں اور اسی طرح سچی خبروں سے بھی بحث کریں
یہانتک کہ ہم اُن کی شناخت کر کے اُنھیں لے لیں اور اُنپر اعتماد کرلیں چنانچہ اسی طرح علماء سنت نے بھی اُن احادیث کے ساتھ
یہی معاملہ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیجانب منسوب ہیں ان سے بحث و تدقیق کی یہانتک کہ اُنھیں اُن احادیث پہ
واقفیت حاصل ہوگئی جنکی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل صحیح ہو پس اُنھوں نے اُن کے ثابت ہونے سے
لوگوں کو بھی آگاہ کردیا اور خود بھی اُنپر اعتماد کرلیا اور اسی طرح جو احادیث اس کے خلاف تھیں اُنسے بھی واقف ہوگئے اور اُنسے بھی اُن
نے لوگوں کو آگاہ کردیا اور جس مرتبہ کی وہ تھیں اُنکو اُسی مرتبہ پر رکھا یعنی اُن میں سے بعض کی نسبت تو یہ حکم دیا کہ اُنپر احکام کے
بارہ میں ہرگز اعتماد نکیا جائے (جیسا کہ حدیث ضعیف کا حکم ہے) اور بعض کی نسبت مطلقاً ترک کردینے کا حکم کیا (جیسا کہ
حدیث موضوع کا حکم ہے) اور اگر یہ قاصرین کہیں کہ ہمیں اس طرح احادیث کے مراتب پر کہاں واقفیت ہو سکتی ہے اور ہم کیونکر
پہچان سکتے ہیں کہ اُنمیں سے کونسی اعتماد کے قابل ہیں اور کون ناقابل۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ اسوقت دینی حیثیت سے
آپ کا عام لوگوں میں شمار ہوگا کیونکہ جو دین کے علماء ہیں وہ اسکو بخوبی جانتے ہیں اور اُنپر اُنمیں سے کوئی شے بھی مخفی نہیں ہے
اس لئے آپ لوگوں کو لازم ہے کہ ایسی ہرگز جرأت نکریں اور اپنے دینی امور میں ایسے علماء کیطرف رجوع کریں جو اہل فکر و تفتیش ہیں
اور ان امور سے ایسے ہی واقف ہیں جیسا کہ انکی واقفیت کا حق ہے اور اگر ان قاصرین کا یہ شبہ ہو کہ جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کیجانب منسوب ہیں اُنمیں ایسی حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں جنکا ظاہر قانون عقلی اور اُن امور کے خلاف ہو جنپر کہ عقلی قطعی
دلیل قائم ہے اور جن کا پتہ زمانہ حال کے فنون کی تحقیقات و انکشافات سے لگا ہے اور اس سے انکے گمان کے موافق خلاصی
کی صرف یہ صورت ہے کہ قرآن پر اقتصار کیا جائے اور تمام احادیث نبویہ کو چھوڑ دیا جائے پس میں کہتا ہوں کہ انکا یہ شبہ
مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ بودا اور بالکل ہی لچر ہے اور اُن کا اس شبہ سے تمسک کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ
دین محمدی کی حقیقت کے سمجھنے سے بالکل ہی قاصر ہیں اور یہ اسلئے کہ شریعت محمدیہ کا قاعدہ ہے جیسا کہ علماء اعلام سے نقل کر کے
ہم پیشتر بیان کرچکے ہیں کہ ہم مسلمانوں پر واجب ہے کہ قرآن اور حدیثوں کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ظاہری
ہی معنی لیں جبتک کہ کوئی عقلی قطعی دلیل اُنکے ظاہر کے خلاف نہو اور اگر عقلی قطعی دلیل ایسی قائم ہو جائے جو ظاہر آیت یا حدیث
کے منافی معلوم ہو تو ہمیں اس ظاہر آیت یا حدیث کی تاویل کرنا چاہیے اور اسکو کسی ایسے معنی کی طرف راجع کرنا چاہیے جس کا
اس آیت یا حدیث سے احتمال ہو سکتا ہو چاہے وہ معنی بعید ہی کیوں نہوں تاکہ اس نص شرعی اور اس قطعی عقلی دلیل میں تطبیق

ہو جائے اور جو شخص قرآن شریف اور تمام احادیث نبویہ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں تلاش کریگا تو اُسے اُنمیں کوئی ایسی شے نہ ملیگی جس کا ظاہر قطعی عقلی دلیل کے مخالف ہو اور اسکے مناسب تاویل ممکن نہ ہو اور اُسمیں اور اُس دلیل میں تطبیق نہ دی جاسکے۔ باقی رہیں وہ نصوص جنمیں تاویل کی گنجایش نہیں اور اُنکے معانی متعین ہیں تو اُن میں سے کوئی شے بھی قطعی عقلی دلیل کے مخالف نہیں پائی جاتی اور نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی قطعی عقلی دلیل اُنکے مخالف قایم کیجا سکے اور جسکا گمان اُنکے خلاف ہوا ہے بیان کرنا چاہیے خلاصہ کہ ان تمام امور کیلئے امر صواب تو یہ تھا کہ اس شبہ کی وجہ سے احادیث نبویہ کو ترک کرنیکی عوض علماء اسلام ہر حدیث کی تطبیق پوچھتے جس کا ظاہر اُنھیں کسی عقلی قطعی دلیل کے خلاف معلوم ہوتا تھا اور وہ اُس کی نہایت استوار طریقہ پر تطبیق بیان کر دیتے اور اُسوقت اُنپر یہ بات ظاہر ہو جاتی کہ دین اسلامی کی نصوص میں سے حقیقت اور نفس الامر کے اعتبار سے کوئی شے بھی عقل کے مخالف نہیں اور بعض نصوص میں جو بظاہر مخالفت کا خیال گذرتا ہے اُسکی وجہ یا تو فہم کا قصور ہے یا علم کی کمی ہے یا کسی حکمت الٰہی کی وجہ سے وہ نص ہی اُس طرح متشابہ بطور ایسے طرز پر وارد کی گئی ہے جس سے بظاہر مخالفت معلوم ہوتی ہے اب وہ حکمت یا تو یہ کہ شرعی نصوص کے سمجھنے میں علماء کی آزمایش اور امتحان کرنا ہے اور یہ کہ متشابہ کی حق کی تلاش اور امر صواب تک رسائی کیلئے وہ انتہا تک کوشش و اجتہاد کرتے ہیں اور یا اسکے سوا کوئی اور حکمت ہو۔ اور میں ایک ایسی کتاب کی تالیف شروع کرنیوالا ہوں جسمیں میرا ارادہ ہے کہ تمام آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کا جنکا ظاہر دلیل عقلی اور اکتشافات و تحقیقات جدیدہ و یقینیہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے بتوفیق خداوندی ذکر کروں اور قواعد متفق علیہا پر قانون عقلی کے موافق اُن میں سے ہر ایک کی مناسب تاویل کر کے تطبیق دوں۔ خدا تعالیٰ و سبحانہ سے میری یہ دعا ہے کہ مجھپر اپنا احسان کرے اور اُس کے تمام کرنیکی توفیق دیکر اپنے دین کی مجھسے یہ خدمت لے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُس شے کی جسمیں حق پایا جاتا ہو ہدایت کرے اور ہمارے دلونکو ایمان پر اور زبانوں کو صدق پر قایم و دایم رکھے اور جس امر میں اُسکی رضامندی اور اُسکے برگزیدہ رسول کی خوشی ہو اُسکی ہمیں توفیق دے اور بطفیل ہمارے سردار سرور عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارا خاتمہ بالخیر کرے اور ہمکو سعادت ابدی عنایت کرے۔ اللّٰھم آمین۔

باقی رہی تنبیہ اُس کا بیان یہ ہے کہ میں اس رسالہ کے ناظرین سے امید کرتا ہوں کہ جہاں کہیں بادی النظر میں انکی سمجھ میں یہ آوے کہ میں نے خطا کی ہو اور میں چوک گیا ہوں تو جس مقام کی میں تقریر کر رہا ہوں اُس کے پورے طور پر سمجھ لینے سے پہلے میرے غلطی پکڑ لینے میں جلدی نہ کریں بلکہ سیاق و سباق یعنی اسکے ماقبل و مابعد کو خوب دیکھ بھال لیں اور یہ بھی مد نظر رکھیں کہ میں نے اس رسالہ کو کس غرض سے تالیف کیا ہے اور اُسمیں کیا ڈھنگ اختیار کیا ہے اور کس کیفیت پر اُس کی ترتیب دی ہے پھر جو حق بات اُن کے نزدیک ظاہر ہو اُسکا حکم لگائیں کیونکہ بیشک میرا اُن آدمیوں میں شمار ہے جو خطا سے معصوم

عہ جس طرح کہ اس قسم کی آیات میں وہ لوگ بھی تطبیق کی کوشش کرتے ہیں سو اس امر میں قرآن و حدیث دونوں شریک و مساوی ہیں پھر ایک کو قبول کر کے دوسرے کو ترک کر دینا محض زبردستی ہے ۔ مترجم

و محفوظ نہیں ہے تو مجھ میں بھلا اپنے خطا سے محفوظ و معصوم رہنے کا کیونکر دعوی کر سکتا ہوں حالانکہ خدا تعالے نے بجز اپنے اور اپنے پیغمبر کے کلام کے کسی شخص کے کلام کیلئے خطا و لغزش سے محفوظ و معصوم رہنا تجویز نہیں فرمایا غایت سے غایت میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے بقدر اپنی کوشش اور طاقت کے امر صواب کی جستجو میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا لیں اب جو کچھ اس میں حق ہو تو اُسکی جانب توفیق خداوندی اور بہ برکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنکی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کے خدام میں ایک میں بھی ہوں میری رہنمائی ہوئی ہے اور جو کچھ اسمیں بھول چوک ہوئی ہو وہ میری فہم کی کوتاہی میری کم علمی اور ہیچ فکر ضعیف کی باعث سے ہے اور میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری لغزشوں پر مواخذہ نکرے گا اور جس کا قصد میرے کلام کی جانچ پڑتال کرنے اور میری غلطیاں نکالنے کا ہو اُسے اختیار ہے لیکن اسکو لازم ہے کہ نیت کو خالص کرکے اسپر پیشقدمی کرے کیونکہ میرا تالیف کرنا محض اسلامی دین کی خدمت بجالانا ہے اس لئے اگر جانچ پڑتال کرنے اور غلطیاں نکالنے والا اسی دین کا پیرو ہے تو آگے بڑھنے سے پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ خدا اور رسول کی خوشنودی اور رضا کس چیز میں ہے اور پھر اسکے بعد جو کچھ کرنا ہو کرے۔

پھر میں اس رسالے میں اگرچہ بعض فلسفی مباحث میں گھس پڑا ہوں لیکن اس سے میرا یہ قصد ہرگز نہیں ہے کہ دین میں فلسفیت کو دخل دوں بلکہ میں نے یہ طرز اس لئے اختیار کیا ہے کہ فلاسفروں کی عقول کو تسکین حاصل ہو اور یہ امر ظاہر ہو جائے کہ اسلامی دین نے اپنے متبعین کو محض ایسے ہی عقائد حقہ کے یقین کرنے کی تکلیف دی ہے جو قانون عقلی صحیح پر بالکل منطبق ہیں اور صرف ایسے ہی احکام کی بجا آوری کا مکلف بنایا ہے جن کا ثمرہ سراسر دین و دنیا کی بہتری ہی بہتری ہے۔

علماء کلام ہی کو دیکھئے کہ اسی غرض کے حاصل کرنے کیلئے فلاسفہ کے ساتھ مباحث فلسفیہ کی تشریح کرنے کیلئے کچھ در پے ہوئے ہیں پس میں کوئی ایسی نئی راہ نہیں چلا ہوں جسپر کہ اسلامی سلف کے علماء نہ چلے ہوں اور جو شخص اس بات سے واقف ہوگا کہ فنون فلسفۂ جدیدہ کی کتابیں اور خود یہ علوم اس زمانہ کے لوگوں میں کسقدر شائع ہو رہے ہیں خصوصاً ان لوگوں میں جو دین اسلامی کی حقیقت پر آگاہی حاصل کرنیکی قدرت نہیں رکھتے وہ جدید فلسفہ کے شوائب اور آلودگیوں سے جسمیں کہ نئی نئی تحقیقاتیں موجود ہیں اسلامی عقائد کو محفوظ رکھنے کی غرض سے اس طریق کے اختیار کرنے اور اسپر چلنے کو ضرور مستحسن سمجھیگا اور یہ وہ فلسفہ اور تحقیقات جدیدہ ہیں جن کا پتہ ان علماء متقدمین کے زمانہ میں نہ لگا تھا جنھوں نے کہ فلسفۂ قدیمہ کے شوائب اور آلودگیوں سے اسلامی عقائد کی حفاظت میں کوئی کسر نہیں رکھی۔

پھر میں بعض بعض مباحث میں اپنے مقابل کے ساتھ ارخاے عنان سے پیش آیا ہوں اور گو اسمیں میں نے یہ اختیار دیا ہے کہ جمہور سنی اہل سنت کے بعض علماء کے اقوال ہی پر وہ اعتماد کرے اور اس سے میری صرف یہ غرض ہے کہ میرے مقابل کو آسانی ہو اور وہ بسہولت دین مبین میں داخل ہو سکے کیونکہ اسکا دین میں داخل ہو جانا گو وہ علماء اسلام میں سے بعض ہی کے قول پر کیوں نہ ہو اسکے تئیں اہل اسلام کے زمرہ میں شمار کئے جانیکے لئے کافی ہوگا اور صفت ایمان سے وہ محروم نہ رہیگا پس یہ امر اسکیلئے اس مسلک مخالفت کے جسپر کہ وہ پہلے تھا نجات کا باعث ہو جائیگا۔ امام غزالی ہی کو دیکھئے انھوں نے

اپنی کتاب تہافت الفلاسفہ میں مخالفین کیلئے بعض معتزلیوں ہی کے قول پر کہیں نسو الزام حجت کو کافی سمجھا ہے اور اُسی پر
اکتفا کیا ہے کیونکہ معتزلہ دیکھیے ہی کیوں نہوں مسلمانوں کی شمار سے تو خارج نہیں ہیں اُنکا کلام قانون اسلام پر ہوتا ہے جیسا
کہ مواقف میں ہے اور قول معتمد کی بنا پر اُن کا مآل کار بھی نجات ہے ۔ اور سب کو جانے دیجیے یہ دیکھئے کہ خدا تعالیٰ نے
قرآن مجید میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسبات کی اجازت دی ہے کہ وہ اُنسے اس قول کے ساتھ خطاب کریں وانا او
ایاکم لعلی ہدی او فی ضلال مبین عہ حالانکہ جس طریق پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اُسکے ہدایت ہونیمیں آپکو ذرا بھی شک نتھا
اور یہ تو صرف مباحثہ اور دلیل کی سماعت کیجانب اپنے مقابل کو مائل کرنے کا ایک خطابی طرز ہے اس سے یہ ہوتا ہے کہ دلیل
اُسکے سامنے بسہولت بیان کر دی جاتی ہے پھر وہ اُسے سمجھ لیتا ہے اور اس طرح وہ دلیل حق پر اُسکو تسکین لانیکا باعث
ہو جاتی ہے اور مقصود حاصل ہو جاتا ہے ۔ یہ اسلامی دین میرا اعتقاد جس کو اپنے دل میں لیکر خدا کے حضور میں حاضر ہوتا ہوں
اور جس کی نسبت میری یہ دعا ہے کہ خدا اسی پر میرا انجام بخیر کرے وہ یہ ہے کہ جتنی چیزیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں
اُن سب کا جس طرح کہ سلف صالحین یعنی صحابہؓ اور تابعینؒ اعتقاد کرتے تھے اُسی کے موافق اعتقاد جازم کے ساتھ میں
بھی معتقد ہوں جو طریقہ کہ اہل سنت الجماعت کا ہے ۔ اور نصوص شرعیہ کے اعتقاد میں تفویض عہ کی بابت بھی اُنہیں کے مذہب
پر ہوں چنانچہ میرا اعتقاد ہے کہ نصوص شرعیہ میں سے ہر نص حق ہے عقل صحیح کے مخالف نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی اُس سے
محال لازم آسکتا ہے اور جو کچھ خدا نے اُس سے ارادہ کیا اُسپر میں ایمان لاتا ہوں اور متشابہات کے معانی میں جو کسی
خاص معنی کی تعیین کا علم خدا کے حوالہ کرتا ہوں لیکن جس وقت میری گفتگو اور میرا مقابلہ ایسے شخصوں سے ہو جو ان نصوص
شرعیہ میں سے کسی پر معترض ہوں یا اُنسے ایسے معانی کا اعتقاد کرتے ہوں جو اصول دین کے خلاف ہیں اُسوقت میں خلفا
رضی اللہ عنہم کا طریقہ اختیار کرتا ہوں اور اُن نصوص کی جن کا ظاہر عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہو ایسی تاویل کر دیتا ہوں
جس سے اُن میں اور عقل میں موافقت ہو جائے جیسا کہ اس قاعدہ کا بیان پیشتر ہو چکا ہے اور یہ بات صرف اس لئے
کیجاتی ہے تاکہ مخالف کی تسکین ہو جائے اور اُسکو یہ الزام دیدیا جائے کہ نص کو اس تاویل سے سمجھ لینا ممکن ہے اور عقل
کرنیوالی مخالفت کو وہ اس طرح پر ترک کر سکتا ہے اور حقیقی اعتقاد ایسی نصوص میں یہی ہو کہ اس نص کے ضرور کوئی صحیح
معنی عقل صحیح کے موافق ہیں اور اس معنی کو یقینی طور پر معین کر کے ہم نہیں بتا سکتے بلکہ اس کی تعیین کا علم خدا کے حوالہ کرتے
ہیں جیسا کہ پیشتر گذر چکا ہے یہی میرا مذہب ہے جس کا میں التزام کرتا ہوں اور یہی میرا مختار ہے پس ہر مقام پر میرے
کلام کو اسی پر محمول کرنا چاہئے اور خدا توفیق دینے والا ہے ۔ پھر میں نے اس رسالہ کے تحریر کرنے میں حتی الامکان ایسے

عہ اور بیشک ہم یا تم یقیناً ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں ۱۲ عہ تفویض سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی نص کی مراد نہ معلوم ہو جیسے کہ حروف مقطعات
یا اُس کی مجمل مراد تو معلوم ہو لیکن اُسکی کوئی خاص کیفیت صاحب شریعت کیجانب سے بیان نہ کی گئی ہو جیسے قیامت میں خدا کی رویت پس ایسی نص
کرنیوالی نصوص میں تو اپنی طرف سے کچھ تعیین نکرنا اور تعیین خدا کے حوالہ کرکے اُسکا مآل اعتقاد کر لینا جسقدر کہ ان الفاظ سے معلوم ہو تفویض ہے ۱۲

طریقہ کا التزام کیا ہے جو عام لوگوں کی فہموں کے مناسب ہو اور جس کو وہ بھی سمجھ لیں حتیٰ کہ بعض بعض مواقع پر جب حج دور ہو گیا ہے یا کسی قسم کا کسی میں خفا رہ گیا تو میں نے عبارت کی عبارت کو بغرض آسانی مکرر کر دیا ہے اور بعض عام لوگوں کے الفاظ بھی میں نے استعمال کئے ہیں اور علاوہ برین بعض اور امور ایسے ہیں جنسے کہ اُن علماء کی تالیفات جو نہایت خوش اسلوبی اور عمدگی سے تالیف کرتے ہیں خالی ملیں گی۔ اور یہ سب کچھ میں نے صرف اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو اور مقام کی توضیح ہو جائے شاید خدا تعالیٰ میرے دینی سررشتہ میں شریک بھائیوں کو اس رسالہ سے نفع بخشے میں اپنے انکسار ضعف اور عجز کے ساتھ خدا کے سامنے زاری کرتا ہوں اور صاحب شریعت مطہرہ وملت منورہ مولانا و سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا توسل کرتا ہوں کہ خدا میرے عمل کو قبول فرماوے اور اپنے بندوں کو اُس سے نفع دے اور میری نیت کو لوجہ اللہ خالص کرے اور ہمارے مولیٰ امیر المؤمنین اور خلیفۂ رب العالمین (سلطان بن السلطان سلطان عبد الحمید خاں) کی دولت کی تائید اور نصرت کرے اور اُنھیں (منافع خلائق) امور کی توفیق دے اور عین عنایت اور اپنی محافظت کے حرز سے اُنکی حفاظت کرے خدا ہی سے خیر وجود کا فیضان ہے۔ آمین یا رب العالمین۔

ترجمہ خاتمہ کتاب مصنف علام

خدا تعالیٰ نے مجھے یوم مبارک جمعہ کی صبح کو آفتاب نکلنے سے پہلے اس رسالہ کے تمام کرنے کی توفیق دی اور یہ یوم سعید ایک ہزار تین سو چھ ہجری کے ماہ شوال کی پہلی تاریخ یعنی عید الفطر کا مبارک دن تھا جسے خدا نے فریضۂ صیام کے ادا کرنیکے بعد اپنے مسلمان بندوں کے لئے باعث راحت و فرحت گردانا ہے اور جسے کہ سال حج کے مبارک عبادت کے مہینوں کی آمد پر سبب بہجت و مسرت قرار دیا ہے اُس خدا کا ہزار ہزار شکر ہے جسکے فضل و احسان کی بدولت نیک کام انجام کو پہونچتے ہیں اور اُسکے تمام انبیاء اور مرسلین خصوصاً افضل الرسل محمد مصطفےٰ نبی امی پر جن کی بدولت ہمیں راہ ہدایت دیکھنا نصیب ہوئی اور ان سبکے آل و اصحاب پر ہزاروں درود اور لاکھوں سلام نازل ہوں۔ آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین فقط

خاتمہ از مترجم

شکر صد شکر ٹھکانے لگی محنت میری — طے ہوئی آج کی منزل میں مسافت میری

۲۰ جمادی الثانی ۱۳۱۵ھ یوم شنبہ وقت ظہر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں احقر خدام علماء کرام و فضلاء عظام عاجز اسحاق بی حنفی عفی عنہ مدرس سوم عربی مدرسہ مذکور کے ہاتھوں یہ ترجمہ بتائید خداوندی اور بتوجہ مربی و مولائی استاذی معتمدی و مستندی جناب حافظ قاری شاہ مولوی محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی ختم ہوا خدا اسکو قبول فرماوے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع بخشے اور عاجز مترجم کو ریا و سمعہ سے محفوظ رکھے اور اس کی نیت کو شوائب نفسانی سے خالص رکھے آمین ثم آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آخر میں مولف رسالۂ حمیدیہ کا تعدد ازدواج عورتوں کے پردہ اور طلاق کے بارہ میں ایک چھوٹا سا رسالہ لگا تھا
تتمیم فائدہ کیلئے اُس کا ترجمہ بھی اسکے ساتھ کر دیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ علی رسول اللہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے خدا کی رحمت کا محتاج حسین الجسر طرابلسی ناظرین کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اسلام کے مہم مسائل میں سے تعدد ازدواج عورتوں کے پردہ اور طلاق کا مسئلہ ہے اور چونکہ اس اثنا میں کسی غیر مسلم کی کتاب ان مسائل پر نکتہ چینی کے بارہ میں میری نظر سے گذری ہے اور اس شخص نے اُس میں پہلے کے دونوں مسئلوں سے تعرض کیا ہے چنانچہ خاصکر پہلے کی نسبت اُس نے یہ کہا ہے کہ تمام عالم میں مردم شماری کے اعتبار سے مردوں کی تعداد عورتوں سے کچھ تھوڑی ہی زیادہ ہوتی ہے اور عجب نہیں کہ عنایت ایزدی اور حکمت الٰہی نے جو یہ رعایت مدنظر رکھی ہے اُسکی یہ وجہ ہو کہ مرد بہ نسبت عورتوں کے زیادہ ہلاک ہوتے ہیں کیونکہ اُنکے موت کے اسباب حادثاً کچھ زائد ہیں جیسے کہ سفر کی مشقتیں اُٹھانا بحری خطروں کو جھیلنا۔ لڑائیوں کی مصیبتیں برداشت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ہر دو صورتوں کی) اس نسبت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خداوندی حکمت نے مرد کیلئے ایک زوجہ سے زیادہ جائز نہیں رکھی ہیں اسلئے زوجات کا تعدد امر طبعی کے مخالف ہے الخ اور اس میں مرد کی ایک سے زیادہ شادیاں کرنے پر جیساکہ یہ ہماری پاک شریعت کا حکم ہے اور اس بات پر کہ یہ حکم نظام طبعی کے خلاف ہے اس مولف نے جو نکتہ (تعریض) کی ہے اور اس کتاب میں اس مولف نے خاصکر دوسرے مسئلہ کی نسبت یہ کہا ہے کہ حق اور انصاف کی بات نہیں ہے کہ عورت کی حقارت کیجائے یا اُسپر ظلم روا رکھا جائے یا اسکو لکھنا پڑھنا یا نہ جائے یا اسکے ساتھ بدگمانی کرکے اُسکو گھر میں بند کر دیا جائے جیسے کہ قیدی بند کئے جاتے ہیں باوجودیکہ مردوں کا گناہوں میں پھنس جانا بہت قریب ہے، اور یہ سنگدلی کی رسمیں ہیں الخ اور اسمیں عورتوں کے پردہ اُور اُن کے گھروں کے اندر رہنے کے بارہ میں ہماری عادل شریعت کے حکم پر جو نکتہ (تعریض) کی ہے اس لئے ہم نے چاہا کہ اس معاملہ میں جو حق بات ہو اُسکو عقلی قانون کے موافق ہم بیان کر دیں کیونکہ مولف مذکور کو شرعی احکام تسکین نہیں دے سکتے اس لئے کہ وہ شریعت کے ماننے والوں میں سے نہیں ہے سو ہمنے بیان کا ایسا طرز اختیار کیا ہے جس سے ہر عاقل کو تسکین

ہو سکے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ مؤلف مذکور نے ایک چیز تو یاد رکھی اور بہت سی چیزوں سے قطع نظر کر لی اُن کا خیال کیا اور بیان اسکا یہ ہو کہ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ مردوں اور عورتوں کی تعداد قریب قریب ہے اس کے بعد بھی یہ امر مخفی نہیں کہ خداوندی حکمت کا مقتضا ہے کہ مرد و عورت کے درمیان نوع انسانی کا توالد و تناسل ہوتا ہے اُسکے افراد بڑھتے رہیں اور اس طرح پر یہ نوع جب تک خدا کو منظور ہو باقی رہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اسکی نقیض ثابت ہوگی اور ہمارے ذمہ واجب ہوگا کہ مختلف ذریعوں سے توالد و تناسل کی تقلیل اور انسان کے نیست و نابود کرنے میں کوشش کریں حالانکہ یہ بات واقع کے خلاف ہے اب یہ دیکھئے کہ توالد و تناسل مرد کے حاملہ کرنے اور عورت کے تخم سے انجام پاتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرد میں حاملہ کرنے کی ہمیشہ صلاحیت باقی رہتی ہے اگرچہ سو برس کا کیوں نہ ہو جائے اور اس عمر کو پہونچ جانا ممکن بلکہ موجود ہے کوئی نادر بات نہیں یہاں تک کہ بعض حکما اس کے قائل ہیں کہ اگر انسان کو موت جلدی نہ آگیرے تو اسکی خلقت اور قدرتی ساخت کا مقتضا یہ ہے کہ سو برس تک زندہ رہے (بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ انسان کی عمر طبعی ایک سو بیس برس کی ہے) رہی عورت تو وہ چونکہ جنین کا بار اٹھانے۔ وضع حمل کی مصیبت برداشت کرنے اور دودھ پلانے سے اُسکی قوت ضائع ہو جاتی ہے اور ان سب باتوں کی وہ اسیوقت متحمل ہو سکتی ہے جبکہ اُس کا جسم اسقدر قوت کو پہونچ جائے۔ لہذا خداوندی حکمت اس بات کو مقتضی ہوئی کہ عورت میں بچہ جننے کی استعداد سن احتلام (سن بلوغ) سے لیکر پچاس برس کے سن تک ہو (جیسا کہ بعض کا قول ہے اور دوسروں کی رائے ہے کہ پچپن برس کی عمر تک اسمیں بچہ جننے کی قابلیت رہ سکتی ہے) اور یہاں سے چونکہ اُسکی طبعی قوت زائل ہونی شروع ہوتی ہے اس لئے باری تعالیٰ حمل کو اس سے روک دیتا ہے اور اس کا خون حیض منقطع کر دیتا ہے جو کہ جنین کی غذا ہے اور مقتضائے لطف و احسان تخم سے جس سے بچہ بنتا ہے اسکو معدوم کر دیتا ہے پس عورت میں بچہ جننے کی قابلیت کل پینتیس برس رہتی ہے اس لئے کہ اکثر وہ پندرہ برس میں بالغ ہوتی ہے اور جب یہ بات ٹھہر چکی تو اب ہم کہتے ہیں کہ عورت اپنے بچہ جننے کی قابلیت کی مدت میں جب بالغ مرد کے پاس رہیگی خواہ اُس کی عمر کا کوئی زمانہ کیوں نہو تو مرد میں برابر حاملہ کرنیکی استعداد رہیگی اور وہ اس امر کا ضرور رہیگا۔ ہاں اگر کوئی غیر طبعی و عارضی سبب ہو جائے تو بات ہی دوسری ہے۔ رہا مرد اُسکی یہ حالت ہے کہ جب وہ عورت کے پاس دونوں کے بالغ ہو جانیکے بعد ہے اور ایک ہی عورت کا ہو رہے تو بسا اوقات اُسے اپنی عمر کی کچھ مدت نسل سے معطل رہنا پڑیگا اپنی تخم ریزی کا کوئی نتیجہ حاصل نہ کریگا بیان اس کا یہ ہے کہ اگر دونوں کا ایک دوسرے کے پاس رہنا دونوں کے ابتدائے بلوغ سے فرض کیا جائے تو عورت کے سن ایاس تک دونوں سے توالد و تناسل ہونا ممکن ہے اور اسکے سن ایاس کو پہونچنے کی مدت پچاس برس ہے پس اگر دونوں ساٹھ برس تک زندہ رہیں گے تو مرد پر عورت دس برس معطل رہیگی یعنی عورت کیوجہ سے مرد کو دس برس تک نسل سے معطل رہنا پڑیگا اور اگر دونوں ستر برس جئیں گے تو مرد پر بیس برس معطل رہیگی اسی طرح یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ اگر دونوں سو برس زندہ رہیں گے تو مرد پر اُسے پچاس برس تک معطل رہنا پڑیگا۔ اور ایسا ہی اُسوقت بھی کہا جا سکتا ہے جبکہ مرد و عورت دونوں ہم سن ہوں اور عورت سن ایاس

کو پہنچگئی ہو اور اُس وقت کسی وجہ سے دونوں میں مفارقت ہوئی ہو۔ اور جب یہ صورت لی جائے کہ سن کے اعتبار سے دونو میں مخالفت ہو تو مرد کو عورت سے بڑا فرض کرینگے بنا پر غالب یہ ہے کہ عورت اُسوقت بھی مرد پر حلال ہی رہیگی حتی کہ اگر یہی فرض کر لیا جائے کہ جسوقت عورت اور مرد میں مفارقت ہوئی ہے اُسوقت مرد پچاس برس کا اور عورت پندرہ برس کی تھی اور پھر دونوں کی عمر سو برس کی ہوئی تب بھی عورت مرد پر پندرہ برس تک حلال رہیگی لیکن اگر عورت عمر میں مرد سے بڑی فرض کیجائے تو اب مرد کا بہت بڑا نقصان ہوگا اور اُسوقت حلال رہنے کا زمانہ مرد و عورت کے سن کے فرض کرنے کے اعتبار سے متفاوت نکلے گا اور زیادہ سے زیادہ جو یہاں متصور ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی سبب سے اُسوقت مرد و عورت میں مفارقت ہوئی ہو جبکہ مرد پندرہ برس کا اور عورت کا سن ایاس سے کچھ پہلے ہو پس اگر یہ عورت اُس مرد سے ایک بچہ جنکر الگ ہو جائیگی تو مرد کی سو برس کی عمر فرض کرینگی بنا پر عورت پچاسی برس تک اُس پر حلال رہیگی پس اگر مرد کیلئے ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ مفارقت کے بعد نکاح کر لینے سوائے اس تفاوت کے اور کوئی سبب مقتضی نہ بھی ہوتا تب بھی یہ بالکل کافی تھا اس لئے کہ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ مرد اپنی تولید کی قابلیت کے زمانہ میں عورت پر ایک دن بھی حلال نہیں ہوتا اور وہ بہتیرے برسوں تک اُس پر حلال رہتی ہے پس مرد کیلئے ایک سے زیادہ مفارقت مباح کر دینے سے اُسے جو حلال رہنے کا احتمال تھا اس کا تدارک کرنا ممکن ہوگا۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ بنظر اسکے کہ خدا نے بخلاف عورت کے مرد ہی کو کمانے کی قوت اور اُس کے شدائد کے تحمل کی طاقت عنایت کی ہے اسلئے مرد ہی اہل و عیال کا خبر گیراں قرار دیا گیا ہے اور عورت کے نان و نفقہ کا سامان بھی اُسی کے ذمہ ہے اور اُسکے مقابل میں عورت کے متعلق یہ کام کیا گیا ہے کہ وہ خانہ داری کا انتظام اور اولاد کی پرورش کرے اور یہ بات انسان کیلئے ایک طبعی امر کیطرح ہو رہی ہے اور بعض جو اسکی مخالفت کرتے ہیں وہ نظام خداوندی اور اس طریق کے خلاف چلتے ہیں جسکے ساتھ عام طور پر طبیعتیں مالوف ہو رہی ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ محتاج اور ایسے لوگ جو زوجہ کے نان و نفقہ کے بار اُٹھانے سے قاصر ہیں بہ نسبت مالداروں کے جو اسکی قدرت رکھتے ہیں اکثر ممالک میں بکثرت ہیں اگرچہ بعض بعض ممالک میں سب قریب قریب درجہ کے مالدار بھی موجود ہیں۔

پس جو ممالک پہلی قسم کے ہیں اسمیں کوئی شک نہیں کہ وہاں کے بہتیرے محتاج آدمی عورت کے نان و نفقہ کے بار اُٹھانے کے خوف سے شادی نہیں کرتے بلکہ عادل شریعت جب وہ اپنی نسبت یہ جانتے ہوں کہ نان و نفقہ سے عاجز ہونیکے باعث سے وہ عورت کی حق تلفی کرینگے تو اُنکو شادی کرنے سے روکتی اور منع کرتی ہے اور بعض ائمہ کے نزدیک تو جبکہ خاوند عورت کے نان و نفقہ سے عاجز ہو تو اُس ظلم کے دفع کرنے کیلئے جس کو عقلیں ناگوار سمجھتی ہیں حاکم کو یہانتک حق حاصل ہے کہ ان دونوں میں تفریق کر دے اور ان ایام میں ہم ایسے عاجز مردوں کی زیادہ تعداد دیکھتے ہیں اور اگر ان کے ساتھ فوجی آدمیوں کو بھی ہم ملا لیں تو مجرد مردوں کی تعداد میں اور اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ فوج میں نوکری کرنے والے اس خوف سے شادی کرنے سے باز رہا کرتے ہیں کہ فوجی کام کی انجام دہی کے زمانہ میں وہ اپنی زوجہ کو بلا کسی خبر گیراں کے

چھوڑنا پڑے گا پس جب مرد کیلئے ایک عورت سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا جائز نہ رکھا جائیگا تو وہ عورتیں جوان بیجوڑ مردوں کے مقابلہ میں بیٹھی رہیں گی تو الد و تناسل سے معطل رہیں گی اور جو خداوندی حکمت نوع انسانی کی زیادتی اور اسکے ازدیاد کے باقی رکھنے کے بارہ میں تھی وہ باطل ہو جائیگی لیکن جب مرد کیلئے یہ بات مباح کر دیجائے کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرسکے تو جو لوگ نان ونفقہ پر قدرت رکھتے ہوں گے تو وہ عورتوں کی اس تعداد میں سے جو نسل سے معطل ہوتی تھیں ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرسکیں گے اور اسوقت ان بیچاریوں میں جو تو الد و تناسل کی استعداد پائی جاتی تھی وہ ضائع نہ جائیگی اور نظام خداوندی مختل ہونے سے محفوظ رہیگا اور بغیر اسکے ان مصیبت زدہ عورتوں کی اسی طرح عمر گذر جائیگی اور نوع انسانی کو ان سے ثمرہ حاصل نہو سکیگا جو کہ یادگار رہ سکے۔

رہے دوسری قسم کے ممالک یعنی جہاں کے رہنے والے قریب قریب برابر درجہ کے مالدار ہیں ممکن ہے کہ وہاں ہر مرد ایک ہی عورت سے شادی کرے اور وہاں کی عورتوں میں سے کوئی معطل نہ رہنے پائے اور ایسے مقامات میں مرد خود ہی ایک سے زیادہ شادی نہ کرے گا اس لئے کہ جب وہ شادی کرنا چاہیگا تو اُسے فاضل عورت ملے ہی گی نہیں کیونکہ حساب کی رو سے تعداد ختم ہو چکی اور اگر کوئی کہے کہ اس تفصیل کا تو یہ مقتضا ہے کہ صرف پہلی قسم کے ممالک کے رہنے والوں کیلئے ایک سے زیادہ عورتیں مباح کر دیجائیں نہ کہ دوسری قسم کے تو ہم کہیں گے کہ یہ بات معلوم ہے کہ ممالک محتاجی اور مالداری کے اعتبار سے ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتے بلکہ زمانہ کے دوران میں ہر مملکت پر دونوں قسم کے حال آتے جاتے رہتے ہیں اور اسکا منضبط کرنا اور اس کیلئے زمانہ کی کوئی حد مقرر کر دینا ممکن نہیں اور بالفرض اگر اسکا انضباط ممکن ہو اور اسکی کوئی حد مقرر بھی کیجائے تو جب اس معترض کے کہنے کے موافق حکم دیا جائیگا تو نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ہمیشہ اختلاف رہے اور زمانہ کی ہر مدت میں حکم اپنی ضد سے بدلتا رہے اور بسا اوقات یہانتک نوبت پہونچ جائیگی کہ ایکسال تو مرد کیلئے بہتیری عورتوں سے شادی کرنا جائز کر دیا جائے اور اُسکے بعد والے سال میں اس سے روکنا پڑے یا اس کے بالعکس معاملہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ مملکت ایک ہی سال میں مالدار ہو جائے اور پھر محتاج بھی بنجائے یا اسکا اُلٹا معاملہ ہو اور خداوندی احکام اس مرتبہ کے نہیں ہو سکتے کہ آئے دن بدلا کریں اور ان میں تبدیل و تغییر کے ایسے ابواب نہیں کھل سکتے جس سے خود غرض اور شہوت راں انسان اُن احکام کو کھیل بنا سکیں پس تقریر سابق سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ مولف مذکور کے قول کے خلاف متعدد زوجات کا جائز ہونا ہی امر طبعی و عقل سلیم کے موافق ہے۔ رہا ازدواج کا چار ہی میں منحصر کر دینا اس سے مولف مذکور نے کچھ تعرض نہیں کیا ہے لیکن ہم بھی اسی تقریب میں اسکی حکمت بھی ذکر کئے دیتے ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ اس حکم میں ایک شرعی حکمت بھی ہے مگر اسکے ذکر کا یہ موقع نہیں کیونکہ مولف مذکور ہماری شریعت کے ماننے والوں میں سے نہیں ہے یہانتک کہ شرعی حکمتوں سے اُسکے خیالات کو تسکین حاصل ہو سکے ہاں اسکی عقلی حکمت ایسی ہے جو اُسکے امور مانوسہ کے طرز پر ہے اور اس سے مولف مذکور کی تسکین ہو سکتی ہے۔ بیان اسکا یہ ہے کہ ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ نان ونفقہ سے عاجز آدمی شادی کرنے سے باز رہا کرتا ہے اور جو اسپر قادر

ہوتا ہے وہ اسپر پیشقدمی کرتا ہے اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ تلاش و استقراء سے کسب معاش کے چار ہی قسم کے عادی ذریعے نکلتے ہیں حکومت. تجارت. صناعت. زراعت. پس گویا باری تعالیٰ نے ہر ہر سبب کے مقابلہ میں ایک ایک زوجہ جائز رکھی پس جب کسی مرد کو سارے اسباب میسر آجائیں گے تو وہ چار عورتوں کو رکھ سکیگا اور جب ان ذرائع میں کوئی ذریعہ اس سے مفقود ہوجائے تو وہ تین ہی عورتوں پر اقتصار کریگا علی ہذا القیاس یہانتک کہ جب کسی سے سارے ذرائع مفقود ہوجائیں تو وہ شادی نہ کرے اور یہ امر مالداروں ہی کو لائق ہے اور جب کسی کو ایک ہی ذریعہ سے اسقدر فراغت نصیب ہوجائے کہ دوسرے ذریعہ کے قائم مقام ہوسکے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو تو وہ بقدر اپنی وسعت کے شادیاں کرسکے گا. اب اگر آپ تقریر گذشتہ اور اس تقریر کو سمجھ گئے ہونگے تو آپ پر اسکا راز بھی کھل جائیگا کہ مردوں کو لونڈیوں میں سے چار سے زیادہ عورتوں کو سُرّیہ بنانا (یعنی ان کو جماع کیلئے متعین کرلینا) کیوں جائز کیا گیا اسلئے کہ ایسی عورتیں جس مملکت میں کہ لائی جاتی ہیں وہاں انکے مقابلہ میں مردوں کی تعداد نہیں پائی جاتی پس جس حالت میں کہ نادار لوگ انکے مالک بننے کی قدرت نہیں رکھتے اور مالداروں کیلئے بھی انمیں سے کئی عورتیں جائز نہ ہوتیں تو وہ نسل سے معطل رہجاتیں پس مالداروں کے لئے لونڈیوں میں سے کئی عورتیں جائز کردینا عین حکمت ہے اور اسقدر بیان سوچنے سمجھنے والے آدمی کیلئے بالکل کافی معلوم ہوتا ہے رہا جو کچھ کہ مؤلف مذکور نے تمامکر دوسرے مسئلہ کے بارہ میں اپنی کتاب میں بیان کیا ہے اور مردوں سے عورتوں کا پردہ ہے تو اسکی نسبت ہم کہتے ہیں کہ عورتوں کا اجنبی مردوں سے پردہ کرنا تو ایک ایسی بات ہے جسے عقل سلیم ضروری سمجھتی ہے اور جو کہ انسانیت. نظام خداوندی اور قانون طبعی سبکے نزدیک مستحسن ہے اور بیان اسکا یہ ہے کہ ہم پیشتر ذکر کرچکے ہیں کہ نان و نفقہ کے سامان کی تکلیف طبعی طور پر مرد ہی کو دی گئی ہے. رہی عورت وہ صرف انتظام خانہ داری اور اولاد کی پرورش کی مکلف ہے اور یہی علی العموم مالوف طریقہ ہے اور اسی کو عقلیں بھی مستحسن شمار کرتی ہیں اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ مردوں اور عورتوں کے اختلاط میں بے حیائی کے ارتکاب کرنے کے بہت سے سبب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ دونوں طرف ہوس کا پورا مقتضا موجود ہوتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ دیکھنے بھالنے کو اس امر قبیح کے ارتکاب میں بڑا دخل ہوتا ہے جس کو کہ تمام شریعتیں حرام بتاتی ہیں اور عقلیں برا سمجھتی ہیں کیونکہ اس کے سبب نسب مشتبہ ہوجاتے ہیں اور باہمی ہمدردی کو ضعف لاحق ہوتا ہے اور اسکی برائی اسقدر ہے کہ جسکی کوئی حد نہیں اور اس کے ثبوت میں اتنا ہی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بہت سی امتوں کو اس فعل شنیع کے ارتکاب کے باعث سے ہلاک کرڈالا ہے پس جس قانون سے کہ اسکی کثرت رک سکتی ہے وہ صرف یہی ہے کہ اجنبی مردوں اور عورتوں کا باہمی اختلاط سے روکا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ امر بغیر اسکے کہ دونوں فریق میں سے ایک کو گھر کے اندر رہنے کا پابند کردیا جائے انجام نہیں پاسکتا اور جب ہم مردوں کو دیکھتے ہیں کہ انکو گھر کے باہر تمام مصارف خانہ داری حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنیکا مکلف بنایا گیا ہے اسلئے وہ تو گھر میں رہنے کے پابند کئے نہیں جاسکتے البتہ بنظر اسکے کہ عورتیں خانہ داری کے اندرونی انتظامات کی مکلف ہیں تو گھروں کے اندر رہنے کا پابند ہونا انہیں کے مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ گھر میں کام کی کہ عورتیں مکلف

ہیں یہ اُسکے موافق ہے پس عورتوں کا گھر کے اندر ہی رکھنا عین حکمت ہے اور اگر کہا جائے کہ عورتوں کو گھروں کے اندر ہی رکھنے سے اُنکو ضرر پہونچیگا تو ہم کہیں گے کہ اس سے کیا کچھ ضرر کیوں نہ فرض کر لیا جائے لیکن مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے جو ضرر ہوگا وہ ضرر اس سے کہیں بڑھکر اور نہایت شدید ہوگا اور دو ضرروں میں سے ادنیٰ درجہ کے ضرر کا ارتکاب کر لینا معقول بات ہے اور شرع کے بھی موافق ہے اس لئے شریعت نے عورتوں پر پردہ کا حکم لگایا ہے اور یہ حکم عورتوں کی مصلحت کے جسکی کہ وہ مکلف ہیں اور نیز نوع انسانی کی مصلحت یعنی حفاظت نسب کے بالکل موافق ہے علاوہ بریں جو عورتیں اپنے بچپن سے پردہ ہی میں پلی ہوئی ہیں اُنپر تو اس ضرر کا نام و نشان بھی نہ پایا جائیگا اور یہ اس لئے کہ یہ امر اُنکی عادت مالوفہ میں داخل ہو جائیگا اور یہ مخفی نہیں کہ عادت سے ایسی ایسی چیزیں قبول کرنیکی انسان میں قابلیت آجاتی ہے جنسے کہ عادت نہ ہونیکی صورت میں وہ بالکل عاجز ہوتا چنانچہ مؤلف مذکور نے خود اپنی اس ہی کتاب میں کہا ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ انسان بہت سی اشیاء کا عادی بن سکتا ہے جو ہے وہ زہر ہی کیوں نہ ہو اس طرح پر کہ وہ ایسی مقدار اسمیں سے کہا سکتا ہے کہ اگر ایسا شخص جسکو عادت نہ ہو وہ مقدار کھائے تو اُسے سخت ضرر پہونچے پس ہم عورتوں کو جو پردہ کی عادی ہو رہی ہیں دیکھتے ہیں کہ وہ پردہ میں اپنے پر فخر کرتی ہیں اور اسکو اپنی آبرو کی حفاظت کا بہت بڑا سبب شمار کرتی ہیں اور بے پردہ عورتونکو جو پردہ کا خیال نہیں کرتیں اور اُنکو بے حیائی اور اپنی آبرو کی حفاظت نہ کرنیکی جانب منسوب کرتی ہیں اور اسکی وجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ وہ پردہ کی عادی ہو رہی ہیں اور اُسکے ساتھ مالوف ہو گئی ہیں اور بے پردگی کے ساتھ رہنے سے پردہ کو اُنھوں نے اپنے حق میں بہتر پایا ہے پس جبکہ یہ بات بخوبی تو ظاہر ہو گیا کہ عورتوں پر پردہ کا حکم اُنکے حقوق کو تلف نہیں کرتا اور نہ ظلم و سنگدلی شمار کیا جا سکتا ہے اور اس مؤلف مذکور کا قول اُسکے خلاف ہے جسنے کہ دل شریعت کے اسرار سے ذرا بھی واقفیت نہیں اُس نے جو چاہا اُلٹا سیدھا بک دیا ۔ رہا مؤلف مذکور کا عورتوں کی تحقیر اور اُنپر ظلم کرنے اور اُنکو نوشت خواند سے محروم رکھنے کے بارہ میں کہنا ہے تو یہ خود ایک ایسا امر ہے جسکو ہماری روشن شریعت جائز نہیں رکھتی اور اسکے خلاف کا حکم کرتی ہے اور اس تحقیر یا ظلم کے ارتکاب کو شرع کے مقدس احکام کی مخالفت شمار کرتی ہے پس مؤلف مذکور نے اس امر کا جو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے تو ہمارے خیالات کو اس سے کوئی واسطہ اور لگاؤ نہیں اور نہ اس بارہ میں ہمیں اُس سے گفتگو کرنیکی کوئی ضرورت ہے کیونکہ ایسی تحقیر و ستم سے خود ہماری شریعت منع کرتی ہے ۔

رہا طلاق کا مسئلہ سو مجھے اب خبر پہونچی ہے کہ ایسے ہی لوگوں میں سے کسی شخص نے ایک کتاب کی تالیف شروع کی ہے جس کا نام اُس نے "الطلاق" رکھا ہے بظاہر یہی ہے کہ اُس فرقہ کے مذہب میں طلاق جائز ہے اُسے رد کرنا مقصود ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ ہمیں وہ کیا دلیل پیش کرے گا لیکن اب ہم ایسی تقریر بیان کرتے ہیں جس سے یہ امر مدلل اور مبرہن ہو جائے کہ طلاق کا جائز ہونا عقل کے موافق ہے اور اس سے منع کرنا نظام خداوندی اور ترتیب طبعی کے منافی ہے سوا اپنی بڑائی کے زعم میں ہٹ دھرمی کرنے والے کے اس کا کوئی مخالف نہیں ہو سکتا پس ہم کہتے ہیں کہ اس رسالہ کے شروع

ہم پیشتر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حکمت الٰہی اس امر کو مقتضی ہے کہ نوع انسانی میں توالد و تناسل جاری رہے اور اُنکی کثرت ہوتی رہی اور یہ کہ مرد میں سن احتلام سے لیکر مرتے دم تک تولید کی استعداد و قابلیت رہتی ہے اور عورت میں سن احتلام سے لیکر صرف سن یاس ہی تک تولید کی قابلیت پائی جاتی ہے اُس کے بعد نہیں رہتی اور اس مدت کی کل مقدار پینتیس سال ہوتے ہیں پس جب خاوند و زوجہ میں مقارنت ہو اور اُن دونوں میں توالد و تناسل نہ پایا جائے اور یہ ثابت ہوتا ہے تو اس صورت میں اتنے احتمال ہونگے کہ اس کا مانع یا تو خاوند کی جانب ہے پس جس حالت میں کہ طلاق ممنوع ہو تو ان دونوں کی ساری عمر لاحاصل کے گذر جائیگی اور اگر ان دونوں میں سے کسی میں تولید کی استعداد موجود ہوگی تو اُسے نسل سے ناحق معطل رہنا پڑیگا اور کبھی کبھی اس معطل رہنے کی مدت پچاسی برس تک متصور ہو سکتی ہے لیکن جب طلاق جائز ہوگی تو وہ کچھ دن صبر کرنے کے بعد اس عورت کو طلاق دیکر دوسری عورت سے مقارنت کر سکے گا اور اُس عورت کو بھی دوسرے مرد سے مقارنت کرنا ممکن ہوگا۔

پس اُن دونوں میں سے جس میں تولید کی استعداد ہوگی اُسوقت وہ نسل سے کامیاب ہو سکے گا اور معطل نہ رہیگا۔ اور جس میں استعداد نہ ہوگی اُسپر اپنی حقیقت حال کے ظاہر ہو جانے سے اُسکو دلی راحت نصیب ہو جائیگی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان دونوں میں تولید نسل کی استعداد موجود ہوتی ہے لیکن ان دونوں کے آلات تناسل متوافق نہیں ہوتے پس جب دونوں میں مفارقت ہو جائیگی تو ان میں سے ہر ایک کو ممکن ہوگا کہ کسی دوسرے سے مقارنت کر کے نسل حاصل کر سکے اور اپنی تولید کی استعداد کے ثمرہ سے محروم نہ رہے اور یہاں پھر ہم اس امر کیطرف رجوع ہوتے ہیں جسکی بحث ہم پہلے کر رہے تھے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں جب مرد اس عورت کو طلاق دینے میں توقف کرنا چاہے جو کہ اُس سے حاملہ نہیں ہوئی تو اُسے (تعدد ازواج کی بنا پر) ممکن ہوگا کہ اس بات کے ظاہر کرنیکی غرض سے کہ حمل کا مانع کسی جانب سے ہے کسی دوسری عورت سے مقارنت کرے۔ پس اگر وہ مانع زوجہ کی جانب سے ظاہر ہو تو اس صورت میں اگر وہ چاہیگا تو اُسے بدستور عقد میں باقی رہنے دے اور اُس فضل و احسان کو جو اُس کے اور زوجہ کے مابین ہے نہ بھولے سمجھے کہ اب اُسکے طلاق دینے سے کیا فائدہ کیونکہ وہ دوسرے سے مقارنت کر کے نسل تو حاصل کر ہی نہیں سکتی اسلئے کہ اُسمیں سبب مانع حمل موجود ہے اب اُسکے حق میں یہ خاوند اور دوسرا شخص دونوں برابر ہیں اسلئے اگر خاوند چاہے تو اُسے اپنے پاس رہنے دے) اور اگر یہ ظاہر ہو کہ حمل کا مانع خود اُسی خاوند ہی کی جانب سے ہے تو اُسے اس عورت کو اپنے پاس رکھنے کا اختیار ہے اور ہم قانون سابق کے مقتضا کے موافق یہ نہیں کہتے کہ اُسے اُسوقت طلاق دینا واجب ہے تاکہ وہ عورت دوسرے سے مقارنت کر سکے کیونکہ اُس عورت میں استعداد تولید کا پایا جانا ہی متیقن نہیں ہے بلکہ اسمیں شک ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عورت میں بھی استعداد تولید موجود نہ ہو اور احکام شک پر مبنی نہیں ہوا کرتے۔

پھر کبھی طلاق کے جائز کئے جانے کا ایک اور بڑا اہم اور ضروری سبب پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خاوند و زوجہ میں نفرت

پیدا ہو جائے اور اُسکے بہت سے اسباب ہیں مثلاً یہ کہ کسی مزمن مرض کا لاحق ہونا۔ بدصورت ہو جانا۔ آلۂ تناسل کا معطل ہونا عورت کا اپنے خاوند کی اولاد کے نسب محفوظ رکھنے کے بارہ میں اس طرح اُس سے خیانت کرنا کہ اُسکو خاوند ظاہر نہ کر سکتا ہو اور حاکم کے روبرو ثابت کرنا اُسے ممکن نہ ہو پس اگر طلاق ممنوع ہو گی تو اس حالت میں دونوں کی زندگی تلخ ہو جائیگی اور دونوں کے دونوں اپنی تمام عمر اس تلخی کا مزہ چکھتے رہیں گے اور اُن دونوں کی آنکھوں میں فساد اور بے حیائی کے دروازے کھل جائیں گے لیکن جب طلاق جائز ہو گی تو دونوں اس تنگی اور اس بے لطفی سے چھٹکارا پانیکا قصد کرینگے اور بے حیائی کے ارتکاب سے اور نیز دیوث بننے سے محفوظ اور پاک و صاف رہ سکیں گے۔

باقی رہا یہ امر کہ طلاق صرف خاوند ہی کے ہاتھ میں کیوں رکھی گئی عورت کے اختیار میں کیوں نہ ہوئی اسکی یہ وجہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کی عقل عورت سے زیادہ درست اور ثابت ہوا کرتی ہے اور عورت کے خیالات ذرا سی بات میں فوراً بدل جایا کرتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ امر علی العموم مسلم ہے اور پہلے یہ گذر چکا ہے کہ عورت کے نان و نفقہ کی مرد ہی کو تکلیف دی گئی ہے پس جب عورت سے اُسے کسی قسم کی نفرت پیدا ہو جائیگی تو مرد کے نزدیک راجح یہی ہوگا کہ جہاں تک ہو سکے اسکو برداشت کرے اس نفرت کے کہ اُس کی عقل ثابت اور قوی ہے اور نیز اُسے یہ خوف بھی لگا ہو گا کہ جو کچھ اس نے عورت پر خرچ کیا ہے کہیں ضائع اور برباد نہ ہو جائے پس اسوجہ سے اُسے طلاق دینے اور اسکی مفارقت اختیار کرنے سے حتی المقدور باز رہیگا۔

رہی عورت چونکہ وہ ان دونوں باتوں سے یعنی قوت عقل اور خوف ہلاک نفقہ سے خالی ہے نہایت قریب ہے کہ جب ذرا بھی کوئی نفرت کا باعث پایا جائیگا تو وہ بلا تامل طلاق دینے اور اُسکی مفارقت اختیار کرنے پر آمادہ ہو جاوے گی اور اُسکو چھوڑ دوسرے کو جا ڈھونڈیگی پس اسواسطے خداوندی حکمت کا یہ مقتضا ہوا کہ طلاق مرد ہی کے ہاتھ میں ہے نہ کہ عورت کے قبضہ میں اور یہی عین حکمت ہے پس سمجھدار سوائے اُس حالت کے کہ وہ بالکل مضطر ہو جائے طلاق دینے پر کبھی پیشقدمی نہ کریگا۔ رہا بعض بیوقوفوں کا ذرا سی بات میں طلاق دینے پر پیشقدمی کرنا سو یہ بات حکم شرعی اور نظام عقلی کے خلاف ہے اور خدا اسکو پسند نہیں کرتا جیسا کہ ائمہ اعلام نے اسکی تصریح کی ہے۔

منصف کیلئے اس قدر بیان بالکل کافی ہے اب ہم اس زمانہ کے متمدن (سویلائزڈ) فرقوں کے کچھ حالات جس سے کہ ہماری تقریر کی تائید ہوتی ہے ذکر کرکے اپنے کلام کو ختم کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ فرقے جو اشیاء ہماری شریعت نے مباح کی ہیں اُن کو مستحسن شمار کرنے لگے ہیں چنانچہ ان فرقوں میں سے بعضوں نے دو شادیاں جائز کر دی ہیں لیکن دوسری زوجہ اور اس کی اولاد کی بڑی بدنصیبی ہو کیونکہ نہ اُسکو یہ لوگ مذہبی زوجہ شمار کرتے ہیں اور نہ اُسکی اولاد مذہبی اولاد سمجھی جاتی ہے پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ متعصب مؤلف عورتوں کیلئے یہاں کیا کہیگا اور بعض ممالک میں طلاق بھی جائز کر دی گئی ہے جیسا کہ اخباروں میں یہ بات شائع و ذائع ہو چکی ہے۔ جملہ تصنیف

وثنا کا خدا ہی مستحق ہے جس نے ہماری شریعت کو ایسا بنایا کہ عقلیں اس کے احکام کو اچھا سمجھتی ہیں اور اسکے نظام معقول کی پیروی کرتی ہیں ہم ان مؤلف صاحب اور انھیں کے ایسے اور صاحبوں سے امید کرتے ہیں کہ اپنی کتابوں میں ایسی باتوں سے تعرض نہ کیا کریں جنکو ان کے پڑوسیوں (اہل اسلام) کے خیالات سے تعلق ہو بلکہ انکے علاوہ اپنے علوم کو شوق سے بیان کریں اور تحریر کریں ورنہ یاد رکھیں کہ مقدس شریعت کے احکام خداوندی حکمت اور نظامات عقلیہ پر مبنی ہیں ان کی ضعیف رائیں ان میں ہرگز خلل نہیں ڈال سکتیں اور انکے اس کثرت سے حامی کار لوگ موجود ہیں جو اس پر سے اعتراضات دفع کر سکتے ہیں اور قیامت تک دفع کرتے رہیں گے۔ والحمد للہ رب العالمین فقط۔ ۴ر رجب ۱۳۱۵ھ ہجری کو بعد ظہر یہ ترجمہ مترجم صاحب کا ختم ہوا۔ نقلہ خاکسار محمد انعام اللہ عفی عنہ

تقریظ حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی

بسملاً و حامداً و مصلیاً

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست ۔۔۔ آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدید

مدت سے یوں دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسی کتاب جمع کیجاوے جس سے اُن خیالات کی اصلاح ہو جو بوجہ ناواقفیت علوم دینیہ کے بعض نوجوانوں کو تعلیم فلسفہ جدیدہ سے اسلامی فروع و اصول میں پیدا ہو گئے ہیں۔ اسی اثنا میں اتفاقاً ایک کتاب حمیدیہ نام نظر سے گذری جو اس غرض کی تکمیل کیلئے کافی و وافی ثابت ہوئی چونکہ وہ عربی زبان میں تھی اس لئے اپنے ہم وطن بھائیوں کیلئے اردو میں اس کا ترجمہ ہونا مناسب معلوم ہوا چنانچہ بفضل خداوندی عزیزی مکرمی مولوی سید اسحاق علی کانپوری سلمہ اللہ تعالیٰ بالفیض الخفی والجلی کے ہاتھوں یہ کام بخیر و خوبی اتمام کو پہنچا۔ و اول سے آخر تک میری نظر سے گذرا۔ اصل و ترجمہ کی خوبی کا بیان کرنا شاید مبالغہ شاعرانہ پر محمول ہو اس لئے اہل انصاف و فہم کے ملاحظہ اور اصل و ترجمہ کی تطبیق پر اُسکو حوالہ کیا جاتا ہے اتنا البتہ کہنے کو بے اختیار دل چاہتا ہے کہ مصنف و مترجم نے اپنے ہم چشموں میں گویا خرق عادت کر دکھلایا جزاہم اللہ تعالیٰ عن جمیع المسلمین خیر الجزاء و جعل عقباہما خیراً من الابتداء۔ اب خدا تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ یہ ترجمہ چھپ جاوے اور ہر طالب علم عربی و انگریزی مدارس کا اس سے منتفع ہو اور ان سب کیلئے یہ سرمایہ ہدایت و اہتداء ہو۔ آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

کاتب الحروف۔ ناچیز اشرف علی تھانوی غفرلہ ولوالدیہ۔ ۱۰ رجب ۱۳۱۵ھ ہجری